اردو

مختصر سیرت نبوی ﷺ

یہ کتاب شیخ موسی بن راشد العازمی حفظہ اللہ کی مشہور کتاب

المختصر في السيرة

کا اردو ترجمہ ہے۔

از قلم:

أبوعبدالله النوري

(داعی ومترجم صیح اسلامک گائڈینس سینٹر-القصیم)

ناشر

مولانا ابوالکلام آزاد یتیم خانہ

المختصر

في السيرة النبوية

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مختصر سیرت نبوی

تالیف/موسی ابن راشد العازمی.
ترجمہ/ممتاز عالم نسیم احمد نوری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ رب دو جہاں کے لیے ہیں اور درود و سلام کے نظرانہ ہوں رسولوں کے سردار تمام جہانوں کی جانب اللہ کی رحمت ہمارے نبی محمد اور ان کے ال اور پاک ساتھیوں پر، بعدہ:

مجھ سے میرے بعض قابل قدر بھائیوں نے طلب کیا کہ میں سیرت نبوی کے سلسلے میں ایک مختصر اور جامع کتاب تعریف کروں تاکہ یہ بھی عوام کے لیے سنت اور سیرت نبوی کو اسان کرنے کے ذہن میں ان کے پروجیکٹ کا حصہ بن سکے تو میں نے ابتدا میں سیرت نبوی اور اس کے دیگر پہلوؤں کی خدمت سے متعلق اپنے مشروع میں مشغولیت کی وجہ سے معذرت پیش کر لی مگر پھر انہوں نے دوبارہ مجھ سے رابطہ کیا اور ان کی شدید طلب کے بعد میں نے کہا میں اس بارے میں غور کروں گا پھر میں نے اس کے بعد صرف نبوی سے متعلق متقدمین اور متاخرین کی مختصر کتابوں میں غور کرنا شروع کیا تو میں نے ان کے ان کتابوں میں بہت ہی مبارک کوششیں محسوس کی اور میں نے اس علم یعنی سیرت نبوی سے متعلق بہت سے ان فوائد ترجیحات اور تحقیقات جمع کر رکھے تھے جو ان سے اپنی مختصر کتابوں میں چھوٹ گئے تھے چنانچہ میرا دل سیرت سے متعلق مختصر اور جامع اور مضبوط کتاب لکھنے سے متعلق مطمئن ہوا جو ایک جلد سے متجاوز نہ ہو گی اور اس مختصر کتاب میں میری شرط یہ ہے کہ میں ایک حدیث میں راجح قول ذکر

کروں گا یا وہ بات ذکر کروں گا جس پر اہل سیر اور مغازی کا اجماع ہے اور میں اختلاف کو ذکر نہیں کروں گا سوائے ان جگہوں کے جہاں پر بہت ہی قوی اختلاف واقع ہوا ہو ان روایتوں کے درمیان جمع کی کوشش کی ہے اگر جمع کا امکان ہو اور واقعات کی تاریخ کے سلسلے میں راجح قول ذکر کروں گا اور جو کلمات شرح کے محتاج ہوں گے ان کی شرح کروں گا تاکہ قاری کے لیے ان کا سمجھنا اسان ہو جائے اور یہ بات معلوم ہے کہ سیرت نبوی کے واقعات کو ذکر کرنے سے سلسلے میں علماء کی جانب سے تساہل برتنا عام ہے لیکن اس کی کچھ شرطیں ہیں مطلق طور پر ایسا نہیں ہے جیسے کہ عیون العصر میں ابن سید الناس نے کہا ہے کہ جس جانب بہت سے اہل علم رقائق کے سلسلے میں رخصت اور مغازی کے حکم سے خالی اخبار اور اس طرح کے دیگر امور سے متعلق وہ یہ ہے کہ ان میں وہ چیزیں قبول کی جائیں گی جو حلال اور حرام میں قبول نہ کی جائیں گی ان کا احکام سے تعلق نہ ہونے کی وجہ سے[1]۔

اور ابتدا میں میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ اس مختصر کا حجم زیادہ بڑا نہ ہو سوائے اس کے کی مجھے بہت ہی زیادہ ترجیحات اور تحقیقات حاصل ہوئی تو میں نے یہ خیال کیا کہ ان ترجیحات اور تحقیقات کو بغیر لکھے ہوئے چھوڑ دینا علم زیادتی ہو گی لہذا اس کتاب اس مختصر کتاب کا حج میں تھوڑا زیادہ ہو گیا اور میں اللہ تعالی سے دعا گو ہوں کہ وہ سیرت نبوی کو اسان کرنے سے متعلق میرے اس عمل کو قبول فرمائے صحیح سیرت نبوی کو اسان

([1])دیکھیں: زاد المعاد ۳/۳۴۷۔

کرنے سے متعلق امت اسلام کے لیے اسان کرنے سے متعلق اور اس میں برکت عطا فرمائے اور اسے اپنے خوشنودی کے لیے خالص بنائے اور درود و سلام ہوں اور برکتیں نازل ہوں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پاک یزہ ال واصحاب پر

تحریر کردہ

شب اتوار

پندرہ شعبان 1442ھ

مطابق 27 مارچ 2021م

کویت

اللہ اس ملک کی حفاظت فرمائے۔

نسب نبوی شریف

آپ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ بن غالب بن فہر بن مالک بن نظر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن معد بن عدنان۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سلسلہ نسب امام بخاری نے اپنی صحیح[1] میں ذکر کیا ہے اور یہی مقدار ہی اجماع کے ساتھ متفق علیہ ہے۔

اس پر امام نووی[2]، ابن قیم[3] اور ابن کثیر[4] وغیرہ نے اجماع نقل کیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب شریف کا یہ حصہ جس کو ہم نے عدنان تک بیان کیا ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہے یہ تواتر اور اجماع[5] کے ساتھ ثابت ہے۔

([1])دیکھیں: صحیح البخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب مبعثِ النبی ﷺ۔

([2])دیکھیں: تہذیب الاسماء واللغات (۲/۹)، اور

([3])دیکھیں: زاد المعاد (۱/۵۳)۔

([4])دیکھیں: الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ (ص ۳۴)۔

([5])دیکھیں: الفصول فی سیرۃ الرسول ﷺ (ص ۳۴)۔

ولادت نبوی[1] صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ماہ ربیع الاول کے اندر دوشنبہ (پیر)[2] کے دن ہوئی چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوشنبہ کے دن سے متعلق پوچھا گیا تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس دن میں میری ولادت ہوئی تھی اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہوئی[3]۔

اور اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ ماہ ربیع الاول[4] کے کس دن میں اپ کی ولادت ہوئی تھی تو جمہور اس طرف گئے ہیں کہ اپ کی ولادت 12 ربیع الاول کو ہوئی تھی ابن اسحاق نے اپنی سیرت[5] میں صرف اسی ایک قول کو بیان کیا ہے۔

([1]) رسول اللہ ﷺ اپنے والد کی موت پر بہت رنجیدہ ہوئے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ﴾ (الضحی: ۸) اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں (حدیث ۱۷۷۷، رقم ۷۰) ابن شہاب سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی والدہ اُن کے والد کی وفات کے کچھ عرصے بعد فوت ہو گئیں۔

([2]) حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲/۲۶۲) میں ذکر کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ واقعہ پیر کے دن پیش آیا۔

([3]) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، کتاب الصیام، حدیث نمبر (۱۱۲۳)، (۱۹۸)۔ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (۲/۲۶۲) میں کہا: یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے، واللہ اعلم۔

([4]) دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (۱/۱۹۵)۔

([5]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے (حدیث ۱۷۸۹)، اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۳۹۷۷)۔ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور امام ذہبی نے السیرۃ النبویۃ (۳/۳۲) میں اسے ذکر کیا ہے اور کہا: اس کی سند حسن ہے۔

اور امام احمد اور ترمذی نے حسن سند کے ساتھ قیس ابن مخرمہ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں پیدا ہوئے تھے[1]۔

اور امام حاکم نے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی تھی[2]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت

آمنہ بنت وہب نے اپنے بیٹے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دنوں تک دودھ پلایا ان کے یہاں دودھ کی کمی تھی جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو لہب کی لونڈی ثویبہ نے دودھ پلایا یہ حلیمہ سعدیہ کی آمد سے پہلے کی بات ہے۔

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں اُمِّ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "ہم سنتے ہیں کہ آپ ابو سلمہ کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں؟" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اُمِّ سلمہ کی بیٹی؟!"، میں نے کہا: "جی ہاں"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر وہ میری پرورش میں پلنے والی

([1]) اسے امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے (حدیث ۱۷۸۹)، اور ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۳۹۷۷)۔ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور امام ذہبی نے السیرۃ النبویۃ (۳۲/۳) میں اسے ذکر کیا ہے اور کہا: اس کی سند حسن ہے۔

([2]) اسے حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۴۲۲۵)۔

سوتیلی بیٹی نہ ہوتی، تو وہ میرے لیے حلال ہوتی"۔ "وہ تو میری دودھ شریک بھتیجی ہے؛ مجھے اور ابو سلمہ کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے۔ لہٰذا اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو"۔[1]

بنو سعد کے دیہات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت

پھر حضرت حلیمہ سعدیہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو سعد ابن بکر کے دیہات میں دودھ پلایا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس دو سال تک ٹھہرے رہے یہاں تک کہ انہوں نے اپ کا دودھ چھڑایا پھر انہوں نے امنہ بنت وہب سے یہ مطالبہ کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس مزید کچھ دنوں تک ٹھہرے رہیں کیونکہ انہوں نے اپنے بکریوں اور سرزمین میں ظاہر ہونے والی برکت کو دیکھا تھا حلیمہ سعدیہ کہتی ہیں ہمیں برابر اللہ کی طرف سے اضافے اور خیر حاصل ہوتے رہے یہاں تک کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کے مدت کے دو سال مکمل ہو گئے اور میں نے ان کو دودھ چھڑا دیا اپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر جلدی سے نشو نما پا رہے تھے جس طرح سے دوسرے بچے پرورش نہیں پاتے ہیں اپ صلی اللہ

([1])اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۵۰۱۱)، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۱۴۹۹)۔

اور اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (۲۲۵۵)، اور ابن اسحاق نے السیرۃ (۲۰۱/۱) میں بیان کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے، لیکن واقعہ کے متعدد شواہد ثابت ہیں۔

علیہ وسلم ابھی 2 سال کے بھی نہیں ہوئے تھے کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کے قابل ہو گئے تھے[1]۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے مبارک کے چاک کیے جانے کا واقعہ

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ بنو سعد کے دیہات میں کھیل رہے تھے اسی وقت اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک دوسرے فرشتے کے ساتھ تشریف لائے اور اپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند اور امام حاکم نے مستدرک میں شواہد کے ساتھ حسن سند کے ذریعے سے عتبہ ابن عبد السلمی کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں ایک شخص نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپ کا ابتدائی معاملہ کس طرح سے تھا؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری دایا بنو سعد ابن بکر سے تھی تو میں اور ان کا ایک لڑکا ہماری بکریوں کو لے کر نکلے اور ہم نے اپنے ساتھ کوئی توشہ نہ لیا تو میں نے کہا اے میرے بھائی تم جاؤ اور ہمارے لیے ہماری ماں کے پاس سے کوئی توشہ لے کر اجاؤ چنانچہ میرا بھائی گیا اور میں بکریوں کے ساتھ ٹھہرا رہا اس وقت دو سفید پرندے گویا وہ گدھوں میرے پاس ائے اور ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کیا یہ وہی شخص

---

(۱) اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر (6335)، اور ابن اسحاق نے السیرۃ (۲۰۱/۱) میں بیان کیا ہے، اس کی سند منقطع ہے، لیکن واقعہ کے متعدد شواہد ثابت ہیں۔

ہے اس نے کہا ہاں تو وہ دونوں جلدی سے میرے پاس ائے اور انہوں نے مجھے پکڑا اور مجھے گدی کے بل لٹا دیا اور انہوں نے میرے پیٹ کو چیرا پھر ان دونوں نے میرے دل کو نکال کر اسے پھاڑا اور اس سے دو کالے ٹکڑے نکالیں ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا اسے سل دو تو اس نے اس کی سلائی کر دی اور اس پر مہر نبوت کو لگایا پھر وہ دونوں چلے گئے اور مجھے چھوڑ دیا اور اس کی وجہ سے مجھے سخت خوف لاحق ہوا پھر میں اپنی ماں[1] کے پاس گیا اور میں نے اس معاملے کی انہیں خبر دی تو انہیں میرے بارے میں یہ خوف ہوا کہ شاید انہیں شیطانی اثر ہوا ہے تو انہوں نے کہا میں تمہارے لیے اللہ سے پناہ چاہتی ہوں پھر انہوں نے اپنے اونٹ کو تیار کیا اور مجھے کجاوے پر بٹھایا اور وہ میرے پیچھے سوار ہوئی یہاں تک کہ ہم اپنی والدہ[2] کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے کہا کہ میں نے اپنی امانت اور اپنے ذمہ داری کو پورا کر دیا ہے اور انہوں نے جو واقعہ میرے پاس پیش ایا تھا اس کی خبر میرے والدہ کو دی تو انہیں اس کی وجہ سے کوئی پریشانی نہ ہوئی اور انہوں نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ مجھ سے ایک نور نکلا تھا جس شام کے محل روشن ہو گئے تھے[3]۔

---

(۱) ان سے مراد حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

(۲) ان سے مراد آمنہ بنت وہب ہیں۔

(۳) اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 17648، امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4276 کے تحت روایت کیا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے السیرۃ النبویۃ، جلد اول، صفحہ 52 میں اسے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ صحیح ہے۔

اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل علیہ السلام ائے جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے تو انہوں نے اپ کو پکڑا اور لٹایا اور اپ کے دل کو نکالا اور اس سے ایک لوتھڑا نکالا اور کہا یہ تمہارے اندر شیطان کا حصہ ہے پھر اس سے سونے کے پلیٹ میں زمزم کے پانی کے ذریعے سے دھویا اور پھر اس کو سلائی کر دیا اور اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا اور بچے دوڑتے ہوئے ان کی والدہ یعنی دایا کے پاس ائے اور کہا بے شک محمد کو قتل کر دیا گیا ہے جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے تو اپ کا رنگ فیقہ پڑا تھا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں اس سلائی کے اثر کو دیکھا کرتا تھا[1]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ آمنہ بنت وہب کی وفات

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سینا چاک کیے جانے کے واقعے کے بعد اپنے والدہ امنہ بنت وہب کے پاس واپس آئے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عمر مبارک چھ سال کو پہنچی تو اپ کی والدہ امنہ اپ کو لے کر اپ کے دادا عبدالمطاب کے ماموں زادوں کی زیارت کے خاطر مدینہ گئیں مکہ سے مدینہ واپس ہوتے ہوئے امنہ بنت وہب کی مقام ابوا میں وفات ہو گئی جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ ہے۔[2]

---

(۱) اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 261 کے تحت روایت کیا ہے۔

(۲) دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 204۔

امام ابن القیم کہتے ہیں: اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اپ کے والدہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ابواپر فوت ہوئی جب وہ اپنے ماموزادوں کی زیارت کر کے مدینہ سے مکہ کے لیے واپس ہو رہی تھی اس وقت اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سات سال بھی مکمل نہ ہوئی تھی[1]۔

آپ کے دادا عبدالمطلب کی کفالت

جب امنہ بنت وہب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی وفات ہو گئی تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عبدالمطلب نے اپ کی کفالت کی ذمہ داری اٹھائی اور اپ کی کفالت انہوں نے دو سالہ مدت تک کی اور اللہ رب العالمین نے اپ کے دادا عبدالمطلب کے دل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ڈال دی تھی یہاں تک کہ وہ اپ سے الگ ہونے کی طاقت بھی نہ پاتے تھے۔

امام حاکم نے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے کہ دیر ابن سعید کے واسطے سے ان کے والد کے حوالے سے وہ کہتے ہیں میں نے جاہلیت میں حج کیا تو اس وقت میں نے ایک شخص کو دیکھا جو خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا اور وہ یہ شعر پڑھتے ہوئے گنگنا رہا تھا:

رب رد إلي راكبي محمدا ردہ إلي واصطنع عندي يدا

(۱) دیکھیں: زاد المعاد، جلد اول، صفحہ 60۔

تو میں نے کہا: یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ عبدالمطلب ابن ہاشم ہیں جنہوں نے اپنے پوتے کو اپنے کچھ اونٹ کے تلاش میں بھیجا ہے اور وہ جب بھی انہیں کسی ضرورت کے لیے بھیجتے ہیں تو وہ اس میں کامیاب ہو کر واپس اتے ہیں مگر اس بار وہ انہیں دیر ہو گئی ہے تو وہ تھوڑی ہی دیر اس حالت پر تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اونٹ واپس اگئے تو انہوں نے اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گلے سے لگایا اور کہا اے میرے بیٹے مجھے تمہارے اوپر بہت سادہ خوف لاحق ہوا اس سے زیادہ میں کبھی خوفزدہ نہ ہوا ہوں اللہ کی قسم میں اج کے بعد تمہیں کسی ضرورت کے لیے نہیں بھیجوں گا اور تم اس کے بعد مجھ سے کبھی بھی الگ نہ ہو گے۔[1]

عبدالمطلب کی وفات

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ سال کی عمر کو پہنچے تو اپ کے دادا عبدالمطلب کی وفات ہو گئی اور انہوں نے اپنی وفات سے پہلے اپنے بیٹے ابو طالب کو اللہ کے رسول کی حفاظت اور کفالت کی وصیت کی تھی اور ان کے ابو طالب کے اختیار کا سب یہ تھا کہ وہ عبداللہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے سگے بھائی تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی کفالت

پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کفالت کی ذمہ داری ابو طالب نے اٹھائی اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اٹھ سال تھی اور اپ انہی کی کفالت رعایت اور

(۱) اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4229 کے تحت روایت کیا ہے۔

حمایت میں رہے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین نے اپ کو مبعوث فرمایا تو انہوں نے اپ کی خوب مدد کی اور اپ کی خوب دیکھ بھالکی اور انہوں نے اپ کی مدد اپ کی بعثت کے بعد بھی مکمل طور پر کی۔

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم 12 سال کی عمر کو پہنچے تو اپ کے چچا ابو طالب انہیں لے کر شام کی جانب نکلے اور یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ابو طالب کی محبت اور لطف کی صورت تھی کیونکہ اگر وہ اپ کو مکہ میں چھوڑ دیتا ہے تو ان کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔

اور اس سفر کے راستے میں ہی اپ کو بحیرہ راہب نے دیکھا اور اس نے اپ کی تورات اور انجیل میں بیان کردہ صفت کے ذریعے سے اپ کو پہچان لیا اور جو لوگ اس سفر میں ابو طالب کے ساتھ تھے ان کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانیاں ظاہر ہوئیں جس کی وجہ سے ابو طالب اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اہتمام کرنے لگے اور مزید اپ کی دیکھ بھال کرنے لگے اور بحیرہ نے ابو طالب کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کر دیں تاکہ شام میں یہودی اپ کو نہ دیکھ سکیں کیونکہ اگر وہ دیکھیں گے تو پہچان لیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے چنانچہ وہ اپ کو لے کر مکہ واپس ہو گئے[1]۔

---

(۱) بحیرا راہب کے ساتھ ان کے واقعے کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3948 کے تحت روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابہ، جلد اول، صفحہ 476، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الفصول فی سیرۃ الرسول، جلد اول،

رسول اللہ ﷺ کی حلف[1] الفضول میں شرکت

رسول اللہ ﷺ نے حلفُ الفضـــول میں شرکت کی، اس وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی، ان کے اس معاہدے کا یہ نام رکھنے کی وجہ وہ ہے جو ابن اِسحاق نے اپنی "سیرت" میں ذکر کی ہے: قریش کے قبائل نے ایک حلف کے لیے اکٹھا ہونے کا فیصلہ کیا تو وہ لوگ عبداللہ ابن جدعان ابن عمر کے گھر میں جمع ہوئے ان کے مقام اور عمر درازی کو دیکھتے ہوئے تو اس وقت اس حلف میں شریک ہونے والے بنو ہاشم بنو مطلب اسد ابن عبدالعزہ الزہرا ابن کلاب اور تیم ابن مرا تھے انہوں نے یہ عقد اور معاہدہ کیا کہ وہ مکہ میں اگر کسی مظلوم کو دیکھیں گے چاہے وہ وہاں کا رہنے والا ہو یا باہر سے انے والا ہو تو وہ سب کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور جو ظلم کرنے والا ہو گا اس سے اس کا حق دلا کر رہیں گے چنانچہ قریش کے لوگوں نے اس حلف کو حلف الفضول نام دیا۔[2]

اور امام ابن اسحاق نے سیرت میں صحیح مرسل سند کے ساتھ طلحہ ابن عبید عبداللہ ابن عوف زہری کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک عبداللہ ابن جدعان کے گھر میں میں ایک حلف میں

صفحات 49 اور 338، امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4275، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الدفاع عن الحدیث النبوی، صفحات 62 اور 72 میں اسے ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر اور حافظ ابن کثیر رحمہما اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) حلف کی اصل باہمی معاہدہ، عہد و پیمان، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور اتفاق کرنا ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد اول، صفحہ 407۔

(۲) دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 170۔

حاضر ہوا تھا مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ بھی پسند نہیں ہیں اور اگر مجھے اسلام میں اس کی طرف بلایا جائے تو میں ضرور اس میں حاضر ہوں گا(۱)۔

اور امام احمد نے اپنی مسند اور بخاری نے ادب مفرد میں صحیح سند کے ساتھ عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے چچا کے ساتھ حلف المطیبین(۲) میں شامل ہوا اس وقت میں چھوٹا لڑکا تھا مجھے اس کے بدلے سرخ اونٹ بھی پسند نہیں ہیں کہ میں اس کو توڑوں اور سرخ اونٹ حاصل کروں مجھے اس کا پورا کرنا زیادہ پسند ہے(۳)۔

اور امام قرطبیؒ کہتے ہیں یہی وہ حلف ہے جس کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان میں بیان کیا گیا ہے کہ جو بھی حلف جاہلیت میں تھی اسلام نے اس کو مضبوط ہی کیا ہے(٤) کیونکہ وہ شریعت کے موافق ہے اور اس میں ظالم سے انصاف لینے کا حکم ہے رہی

---

(۱) اسے ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد اول، صفحہ 171 میں روایت کیا ہے، اور ابن الملقن رحمہ اللہ نے البدر المنیر، جلد ہفتم، صفحہ 325 میں اسے ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے فقہ السیرۃ للغزالی کی تحقیق، صفحہ 72 میں فرمایا ہے: اسے ابن اسحاق نے سیرت میں روایت کیا ہے، اور یہ سند مرسل ہونے کے علاوہ صحیح ہے، تاہم اس کے متعدد شواہد ہیں جو اسے تقویت دیتے ہیں۔

(۲) ابن الاثیر رحمہ اللہ نے النہایہ، جلد سوم، حرف 408 میں فرمایا ہے: رسول اللہ ﷺ نے حلف الفضول کو حلف المطیبین کا نام اس لیے دیا کہ اگرچہ آپ ﷺ حلف المطیبین میں شریک نہیں تھے، لیکن حلف الفضول بھی باہمی خیر خواہی اور کمزور کا حق طاقتور سے، اور اجنبی کا حق مقامی شخص سے دلانے میں اس کے مشابہ تھا۔

(۳) اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1655 اور امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں حدیث نمبر 441 کے تحت روایت کیا ہے۔

(٤) اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2530 کے تحت روایت کیا ہے۔

بات ان احد کی جو فاسد تھے یا باطل تھے ظلم اور زیادتی پر مبنی تھے تو اسلام نے ان کو ڈھا دیا ہے اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں(۱)۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بکریاں چرانا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جوانی کے عمر میں بکریاں چرانے کا کام کیا اور یہ بعثت کے پہلے کی بات ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی اللہ تعالی نے نبی نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس نے پہلے بکریاں چرائیں اپ کے صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ؟

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اہل مکہ کے لیے چند قیراط(۲) کے بدلے ان کی بکریوں کو چرایا کرتا تھا(۳)۔

اور امام بخاری نے الادب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ عبدہ ابن حزن کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اونٹ والوں اور بکری والوں نے ایک دوسرے پر فخر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسی علیہ السلام مبعوث کیے گئے وہ بکری

---

(۱) دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد ہفتم، صفحہ 240۔

(۲) قراریط، قرط کی جمع ہے، اور یہ دینار کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 37۔

(۳) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2102 کے تحت روایت کیا ہے۔

چرایا کرتے تھے داؤد علیہ السلام مبعوث کیے گئے وہ بکری چرایا کرتے تھے اور میں بھی اپنے اہل خانہ کی بکریاں اجیاد کے مقام پر چرایا کرتا ہوں(۱)۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں علماء کا کہنا ہے کہ بعثت سے نبوت سے پہلے انبیاء کو بکریاں چرانے کا الہام کرنے میں حکمت یہ ہے:

1- تاکہ انہیں ان کے چرانے سے اپنے امت کے معاملات کے قیام سے متعلق جو انہیں ذمہ داری دی جانی ہوتی ہے اس کی مشق ہو جائے۔

2- اور اس لیے کہ ان کے ساتھ ملنے جلنے کی وجہ سے انہیں شفقت اور بردباری کی تربیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اگر وہ ان بکریوں کے چرانے پر صبر کر سکتے ہیں اور چراگاہ میں ان کے پھیل جانے کے بعد ان کو جمع کر سکتے ہیں اور انہیں ایک چراگاہ سے دوسرے چراہ گاہ کی طرف منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے درندوں وغیرہ میں سے دشمنوں کو ان سے بھگا سکتے ہیں اور ان کے طبیعتوں کے اختلاف اور ان کے سخت انتشار کو سمجھ سکتے ہیں ان کی کمزوری اور ان کی حاجت کو جاننے کے باوجود کہ ان کی کس قدر اہتمام کرنی چاہیے تو وہ اس کے ذریعے سے امت پر صبر کے عادی اور مانوس ہو جاتے ہیں اور وہ ان کی طبیعتوں اور عقلوں کے اختلاف کو سمجھ سکتے ہیں ان کی پریشانیوں کو اسان کر سکتے ہیں اور ان کے کمزور لوگوں کے ساتھ نرمی کر سکتے ہیں اور ان

(۱) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں حدیث نمبر 450 کے تحت روایت کیا ہے۔

کے ساتھ اہتمام کا معاملہ کر سکتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے اس مشقت والے بوجھ کا اٹھانا جس کے وہ مکلف کیے جانے والے ہوتے ہیں اسان ہو جاتا ہے پہلی فرصت سے ہی کیونکہ بکریوں کو چرانے سے ان کو اس سلسلے میں تسلسل وار تدریج اور تدریج حاصل ہو جاتی ہے۔

3-اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلے میں ذکر کیے جانے میں یہ بھی فائدہ اور حکمت ہے جبکہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لوگوں نے جان لیا کہ اپ اللہ کے نزدیک سب سے بہترین مخلوق ہیں اس کے ذریعے سے اپ کی اللہ کے لیے تواضع ظاہر ہوتی ہے اور اس میں اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے اور اپنے بھائیوں نبیوں میں سے پر اللہ کی نعمت کی تصریح موجود ہے اللہ تعالی کی طرف سے درود و سلام نازل ہوں اپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور تمام انبیاء کرام پر۔(۱)

نبی ﷺ کا حضرت خدیجہؓ کی تجارت کے ساتھ شام جانا اور پھر اُن سے نکاح کرنا

اور جب آپ ﷺ کی چالیس سال ہوئی، تو آپ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے تجارتی مال کو لے کر ان کے غلام میسرہ کے ساتھ شام کی جانب نکلے، تو میسرہ نے آپؐ کے بارے میں ایسی چیزیں دیکھیں جنہوں نے اسے بے حد حیران اور متاثر کر دیا۔ چنانچہ وہ واپس آئے اور اپنی مالکہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جو کچھ اس نے دیکھا تھا، اس کی خبر دی۔ چنانچہ انہیں اپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح میں رغبت پیدا ہوئی

(۱) دیکھیں: فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 200۔

کیونکہ انہیں اس میں وہ ساری خیر اور بھلائی نظر آئیں جو اللہ نے ان کے لیے اس میں جمع کیا تھا اور ایسی بھلائیاں انہوں نے اپ میں امید کی کی وہ کسی احسان کے خیال میں بھی نہیں اسکتی تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا اس وقت اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 25 سال تھی۔

اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ سے نکاح کیا تو اس وقت ان کی کیا عمر تھی اس کے سلسلے میں اختلاف موجود ہے کہا گیا ہے کہ ان کی عمر 40 سال(۱) تھی اور کہا گیا ہے کہ 28 سال(۲) تھی اور اس کے علاوہ بھی بہت ساری باتیں کہی گئی ہیں۔

اور حق یہی ہے کہ ان کے عمر کے سلسلے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت کوئی بھی چیز ثابت نہیں ہے یہ پہلی خاتون تھیں جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا تھا اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواتین میں سے سب سے پہلے وفات پانے والی بھی تھی اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح نہیں کیا اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان ہی سے ساری اولاد ہوئیں سوائے ابراہیم کے وہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔

---

(۱) اسے ابن سعد نے اپنی طبقات میں، جلد اول، صفحہ 62 پر، واقدی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

(۲) امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4897 کے تحت ابن اسحاق رحمہ اللہ سے بغیر سند کے اسے ذکر کیا ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں رسول اللہ ﷺ سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے وقت ان کی عمر ذکر نہیں کی۔ اگر وہ اسے ذکر کرتے تو ان کی کتاب کی شہرت کی وجہ سے یہ بات بہت زیادہ مشہور ہو جاتی۔

خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر

قریش نے چاہا کہ وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے تجدید کریں کیونکہ اس کی عمارت میں کمزوری اگئی تھی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے پانچ سال پہلے کا واقعہ ہے جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 35 سال تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قوم کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر میں شرکت کی تھی۔

شیخان نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بے شک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ خانہ کعبہ کے لیے پتھر اٹھایا کرتے تھے اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم ازار پہنے ہوئے تھے عباس اپ کے چچا نے کہا اے میرے بھتیجے تم اپنے اظہار کو نکال کر اپنے کندھے پر رکھ لو تاکہ پتھر دھونے میں اسانی ہو راوی کہتے ہیں تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکالا اور اپنے کندھے پر رکھا اس وقت اپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو کر گر پڑے راوی کہتے ہیں اپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد کبھی بھی ننگے نہیں دیکھے گئے (۱)۔

اور صحیحین میں ایک دوسری روایت میں ہے جابر رضی اللہ عنہ نے کہا جب خانہ کعبہ کی تعمیر کی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس پتھر دھونے کے لیے گئے عباس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تم اپنے اظہار کو اپنے کندھے پر رکھ لو تو اپ صلی اللہ علیہ

(۱) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1502 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 343 اور 76 کے تحت روایت کیا ہے۔

وسلم زمین پر گر گئے اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسمان انکھیں اسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا میرا ازار مجھے دو تو انہوں نے اپ پر اسے باندھ دیا[1]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں کہتے ہیں اور اس حدیث میں یہ ہے کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس چیز سے بچائے گئے تھے جو بعثت سے پہلے اور بعد میں اپ کے لیے برائی کا سبب بنے اور اس میں لوگوں کی موجودگی میں بے پردہ ہونے سے ممانعت بھی موجود ہے[2]۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مبارک ہاتھ سے حجر اسود کا رکھنا

جب قریش کے لوگ خانہ کعبہ کے تعمیر میں حجر اسود کی جگہ تک پہنچے تو ان کے درمیان یہ اختلاف ہو گیا کہ کون اسے اس کی جگہ پر رکھے گا یہاں تک کہ ان کے درمیان جنگ کی کیفیت پیدا ہونے والی تھی تو انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ اس شخص کو اپنے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے متعین کریں گے جو باب بنی شیبہ سے سب سے پہلے داخل ہو گا اور اللہ رب العالمین نے یہ مقدر کیا کہ سب سے پہلے ان پر باب بنی شیبہ سے داخل ہونے والے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

---

(۱) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1502 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 343 اور 76 کے تحت روایت کیا ہے۔

(۲) دیکھیں: فتح الباری، جلد دوم، صفحہ 25۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ لفظ حاکم کے ہیں عبداللہ ابن سائب کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قریش کے لوگوں کو حجر اسود کے بارے میں اختلاف ہوا جب انہوں نے اس کو اس کی جگہ پہ رکھنا چاہا یہاں تک کہ ان کے درمیان تلوار اٹھنے کی نوبت آگئی تھی لوگوں نے کہا تم اپنے درمیان اس دروازے سے داخل ہونے والے سب سے پہلے شخص کو فیصلہ کرنے والا متعین کرلو تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے تو لوگوں نے کہا یہ امین ہیں اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگ جاہلیت کے دنوں میں امین کہا کر کر بلاتے تھے کے نام سے جانتے تھے تو انہوں نے کہا اے محمد ہم تمہارے بارے میں راضی ہیں اور انہوں نے اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا منگوایا اور اسے پھیلایا اور اس پر پتھر کو رکھا پھر کہا تمام قبیلوں سے کہ تم میں سے ہر ایک قبیلہ کپڑے کے ایک ایک کونے کو پکڑ لے تو انہوں نے ایسا ہی کیا پھر اسے اٹھایا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر اس کی جگہ میں اپنے مبارک ہاتھوں سے رکھ دیا۔[1]

اور ایک دوسری روایت میں مستدرک اور دلائل نبوت میں بحقی کے یہاں ہے حسن سند کے ساتھ علی رضی اللہ تعالی عنہ کے حوالے سے جب لوگوں نے حجر اسود کو اٹھانے کا ارادہ کیا تو لوگوں کے درمیان اس کے اٹھانے کے سلسلے میں اختلاف ہوا لوگوں نے کہا جو شخص اس دروازے سے سب سے پہلے داخل ہوگا وہ اسے رکھے گا تو نبی کریم

(۱) اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15504 کے تحت، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 1701 کے تحت روایت کیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم باب بنی شیبہ کی طرف سے داخل ہوئے اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کپڑا لانے کا حکم دیا اور اسے پھیلایا گیا اور اپ نے پتھر کو اس میں درمیان میں رکھا پھر قریش سے ہر قبیلے کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ اس کپڑے کا کنارہ پکڑے پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ میں رکھ دیا۔[1]

بعثت سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت

اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کی حفاظت کی اور ان کی نگرانی کی اور جاہلیت کی گندگیوں سے اپ کو پاک رکھا اور ہر عیب سے اپ کی حفاظت فرمائی اور ہر اچھے اخلاق کو اپ کو عطا کیا یہاں تک کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قوم کے اندر امین کے نام سے جانے جاتے تھے۔ کیونکہ وہ اپ کے طہارت اور پاکیزگی اور سچی باتوں اور امانت کے بارے میں جانتے تھے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر اللہ رب العالمین نے اپ کے لیے خلوت اور اپنے رب کی عبادت کو محبوب کر دیا اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر تنہائی اختیار کرتے تھے اور وہاں پر اللہ رب العالمین کی کئی کئی راتوں تک عبادت کیا کرتے تھے اور اپ کے نزدیک بت پرستی کو اللہ رب العالمین نے ناپسندیدہ کر دیا اور اپنے دین کے

---

(۱) اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 1702 کے تحت، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد دوم، صفحہ 57 پر روایت کیا ہے۔

اپنے قوم کے دین کو بھی اپ برا جانتے تھے اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ان سے زیادہ مبغوداور ناپسندیدہ کوئی چیز نہ تھی۔[1]

بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مبارک عمر کے 40 سال[2] کو پہنچے صحیح قول کے مطابق تواپ پر وحی کا نزول ہوا جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے۔

شیخان نے اپنے صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے سب سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی جو شروعات ہوئی وہ سچے خواب کی صورت میں تھی اپ صلی اللہ علیہ وسلم جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی مانند بالکل روشن ہوتا پھر اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی[3] پسندیدہ قرار دے دی گئی اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تنہائی اختیار کرتے تھے اور وہاں پر کئی کئی راتوں تک عبادت کیا

([1])دیکھیں: زاد المعاد، جلد اول، صفحہ 61۔

([2])امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3902 کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا گیا۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک رہے، آپ ﷺ کی طرف وحی کی جاتی رہی۔ پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور دس سال رہے، اور آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔ امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد 15، صفحہ 81 میں فرماتے ہیں: اور جو بات ہم نے ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر پوری ہونے پر مبعوث فرمایا گیا، یہی مشہور اور درست قول ہے، جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

([3])حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد 13، رقم 8 میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کو اپنے لوگوں سے الگ ہو کر خلوت اختیار کرنا اس لیے پسند تھا کہ آپ ﷺ انہیں واضح گمراہی کی حالت میں دیکھتے تھے، وہ بتوں کی عبادت اور اصنام کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ پر وحی کے نزول کا وقت قریب آیا تو آپ ﷺ کی خلوت اختیار کرنے کی رغبت اور بھی بڑھ گئی۔

کرتے تھے قبل اس کے کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں اور توشہ لے کر ائیں پھر اپ صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے پاس جاتے تھے اور اسی کے مثل توشہ لے کر اتے تھے یہاں تک کہ اللہ رب العالمین کا پیغام جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تھے اسی وقت اگیا اپ کے پاس فرشتہ ایا اور کہنے لگے پڑھو اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں پڑھنا نہیں جانتا تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں اس نے مجھے پکڑا اور مجھے دبوچا یہاں تک کہ مجھے بہت سختی لاحق ہوئی پھر مجھے چھوڑا اور کہا پڑھو میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا پھر انہوں نے مجھے پکڑا مجھے ڈھانپا دوسری مرتبہ یہاں تک کہ مجھے بہت سختی لاحق ہوئی پھر مجھے چھوڑا اور کہا پڑھو میں نے کہا میں پڑھنا نہیں جانتا اپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر اس نے تیسری مرتبہ مجھے پکڑا مجھے ڈھانپا اور پھر مجھے چھوڑا اور کہا ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ ”پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے، اور آپ کا رب سب سے زیادہ کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔“ (سورۃ العلق: 1-5)[1]

([1]) امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد دوم، صفحہ 172 میں فرمایا ہے: یہ اس بات کی صحیح دلیل ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۃ العلق کی پہلی آیت ”اقرأ“ نازل ہوئی، اور یہی وہ درست قول ہے جس پر سلف اور خلف کی اکثریت ہے۔
اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 160 اور 252 کے تحت روایت کیا ہے۔

پھر اپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے اپ کا دل کانپ رہا تھا اپ خدیجہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور کہا مجھے چادر اڑادو مجھے چادر اڑادو لوگوں نے اپ کو چادر اڑایا یہاں تک کہ اپ سے خوف کا خاتمہ ہوا تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ سے کہا اور انہیں اس کی خبر دی تو کہا میں اپنے نفس پر خوف کھاتا ہوں انہوں نے کہا ہر گز نہیں اللہ کی قسم اللہ اپ کو کبھی بھی رسوا نہیں کرے گا بے شک اپ حوصلہ رحمی کرتے ہیں اپ لوگوں کے بوجھ اٹھاتے ہیں اپ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں اپ مہمان نوازی کرتے ہیں اپ پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔[1]

وحی کا رکنا[2] اور پھر دوبارہ وہ کا نازل ہونا

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نازل ہونے کے بعد وہ منقطع ہو گئی اور اس میں حکمت یہ تھی تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے دوبارہ انتظار میں رہیں۔

([1])امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد دوم، صفحہ 172 میں فرمایا ہے: یہ اس بات کی صحیح دلیل ہے کہ قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۃ العلق کی پہلی آیت "اقرأ" نازل ہوئی، اور یہی وہ درست قول ہے جس پر سلف اور خلف کی اکثریت ہے۔
اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 160 اور 252 کے تحت روایت کیا ہے۔

([2])حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 40 میں فرماتے ہیں: وحی کے رک جانے سے مراد کچھ مدت تک وحی کے نزول میں تاخیر ہونا ہے۔ اور یہ اس لیے ہوا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ کو جو خوف اور گھبراہٹ لاحق ہوئی تھی، وہ دور ہو جائے، اور آپ ﷺ کے دل میں وحی کے دوبارہ آنے کا شوق پیدا ہو۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلی مرتبہ کے نازل ہونے کے بعد وحی روک دی گئی اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا رہنا پسند ہو گیا تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں جا کر تنہائی اختیار کرتے تھے اسی دوران جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم حرا سے واپس ارہے تھے اپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے اوپر کچھ محسوس کیا تو میں نے اپنے سر کو اٹھایا تو جو فرشتہ میرے پاس حرا میں ایا تھا وہ کرسی پر میرے سر کے بالکل اوپر ہی بیٹھا ہوا تھا میں نے دیکھا تو میں زمین پر لڑکھڑا گیا جب مجھے افاقہ ہوا تو میں اپنے گھر والوں کے پاس دوڑتے دوڑتے ایا اور کہا مجھے کپڑا اڑادو مجھے کپڑا اوڑھادو تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس ائے اور کہا: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ [1] ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ اے چادر اوڑھنے والے! اٹھیں اور ڈرائیں، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں، اور اپنے کپڑے پاک رکھیں، اور ناپاکی کو چھوڑ دیں۔ سورۃ المدثر: 1-5۔[2]

اور شیخان نے اپنے صحیحین میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور لفظ احمد کے ہیں ابو سلمہ ابن عبدالرحمن کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں مجھے جابر ابن عبداللہ نے

([1])امام قرطبیؒ رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 21، صفحہ 357 میں فرماتے ہیں: یہ کریم کی طرف سے حبیب کے ساتھ خطاب میں نرمی اور شفقت ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو آپ کی حالت کے اعتبار سے پکارا اور آپ ﷺ کی صفت کے ذریعے تعبیر فرمائی، یہ نہیں فرمایا: اے محمد! اور نہ یہ فرمایا: اے فلاں! تاکہ آپ ﷺ اپنے رب کی طرف سے نرمی اور شفقت کو محسوس فرمائیں۔

([2])اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15033 کے تحت روایت کیا ہے۔

خبر دی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو انہوں نے فرماتے ہوئے سنا پھر وحی مجھ سے رک گئی کچھ دن کے لیے جب میں ایک مرتبہ چل رہا تھا اسی وقت میں نے اسمان سے ایک اواز سنی میں نے اپنی نظر کو اسمان کی طرف اٹھایا تو میں نے اسی فرشتے کو دیکھا جو حرا میں میرے پاس ایا تھا وہ اسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا تھا تو میں نے اس کو دیکھ کر کے ڈر محسوس کیا اور میں خوفزدہ ہوا یہاں تک کہ میں زمین کی طرف گر گیا اور میں اپنے گھر والوں کے پاس ایا میں نے کہا مجھے چادر اڑادو مجھے چادر اڑادو مجھے چادر اڑادو مجھے چادر اڑادو تو اللہ رب العالمین نے یہ فرمان نازل فرمائی پھر اس کے بعد وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور لگاتار وہ کا سلسلہ جاری رہا۔[1]

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں پھر اللہ رب العالمین نے اپنے رسول کو اس ایت کریمہ[2] میں یہ حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو ڈرائیں اور انہیں اللہ کی طرف بلائیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذمہ داری کو اٹھایا اور اللہ کی اطاعت میں مکمل طور پر کھڑے ہوئے وہ اللہ رب العالمین کی طرف لوگوں کو بلاتے چھوٹے بڑے ازاد غلام مرد عورت کالے گورے سبھی کو اللہ کی طرف بلاتے۔[3]

([1]) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4 کے تحت، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 161 اور 255 کے تحت، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14483 کے تحت روایت کیا ہے۔

([2]) یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، جو سورۃ المدثر میں ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ اے چادر اوڑھنے والے! اٹھیں اور ڈرائیں، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں، اور اپنے کپڑے پاک رکھیں۔

([3]) دیکھیں: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام، الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 55۔

کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پوری دنیا والوں کے تھی کے لیے تھی جیسے کہ اللہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر ہی بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ سورۃ سبأ: 28۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے۔ سورۃ الأنبیاء: 107۔

دعوت کی اقسام

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دعوت کی دو قسمیں تھیں:

1- مکی دور کی دعوت۔ 2- مدنی دور کی دعوت۔

- مکی دعوت کی دو قسمیں تھیں:

❁ سری جو کہ تین سال تک جاری رہی۔

❁ اور جہری اعلانیہ صرف زبان سے تھی قتال کے بغیر اور یہ بعثت کے چوتھے سال سے مدینہ کی جانب ہجرت کرنے تک جاری رہی۔

خفیہ دعوت[1]

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں قابل اعتماد لوگوں کے درمیان خفیہ طور پر شروع کیا چنانچہ اپ نے اپنی بیوی خدیجہ بنت خویلد کو اور اپنی بیٹیوں کو اور علی ابن ابی طالب جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گود میں پلے بڑھے تھے اور اپنے غلام زید ابن حارثہ کو اس کے بارے میں خبر دی اور انہیں اللہ کی طرف بلایا۔

اور اپ کے گھر کے باہر سے سب سے پہلے جس نے اپ پر ایمان لایا وہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ تھے اور اس ابتدائی دنوں میں اللہ کے دین میں وہ لوگ داخل ہوئے جن کے سینوں کو اللہ رب العالمین نے اسلام کو کے لیے کھول دیا تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ اسلام لائے۔

یہ لوگ خفیہ طور پر مسلمان ہوئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ اکٹھا ہوتے اور انہیں خفیہ طور پر دین کی رہنمائی فرماتے کیونکہ دعوت ابھی تک فردی اور خفیہ طور پر تھی اور وہ کا نزول لگاتار جاری تھا سورہ مدثر کے ابتدائی ایتوں

([1]) میں کہتا ہوں: اس بات کے دلائل بہت سے ہیں کہ دعوت اپنے آغاز میں خفیہ تھی، ان میں سے چند یہ ہیں:

1- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد اول، صفحہ 280 میں فرمایا ہے: رسول اللہ ﷺ نے جو اللہ تعالی نے آپ ﷺ پر اور بندوں پر نبوت کی صورت میں انعام فرمایا تھا، اس کا ذکر اپنے اہلِ خانہ میں سے جن لوگوں پر آپ ﷺ کو اطمینان تھا، ان کے سامنے خفیہ طور پر کرنا شروع کیا۔

2- امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 832 کے تحت حضرت عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں زمانۂ جاہلیت میں یہ سمجھتا تھا کہ لوگ گمراہی پر ہیں اور وہ کسی چیز پر نہیں ہیں، جبکہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پھر مجھے مکہ مکرمہ میں ایک شخص کے بارے میں خبر ملی جو کچھ خبریں بیان کرتا تھا۔ چنانچہ میں اپنی سواری پر بیٹھ کر اس کے پاس پہنچا، تو رسول اللہ ﷺ کو اس حال میں پایا کہ آپ ﷺ پوشیدہ تھے۔

کے نزول کے بعد اور لوگ اسلام کی دعوت کو سننے لگے چنانچہ اس خفیہ دعوت کے مرحلے میں فقیر اور غلام قسم کے لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔

اسلام میں بہایا جانے والا پہلا خون

اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ جب نماز پڑھنے[1] کا ارادہ کرتے تو وہ گھاٹیوں کی طرف چلے جاتے اور وہاں پر اپنی قوم سے چھپ کر کے نماز ادا کرتے جب سعد ابن ابی وقاص کچھ لوگوں کے ساتھ مکہ کے گھاٹیوں میں سے ایک گھاٹی کی طرف نکلے اسی وقت ان کے پاس مشرکوں کے کچھ لوگ پہنچے جب وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے ان کے اس عمل کو غلط سمجھا اور ان پر عیب جوئی کی یہاں تک کہ انہوں نے ان سے قتال کیا تو سعد ابن ابی وقاص نے اس دن مشرکین میں سے ایک شخص کو اونٹ کی ہڈی سے دے مارا جس سے اس کو زخم لاحق ہوا جو کہ اسلام میں بہایا جانے والا سب سے پہلا خون تھا۔[2]

([1])اسراء ومعراج سے پہلے نماز فرض نہیں تھی، بلکہ استحباب کے طور پر تھی، اور نماز اسراء ومعراج ہی میں فرض کی گئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 9، صفحہ 675 میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اسراء سے پہلے بھی یقینی طور پر نماز پڑھتے تھے، اور اسی طرح آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نماز پڑھتے تھے۔ لیکن اس بارے میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازوں سے پہلے کوئی نماز فرض کی گئی تھی یا نہیں۔ چنانچہ اس بنا پر اس شخص کا قول درست ہو سکتا ہے جو کہتا ہے کہ ابتدا میں ایک نماز سورج طلوع ہونے سے پہلے اور ایک نماز سورج غروب ہونے سے پہلے فرض تھی۔ اس کی دلیل اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا﴾ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کریں، سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔ سورۃ طٰہٰ: 130۔

([2])دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 300۔

اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ سعد ابن ابی وقاص کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے راستے میں سب سے پہلا خون بہایا تھا۔[1]

یہ خبریں قریش تک پہنچیں، مگر انہوں نے ان پر زیادہ توجہ نہ دی۔ شاید انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہ بھی اُن دیندار لوگوں میں سے ایک ہیں جو الوہیت اور اس کے حقوق کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں، جیسا کہ امیہ بن ابی الصلت، قس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل وغیرہ کیا کرتے تھے۔

لیکن اس کے باوجود انہیں اس بات کا اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں ان کی دعوت پھیل نہ جائے اور اس کا اثر وسیع نہ ہو جائے، لہٰذا وہ دن بہ دن اس دعوت اور اس کے انجام پر نظر رکھنے لگے[2]۔

تین سال تک دعوت خفیہ اور انفرادی طور پر جاری رہی۔ اس مدت میں ایمان والوں کی ایک جماعت تیار ہوئی جو باہمی اخوت، تعاون، اور دین کی تبلیغ واشاعت پر قائم تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی جس میں آپ کو علانیہ دعوت دینے کا حکم دیا گیا۔

---

(1) اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 2522 کے تحت روایت کیا ہے۔

(2) دیکھیں: فقہ السیرۃ، شیخ محمد غزالی، صفحہ 96۔

جہری دعوت

دعوت کا علانیہ اظہار پھر رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ﴾ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے، اور جو مومن آپ کی پیروی کریں ان کے لیے اپنا بازو جھکا دیجیے، پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: میں ان کاموں سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔ سورۃ الشعراء: 214-216۔ اور آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی نازل ہوا: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ پس جس بات کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اسے کھول کر بیان کریں اور مشرکین سے اعراض کریں۔ سورۃ الحجر: 94۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ کہتے ہیں پھر اپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ایت نازل ہوئی اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ طور پر دعوت کو شروع کیا اور اپنی قوم کو ظاہر طور پر اپنے دین کی دعوت دینے لگے[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس وقت بنو ہاشم میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان، یقین اور تصدیق کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مضبوط کوئی نہ تھا۔ اسی لیے وہ رسول اللہ ﷺ کے مطلوبہ کام کو قبول کرنے میں سب سے پہلے بڑھے۔ پھر اس کے بعد - واللہ اعلم - آپ ﷺ نے لوگوں کو کھلم کھلا صفا پہاڑ پر دعوت

([1]) دیکھیں: زاد المعاد، جلد اول، صفحہ 72۔

دی، اور قریش کے تمام قبائل کو عمومی اور خصوصی طور پر ڈرایا، یہاں تک کہ آپ نے اپنے چچاؤں، پھوپھیوں اور بیٹیوں کا نام لے کر بھی انذار فرمایا، تاکہ ادنیٰ کے ذکر سے اعلیٰ پر تنبیہ ہو جائے؛ یعنی میں تو صرف ڈرانے والا ہوں، اور اللہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے[1]۔

شیخین نے اپنی صحیحین میں -اور الفاظ مسلم کے ہیں- ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤] ((ورهطك منهم مخلصين)) [2] اور تم اپنے مخلص رشتہ داروں کو ڈراؤ، تو رسول اللہ ﷺ نکلے یہاں تک کہ صفا پر چڑھ گئے اور پکارا: «يا صَبَاحَاه!» لوگوں نے کہا: یہ کون پکار رہا ہے؟

کہا گیا: محمد ﷺ ہیں۔ تو لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا: اے بنی فلاں، اے بنی فلاں، اے بنی فلاں، اے بنی عبد مناف، اے بنی عبد المطلب! تو وہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھلا بتاؤ اگر میں تمہیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک لشکر نکل رہا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے کہا:

---

(1) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ششم، صفحہ 170۔

(2) امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرح صحیح مسلم، جلد سوم، صفحہ 69 میں فرماتے ہیں: عبارت: ورهطك منهم المخلصين "اور اپنے رشتہ داروں میں سے مخلص لوگوں کو" یہ قرآن کی ایک آیت تھی جو نازل ہوئی، پھر اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی، اور یہ اضافہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایات میں موجود نہیں ہے۔
میں کہتا ہوں: بلکہ یہ اضافہ بعینہٖ صحیح بخاری میں حدیث نمبر 4971 کے تحت موجود ہے۔

ہم نے تجھ پر کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس میں تمہارے لیے سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں[1]۔

شیخین نے اپنی صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ [الشعراء: ٢١٤]، تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے جماعتِ قریش! اپنی جانوں کو خرید لو، میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے بنی عبد مناف! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اور اے صفیہ، رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا۔ اور اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہو مانگ لو، میں اللہ کے ہاں تمہارے کچھ کام نہیں آسکوں گا[2]۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سب سے قریبی لوگوں پر واضح کر دیا کہ اس رسالت کی تصدیق ہی آپ کے اور ان کے درمیان تعلق کی بنیاد ہے، اور یہ کہ قرابت کی

([1]) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4971 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 208 کے تحت روایت کیا ہے۔

([2]) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4771 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 206 کے تحت روایت کیا ہے۔

وہ عصبیت جس پر عرب قائم تھے، اس آنے والے انذار کی حرارت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی[1]۔

ابو طالب کی اپنے بھتیجے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت

ابن اسحاق نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ نے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کیا اور اللہ کے حکم کے مطابق اسے ظاہر کر دیا، تو شروع میں آپ کی قوم نے آپ سے دوری اختیار نہیں کی اور نہ ہی جواب دیا۔ جب آپ نے ان کے معبودوں کا ذکر کیا اور ان کی عیب جوئی کی، تو انہوں نے اس بات کو بہت بڑا سمجھا اور اس کا انکار کیا، اور آپ کی مخالفت وعداوت پر متفق ہو گئے، سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جنہیں اسلام کے ذریعے محفوظ رکھا وہ تھوڑے تھے اور چھپ کر رہتے تھے۔ اور ابو طالب رسول اللہ ﷺ پر مہربان ہوئے، آپ کی حمایت کی، آپ کا دفاع کیا اور آپ کے آگے ڈٹ گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ اللہ کے حکم پر ڈٹے رہے، دین کو ظاہر کرتے رہے، کوئی چیز آپ کو اس سے روک نہ سکی[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی حفاظت فرمائی اور اپنے چچا ابو طالب کے ذریعے آپ کو بچایا، کیونکہ وہ شریف، مطاع اور اپنی قوم میں نبیل و معزز تھے۔ لوگ ان کے مقام کی وجہ سے آپ ﷺ پر اچانک حملہ کرنے

---

(1) دیکھیں: فقہ السیرۃ، شیخ محمد غزالی، صفحہ 97۔

(2) دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 301۔

کی جرأت نہ کرتے تھے۔ اور یہ اللہ کی حکمت تھی کہ ابو طالب اپنے دین پر باقی رہے، اس میں بڑی مصلحت تھی[1]۔

ابو لہب اور اس کی بیوی کا اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متعلق موقف

ابو لہب اور اس کی بیوی ام جمیل اروابنت حرب کا اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متعلق موقف یہ تھا کہ انہوں نے اپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دشمنی ظاہر کی کیونکہ جب اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر دعوت دیا تھا تو اپ کے چچا ابو لہب کھڑے ہوئے اور کہا تھا کہ سارے دن تمہارے لیے بربادی ہو کیا تم نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا اسی کے سلسلے میں سورہ مسد کی یہ ایتیں نازل ہوئیں: ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾ ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو، نہ اس کا مال اس کے کچھ کام آیا اور نہ جو اس نے کمایا۔ سورۃ المسد: 1-2۔[2]

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں ابو لہب یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں سے ایک تھے ان کا نام عبد العزی ابن عبد المطلب تھا ان کی کنیت ابو عتبہ تھی اور انہیں ابو لہب کا نام اس لیے دیا گیا کیونکہ ان کا چہرہ بہت ہی چمکدار اور خوبصورت تھا یہ

([1]) دیکھیں: الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 57۔

([2]) اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4770 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 208، 355 کے تحت روایت کیا ہے۔

اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ تکلیف پہنچاتا تھا اور اپ سے بغض رکھتا تھا اور اپ سے حسد رکھتا تھا اور اپ کی اور اپ کے دین کی بے جا کمیاں بیان کرتا تھا۔[1]

ابو لہب کی اس کنیت کا فائدہ

امام قرطبیؒ کہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین نے اس کی ابو لہب کنیت ان چار وجوہات اور معنی کی وجہ سے رکھا تھا[2]:

1- اس کا نام عبد العزی تھا اور عزی بت کا نام تھا اور اللہ رب العالمین نے اپنی کتاب میں عبودیت کو بت کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔

2- نمبر دو وہ اپنے کنیت سے اپنے نام کے مقابلے زیادہ مشہور تھا تو اسی کا ذکر اللہ رب العالمین نے قران میں کیا۔

3- نام کنیت سے زیادہ فضل والا ہوتا ہے اسی لیے اللہ رب العالمین نے اس کے فضیلت سے اس کو نیچے کر دیا ہے کیونکہ اس کے بارے میں بتانا ضروری تھا اسی لیے اپ دیکھیں گے کہ اللہ رب العالمین نے انبیاء کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا ہے اور ان میں سے کسی کو کنیت سے نہیں ذکر کیا اور نام کے کنیت کے مقابلے میں افضل ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالی کا نام لیا جاتا ہے کنیت اللہ کی نہیں ہوتی ہے اور اگر

---

(1) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ہشتم، صفحہ 514۔

(2) قرآن میں۔

کہ یہ اس کے ظاہر ہونے اور واضح ہونے اور اس کی جانب کنیت کی نسبت محال ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ رب العالمین اس سے پاک ہے۔

4- اللہ رب العالمین نے یہ چاہا کی اس کی اس نسبت کو پورا کرے اس کو جہنم میں داخل کر کے تو اب وہ لہب نسب کے تحقیق کے لیے ہو گا اور فال اور شگون جو اس نے اپنے لیے اختیار کیا تھا اس کے مطابق ہی ہو گا یعنی وہ جہنم میں داخل ہو گا۔[1]

ام جمیل اندھی عورت کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دشمنی

یہ ام جمیل عروہ بنت حرب بن امیہ ہیں جن کا لقب عوراء یعنی اندھی تھا۔

امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں شواہد کے ساتھ صحیح سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں جب یہ ایت نازل ہوئی تو ابو لہب کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ائی اس وقت اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو بکر بھی تھے جب ابو بکر نے اسے دیکھا تو کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بہت ہی بد گو اور عورت ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ یہ اپ کو تکلیف دے گی تو اپ یہاں سے کہیں اور چلے جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی چنانچہ وہ ائی اور اس نے کہا اے ابو بکر بے شک تمہارے ساتھی نے میری برائی بیان کی ہے اپ

([1])دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 22، صفحہ 547۔

رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں وہ تو شہر نہیں کہتے اس نے کہا تم میرے نزدیک سچے ہو اور وہ چلی گئی میں نے کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپ کو نہیں دیکھا!؟

اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ایک فرشتہ اپنے پر سے مجھے اس کی نگاہوں سے چھپا رہا تھا۔[1]

اور مستدرک میں امام حاکم کے یہاں صحیح سند سے ان شاءاللہ صحیح سند سے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے روایت ہے وہ کہتی ہیں جب یہ ایت نازل ہوئی تو اندھی خاتون ام جمیل بنت حرب ائی اور وہ کچھ باتیں کر رہی تھی اور اس کے ہاتھ میں کلہاڑی تھی وہ کہہ رہی تھی برائی کیا ہوا شخص (مذمم)[2] ہم اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کے دین کو ہم ناپسند کرتے ہیں اور اس کے معاملے کی ہم نافرمانی کرتے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور اس وقت اپ کے ساتھ ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب اسے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کہا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ ارہی ہے اور میں یہ خدشہ محسوس کر رہا ہوں کہ وہ اپ کو کہیں دیکھ نہ لے۔

([1]) اسے ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 6511 کے تحت روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 9، صفحہ 765 میں اسے ذکر کیا ہے اور اسے بزار کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مسند امام ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میں اسے صفحہ 588 اور 589 پر ذکر کیا ہے، اور فرمایا ہے: یہ سند حسن ہے۔

([2]) قریش رسول اللہ ﷺ کو مذمم کہتے تھے، پھر آپ ﷺ کو گالیاں دیتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: کیا تمہیں اس بات پر تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی قریش کی گالیوں اور ان کی لعنت کو مجھ سے کس طرح پھیر دیتا ہے؟ وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور مذمم پر لعنت کرتے ہیں، جبکہ میں محمد ہوں۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نمبر 3533 کے تحت روایت کیا ہے۔

تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک وہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی اور اس نے اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قران کی تلاوت کی اور اس کے ذریعے سے اپنی حفاظت کی جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے تو وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ سکیں اس نے کہا اے ابو بکر مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تمہارے ساتھی نے میری برائی بیان کی ہے تو انہوں نے کہا نہیں اللہ کی قسم اس گھر کے رب کی قسم اس نے تمہاری برائی نہیں بیان کی ہے وہ کہتے ہیں پھر وہ واپس ہو گئی اور کہہ رہی تھی کہ قریش کے لوگوں نے جان لیا کہ میں قریش کے وادی کے سردار کی بیٹی ہوں[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث کا ذکر اللہ تعالی کے اس فرمان کے تحت کرنا مناسب ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اے رسول! جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دیجیے، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا، اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ سورۃ المائدہ: 67۔ اور اللہ تعالی کے اس فرمان کے تحت بھی: ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا﴾ اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے

---

[1] اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3416 کے تحت روایت کیا ہے۔

درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ سورۃ الإسراء: 45۔[1]

قریش کا ابو طالب کی جانب وفد بھیجنا

جب قریش کے لوگوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جدائی اور ان کے معبودوں کی عیب بیان کرنے میں ان کے انکار کی ہوئی کسی چیز کی پرواہ نہیں کر رہے ہیں اور انہوں نے دیکھا کہ ان کے چچا ابو طالب نے ان کی مدد کی اور ان کے ساتھ کھڑے ہیں اور انہوں نے اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہیں کیا تو قریش کے سرداروں میں سے کچھ لوگ ابو طالب کی جانب نکلے جو کہ عتبہ شیبہ ربیعہ کے دونوں بیٹے اور ابو سفیان ابن حرب اور ابو البختری عاص ابن ہشام اور اسود ابن مطلب اور ابو جہل عمر ابن ہشام ولید ابن مغیرہ حجاج کے دونوں بیٹے اور منبع عاص ابن وائل تھے اور انہوں نے کہا اے ابو طالب بے شک تمہارے بھتیجے نے ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے اور ہمارے دین کی عیب جوئی کی ہے اور ہمارے عقل کو بیوقوف کہا ہے اور ہمارے اباواجداد کو گمراہ قرار دیا ہے تو یا تو اپ انہیں ہم سے روکیے یا ہمارے اور ان کے درمیان اڑ نہ ایئے بے شک تم بھی اسی دین پر ہو جس پر ہم ہیں اور ہم سبھی اس کے

([1])دیکھیں: مسند امام ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، صفحہ ۵۸۹۔

مخالف ہیں تو ہم اس کے سلسلے میں اپ کے لیے کافی ہوں گے تو ابو طالب نے ان سے نرم بات کہی اور ان کا اچھا جواب دیا چنانچہ وہ لوگ واپس ہو گئے۔[1]

ولید ابن مغیرہ کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت

امام حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے جسے انہوں نے صحیح کہا ہے اور بیہقی نے دلائل نبوت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ولید ابن مغیرہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایا تو اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قران پڑھ کر سنایا تو گویا اس کا دل نرم پڑ گیا یہ بات ابو جہل کو پتہ چلی تو وہ اس کے پاس ایا اور کہنے لگا اے چچا بے شک تمہارے قوم کے لوگ چاہتے ہیں کہ وہ تمہارے لیے مال جمع کریں اس نے کہا کیوں۔

اس نے کہا تا کہ وہ وہ مال تمہیں دیں کیونکہ تو محمد کے پاس ائے ہو تا کہ تم جو اس کے پاس ہے اس کا انکار کرو انہوں نے کہا قریش کے لوگ جانتے ہیں کہ میں ان میں سب سے زیادہ مال والا ہوں تو اس نے کہا تو تم ان کے بارے میں کوئی ایسی بات کہو جس سے تمہاری قوم کے لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ تم اس کا انکار کرنے والے ہو یا اس کو ناپسند کرتے ہو تو اس نے کہا میں کیا کہوں اللہ کی قسم تم لوگوں میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ اشعار کے بارے میں جاننے والا نہیں ہے اور نہ ہی اشعار کے قصیدوں کے مقامات کے بارے میں مجھ سے زیادہ کوئی جانکار ہے اور نہ ہی جنات کے اشعار میں مجھ سے زیادہ علم

([1])دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 301۔

رکھنے والا کوئی ہے اللہ کی قسم یہ جو کہتے ہیں وہ ان میں سے کسی کے مشابہ نہیں ہے اور اللہ کی قسم اس کے بعد کی جو وہ کہتا ہے ایک الگ ہی مٹھاس ہے اور اس پر ایک الگ ہی رونق اور حسن اور خوبصورتی ہے اور اس کا اوپری حصہ پھلنے والا ہوگا اور اس کا نیچے کا حصہ مضبوط ہونے والا ہوگا اور وہ بلند ہوگا اس کے اوپر کوئی بلند نہیں ہو سکے گا اور وہ اپنے سے نیچے والے لوگوں کو پست کر دے گا اس نے کہا تمہارے قوم کے لوگ تمہارے ان باتوں سے راضی نہیں ہوگے یہاں تک کہ تم اس کے بارے میں کوئی بات کہو تو اس نے کہا مجھے ذرا مہلت دو یہاں تک کہ میں سوچوں پھر جب اس نے سوچ فکر کی تو کہا یہ جادو ہے جو پہلے لوگوں سے لی گئی ہے وہ اسے اپنے سے علاوہ سے سیکھتا ہے تو یہ ایت نازل ہوئی: ﴿ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا﴾ مجھے اور اسے چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ سورۃ المدثر:11۔[1]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو گر کہا جانا

قریش کے لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو گر کہنے پر اتفاق کیا جیسا کہ ان کے لیے ولید ابن مغیرہ کب اللہ نے یہ صفت اختیار کی تھی چنانچہ وہ سب ہی لوگوں

([1])امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 21، صفحہ 371 میں فرماتے ہیں: مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ مخزومی ہے۔ اگرچہ تمام لوگوں کی تخلیق اسی طرح ہوئی ہے، لیکن اسے خاص طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نعمت کی ناشکری اور رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے میں نمایاں تھا۔

یہ روایت امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3914 کے تحت، امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد دوم، صفحات 198 اور 199 میں مرسل طرق سے، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد اول، صفحہ 306 میں روایت کی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ، جلد دوم، صفحہ 169 میں فرماتے ہیں: یہ تمام روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔

کے راستوں میں بیٹھنے لگے یہاں تک کہ جب حج کا موسم ایا تو ان کے پاس سے جو بھی گزرتا اس کو اپ سے ڈراتے اور اس سے اپ کے معاملے کو بیان کرتے اور قریش میں اس سلسلے میں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر کے حصہ لینے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کا چچا ابو لہب اور ابو جہل ابن عمر ابن ہشام۔ قبحھما اللہ۔ تھے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں حسن سند کے ساتھ لفظ امام احمد کے ہیں ربیعہ ابن عباد دہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی انکھوں سے ظلم جاز نامی بازار میں دیکھا اپ لوگوں سے کہہ رہے تھے اے لوگو لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے اپ اس کی گلیوں میں داخل ہوتے اور لوگ اپ کے پیچھے پیچھے چلتے میں نے کسی کو کچھ کہتے ہوئے نہیں دیکھا اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش نہیں ہوتے یہ کہا کرتے تھے اے لوگو لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے ہاں مگر اپ کے پیچھے ایک بھینگا شخص تھا جو روشن چہرے والے تھا اس کی دو چوٹیاں تھیں وہ کہہ رہا تھا یہ بے دین اور جھوٹا ہے میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ محمد ابن عبداللہ ہیں اور یہ نبوت کا ذکر کر رہے ہیں میں نے کہا یہ اپ کی تکذیب کرنے والا شخص کون ہے تو لوگوں نے کہا یہ اپ کا چچا ابو لہب ہے۔[1]

([1])اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 16023 کے تحت، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3099 کے تحت روایت کیا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جو شخص اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا وہ ابو جہل تھا چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند سے اشعث ابن ابی شاہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بنو مالک ابن کنانہ کے ایک بزرگ شخص نے کہا میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ظلم جاز نامی بازار میں دیکھا اپ اس میں موجود تھے اور کہہ رہے تھے اے لوگو لا الہ الا اللہ کہہ دو کامیاب ہو جاؤ گے ابو جہل اپ کے اوپر مٹی پھینکتا اور کہتا لوگو یہ تمہیں تمہارے دین سے نافرد دے دھوکے میں نہ ڈالے یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے معبودوں کو چھوڑ دو اور تم لات و عزہ کی عبادت کو چھوڑ دو وہ کہتے ہیں اور اپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی جانب توجہ نہیں دیتے تھے۔[1]

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں اسی طرح اس سیاق میں ابو جہل کا ذکر ہے ہو سکتا ہے یہ وہم ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک بار یہ رہے ہوں اور ایک بار وہ رہے ہوں اور یہ دونوں اپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باری باری تکلیف دیا کرتے تھے۔[2]

اور ابن اسحاق کہتے ہیں ایسا کرتے ہوئے عرب کے لوگ اس موسم کے اختتام پر اپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے کو جان چکے تھے اور وہ اپ کی خبر کو لے کر اپنے گھروں کو واپس ہوئے اور اپ کا تذکرہ پورے عرب کے اندر فائل گیا اور ابو طالب کو

([1])اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 16603 کے تحت روایت کیا ہے۔

([2])دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد سوم، صفحہ 151۔

عرب کے لوگوں سے خوف لاحق ہوا کہ کہیں وہ اپنے قوم کے ساتھ ان کے پاس لشکر لے کر نہ اجائیں تو انہوں نے اپنا وہ قصیدہ کہا جس میں انہوں نے حرم مکہ اور اس کے اندر اپنے مقام و مرتبہ سے پناہ چاہی اور اپنے قوم کے سرداروں سے ان کی محبت چاہی اور وہ ان لوگوں کو یہ بتا رہے تھے کہ وہ اللہ کے رسول کو چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہی اپ کو ان کے حوالے کریں گے یہاں تک کہ اپ کی حفاظت کرتے ہوئے وہ ہلاک ہو جائیں[1]۔

[1] دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 309۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لیے قریش کے مختلف طریقہ کار

1- قرآن کریم کے مصدر کے بارے میں شبہات پیدا کرنا، جھوٹی افواہیں پھیلانا اور اس کی تعلیم اور رسول اللہ ﷺ کی شخصیت کے بارے میں بے بنیاد خبریں نشر کرنا۔ چنانچہ وہ وہی باتیں کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان فرمائی ہیں: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ ۗ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں: اسے تو ایک انسان سکھاتا ہے۔ جس شخص کی طرف وہ نسبت کرتے ہیں، اس کی زبان عجمی ہے، جبکہ یہ قرآن واضح عربی زبان میں ہے۔ سورۃ النحل: 103۔ اور قرآن کے بارے میں انہوں نے وہ باتیں کہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ذکر فرمائی ہیں: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ ۖ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا ۝ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ اور کافروں نے کہا: یہ تو محض ایک جھوٹ ہے جو اس نے گھڑ لیا ہے، اور دوسرے لوگوں نے اس معاملے میں اس کی مدد کی ہے۔ پس وہ ظلم اور جھوٹ کی بات لے کر آئے ہیں۔ اور انہوں نے کہا: یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، جنہیں اس نے لکھوالیا ہے، پس وہ صبح و شام اسے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔

2- مذاق اڑانا اور جھٹلانا چنانچہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پاگل کہا: ﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ﴾ اور انہوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے! یقیناً تم مجنون ہو۔ سورۃ الحجر: 6۔

ابن اسحاق کہتے ہیں اور جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان پر قران کی تلاوت کرتے اور انہیں اللہ کی طرف بلاتے تو وہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے اور کہتے: ﴿قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ﴾ ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں جس کی طرف تم ہمیں دعوت دیتے ہو، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک پردہ ہے۔ پس تم اپنا کام کرو، ہم بھی اپنا کام کرنے والے ہیں۔ سورۃ فصلت: 5۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ كَافِرُونَ﴾ اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو محض مذاق بنا لیتے ہیں، کہتے ہیں: کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟ حالانکہ وہ خود رحمان کے ذکر کے منکر ہیں۔ سورۃ الأنبیاء: 36۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو محض مذاق بنا لیتے ہیں، کہتے ہیں: کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اگر ہم اپنے معبودوں پر ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہمیں ان سے گمراہ کر دیتا۔ پس جب وہ عذاب دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ سورۃ الفرقان: 41-42۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ اور جب کافر آپ کو دیکھتے ہیں، یعنی قریش کے کافر، جیسے ابو جہل اور اس جیسے دوسرے لوگ، تو: ﴿إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا﴾ وہ آپ کو محض مذاق بناتے ہیں، یعنی آپ کا مذاق اڑاتے اور آپ کی تحقیر کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: ﴿أَهَذَا الَّذِي يَذْكُرُ آلِهَتَكُمْ﴾ کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟ یعنی کیا یہی وہ شخص ہے جو تمہارے معبودوں کو برا کہتا اور تمہاری عقلوں کو کم تر قرار دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَٰنِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ حالانکہ وہ خود رحمان کے ذکر کے منکر ہیں، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں، اور اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا﴾ اور جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو محض مذاق بنا لیتے ہیں، کہتے ہیں: کیا یہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اگر ہم اپنے معبودوں پر ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہمیں ان سے گمراہ کر دیتا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ سورۃ الفرقان: 41-42۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ اور یقیناً آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد پنجم، صفحہ 342۔

ان لوگوں کو جنہوں نے ان کا مذاق اڑایا تھا، اسی چیز نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ سورۃ الأنعام: 10۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو تسلی اور دلاسا دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ﴾ اور یقیناً آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، پھر ان کی قوموں پر وہ عذاب نازل ہوا جس کے ذریعے وہ ہلاک کر دی گئیں، یہ ان کے اپنے انبیاء کا مذاق اڑانے کی جزا تھی۔[1]

3- قرآن کا مقابلہ پہلے لوگوں کے قصوں کے ذریعے کرنا، تاکہ لوگوں کو ان قصوں میں مشغول کر کے قرآن سے دور رکھا جائے۔ اس کام کو نضر بن حارث نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ وہ قریش کے شیاطین میں سے تھا، اور حیرہ[2] گیا تھا، جہاں اس نے فارس کے بادشاہوں کے قصے سیکھے تھے۔ ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور یہ وہی بات ہے جو، جیسا کہ مجھے پہنچی ہے، اس نے کہی تھی: ﴿سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ میں بھی اسی طرح نازل کروں گا جیسے اللہ نے نازل کیا ہے۔ سورۃ الأنعام: 93۔[3]

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 8، صفحہ 328۔

2- حیرہ، حاء کے کسرہ کے ساتھ، کوفہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ایک شہر ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان، جلد سوم، صفحہ 201۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 337۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جیسا کہ مجھے پہنچا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کے بارے میں قرآن مجید کی آٹھ آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ اور جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے: یہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔ سورۃ القلم: 15۔ اور قرآن مجید میں جہاں جہاں اساطیر کا ذکر آیا ہے، وہ سب اسی کے بارے میں ہے۔[1]

قریش کا اسلام قبول کرنے والوں کو ستانا

رسول اللہ ﷺ رات دن، کھلے اور چھپے طریقے سے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے رہے۔ کوئی چیز آپ ﷺ کو اس کام سے روک نہ سکی اور نہ کوئی رکاوٹ آپ ﷺ کو دعوتِ دین سے باز رکھ سکی۔ آپ ﷺ لوگوں کے اجتماعات، مجلسوں، محفلوں، میلوں اور حج کے مواقع پر جاتے اور جس سے ملاقات ہوتی اسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، کمزور ہو یا طاقت ور، امیر ہو یا غریب، آپ ﷺ کے نزدیک دعوتِ دین کے معاملے میں سب برابر تھے۔ قریش کے طاقت ور اور سخت دل مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والے کمزور مسلمانوں کو قول اور عمل، دونوں طریقوں سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں پہنچائیں[2]۔

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد اول، صفحہ 337۔

2- دیکھیں: البدایہ والنہایہ (46/3)۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں:

پھر قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے جو اسلام قبول کر چکے تھے اور آپ ﷺ کی پیروی کرتے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے اندر اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ انہیں قید کرتے، مارتے پیٹتے، بھوک اور پیاس کی تکلیف دیتے اور سخت گرمی کے وقت مکہ کی تپتی ہوئی زمین پر لٹاتے تھے۔ ان میں سے جو لوگ کمزور تھے، انہیں اپنے دین سے پھیرنے کے لیے سخت آزمائشوں اور اذیتوں میں ڈالا جاتا۔ چنانچہ بعض لوگ شدید تکلیف کی وجہ سے آزمائش میں پڑ جاتے، جبکہ بعض اپنے دین پر ثابت قدم رہتے اور اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ظلم سے محفوظ رکھتا[1]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے حفاظت عطا فرمائی، کیونکہ وہ قریش میں ایک معزز اور بااثر شخص تھے۔ اہلِ مکہ میں ان کی بات مانی جاتی تھی، اس لیے قریش کے لوگ رسول اللہ ﷺ کو کھلے طور پر زیادہ اذیت پہنچانے کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ، جو سب سے بڑھ کر حکمت والا ہے، کی حکمت میں سے یہ بھی تھا کہ ابو طالب اپنی قوم کے دین پر قائم رہے، کیونکہ اس میں ایسی مصلحتیں تھیں جنہیں غور کرنے والا شخص سمجھ سکتا ہے۔ رہے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تو جن کے خاندان اور قبیلے ان کی حفاظت کرتے تھے، وہ

---

[1] دیکھیں: سیرت ابن ہشام (354/1)۔

اپنے خاندان کی وجہ سے محفوظ رہتے تھے، جبکہ دوسرے صحابہ کو مشرکین کی طرف سے اذیتوں اور سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا[1]۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے جن سات افراد نے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کیا، وہ یہ تھے: رسول اللہ ﷺ، ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمار رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ سمیہ رضی اللہ عنہا، صہیب رضی اللہ عنہ، بلال رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے ذریعے محفوظ رکھا، جبکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے خاندان کے ذریعے تحفظ عطا فرمایا۔ رہے باقی صحابہ، تو مشرکین نے انہیں پکڑ لیا، لوہے کی زرہیں پہنا دیں اور دھوپ میں تپاتے رہے۔ ان میں سے ہر ایک نے شدید تکلیف کی وجہ سے کسی نہ کسی حد تک مشرکین کی خواہش کے مطابق بات مان لی، سوائے بلال رضی اللہ عنہ کے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی جان کو حقیر سمجھ لیا تھا اور اپنی قوم کے نزدیک بھی ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ چنانچہ مشرکین نے انہیں پکڑ لیا اور بچوں کے حوالے کر دیا۔ بچے انہیں مکہ کی وادیوں اور گلیوں میں گھماتے پھرتے تھے، جبکہ وہ مسلسل کہتے جاتے: «أَحَدٌ أَحَدٌ» ''اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے[2]۔''

1- دیکھیں: زاد المعاد (26/3)۔

2- امام احمد، مسند، حدیث نمبر 3832؛ ابن ماجہ، سنن، حدیث نمبر 150۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ مجھے اسلام کی وجہ سے باندھ دیا کرتے تھے[1]۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ حارثہ بن مضرب سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، اس وقت انہوں نے اپنے پیٹ پر داغ لگوایا ہوا تھا۔ انہوں نے فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی نے اتنی سخت آزمائش برداشت کی ہو جتنی میں نے برداشت کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک وقت ایسا بھی تھا کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہوتا تھا۔[2]''

حاکم نے المستدرک میں متعدد طرق اور شواہد کے ساتھ حسن سند سے ابو عبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے، وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ: مشرکین نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک انہوں نے نبی کریم ﷺ کو برا بھلا نہ کہا اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔ جب انہیں چھوڑ دیا گیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

1- امام بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 3862۔

2- امام ترمذی، جامع الترمذی، حدیث نمبر 992۔

''تمہارے پیچھے کیا گزری؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! بہت برا وقت گزرا۔ انہوں نے مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا کلمات نہ کہے اور ان کے معبودوں کی تعریف نہ کی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس وقت تم اپنے دل کی کیفیت کیسی پاتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''میرا دل ایمان پر مطمئن ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی دوبارہ وہی کر لینا[1]۔''

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (النحل: 106) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: ''مشہور بات یہ ہے کہ مذکورہ آیت حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے[2]۔''

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رہی بات قول کے معاملے میں اکراہ کی، تو علماء کا اس کے جائز ہونے پر اتفاق ہے۔ اگر کسی شخص کو کسی حرام بات کے کہنے پر حقیقی اور معتبر طور پر مجبور کیا جائے، تو اسے اپنی جان بچانے کے لیے وہ بات کہنے کی

1- حوالہ: حاکم، المستدرک، حدیث نمبر 3402۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (322/14) میں اسے نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ انہوں نے اسے متعدد مرسل طرق سے بھی ذکر کیا، پھر فرمایا کہ یہ تمام مرسل روایات ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔

2- حوالہ: فتح الباری (322/14)۔

اجازت ہے اور اس پر گناہ نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ ''مگر وہ شخص جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔'' اور نبی کریم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «إِنْ عَادُوا فَعُدْ» ''اگر وہ دوبارہ ایسا کریں تو تم بھی دوبارہ وہی کر لینا۔'' مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو اس قدر اذیت دی تھی کہ وہ ان کی مطلوبہ کفر کی بات کہنے پر مجبور ہو گئے، چنانچہ انہوں نے ایسا کر دیا[1]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت

جب مسلمانوں پر ہونے والا ظلم و ستم طویل ہو گیا تو حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور فرما دے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس وقت شکایت کی جب آپ ﷺ کعبہ کے سائے[2] میں اپنی چادر کو تکیہ بنائے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا: ''آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کیوں نہیں مانگتے؟ آپ ہمارے لیے دعا کیوں نہیں کرتے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص کو پکڑا جاتا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھود

1- حوالہ: جامع العلوم والحکم (372/2)۔

2- ایک دوسری روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ''ہم نے مشرکین کی طرف سے بہت سختیاں برداشت کی ہیں۔''

کر اسے اس میں ڈال دیا جاتا، پھر آرا لا کر اس کے سر پر رکھا جاتا اور اسے دو حصوں میں چیر دیا جاتا، لیکن یہ تکلیف اسے اس کے دین سے نہیں پھیرتی تھی۔ اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت کے نیچے موجود ہڈیوں اور پٹھوں کو نوچا جاتا، لیکن یہ تکلیف بھی اسے اس کے دین سے نہیں پھیرتی تھی۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل کرے گا، یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا خوف نہیں ہوگا، البتہ اسے اپنی بکریوں کے بارے میں بھیڑیے کا خوف ہوگا، لیکن تم جلدی کر رہے ہو[1]۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا نبی کریم ﷺ سے مشرکین کے خلاف دعا کرنے کی درخواست کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین نے ان پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے ناحق انہیں اذیت اور تکلیف پہنچائی تھی[2]۔

شیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی فوری یا مستقبل کے دنیاوی فائدے کے حصول کے لیے جمع نہیں کیا تھا۔ بلکہ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں سے وہ پردہ ہٹا دیا جس نے انہیں ایک طویل عرصے سے حق دیکھنے سے روک رکھا تھا، چنانچہ انہوں نے اس حق کو پہچان لیا۔ آپ

1- حوالہ: امام بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 3612، اور دوسری روایت حدیث نمبر 3852۔
2- حوالہ: فتح الباری (327/14)۔

ﷺ نے ان کے دلوں سے غفلت اور جاہلیت کی تہہ کو دور کیا، تو ان کے دلوں نے اس یقین کو پہچان لیا جس پر وہ فطری طور پر پیدا کیے گئے تھے اور جس سے جاہلیت نے انہیں محروم کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انسانوں کو ان کے رب سے جوڑ دیا، چنانچہ انہیں ان کے مضبوط اور باعزت تعلق اور اللہ تعالیٰ سے مضبوط رشتے کا احساس دلایا، جبکہ اس سے پہلے وہ حیران و پریشان اور بے بس تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے سامنے ہمیشہ رہنے والی زندگی اور فنا ہونے والی دنیا کا موازنہ واضح کر دیا، تو انہوں نے آخرت کے گھر کو اس دنیا کے عارضی گھر پر ترجیح دی۔ آپ ﷺ نے انہیں معمولی اور بے حقیقت بتوں اور عظیم معبود کے درمیان انتخاب کا موقع دیا، تو انہوں نے تراشے ہوئے بتوں کو حقیر سمجھا اور اس ذات کی طرف متوجہ ہو گئے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے دلوں میں اعتماد اور حوصلہ پیدا کرتے تھے اور ان پر اس وسیع امید کا فیض نچھاور فرماتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دل میں اسلام کی فتح، اس کے اصولوں کے پھیلنے اور مشرق و مغرب میں اس کی کامیاب پیش قدمی کے سامنے ظالموں کے اقتدار کے ختم ہونے کے بارے میں پیدا فرمائی تھی[1]۔

پہلی ہجرت حبشہ کی طرف

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کس قدر تکلیفیں دی جا رہی ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے بلند مقام اور

1- حوالہ: السیرۃ، شیخ محمد الغزالی، ص105۔

آپ کے چچا ابو طالب کی حمایت کی وجہ سے آپ ﷺ نسبتاً محفوظ ہیں، اور آپ ﷺ اپنے صحابہ کو ان آزمائشوں سے نہیں بچا سکتے، تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف چلے جاؤ تو وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا۔ وہ سچی اور پُرامن سرزمین ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس مصیبت سے نجات کی کوئی راہ عطا فرمائے گا جس میں تم مبتلا ہو[1]۔'' چنانچہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ مسلمان فتنے سے اپنے دین کو بچانے اور اپنے دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے حبشہ کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ اسلام میں ہونے والی پہلی ہجرت تھی[2]۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ﴾ (العنکبوت: 56) ''اے میرے ایمان والے بندو! بے شک میری زمین وسیع ہے، لہٰذا تم صرف میری ہی عبادت کرو۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مؤمن بندوں کے لیے حکم ہے کہ وہ اس جگہ سے ہجرت کریں جہاں وہ دین پر عمل قائم نہیں

1- حوالہ: بیہقی، دلائل النبوۃ (301/2)؛ ابن اسحاق، السیرۃ (358/1)؛ شیخ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3190 میں اسے ذکر کر کے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

2- دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام (358/1)۔

رکھ سکتے، اور اللہ تعالیٰ کی وسیع زمین میں کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں وہ اپنے دین کو قائم کر سکیں، یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں، جیسا کہ اس نے انہیں حکم دیا ہے۔ اسی وجہ سے جب مکہ مکرمہ میں کمزور مسلمانوں کے لیے رہنا دشوار ہو گیا تو وہ اپنے دین کی حفاظت کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ وہاں انہیں حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی رحمہ اللہ کی صورت میں بہترین پناہ گاہ ملی۔ انہوں نے ان مسلمانوں کو پناہ دی، ان کی مدد کی اور انہیں اپنے ملک میں امن و امان کے ساتھ رہنے کی اجازت دی[1]۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے بھی بڑی قربانی کی دعوت دی، یعنی اپنا وطن چھوڑنے، اپنے اہل و عیال سے جدائی اختیار کرنے اور اپنے دین کی حفاظت کے لیے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دی جو ان کا وطن نہیں تھا، نہ وہاں کے لوگ ان کے اپنے تھے، نہ ان کی زبان ان کی زبان تھی اور نہ ان کا دین ان کے دین جیسا تھا۔ یہ سرزمین حبشہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے گھروں سے نکلے، اپنے اہل و عیال کو چھوڑا اور حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ قریش کی اذیت بھی ان کے پیچھے حبشہ تک پہنچ گئی۔ قریش اپنے کفر، دین سے

1- حوالہ: تفسیر ابن کثیر (290/6)۔

روکنے اور ہٹ دھرمی میں مزید آگے بڑھتے گئے۔ لیکن کیا قریش اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا سکتے تھے؟[1]

ہجرتِ حبشہ کرنے والے مسلمانوں کی تعداد

اس موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت فتنے سے اپنے دین کو بچانے اور اپنے دین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف ہجرت کرنے کے لیے خفیہ طور پر حبشہ کی سرزمین کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ اسلام کی پہلی ہجرت تھی۔ یہ ہجرت بعثت کے پانچویں سال ماہِ رجب میں ہوئی۔ اس وقت ہجرت کرنے والوں کی تعداد گیارہ مرد اور چار خواتین تھی، اور ان کے امیر حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ تھے۔ مسلمانوں نے حبشہ میں ایک بہترین پڑوسی اور بہترین جگہ پر رجب کے بقیہ دنوں، شعبان اور رمضان کے کچھ عرصے تک قیام کیا، پھر وہ مکہ مکرمہ واپس آگئے، جیسا کہ آگے ذکر ہوگا[2]۔

قریش کے کفار کا سجدہ

بعثت کے پانچویں سال ماہِ رمضان میں رسول اللہ ﷺ حرمِ مکی میں تشریف لے گئے، جہاں قریش کے بہت سے سردار اور بڑے لوگ موجود تھے۔ رسول اللہ

1- حوالہ: رجال من التاریخ، ص14، شیخ علی طنطاوی۔

2- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام (359/1)، زاد المعاد (28/3)۔

ﷺ ان کے درمیان کھڑے ہوئے اور سورۂ نجم کی تلاوت شروع فرمائی۔ جب آپ ﷺ نے اچانک ان کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی اور ان کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا ایسا عظیم اور دل کو موہ لینے والا کلام پہنچا جس کی شان و عظمت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا، تو وہ سب اپنے ارد گرد کی ہر چیز سے بے خبر ہو کر پوری توجہ سے کلامِ الٰہی سننے لگے۔ ہر شخص کی تمام توجہ اسی تلاوت کی طرف ہو گئی۔ جب آپ ﷺ نے سورت کے آخر میں ایسی آیات تلاوت فرمائیں جن سے دل دہل اٹھتے ہیں، پھر یہ آیت پڑھی: ﴿فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا﴾ (النجم: 62) ”پس اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا تو کوئی بھی اپنے آپ کو روک نہ سکا اور سب سجدے میں گر پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ حق کی عظمت نے ان متکبر اور مذاق اڑانے والے لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کو توڑ دیا تھا، چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہونے سے خود کو نہ روک سکے [1]۔

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری کے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”سب سے پہلی سورت جس میں سجدے کی آیت نازل ہوئی، وہ **سورۂ نجم** ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے پیچھے موجود لوگوں نے بھی سجدہ کیا، سوائے ایک شخص کے۔ میں نے دیکھا

1- حوالہ: الرحیق المختوم، ص93۔

کہ اس نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسی پر سجدہ کر لیا۔ بعد میں میں نے اسے اس حال میں دیکھا کہ وہ کافر ہی مرا۔ یہ شخص امیہ بن خلف تھا[1]۔"

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۂ نجم میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ

1- حوالہ: امام بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 4860؛ امام مسلم، صحیح مسلم، حدیث نمبر 576۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (256/3) میں فرمایا: سیرت ابن اسحاق میں آیا ہے کہ وہ شخص ولید بن مغیرہ تھا، لیکن اس قول میں نظر ہے، کیونکہ ولید بن مغیرہ قتل نہیں ہوا تھا۔ اور تفسیر سنید میں شک کے ساتھ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ ولید بن مغیرہ یا عتبہ بن ربیعہ تھا، لیکن اس روایت میں بھی نظر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طبرانی نے مخرمہ بن نوفل کی روایت نقل کی ہے، وہ کہتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ نے اسلام کا اعلان فرمایا تو اہلِ مکہ اسلام قبول کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ سجدے کی آیت تلاوت فرماتے تو لوگ بھی سجدہ کرتے۔ بعض لوگ زیادہ ہجوم کی وجہ سے سجدہ بھی نہ کر پاتے تھے۔ پھر قریش کے بڑے سردار، جن میں ولید بن مغیرہ، ابو جہل اور دیگر لوگ شامل تھے، جو اس وقت طائف میں تھے، واپس آئے اور لوگوں سے کہا: "کیا تم اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ رہے ہو؟" البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کے ثابت ہونے میں بھی کلام ہے۔ امام طبری نے ابو بشر کے واسطے سے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر اس پر سجدہ کرنے والا شخص سعید بن عاص بن امیہ، ابو صیحہ تھا۔ امام نحاس نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ ابو حیان، جو ہمارے اساتذہ کے اساتذہ میں سے ہیں، نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ وہ شخص ابو لہب تھا، لیکن انہوں نے اس قول کی کوئی دلیل بیان نہیں کی۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگوں نے سورۂ نجم کی تلاوت پر سجدہ کیا، البتہ قریش کے دو آدمیوں نے سجدہ نہیں کیا اور انہوں نے ایسا صرف شہرت حاصل کرنے کے لیے کیا۔ اور امام نسائی نے مطلب بن ابی وداعہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور آپ ﷺ کے ساتھ موجود لوگوں نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت مطلب مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ان تمام روایات میں سے جو بات بھی ثابت ہو، ممکن ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو نہ دیکھا ہو، یا انہوں نے خاص طور پر صرف اسی شخص کا ذکر کیا ہو، کیونکہ اس نے دوسروں کے مقابلے میں مٹی کی ایک مٹھی اٹھا کر اس پر سجدہ کیا تھا۔

کیا، لیکن میں نے ان کے ساتھ سجدہ نہیں کیا۔ اس وقت میں مشرک تھا، اس لیے میں آئندہ کبھی بھی اس میں سجدہ کرنے سے انکار نہیں کروں گا[1]۔"

مہاجرینِ حبشہ کی مکہ واپسی

یہ خبریں مہاجرینِ حبشہ رضی اللہ عنہم تک پہنچیں، لیکن حقیقت کے بالکل برعکس صورت میں۔ انہیں یہ خبر پہنچی کہ اہلِ مکہ اسلام قبول کر چکے ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ بھی کیا ہے۔ چنانچہ مہاجرین نے کہا: "ہمیں اپنے قبیلے اور خاندان زیادہ محبوب ہیں۔" پھر وہ حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس روانہ ہو گئے۔ یہ بعثت کے پانچویں سال ماہِ شوال میں ہوا۔ جب وہ مکہ مکرمہ سے تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت کے فاصلے پر پہنچے تو انہیں حقیقت کا علم ہوا اور معلوم ہوا کہ مشرکین اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن بن چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ حبشہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا، لیکن پھر انہوں نے کہا: "ہم مکہ پہنچ چکے ہیں!" لہٰذا وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔ ان میں سے کوئی بھی شخص کھلے طور پر مکہ میں داخل نہیں ہوا، بلکہ یا تو چھپ کر داخل ہوا یا قریش کے کسی شخص کی پناہ اور امان میں داخل ہوا۔ ان میں سے بعض لوگ دوبارہ حبشہ واپس چلے گئے[2]۔

1- حوالہ: امام احمد، مسند، حدیث نمبر (15464)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے الاصابہ (104/6) میں ذکر کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور فتح الباری (598/9) میں بھی اسے ذکر کیا اور امام نسائی کی طرف منسوب کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- حوالہ: طبقات الکبریٰ لابن سعد (99/1)، سیرۃ ابن ہشام (402/1)، زاد المعاد (29/3)۔

حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے روایت کیا ہے کہ یہ [1] حضرت عثمان بن عفان، حضرت عثمان بن مظعون اور ان کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کی پہلی ہجرت میں حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کرنے کے بعد نازل ہوئی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز میں اس آیت کی تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا، تو مسلمانوں اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔ یہ خبر جب مہاجرینِ حبشہ تک پہنچی تو وہ واپس لوٹ آئے۔ پھر انہوں نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ واقعہ معراج سے دو سال پہلے پیش آیا تھا [2]۔

قریش کی ابو طالب سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گفت وشنید

جب قریش کو یقین ہو گیا کہ کمزور مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے اور دوسرے لوگوں کو اذیت پہنچانے کے باوجود لوگ اللہ تعالیٰ کی دعوت قبول کرنے سے باز نہیں آ رہے، تو انہوں نے ایک بار پھر مذاکرات کا طریقہ اختیار کیا۔ چنانچہ وہ دوبارہ ابو طالب کے پاس گئے اور کہا: ''اے ابو طالب! آپ ہماری قوم میں عمر، عزت اور مقام و مرتبہ کے اعتبار سے ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ ہم نے آپ سے اپنے بھتیجے کے معاملے میں پہلے بھی کہا تھا کہ آپ اسے ہمارے خلاف دعوت دینے سے روک دیں، لیکن آپ نے اسے ہم سے باز نہیں رکھا۔ اللہ کی قسم! ہم اس بات کو ہر گز برداشت نہیں کر سکتے کہ وہ

1- سورہ نجم۔

2- حوالہ: دلائل النبوۃ (370/2)۔

ہمارے آباؤاجداد کو برا بھلا کہے، ہماری عقلوں کو کم تر قرار دے اور ہمارے معبودوں کو عیب دار ٹھہرائے۔ لہٰذا آپ اسے ہم سے باز رکھیں، ورنہ ہم اس کے خلاف اور آپ کے خلاف بھی مقابلہ کریں گے، یہاں تک کہ دونوں فریقوں میں سے ایک ہلاک ہو جائے۔''

ابو طالب کے لیے اپنی قوم سے جدائی اور ان کی دشمنی بہت بھاری تھی، لیکن وہ نہ تو رسول اللہ ﷺ کے اسلام قبول کرنے سے خوش تھے اور نہ ہی آپ ﷺ کو بے یار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر فرمایا: ''اے میرے بھتیجے! تمہاری قوم میرے پاس آئی تھی اور انہوں نے مجھ سے یہ یہ باتیں کہیں ہیں۔ لہٰذا مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو، اور مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالو جسے اٹھانے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ سمجھا کہ شاید آپ کے چچا نے اپنی سابقہ رائے بدل لی ہے، وہ آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑنے اور آپ ﷺ کو قریش کے حوالے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اور اب آپ ﷺ کی مدد اور حمایت میں ان کی قوت کمزور پڑ گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے میرے چچا! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ کر بھی مجھ سے کہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں، تو میں اسے ہرگز نہیں چھوڑوں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اسی راستے میں ہلاک ہو جاؤں!'' پھر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ ﷺ رو پڑے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اٹھ کر چل دیے۔

جب آپ ﷺ جانے لگے تو ابو طالب نے آپ ﷺ کو آواز دے کر کہا: ''میرے بھتیجے! واپس آؤ۔'' رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لائے تو ابو طالب نے فرمایا: ''اے میرے بھتیجے! جاؤ اور جو چاہو کہو۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں کسی بھی چیز کے حوالے نہیں کروں گا۔'' پھر ابو طالب نے یہ اشعار کہے:

والله لن يصلوا إليك بجمعهم حتى أوسد في التراب دفينًا

فاصدع بأمرك ما عليك غضاضة وأبشر وقر بذاك منك عيونًا[1].

ترجمہ: اللہ کی قسم! وہ اپنی پوری جماعت کے ساتھ بھی تم تک نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک کہ میں قبر میں دفن کر دیا جاؤں۔ لہٰذا تم اپنے دین کا کھلم کھلا اعلان کرو، تم پر کوئی ملامت نہیں۔ خوش رہو اور اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔

اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: قریش کے لوگ ابو طالب کے پاس آئے اور کہا: ''آپ کے بھتیجے ہمیں ہماری مجلسوں اور اجتماعات میں اذیت دیتے ہیں، لہٰذا آپ اسے ہمیں اذیت دینے سے روک دیں۔'' ابو طالب نے مجھ سے کہا: ''اے عقیل! محمد ﷺ کے پاس جاؤ۔'' حضرت عقیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ میں آپ ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ کو ایک چھوٹے سے گھر سے باہر لے

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (303/1)۔

آیا۔ طلحہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت شدید گرمی میں باہر تشریف لائے۔ آپ ﷺ سخت گرم زمین کی تپش سے بچنے کے لیے جہاں جہاں سایہ ملتا، اس میں چلتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ پھر ہم ابو طالب کے پاس پہنچے۔ ابو طالب نے کہا: ''میرے بھتیجے! تمہارے چچازاد بھائیوں کا کہنا ہے کہ تم انہیں ان کی مجلسوں اور اجتماعات میں اذیت دیتے ہو، لہٰذا اس سے باز آجاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا: ''کیا تم اس سورج کو دیکھ رہے ہو"؟ انہوں نے کہا: "ہاں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس طرح تمہارے لیے اس سورج سے ایک شعلہ حاصل کرنا ممکن نہیں، اسی طرح میرے لیے اس دعوت کو چھوڑ دینا بھی ممکن نہیں"۔ اس پر ابو طالب نے فرمایا: "ہم نے اپنے بھتیجے کو کبھی جھوٹا نہیں پایا۔'' چنانچہ تم لوگ واپس چلے جاؤ"[1]۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا

اسی زمانے میں، یعنی بعثت کے چھٹے سال حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ بعض اہلِ سیرت نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے بعثت کے دوسرے سال اسلام قبول کیا تھا۔

1- اسے حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر 6610 کے تحت روایت کیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ میں حدیث نمبر 92 کے تحت اسے ذکر کر کے حسن قرار دیا ہے۔

حاکم نے المستدرک میں ضعیف سند کے ساتھ ابن اسحاق سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے، جو اس واقعے سے بخوبی واقف تھا، بیان کیا کہ ابو جہل نے صفا کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کا راستہ روکا، آپ ﷺ کو اذیت دی، آپ ﷺ کو برا بھلا کہا اور آپ ﷺ کے دین میں عیب نکالتے ہوئے اور آپ ﷺ کو کم تر قرار دیتے ہوئے ایسی باتیں کہیں جو آپ ﷺ کو ناگوار تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ عبداللہ بن جدعان تیمی کی ایک لونڈی صفا کے اوپر واقع اپنے مکان میں تھی اور اس نے یہ سب کچھ سنا۔ ابو جہل رسول اللہ ﷺ کو اذیت دے کر وہاں سے چلا گیا اور کعبہ کے پاس قریش کی مجلس میں جا کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شکار سے واپس آئے۔ ان کے کاندھے پر کمان تھی۔ جب وہ شکار سے واپس آتے تو قریش کی کسی مجلس کے پاس سے گزرتے ہوئے ضرور وہاں رکتے، سلام کرتے اور لوگوں سے گفتگو کرتے۔ وہ قریش کے سب سے زیادہ باعزت اور سب سے زیادہ مضبوط ارادے والے لوگوں میں سے تھے۔ اس وقت وہ مشرک تھے اور اپنی قوم کے دین پر قائم تھے۔ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو وہ لونڈی آپ کے پاس پہنچی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس جانے کے لیے اٹھ چکے تھے۔ اس نے کہا: "اے ابو عمارہ! کاش آپ دیکھتے کہ ابھی ابھی ابوالحکم [1] نے آپ کے بھتیجے محمد ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے!

1- یہ ابو جہل کی کنیت ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے۔

وہ یہاں آئے، انہیں اذیت دی، برا بھلا کہا اور ایسی باتیں کہیں جو انہیں ناگوار تھیں۔ پھر وہ وہاں سے چلا گیا، جبکہ محمد ﷺ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا"۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ نے جس عزت و کرامت کا ارادہ فرمایا تھا، اس کے لیے ان کے دل میں شدید غصہ پیدا ہو گیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے روانہ ہوئے اور راستے میں کسی کے پاس نہ رکے، جیسا کہ ان کا معمول تھا۔ ان کا ارادہ بیت اللہ کا طواف کرنے کا تھا، لیکن ساتھ ہی وہ ابو جہل سے سامنا کرنے کے لیے بھی اسے تلاش کر رہے تھے۔ جب وہ مسجد حرام میں داخل ہوئے تو انہوں نے ابو جہل کو لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا دیکھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور جب اس کے سر کے پاس پہنچے تو اپنی کمان اٹھا کر اس کے سر پر پوری قوت سے ایک زور دار ضرب لگائی۔ قریش میں سے بنو مخزوم کے کچھ لوگ ابو جہل کی مدد کے لیے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور کہنے لگے: "اے حمزہ! ہمیں تو لگتا ہے کہ آپ بھی بے دین[1] ہو گئے ہیں"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے؟ اب تو میرے سامنے اس معاملے کی حقیقت واضح ہو چکی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ اللہ کی قسم! میں اس

1- کہا جاتا ہے: ''صبا فلاں'' اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی شخص ایک دین چھوڑ کر دوسرے دین کو اختیار کر لے۔ عرب لوگ رسول اللہ ﷺ کو صابی کہتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ نے قریش کے دین کو چھوڑ کر اسلام کا دین اختیار کیا تھا۔ دیکھیں: النہایہ (3/3)۔
میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ ایک لمحے کے لیے بھی قریش کے دین پر نہیں رہے، بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ حنیف اور مسلمان تھے اور مشرکین میں سے نہیں تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کے سامنے سجدہ نہیں کیا، نہ کبھی بت کو چھوا یا اس سے برکت حاصل کی، اور نہ کبھی کسی نجومی یا کاہن کے پاس گئے۔ یہ سب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی حفاظت میں سے تھا۔

سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے روک کر دیکھ لو"۔ اس پر ابو جہل نے کہا: "ابو عمارہ کو چھوڑ دو، میں نے واقعی اس کے بھتیجے کو بہت بری طرح برا بھلا کہا تھا"۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام پر ثابت قدم رہے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیار کر لی۔ جب حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تو قریش کو یقین ہو گیا کہ اب رسول اللہ ﷺ کو قوت اور تحفظ حاصل ہو گیا ہے، اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ چنانچہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے اور آپ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرنے سے جو کچھ پہلے کرتے تھے، اس سے باز آ گئے۔

پھر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس آئے تو شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا: "آپ قریش کے سردار ہیں! کیا آپ نے اس صابی کی پیروی اختیار کر لی اور اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دیا؟ جو کچھ آپ نے کیا ہے، اس کے مقابلے میں مر جانا آپ کے لیے بہتر ہے"۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس وسوسے سے سخت پریشان ہوئے اور اپنے کیے پر غور کرتے ہوئے کہنے لگے: "میں نے کیا کر ڈالا! اے اللہ! اگر یہ راستہ ہدایت اور درست ہے تو اس کی تصدیق میرے دل میں پیدا فرما، اور اگر ایسا نہیں تو مجھے اس معاملے سے نکلنے کی کوئی راہ عطا فرما جس میں میں مبتلا ہو گیا ہوں"۔ پھر انہوں نے ایسی رات گزاری جیسی اس سے پہلے کبھی نہ گزاری تھی۔ شیطان کے وسوسے انہیں مسلسل پریشان کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

صبح ہوتے ہی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے میرے بھتیجے! میں ایک ایسے معاملے میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ مجھے معلوم نہیں۔ میرے لیے یہ بھی ممکن نہیں کہ میں ایسے معاملے پر قائم رہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ یہ ہدایت ہے یا گمراہی۔ لہٰذا مجھے اس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ اے میرے بھتیجے! میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے اس بارے میں کچھ بیان کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف توجہ فرمائی اور انہیں دین کی حقیقت بیان کی، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا، اس کی رحمت اور اجر کی خوشخبری دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں وہ ایمان پیدا فرما دیا جس کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ یقیناً سچے ہیں، ایسی سچی گواہی جو حقیقت کو جاننے والے شخص کی گواہی ہے۔ اے میرے بھتیجے! اپنے دین کا کھلم کھلا اعلان کرو۔ اللہ کی قسم! اگر میرے پاس وہ تمام نعمتیں بھی ہوں جن پر آسمان سایہ کیے ہوئے ہے، تب بھی میں اپنے پہلے دین پر باقی رہنا پسند نہیں کروں گا۔'' راوی کہتے ہیں: ''حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو عزت عطا فرمائی[1]۔''

1- حوالہ: حاکم، المستدرک، حدیث نمبر 4939؛ ابن اسحاق، السیرۃ (328/1)۔ مجھ سے غلطی ہوئی تھی، میں نے اللؤلؤ المکنون میں اس واقعے کی سند کو صحیح قرار دیا تھا، لہٰذا اس کی اصلاح یہاں سے کر لی جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ہدایت کی دعا اور ان کا اسلام قبول کرنا

امام احمد نے اپنی مسند اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هَذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ، بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ» ''اے اللہ! ان دونوں آدمیوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما: ابو جہل یا عمر بن خطاب۔'' چنانچہ ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے [1]۔

حاکم نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّةً» ''اے اللہ! خاص طور پر عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کو عزت عطا فرما۔'' [2]

1- حوالہ: امام احمد، مسند، حدیث نمبر 5696؛ امام ترمذی، جامع الترمذی، حدیث نمبر 4013۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔''

2- حوالہ: حاکم، المستدرک، حدیث نمبر 4535۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (404/7) میں اسے ذکر کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حاکم نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی: «اللَّهُمَّ أَيِّدِ الدِّينَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ» ''اے اللہ! عمر بن خطاب کے ذریعے دین کی تائید فرما[1]۔''

میں کہتا ہوں: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو وحی کے ذریعے آگاہ فرما دیا تھا کہ ابو جہل اسلام قبول نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت مقدر نہیں فرمائی تھی۔ اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خصوصیت کے ساتھ ہدایت کی دعا کے لیے منتخب فرمایا۔ واللہ اعلم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر دعاء نبوی کا اثر

رسول اللہ ﷺ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ہدایت کی دعا کے آثار حضرت لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے رویے میں ظاہر ہوئے، جب وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر رہی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ بہت نرمی سے پیش آئے، حالانکہ مسلمانوں کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اس طرح نرمی کا برتاؤ معمول کے بالکل خلاف تھا، کیونکہ وہ مسلمانوں کے خلاف انتہائی سخت لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

1- حوالہ: حاکم، المستدرک، حدیث نمبر 4533۔

امام احمد نے فضائل الصحابہ میں اور حاکم نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ ام عبداللہ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "اللہ کی قسم! ہم حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کرنے کی تیاری کر رہے تھے، جبکہ عامر[1] ہماری کسی ضرورت کے لیے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں عمر بن خطاب آئے اور میرے پاس آکر کھڑے ہو گئے۔ اس وقت وہ ابھی مشرک تھے۔ ہم ان کی طرف سے سخت آزمائش اور بہت زیادہ تکلیف برداشت کر چکے تھے۔ انہوں نے کہا: "اے ام عبداللہ! کیا تم واقعی روانہ ہونے والی ہو"؟ میں نے کہا: "ہاں، اللہ کی قسم! ہم اللہ کی زمین میں کہیں اور چلے جائیں گے۔ تم لوگوں نے ہمیں اتنی اذیت دی اور اتنا ستایا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے کوئی راستہ نکال دے"۔ اس پر عمر نے کہا: "اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو"۔ میں نے ان کے اندر ایسی نرمی دیکھی جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔ میری رائے میں ہماری ہجرت کی وجہ سے وہ بہت غمگیں تھے۔ ام عبداللہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: عامر اپنی ضرورت سے واپس آئے تو میں نے ان سے کہا: ''اے ابو عبداللہ! کاش آپ ابھی عمر کو دیکھتے، وہ ہمارے ساتھ کتنی نرمی سے پیش آئے اور ہماری جدائی پر کتنے غمگیں تھے۔'' عامر نے کہا: ''کیا تمہیں اس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہے"؟ میں نے کہا: "ہاں"۔ انہوں نے کہا: "جس عمر کو میں نے دیکھا ہے، وہ اس وقت تک اسلام قبول نہیں کرے گا جب تک خطاب کا گدھا اسلام

1- حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، ام عبداللہ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر اور اسلام قبول کرنے والوں میں سبقت لے جانے والے صحابہ میں سے تھے۔ دیکھیں: الاصابہ (469/3)۔

قبول نہ کرلے"۔انہوں نے یہ بات عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے مایوسی کی وجہ سے کہی تھی، کیونکہ وہ اسلام کے ساتھ ان کی سختی اور درشتی کو دیکھ چکے تھے"[1]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں متعدد روایات منقول ہیں، اگرچہ ان میں سے اکثر ضعیف ہیں۔بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی روشنی بتدریج ان کے دل میں داخل ہوئی اور آہستہ آہستہ ان کے دل پر غالب آتی گئی۔سب سے پہلی کیفیت جو ان کے دل میں پیدا ہوئی، اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ایک مرتبہ میں ان کے معبودوں کے پاس سویا ہوا تھا کہ اچانک ایک شخص[2] بچھڑا لایا اور اسے ذبح کیا۔اس وقت ایک پکارنے والے نے ایسی بلند آواز سے پکارا کہ میں نے اس سے زیادہ بلند آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: " اے بے باک! کام کامیاب ہوگیا، ایک فصیح شخص کہہ رہا ہے: اللہ کے

1-حوالہ: امام احمد، فضائل الصحابہ، حدیث نمبر 371؛ حاکم، المستدرک، حدیث نمبر 7069۔امام سندی نے شرح المسند (215/2) میں اسے ذکر کرکے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2-حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (741/2) میں فرمایا ہے کہ یہ پکارنے والا سواد بن قارب سدوسی تھا۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری (572/7) میں یہی رائے اختیار کی ہے۔
حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الاستیعاب (333/2) میں فرمایا ہے: "سواد بن قارب سدوسی زمانۂ جاہلیت میں کہانت کیا کرتے تھے اور شاعر بھی تھے، پھر اسلام لے آئے۔"

سوا کوئی معبود نہیں"۔ لوگ اچھل کر کھڑے ہوگئے۔ میں نے کہا: "میں یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک یہ معلوم نہ کرلوں کہ اس کے پیچھے کیا معاملہ ہے"۔ پھر اس پکارنے والے نے دوبارہ آواز دی: "اے بے باک! کام کامیاب ہوگیا، ایک فصیح شخص کہہ رہا ہے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں"۔ چنانچہ میں بھی کھڑا ہوگیا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ کہا جانے لگا: "یہ شخص نبی ہے"[1]۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود اس بچھڑے سے پکارنے والے کی آواز سنی تھی جسے ذبح کیا گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے واقعے سے متعلق ایک ضعیف روایت میں بھی یہی بات صراحت کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ تاہم دیگر تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاہن نے اپنے مشاہدے اور سماعت کی بنیاد پر یہ بات بیان کی تھی۔ واللہ اعلم[2]۔

پھر امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کرکے فرمایا: "بظاہر یہی وہ کاہن[3] ہیں جن کا نام صحیح حدیث میں ذکر نہیں کیا گیا"۔[4]

1- حوالہ: امام بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 3866۔

2- حوالہ: دلائل النبوۃ (245/2)۔

3- یہی وہ شخص ہے جس کا ذکر کچھ دیر پہلے امام بخاری کی روایت میں ہوا ہے۔

4- حوالہ: دلائل النبوۃ (248/2)۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: مصنف[1] نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے باب میں اس واقعے کو ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول روایت کے مطابق، یہی واقعہ ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا تھا[2]۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کی قوت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب سے عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے ہیں، ہم مسلسل عزت و قوت میں رہے ہیں"[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: "کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں مضبوطی اور قوت کے حامل تھے"[4]۔

1-یعنی امام بخاری رحمہ اللہ

2-حوالہ: فتح الباری (576/7)۔

3-حوالہ: امام بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 3684۔

4-حوالہ: فتح الباری (404/7)۔

امام احمد نے فضائل الصحابہ میں حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا فتح تھا، ان کی ہجرت نصرت تھی، اور ان کی حکومت (خلافت) رحمت تھی"[1]۔

حاکم نے المستدرک میں ایسی سند کے ساتھ، جس میں کوئی حرج نہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! ہم اس وقت تک کعبہ کے پاس علانیہ نماز ادا نہیں کر سکتے تھے جب تک عمر رضی اللہ عنہ اسلام نہیں لے آئے"[2]۔

عتبہ بن ربیعہ کا رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنا

جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما اسلام لے آئے اور ان دونوں کے ذریعے اسلام کو قوت حاصل ہو گئی، تو قریش نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو اور مذاکرات کرنے کے لیے عتبہ بن ربیعہ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ آپ ﷺ کو کچھ پیش کرے اور آپ ﷺ سے کوئی معاملہ طے کر سکے۔ ابن اسحاق نے سیرت میں محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ، جو قریش کے ایک سردار تھے، ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تنہا تشریف فرما تھے۔ عتبہ نے کہا: "اے قریش

1- حوالہ: امام احمد، فضائل الصحابہ، حدیث نمبر 307۔

2- حوالہ: حاکم، المستدرک، حدیث نمبر 4537۔

کے لوگو! کیا میں محمد ﷺ کے پاس جا کر ان سے بات نہ کروں اور ان کے سامنے کچھ ایسی تجاویز پیش نہ کروں جن میں سے شاید وہ کچھ قبول کر لیں؟ پھر ہم انہیں ان کی پسند کی کوئی چیز دے دیں گے اور وہ ہمیں چھوڑ دیں گے"۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تھے اور قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی مسلسل بڑھتے اور زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ قریش نے کہا: "کیوں نہیں، اے ابوالولید! جاؤ اور اس سے بات کرو"۔

عتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ پھر کہنے لگے: ''اے میرے بھتیجے! تم اپنی قوم میں اپنے خاندانی مقام اور نسب کے اعتبار سے جو مقام رکھتے ہو، وہ تمہیں معلوم ہے۔ لیکن تم اپنی قوم کے سامنے ایک بہت بڑا معاملہ لے کر آئے ہو، جس کے ذریعے تم نے ان کی جماعت میں تفرقہ ڈال دیا، ان کی عقلوں کو کم تر قرار دیا، ان کے معبودوں اور ان کے دین کو عیب دار ٹھہرایا، اور ان کے ان آباؤ اجداد کو کافر قرار دیا جو گزر چکے ہیں۔ لہٰذا میری بات سنو! میں تمہارے سامنے کچھ ایسی باتیں پیش کرتا ہوں جن پر تم غور کرو، شاید تم ان میں سے کچھ قبول کر لو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کہو، اے ابوالولید! میں سن رہا ہوں۔''

عتبہ نے کہا: "اے میرے بھتیجے! اگر تم اس دعوت کے ذریعے مال حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہم اپنے تمام مال جمع کر کے تمہیں دے دیں گے، یہاں تک کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم عزت و سرداری چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا

سردار بنادیں گے، یہاں تک کہ ہم تمہاری اجازت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اگر تم بادشاہت چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنادیں گے۔ اور اگر یہ کوئی ایسا جن ہے جو تمہارے پاس آتا ہے اور تم اسے اپنے آپ سے دور نہیں کر سکتے، تو ہم تمہارے لیے کسی طبیب کو تلاش کریں گے اور اس کے علاج پر اپنا مال خرچ کریں گے، یہاں تک کہ ہم تمہیں اس سے نجات دلادیں گے؛ کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی جن کسی انسان پر غالب آجاتا ہے، پھر اس کا علاج کیا جاتا ہے"۔

جب عتبہ اپنی بات مکمل کر چکے اور رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو الولید! کیا تم اپنی بات مکمل کر چکے ہو"؟ انہوں نے کہا: "جی ہاں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تو اب میری بات سنو"۔ انہوں نے کہا: "میں سنوں گا"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے تلاوت فرمائی: ﴿حٰمٓ ۝ تَنْزِيلٌ مِنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ۝ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ بَشِيرًا وَنَذِيرًا فَأَعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (فصلت: 1-4)[1] پھر رسول اللہ ﷺ اسی سورت کی تلاوت کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ جب عتبہ نے آپ ﷺ سے یہ آیات سنیں تو وہ خاموشی سے پوری توجہ کے ساتھ انہیں سنتا رہا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی پشت کے پیچھے رکھ کر ان پر ٹیک لگا لیا اور غور سے آپ ﷺ کی تلاوت سنتا رہا۔ پھر رسول اللہ

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر (248/1) میں فرمایا ہے: "جس سورت کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوا ہے، اس میں ضرور قرآنِ کریم کی حقانیت و برتری کا بیان، اس کے اعجاز اور عظمت کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بات تتبع اور غور و جستجو سے معلوم ہوتی ہے، اور یہی صورت انتیس سورتوں میں پائی جاتی ہے۔"

ﷺ اس سورت کی آیتِ سجدہ تک پہنچے اور سجدہ کیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابو الولید! تم نے وہ سب کچھ سن لیا ہے جو تم نے سنا ہے، اب تم جانو اور تمہارا معاملہ"۔

اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک تلاوت فرماتے رہے جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے: ﴿فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ﴾ (فصلت: 13) تو عتبہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیا اور آپ ﷺ سے قرابت داری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ آپ ﷺ اس سے آگے تلاوت نہ کریں۔

چنانچہ عتبہ بن ربیعہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گئے۔ ان میں سے بعض نے ایک دوسرے سے کہا: "اللہ کی قسم! ابو الولید تمہارے پاس اس کیفیت کے برخلاف چہرہ لے کر واپس آئے ہیں جس کیفیت میں وہ یہاں سے گئے تھے"۔ جب وہ ان کے پاس بیٹھ گئے تو انہوں نے پوچھا: "اے ابو الولید! کیا خبر لائے ہو"؟ انہوں نے کہا: "میں ایسی بات سن کر آیا ہوں کہ اللہ کی قسم! میں نے اس جیسی بات کبھی نہیں سنی۔ اللہ کی قسم! یہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ کہانت۔ اے قریش کے لوگو! میری بات مانو اور اس معاملے کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دو، اور اس شخص کو اس کے کام کے ساتھ چھوڑ دو۔ تم اس سے الگ رہو۔ اللہ کی قسم! میں نے جو بات اس سے سنی ہے، اس کے بارے میں میرا خیال ہے کہ اس کا ایک بڑا اثر ظاہر ہونے والا ہے۔

اگر عرب اسے ختم کر دیں تو تمہارا کام دوسروں کے ہاتھوں ہو جائے گا، اور اگر وہ عرب پر غالب آ گیا تو اس کی بادشاہت تمہاری بادشاہت، اس کی عزت تمہاری عزت اور تم اس کے ذریعے سب سے زیادہ خوش نصیب لوگ ہو گے"۔ انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! اے ابوالولید! اس شخص نے اپنی زبان کے ذریعے تم پر جادو کر دیا ہے"! عتبہ نے کہا: "یہ اس کے بارے میں میری رائے ہے، اب تم جو مناسب سمجھو کرو"[1]۔

قریش کا معجزات کا مطالبہ

اس کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک نیا طریقہ اختیار کیا، یعنی انہوں نے آپ ﷺ سے مادی معجزات کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الأنعام: 37)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یعنی اللہ تعالیٰ یقیناً اس پر قادر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان معجزات کو مؤخر رکھے، کیونکہ اگر ان کے مطالبے کے مطابق ان کے لیے معجزہ ظاہر کر دیا جاتا، پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں فوراً عذاب میں مبتلا کر دیتا، جیسا کہ اس نے سابقہ امتوں کے ساتھ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ

1- حوالہ: ابن اسحاق، السیرۃ (330/1)؛ بیہقی، دلائل النبوۃ (203/2، 205)؛ ابو یعلیٰ، مسند، حدیث نمبر 1818۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے شیخ محمد الغزالی کی کتاب فقہ السیرۃ کی تحقیق (ص 108) میں اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا﴾(الإسراء:59)۔[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا (٩٠) أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا (٩١) أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا (٩٢) أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا (٩٣) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا (٩٤) قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا (٩٥) قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا (٩٦)﴾

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اپنی قوم کے سامنے اس بات کی دلیل بتارہے ہیں کہ جو پیغام آپ ﷺ ان کے پاس لے کر آئے ہیں، وہ سچا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور جو کچھ میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں، اسے خوب جانتا ہے۔ اگر میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا تو وہ مجھے سخت ترین سزا دیتا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ﴾(الحاقۃ:44-46)۔

1- تفسیر ابن کثیر(253/3)۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ (الإسراء: 96) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے بارے میں خوب جاننے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون انعام، احسان اور ہدایت کا مستحق ہے، اور کون بد بختی، گمراہی اور حق سے کجی کا مستحق ہے[1]۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (الأنعام: 109)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ مشرکین کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام کی انتہائی پختہ قسمیں کھا کر کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی، یعنی کوئی معجزہ اور خلافِ معمول چیز آ جائے تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے، یعنی اسے سچا مان لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے محمد! ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ہٹ دھرمی، کفر اور عناد کی وجہ سے آپ سے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں، ہدایت حاصل کرنے اور راہِ حق معلوم کرنے کے لیے نہیں، بلکہ محض ضد اور سرکشی کے طور پر مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ معجزات اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو تمہارا مطالبہ پورا کر دے اور اگر چاہے تو تمہیں چھوڑ دے"۔[2]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اہلِ مکہ نے

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (122/5)۔
2- تفسیر ابن کثیر (316/3)۔

نبی کریم ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ ان کے لیے صفا[1] پہاڑ کو سونے کا بنادیں اور پہاڑوں کو ان سے دور ہٹادیں تاکہ وہ وہاں کھیتی کر سکیں۔ چنانچہ آپ ﷺ سے کہا گیا: اگر آپ چاہیں تو ہم انہیں مہلت دے دیتے ہیں، اور اگر آپ چاہیں تو جو کچھ انہوں نے مانگا ہے، وہ انہیں دے دیتے ہیں؛ لیکن اگر اس کے بعد بھی وہ کفر کریں گے تو انہیں اسی طرح ہلاک کر دیا جائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا گیا تھا"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "نہیں، بلکہ میں انہیں مہلت دینا پسند کرتا ہوں"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً﴾ (الإسراء: 59)[2]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کے مطالبے کو پورا نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ان معجزات کے ظاہر ہونے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے، لہٰذا انہیں فوراً عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا"۔[3]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ (٤) فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (٥) أَلَمْ يَرَوْا كَمْ

1- صفا سعی کے دو پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ لفظ صفا اصل میں صفات کی جمع ہے، اور اس کے معنی چٹان یا ہموار پتھر کے ہیں۔ دیکھیں: النہایہ (38/3)۔

2- یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (2333) کے تحت، اور حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر (3419) کے تحت روایت کی ہے۔

3- دیکھیں: البدایہ والنہایہ (57/3)۔

أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ (٦) وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ (٧) وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ (٨) وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ (٩) وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (١٠) قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (١١) ﴾(الأنعام:4-11)[1]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رہی بات اس آیت[2] کی، تو مشرکین نے اپنے کفر اور ہٹ دھرمی کی بنا پر مطالبہ کرتے ہوئے کہا: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ﴾ (الأنعام:8) یعنی انہوں نے ایسے فرشتے کا مطالبہ کیا جسے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں، اسے حاضر دیکھیں، اس کی گواہی دیں اور اس کی تصدیق کریں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فرشتہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس آتا ہی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مطالبے کا جواب دیا اور اس بات کی حکمت واضح فرمائی کہ ان کے تجویز کردہ طریقے کے مطابق فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ کیونکہ اگر ان کے مطالبے کے مطابق فرشتہ اتار دیا جاتا اور پھر بھی وہ اس پر ایمان نہ لاتے اور اس کی تصدیق نہ کرتے تو انہیں فوراً عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا۔ یہی اللہ تعالیٰ کا کافروں کے ساتھ معاملہ رہا ہے کہ جب وہ اپنی فرمائش کے مطابق کسی معجزے کا مطالبہ کرتے اور وہ انہیں دکھا دیا جاتا، پھر

1- یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر (2333) کے تحت، اور حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر (3419) کے تحت روایت کی ہے۔

2- یہ سورۂ انعام کی آیت نمبر 8 ہے۔

بھی وہ ایمان نہ لاتے تو انہیں فوراً عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ﴾ (الأنعام: 8)، پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اگر ان کے مطالبے کے مطابق کوئی فرشتہ اتار بھی دیا جاتا تو بھی ان کا مقصد حاصل نہ ہوتا؛ کیونکہ اگر فرشتہ اپنی اصل صورت میں آتا تو وہ اس سے براہِ راست بات چیت کرنے اور اس سے فیض حاصل کرنے کی قدرت نہ رکھتے۔ انسان فرشتے سے براہِ راست گفتگو اور معاملہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ، جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ طاقتور تھے، جب آپ ﷺ پر فرشتہ نازل ہوتا تو آپ ﷺ پر اس کا بڑا بوجھ پڑتا، آپ ﷺ کو شدید مشقت محسوس ہوتی اور سخت تکلیف کی کیفیت طاری ہو جاتی، یہاں تک کہ سردی کے دن میں بھی آپ ﷺ کے جسم سے پسینہ بہنے لگتا تھا[1]۔ اور اگر فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجا جاتا تو بھی ان کے لیے معاملہ مشتبہ ہو جاتا کہ آیا یہ فرشتہ ہے یا انسان۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ (الأنعام: 9) یعنی اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو اسے انسانی شکل میں ہی بھیجتے۔ اس صورت میں بھی ان کے لیے وہی اشتباہ پیدا ہو جاتا جس میں وہ خود مبتلا تھے۔ چنانچہ جب وہ فرشتے کو انسانی شکل میں دیکھتے تو کہتے: "یہ تو انسان ہے، فرشتہ نہیں"۔ یہی اس آیت کا مفہوم ہے[2]۔

1- یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیثِ افک کی طویل روایت کے ضمن میں اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2661 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2770(56) کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: مدارج السالکین (364/4)۔

قرآنِ عظیم سب سے بڑا معجزہ

اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (العنکبوت:50-52)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ مشرکین کی ہٹ دھرمی اور ان کے اس مطالبے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ وہ ایسے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے جو انہیں اس بات کی رہنمائی کریں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کے لیے اونٹنی کا معجزہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے محمد! ان سے کہہ دیجیے کہ معجزات کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا کہ تم ہدایت حاصل کرلو گے تو وہ تمہارے مطالبے کے مطابق ضرور تمہاری درخواست پوری کر دیتا، کیونکہ یہ کام اس کے لیے نہایت آسان ہے۔ لیکن وہ تمہارے بارے میں جانتا ہے کہ تمہارا مقصد ہدایت حاصل کرنا نہیں، بلکہ محض ہٹ دھرمی اور آزمائش کے طور پر مطالبہ کرنا ہے، اس لیے وہ تمہارا مطالبہ پورا نہیں کرتا۔'' پھر اللہ تعالیٰ ان کی جہالت اور کم عقلی کی شدت کو واضح فرماتے ہیں کہ وہ ایسے معجزات کا مطالبہ کر رہے تھے جو محمد ﷺ کی لائی ہوئی دعوت کی صداقت پر دلالت کریں، حالانکہ آپ ﷺ ان کے پاس ایسی عظیم کتاب لے کر آئے تھے جس کے آگے سے

باطل آسکتا ہے نہ پیچھے سے، اور جو حکمت والے، قابل حمد اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ یہ قرآن ہر معجزے سے بڑھ کر عظیم معجزہ ہے، کیونکہ فصاحت وبلاغت کے ماہر لوگ اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے سے عاجز رہے، بلکہ اس جیسی دس سورتیں پیش کرنے سے بھی عاجز رہے، بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی پیش نہ کر سکے [1]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "قرآنِ عظیم میں وہ تمام اوصاف جمع ہو گئے ہیں جو کسی اور چیز میں جمع نہیں ہوئے۔ قرآن ہی دعوت ہے، قرآن ہی حجت ہے، قرآن ہی دلیل ہے اور قرآن ہی وہ چیز ہے جس کی طرف دلیل دی گئی ہے۔ قرآن ہی گواہ ہے اور قرآن ہی وہ حق ہے جس کی صداقت پر گواہی دی گئی ہے۔ قرآن ہی فیصلہ ہے اور قرآن ہی دلیل ہے۔ قرآن ہی دعوت ہے اور قرآن ہی واضح دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ (ہود: 17) یعنی اس کے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل ہے، اور وہ قرآن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں، جو اپنے رسول ﷺ کی صداقت پر دلالت کرنے والی کسی نشانی کا مطالبہ کرتے تھے، فرمایا: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ شَهِيدًا ۖ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ﴾ (العنکبوت: 51-52) پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خبر دی کہ اس نے جو کتاب نازل فرمائی ہے، وہ ہر نشانی سے کافی ہے۔ اس میں اس بات کی حجت اور دلیل موجود ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (287/6)۔

ہے اور اسی نے اپنے رسول ﷺ کو دے کر بھیجا ہے۔ اسی کتاب میں ان امور کی وضاحت بھی ہے جن پر عمل کرنے والے کے لیے سعادت حاصل ہوتی ہے اور جو اسے عذاب سے نجات دلاتے ہیں"۔ (1)

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

جب قریش نے دوبارہ اہلِ ایمان پر ظلم و ستم شروع کر دیا اور دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کو مزید اذیتیں پہنچانے پر اکسایا، تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ دوسری مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے روانہ ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تراسی مرد تھی، اگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہوں؛ کیونکہ ان کی ان مہاجرین کے ساتھ ہجرت کے بارے میں اختلاف اور شک پایا جاتا ہے۔ اور اگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہ ہوں تو ان کی تعداد بیاسی مرد بنتی ہے۔ جبکہ خواتین کی تعداد اٹھارہ تھی (2)۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ابن اسحاق نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے بارے میں شک کا اظہار کیا ہے کہ آیا انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی یا نہیں۔ لیکن اہلِ سیرت، مثلاً واقدی، ابن عقبہ اور دیگر اہلِ سیرت کے نزدیک

1- دیکھیں: مدارج السالکین (479/4)۔

2- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (368/1)۔

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ ان مہاجرین میں شامل نہیں تھے"[1]۔

مہاجرینِ حبشہ کے بعض ناموں میں اختلاف

امام احمد نے اپنی مسند میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نجاشی کے پاس بھیجا، اور اس وقت ہم تقریباً اسی افراد تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جعفر، حضرت عبداللہ بن عرفطہ، حضرت عثمان بن مظعون اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ چنانچہ ہم نجاشی کے پاس پہنچے... مکمل حدیث"۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور مسلمان بھی یکے بعد دیگرے ہجرت کرتے رہے، یہاں تک کہ سب حبشہ کی سرزمین میں جمع ہو گئے۔ وہیں قیام پذیر رہے۔ ان میں کچھ لوگ ایسے تھے

1- دیکھیں: الروض الأنف (99/2)۔

2- یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4400 کے تحت روایت کی ہے۔

جو اپنے اہل و عیال کو بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے، جبکہ کچھ لوگ ایسے تھے جو اکیلے ہجرت کر کے گئے تھے اور ان کے ساتھ ان کے اہل و عیال نہیں تھے"۔ (1)

پھر ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اس دوسری ہجرت میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کیے۔ ان میں ایسے متعدد صحابہ کرام بھی شامل تھے جنہوں نے غزوۂ بدرِ کبریٰ میں شرکت کی، مثلاً حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

دوسری ہجرتِ حبشہ کرنے والے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دراصل حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کے ساتویں سال مدینہ منورہ پہنچے تھے، جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح کیا تھا۔ اسی وجہ سے ابن اسحاق رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ سیرت سے اس دوسری ہجرتِ حبشہ میں ان بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شامل کرنے میں سہو ہوا ہے جنہوں نے غزوۂ بدرِ کبریٰ میں شرکت کی تھی۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام بھی ذکر کیے گئے ہیں جنہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی۔ اس کی دو صورتیں

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (360/1)۔

ہو سکتی ہیں: یا تو یہ ذکر سہواً ہوا ہے، یا پھر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدر سے پہلے ایک مرتبہ اور بھی حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس صورت میں ان کی تین مرتبہ آمد بنتی ہے: **پہلی مرتبہ** ہجرت سے پہلے، **دوسری مرتبہ** غزوۂ بدر سے پہلے، اور **تیسری** مرتبہ خیبر کے سال۔ اسی طرح ابن سعد [1] اور دیگر اہلِ سیرت نے بھی یہی بات ذکر کی ہے کہ جب ان مہاجرین کو رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی خبر پہنچی تو ان میں سے تینتیس مرد اور آٹھ خواتین واپس روانہ ہوئے۔ ان میں سے دو مرد مکہ مکرمہ میں وفات پا گئے، سات افراد مکہ مکرمہ ہی میں روک لیے گئے، جبکہ ان میں سے چوبیس مردوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی"۔ [2]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ذکر میں سہو

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے جنہوں نے دوسری ہجرتِ حبشہ میں ہجرت کی تھی، حالانکہ یہ ان کے بعض اوہام میں سے ہے، باوجود اس کے کہ وہ بلند مرتبہ اہلِ علم میں سے تھے [3]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "محمد بن اسحاق نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں حضرت ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہما کو بھی

1- دیکھیں: الطبقات الکبریٰ (100/1)۔

2- زاد المعاد (32،31/3)۔

3- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (361/1)۔

شمار کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ انہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا، کیونکہ یہ ایک ایسی واضح بات ہے جو اس فن میں ان سے کم درجے کے شخص سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ واقدی اور دیگر اہلِ مغازی نے بھی ابن اسحاق رحمہ اللہ کے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ دراصل یمن سے ہجرت کر کے حبشہ گئے تھے اور وہاں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تھے۔ جیسا کہ ان کی اپنی روایت میں صحیح احادیث[1] میں اس کی صراحت موجود ہے[2]"۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ ایسی بات نہیں تھی جو محمد بن اسحاق رحمہ اللہ سے کم درجے کے شخص سے بھی پوشیدہ رہ سکتی، چہ جائیکہ ان جیسے جلیل القدر عالم سے پوشیدہ رہتی۔ دراصل یہ سہو اس وجہ سے ہوا کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ یمن سے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے پاس پہنچے تھے، جب انہیں ان کے وہاں موجود ہونے کی خبر ملی۔ پھر وہ ان کے ساتھ خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جیسا کہ صحیح احادیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ لہٰذا ابن اسحاق رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی اس ہجرت کو بھی ان کی ایک ہجرت شمار کر لیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ حضرت

1- یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3876 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2505(169) کے تحت روایت کی ہے۔

2- دیکھیں: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی کتاب الفصول في سیرۃ الرسول، ص 59۔

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے مکہ مکرمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی کہ اس بات پر ان کی تردید کی جائے"۔ (1)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو بردہ سے، وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی سرزمین کی طرف روانہ ہوں"۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہم حبشہ پہنچے تو نجاشی نے ہمیں اپنے پاس بلایا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ہم سے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص بات نہ کرے، آج میں تمہارا ترجمان ہوں"۔ چنانچہ ہم نجاشی کے پاس پہنچے، جبکہ وہ اپنی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے پاس موجود قسیسوں اور راہبوں نے ہمیں ڈانٹتے ہوئے کہا: "بادشاہ کے سامنے سجدہ کرو"۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں"۔ نجاشی نے ان سے کہا: "تمہیں سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟" حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں"۔ "نجاشی نے کہا: "وہ کیا ہے"؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا ہے۔ وہی رسول ہے جس کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے دی تھی۔ وہ ان کے بعد آنے والے ہیں اور ان کا نام احمد ہے۔

1- دیکھیں: زاد المعاد (34/3)۔

انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں"۔

نجاشی کو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو بہت پسند آئی۔ اس نے کہا: "تمہارا ساتھی حضرت ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتا ہے"؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے ایسی پاک دامن کنواری عورت کی طرف القا فرمایا جسے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا تھا"۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا: "اے قسیسوں اور راہبوں کی جماعت! حضرت ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، وہ اس بات سے ذرہ بھر بھی زیادہ نہیں جو تم کہتے ہو"۔ پھر اس نے کہا: "تمہیں اور اس ذات کی طرف سے آنے والوں کو خوش آمدید، جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہی ہیں جن کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے دی تھی۔ اگر میں بادشاہت کی ذمہ داریوں میں نہ ہوتا تو میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، یہاں تک کہ ان کے جوتے اٹھاتا۔ تم لوگ میری سرزمین میں جتنی مدت چاہو قیام کرو"۔ پھر نجاشی نے ہمارے لیے کھانے اور لباس کا انتظام کرنے کا حکم دیا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ سند صحیح ہے، اور بظاہر اس کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں تھے اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ لیکن حضرت یزید بن عبداللہ بن ابی بردہ نے اپنے دادا سے، انہوں نے حضرت ابو بردہ سے اور انہوں نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے جو صحیح روایت بیان کی ہے، اس کے مطابق انہیں یمن میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کے ظہور کی خبر پہنچی۔ چنانچہ وہ تقریباً پچاس سے کچھ زیادہ افراد کے ساتھ ہجرت کے ارادے سے ایک کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ ان کی کشتی انہیں حبشہ میں نجاشی کے پاس لے گئی، جہاں ان کی ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے انہیں حبشہ میں قیام کرنے کا مشورہ دیا، چنانچہ وہ وہیں قیام پذیر رہے، یہاں تک کہ خیبر کے زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے"[1]۔ لہٰذا حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور نجاشی کے درمیان ہونے والی گفتگو اور واقعے کو خود دیکھا تھا، اسی لیے انہوں نے اس واقعے کی خبر دی۔ ممکن ہے کہ راوی سے یہ کہنے میں سہو ہوا ہو کہ "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم روانہ ہوں"۔[2] واللہ اعلم۔

1- یہ روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نمبر 4230 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حدیث نمبر 2502 کے تحت روایت کی ہے۔

2- دیکھیں: دلائل النبوۃ (300/2)، امام بیہقی رحمہ اللہ۔

قریش کا مہاجرینِ حبشہ کا تعاقب

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ کی سرزمین میں امن و اطمینان کے ساتھ رہ رہے ہیں، وہاں انہیں رہنے کے لیے مناسب جگہ مل گئی ہے اور نجاشی کی طرف سے انہیں اچھا پڑوسی اور پُرامن ماحول حاصل ہے، تو قریش نے نجاشی کے پاس دو آدمیوں کو بھیجا۔ ان دونوں کے نام عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ تھے، تاکہ وہ نجاشی سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کریں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: جب ہم حبشہ کی سرزمین میں پہنچے تو وہاں ہمیں نجاشی کی صورت میں بہترین پڑوسی ملا۔ ہمیں اپنے دین کے معاملے میں امن حاصل تھا اور ہم اطمینان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ نہ ہمیں کوئی تکلیف پہنچائی جاتی تھی اور نہ ہم کوئی ایسی بات سنتے تھے جسے ہم ناپسند کرتے ہوں۔ جب قریش کو اس بات کی خبر ہوئی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ ہمارے بارے میں نجاشی کے پاس دو ایسے آدمیوں کو بھیجا جائے جو مضبوط اور معاملہ فہم ہوں، اور نجاشی کے لیے مکہ مکرمہ کے ان قیمتی اور نفیس سامان میں سے تحائف بھی بھیجے جائیں جو اسے پسند آتے تھے۔ مکہ مکرمہ سے نجاشی کے پاس آنے والی چیزوں میں چمڑے کی مصنوعات اسے بہت پسند تھیں، چنانچہ انہوں نے اس کے لیے بہت سا چمڑا جمع کیا۔ انہوں نے نجاشی کے درباری سرداروں میں سے کسی ایک کو

بھی نہیں چھوڑا بلکہ ہر ایک کے لیے الگ تحفہ تیار کیا۔ پھر یہ تمام تحائف عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن العاص بن وائل سہمی کے ساتھ بھیجے اور دونوں کو اپنی طرف سے ہدایات دیں۔ قریش نے ان دونوں سے کہا: "نجاشی سے ہمارے بارے میں بات کرنے سے پہلے اس کے ہر درباری سردار کو اس کا تحفہ دے دینا۔ پھر نجاشی کے سامنے اس کا تحفہ پیش کرنا اور اس سے کہنا کہ وہ ان لوگوں کو تمہارے حوالے کر دے، اس سے پہلے کہ وہ خود ان لوگوں سے گفتگو کرے"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: دونوں آدمی روانہ ہوئے اور نجاشی کے پاس پہنچے۔ اس وقت ہم وہاں بہترین جگہ اور بہترین پڑوسی کے پاس اطمینان و سکون کے ساتھ رہ رہے تھے۔ نجاشی کے درباری سرداروں میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا جسے ان دونوں نے نجاشی سے گفتگو کرنے سے پہلے اس کا تحفہ نہ دیا ہو۔ پھر وہ ہر درباری سردار سے کہتے: "ہماری قوم کے کچھ نادان نوجوان اس ملک کے بادشاہ کی سرزمین میں آکر ٹھہر گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور نہ تمہارے دین میں داخل ہوئے ہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسا نیا دین لے کر آئے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ تم۔ ہم نے ان کے بارے میں ان کی قوم کے معزز لوگوں کو بادشاہ کے پاس بھیجا ہے تاکہ وہ انہیں واپس اپنی قوم کے حوالے کر دیں۔ لہٰذا جب ہم بادشاہ کے سامنے ان لوگوں کا معاملہ پیش کریں تو آپ لوگ اسے مشورہ دیں کہ وہ ان لوگوں کو ہمارے حوالے کر دے اور ان سے گفتگو نہ کرے؛ کیونکہ ان کی قوم ان کے حالات سے زیادہ

باخبر ہے اور یہ بھی بہتر جانتی ہے کہ انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے دین میں کیا عیب نکالے ہیں"۔ درباریوں نے ان سے کہا: "ٹھیک ہے، ہم ایسا ہی کریں گے"۔

پھر ان دونوں نے نجاشی کے سامنے اپنے تحائف پیش کیے، تو نجاشی نے ان تحائف کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد دونوں نے نجاشی سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: "اے بادشاہ! ہماری قوم کے کچھ نادان نوجوان آپ کی سرزمین میں آکر ٹھہر گئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا ہے اور نہ آپ کے دین میں داخل ہوئے ہیں، بلکہ وہ ایک ایسا نیا دین لے کر آئے ہیں جس سے نہ ہم واقف ہیں اور نہ آپ۔ ہم ان کے بارے میں ان کی قوم کے معزز لوگوں کو، جو ان کے والدین، چچا اور خاندان کے افراد ہیں، آپ کے پاس بھیج کر لائے ہیں، تاکہ آپ انہیں ان کی قوم کے حوالے کر دیں۔ کیونکہ ان کے خاندان کے لوگ ان کے حالات کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور وہ ان باتوں سے بھی زیادہ واقف ہیں جن پر ان لوگوں نے اپنے خاندان کے دین میں عیب نکالے اور ان کے آباؤ اجداد کے طریقے پر اعتراض کیا"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کے لیے اس سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی بات نہ تھی کہ نجاشی ان کی گفتگو سن لے۔ نجاشی کے گرد موجود اس کے درباری سرداروں نے کہا: "اے بادشاہ! ان دونوں کی بات درست ہے۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے حالات کو ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور وہ ان باتوں کو بھی ہم سے زیادہ جانتے ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے ان لوگوں

پر اعتراض کیا ہے۔ لہٰذا انہیں ان دونوں کے حوالے کر دیجیے، تاکہ وہ انہیں ان کے ملک اور ان کی قوم کے پاس واپس لے جائیں"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نجاشی یہ بات سن کر غضب ناک ہو گیا، پھر اس نے کہا: "ہر گز نہیں، اللہ کی قسم! میں انہیں ان دونوں کے حوالے نہیں کروں گا۔ میں ایسے لوگوں کو کیسے ان کے حوالے کر سکتا ہوں جنہوں نے میرے ہاں پڑاؤ ڈالا، میرے ملک میں سکونت اختیار کی اور دوسروں کو چھوڑ کر مجھے اختیار کیا؟ میں پہلے انہیں اپنے پاس بلاؤں گا اور ان سے پوچھوں گا کہ یہ دونوں ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اگر وہ ویسے ہی ہوں جیسے یہ دونوں بیان کر رہے ہیں تو میں انہیں ان دونوں کے حوالے کر دوں گا اور ان کی قوم کے پاس واپس بھیج دوں گا، اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہوا تو میں انہیں ان دونوں سے محفوظ رکھوں گا اور جب تک وہ میرے ملک میں رہیں گے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کرتا رہوں گا"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں اپنے پاس بلایا۔ جب نجاشی کا قاصد ان کے پاس پہنچا تو سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہوئے۔ پھر ان میں سے بعض نے ایک دوسرے سے کہا: "جب تم نجاشی کے سامنے جاؤ گے تو اس سے کیا کہو گے"؟ انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کا ہمارے نبی ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ پھر جو کچھ پیش آنا ہے، وہ پیش

آئے"۔ جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے مذہبی پیشواؤں کو بھی بلا رکھا تھا اور انہوں نے اس کے ارد گرد اپنی مقدس کتابیں کھول رکھی تھیں۔ نجاشی نے ان سے پوچھا: "یہ وہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم نے اپنی قوم کا دین چھوڑ دیا، لیکن نہ میرے دین میں داخل ہوئے اور نہ ہی ان دوسری قوموں میں سے کسی کے دین کو اختیار کیا؟"

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ان سے گفتگو کرنے والے حضرت جعفر بن ابی طالب [1] رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے نجاشی سے کہا: ''اے بادشاہ! ہم ایک ایسی قوم تھے جو زمانۂ جاہلیت میں مبتلا تھی۔ ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، رشتہ داروں سے تعلق توڑتے تھے، پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے اور ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول

1-امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4097 اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 9353 صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی ایسے شخص نے جو جوتے پہنے ہوں، یا سواری پر سوار ہوا ہو، یا اونٹ کی سواری کی ہو، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی نہیں تھا۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے مراد جود و سخاوت اور کرم میں برتری ہے۔ الکوٹر میں کاف پر پیش ہے، اس سے مراد اونٹ کی کجاوہ اور اس کے متعلقہ سامان ہیں، جو گھوڑے کے لیے زین اور اس کے ساز و سامان کی مانند ہوتے ہیں۔ دیکھیں: النہایۃ، جلد 4، صفحہ 181۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ (648/4) میں فرماتے ہیں: "یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچنے والی اچھی سند ہے۔ بظاہر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو یہ فضیلت سخاوت و کرم کے اعتبار سے حاصل تھی۔ جہاں تک دینی فضیلت کا تعلق ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق، بلکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم بھی ان سے افضل ہیں۔ البتہ ان کے بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فضیلت میں برابر ہیں، یا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے افضل ہیں"۔

بھیجا۔ ہم ان کے نسب، سچائی، امانت داری اور پاک دامنی سے بخوبی واقف تھے۔ انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، تاکہ ہم صرف اسی کو ایک مانیں اور اسی کی عبادت کریں، اور ان پتھروں اور بتوں کی عبادت چھوڑ دیں جنہیں ہم اور ہمارے آباؤ اجداد اللہ کے سوا پوجتے تھے۔ انہوں نے ہمیں سچی بات کہنے، امانت ادا کرنے، رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے، حرام کاموں اور ناحق خون بہانے سے باز رہنے کا حکم دیا۔ انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں، جھوٹی بات کہنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ انہوں نے ہمیں نماز قائم کرنے[1]، زکوٰۃ ادا کرنے اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔'' پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے سامنے اسلام کے دیگر احکام بھی

1- یہاں نماز، صدقہ اور روزے سے مراد مطلق طور پر ان کا حکم اور ان کی ترغیب ہے، نہ کہ ان کے فرض ہونے کا حکم؛ کیونکہ نماز تو واقعۂ معراج کے موقع پر فرض ہوئی، جبکہ زکوٰۃ اور روزے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد فرض ہوئے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر (449/5) میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ﴾ (المؤمنون: 4) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہاں زکوٰۃ سے مراد مال کی زکوٰۃ ہے، حالانکہ یہ آیت مکی ہے، جبکہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں ہجرت کے دوسرے سال فرض ہوئی۔ بظاہر مدینہ منورہ میں جو زکوٰۃ فرض ہوئی، وہ مخصوص نصاب اور مقررہ مقدار والی زکوٰۃ ہے۔ ورنہ اصل زکوٰۃ کا وجوب مکہ مکرمہ میں ہی موجود تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مکی سورت الأنعام میں فرمایا: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ (الأنعام: 141) ''اور فصل کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو۔'' یہ احتمال بھی ہے کہ یہاں زکوٰۃ سے مراد شرک اور گندگی سے نفس کو پاک کرنا ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾ (الشمس: 9-10) ''یقیناً وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا، اور وہ ناکام ہو گیا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔'' اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَوَيْلٌ لِلْمُشْرِكِينَ ۝ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ (فصلت: 6-7) ''مشرکوں کے لیے ہلاکت ہے، جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کے منکر ہیں۔'' ان آیات کی تفسیر میں ایک قول یہی بھی ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں ہی معنی مراد ہوں، یعنی نفس کی پاکیزگی اور مال کی زکوٰۃ؛ کیونکہ مال کی زکوٰۃ بھی نفس کی پاکیزگی کا ایک حصہ ہے۔ کامل مؤمن وہی ہے جو دونوں کام انجام دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔''

بیان کیے"۔ چنانچہ ہم نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کی پیروی کی۔ ہم نے صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حرام قرار دیا، ہم نے انہیں حرام جانا، اور جن چیزوں کو انہوں نے ہمارے لیے حلال قرار دیا، ہم نے انہیں حلال جانا۔ اس پر ہماری قوم ہمارے خلاف دشمنی پر اتر آئی۔ انہوں نے ہمیں طرح طرح کی اذیتیں دیں اور ہمارے دین سے پھیرنے کی کوشش کی، تاکہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر دوبارہ بتوں کی عبادت کی طرف لے جائیں اور ان گندی اور قبیح چیزوں کو حلال سمجھنے پر مجبور کریں جنہیں ہم پہلے حلال سمجھتے تھے۔ پھر جب انہوں نے ہم پر غلبہ حاصل کر لیا، ہم پر ظلم کیا، ہمیں سخت تکلیفیں دیں اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے، تو ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ ہم نے آپ کو دوسروں پر ترجیح دی، آپ کی پناہ میں رہنے کی خواہش کی اور امید کی کہ اے بادشاہ! آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نجاشی نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا تمہارے پاس اس کلام میں سے کچھ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے ہیں"؟ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "جی ہاں"۔ نجاشی نے کہا: "تو اسے مجھے پڑھ کر سناؤ"۔ چنانچہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کے ابتدائی حصے میں سے تلاوت فرمائی۔ اللہ کی قسم! نجاشی اتنا رویا کہ اس کی

داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، اور اس کے مذہبی پیشوا بھی اتنا روئے کہ ان کے سامنے کھلی ہوئی کتابیں بھی آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ جب انہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تلاوت سنی تو نجاشی نے کہا: "بے شک یہ کلام اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے[1]، دونوں ایک ہی چراغ دان سے نکلنے والی روشنی ہیں"۔ پھر اس نے کہا: "تم چلے جاؤ، اللہ کی قسم! میں انہیں ہر گز تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور نہ ہی کسی صورت میں تمہارے سپرد کروں گا"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب وہ دونوں نجاشی کے دربار سے باہر نکلے تو عمرو بن العاص نے کہا: "اللہ کی قسم! میں کل نجاشی کو ان لوگوں کے بارے میں ایسی بات ضرور بتاؤں گا جو انہیں اس کے نزدیک عیب دار ثابت کر دے گی، پھر اس کے ذریعے ان کی جڑ ہی اکھاڑ دوں گا"۔ اس پر عبداللہ بن ابی ربیعہ نے، جو ان دونوں میں ہمارے نزدیک زیادہ خدا ترس تھا، کہا: "ایسا نہ کرنا، کیونکہ ان لوگوں کے ساتھ ہماری قرابتیں ہیں، اگرچہ انہوں نے ہم سے اختلاف ہی کیوں نہ کیا

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ بدائع الفوائد (570/2) میں فرماتے ہیں: ''یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام سچے ہیں اور ان کی کتاب حق ہے تو یہ بھی اسی طرح حق ہے؛ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ دو چیزیں ایک ہی چراغ دان سے نکلیں اور ان میں سے ایک سراسر باطل ہو اور دوسری سراسر حق۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے جب دونوں میں انتہائی اختلاف اور باہمی تضاد ہو۔ قرآن مجید نے سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے، جبکہ وہ کتابیں قرآن اور اس کے لانے والے رسول ﷺ کی بشارت دے چکی تھیں۔ اس طرح قرآن کے سچا ہونے کی دلیل دونوں پہلوؤں سے قائم ہو گئی: ایک پہلو یہ کہ سابقہ کتابوں نے اس کی بشارت دی تھی، اور دوسرا یہ کہ قرآن نے ان کتابوں کی تصدیق کی اور ان کے بیان کردہ حقائق کے مطابق ہے۔ پس غور کرو۔''

ہو"۔ عمرو بن العاص نے کہا: "اللہ کی قسم! میں اسے ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر اگلے دن عمرو بن العاص نجاشی کے پاس گیا اور اس سے کہا: "اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں ایک بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ آپ انہیں بلا کر ان سے پوچھیں کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں"۔

چنانچہ نجاشی نے مسلمانوں کی طرف پیغام بھیجا اور انہیں عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں پوچھنے کے لیے بلایا۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ہم پر اس سے بڑھ کر کوئی مشکل معاملہ نہیں آیا تھا"۔ چنانچہ سب مسلمان جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے: "جب نجاشی تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھے گا تو تم کیا کہو گے"؟ انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! ہم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہی بات کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے اور جو ہمارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں۔ پھر جو کچھ پیش آنا ہے، وہ پیش آئے"۔

جب وہ نجاشی کے پاس داخل ہوئے تو اس نے ان سے پوچھا: "''تم عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو"؟ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ لے کر آئے

ہیں: وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اس کی طرف سے بھیجی ہوئی اس کی روح ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اس نے مریم عذرا و پاک دامن کی طرف القا فرمایا تھا"۔

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نجاشی نے زمین پر ہاتھ مارا اور وہاں سے ایک تنکا اٹھایا، پھر کہا: ''عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں تم نے جو بات کہی ہے، وہ اس تنکے سے بھی زیادہ نہیں ہے۔'' جب نجاشی نے یہ بات کہی تو اس کے ارد گرد موجود درباری سردار ناک بھوں چڑھانے لگے۔ اس پر نجاشی نے کہا: ''اگرچہ تم ناک بھوں چڑھاؤ، پھر بھی اللہ کی قسم! جاؤ، تم میری سرزمین میں امن کے ساتھ رہو گے۔'' سیوم سے مراد امن وامان میں رہنے والے لوگ ہیں۔ پھر اس نے کہا: ''جو شخص تم میں سے کسی کو برا بھلا کہے گا، اس پر جرمانہ ہوگا۔ پھر جو تم میں سے کسی کو برا بھلا کہے گا، اس پر جرمانہ ہوگا۔ پھر جو تم میں سے کسی کو برا بھلا کہے گا، اس پر بھی جرمانہ ہوگا۔'' پھر نجاشی نے کہا: ''مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میرے پاس سونے کا ایک پہاڑ ہو اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو تکلیف پہنچاؤں۔'' دِبر حبشی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔ پھر نجاشی نے حکم دیا: ''ان دونوں کے تحائف انہیں واپس کر دو، ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! جب اللہ تعالیٰ نے میری بادشاہت مجھے واپس عطا کی تھی تو اس وقت اس نے مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ اب میں اپنی بادشاہت کے معاملے میں رشوت لوں۔ اور جب لوگوں نے میری بادشاہت کے معاملے میں میری بات نہیں مانی تھی تو اب میں اس معاملے میں ان کی بات کیسے مان لوں؟'' ام المؤمنین

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: چنانچہ وہ دونوں نجاشی کے پاس سے ذلیل و نامراد ہو کر نکلے، اور جو تحائف وہ اپنے ساتھ لائے تھے، وہ بھی انہیں واپس کر دیے گئے۔ ہم نجاشی کے پاس بہترین جگہ اور بہترین پڑوسی کے ساتھ امن واطمینان سے قیام پذیر رہے[1]۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حبشہ میں قیام

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ موجود دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت کے ساتویں سال تک حبشہ میں قیام پذیر رہے۔ یہ وہ وقت تھا جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر فتح فرمایا، جیسا کہ غزوۂ خیبر کے بیان میں آگے اس کی تفصیل آئے گی۔

❁❁❁

1-اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1740 اور 22498 کے تحت روایت کیا ہے۔

ظالمانہ بائیکاٹ

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک ایسی سرزمین میں پناہ لے لی ہے جہاں انہیں امن واطمینان حاصل ہے، اور نجاشی نے ان لوگوں کو بھی تحفظ فراہم کیا ہے جنہوں نے اس کے ہاں پناہ لی ہے، نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اسلام لے آئے ہیں، جس کے بعد وہ اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہو گئے ہیں، اور قبائل میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا ہے، تو قریش جمع ہوئے اور باہم مشورہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف ایک تحریر لکھی جائے، جس میں وہ آپس میں یہ عہد کریں کہ:

1- نہ وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے لوگوں سے شادی کریں گے اور نہ ان سے اپنی شادیاں کریں گے۔
2- نہ انہیں کوئی چیز فروخت کریں گے اور نہ ان سے کوئی چیز خریدیں گے۔

چنانچہ جب وہ اس فیصلے پر متفق ہو گئے تو انہوں نے اسے ایک تحریر میں لکھ لیا، پھر اس پر باہم عہد وپیمان کیا اور پختہ وعدہ کیا۔ اس عہد کو مزید مؤکد کرنے کے لیے اس تحریر کو خانۂ کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔

جب قریش نے یہ اقدام کیا تو بنو ہاشم اور بنو مطلب حضرت ابو طالب بن عبدالمطلب کے ساتھ ہو گئے۔ چنانچہ وہ سب ان کے ساتھ ان کے شِعب میں داخل ہو گئے اور وہیں جمع ہو کر رہنے لگے۔ البتہ بنو ہاشم میں سے ابو لہب، عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب قریش کے ساتھ ہو گیا اور ان کی حمایت کرنے لگا[1]۔

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں، جب ہم منیٰ میں تھے[2]، فرمایا: "ہم کل بنو کنانہ کے وادیٔ خَیف[3] میں قیام کریں گے، جہاں انہوں

1- تفصیل کے لیے دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (388/1)۔

2- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 1589 میں ہے: "جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ آنے کا ارادہ فرما رہے تھے۔" اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 4282 میں ہے: "فتح مکہ کے زمانے میں۔" ایک اور روایت، صحیح بخاری حدیث نمبر 4283 میں ہے: "آپ ﷺ کے حج کے موقع پر۔" جبکہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر 4285 کی ایک روایت میں ہے: "جب آپ ﷺ غزوۂ حنین کے لیے روانگی کا ارادہ فرما رہے تھے۔" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (328/8) میں فرماتے ہیں: "راوی کا یہ کہنا کہ "جب آپ ﷺ غزوۂ حنین کا ارادہ فرما رہے تھے"، اس سے مراد غزوۂ فتح کے موقع پر ہے؛ کیونکہ غزوۂ حنین، فتح مکہ کے فوراً بعد پیش آیا تھا۔ حج کے متعلق مذکورہ باب میں شعیب کی زہری سے روایت میں یہ الفاظ گزر چکے ہیں: "جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ آنے کا ارادہ فرما رہے تھے۔" دونوں روایتوں میں مذکورہ تطبیق کے اعتبار سے کوئی تعارض نہیں۔ لیکن اسی مقام پر اوزاعی کی زہری سے روایت بھی نقل ہوئی ہے، جس کے الفاظ ہیں: "جب آپ ﷺ منیٰ میں تھے تو فرمایا: ہم کل بنو کنانہ کے خَیف میں قیام کریں گے۔" یہ روایت اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بات اپنے حج کے موقع پر فرمائی تھی، نہ کہ فتح مکہ کے موقع پر۔ اس لیے یہ حدیث بھی اس سے پہلے والی حدیث کی طرح ہے جس میں واقعے کے وقت کے تعین کے بارے میں روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ بات آپ ﷺ نے مختلف مواقع پر فرمائی ہو۔ واللہ اعلم۔

۳- خَیف میں خاء پر زبر ہے۔ اس سے مراد وہ بلند جگہ ہے جو سیلاب کے بہاؤ سے بلند اور پہاڑ کی سخت اور بلند زمین سے قدرے نشیبی ہو۔ دیکھیں: النہایۃ (88/2)۔

نے کفر کے عہد وپیمان پر باہم اتفاق کیا تھا[1]"۔اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ قریش اور بنو کنانہ نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف باہم معاہدہ کیا تھا کہ وہ نہ ان سے شادی بیاہ کریں گے اور نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے[2]، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کر دیں[3]۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے۔امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خَیف'' سے مراد وادی ہے[4]۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''تقاسموا علی الکفر'' کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کفر پر باہم اتحاد کیا اور اس پر عہد وپیمان باندھا۔اس سے مراد ان کا یہ باہمی معاہدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ، بنو ہاشم اور بنو مطلب کو مکہ مکرمہ سے نکال کر اس شِعب میں رہنے پر مجبور کریں گے، اور یہ خَیف بنو کنانہ تھا۔انہوں نے آپس میں ایک مشہور صحیفہ بھی

1-امام ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد(357/2) میں فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اس جگہ اسلام کے شعائر کو نمایاں کریں جہاں کفار نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفر اور دشمنی کے شعائر ظاہر کیے تھے۔یہی آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ ان مقامات پر توحید کے شعائر قائم فرماتے جہاں کفر اور شرک کے شعائر ظاہر کیے گئے ہوں۔''

2-امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: ''اور نہ انہیں پناہ دیں گے۔''

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی **صحیح** میں حدیث نمبر **1590** اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی **صحیح** میں حدیث نمبر **1314/344** کے تحت روایت کیا ہے۔

4-اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2010 کے تحت روایت کیا ہے۔

تحریر کیا، جس میں کئی طرح کی باطل باتیں، قطع رحمی اور کفر پر مبنی امور درج کیے گئے تھے[1]۔

صحیفہ کو ختم کرنا اور بائیکاٹ کا خاتمہ

قریش کے بعض افراد اس ظالمانہ صحیفے اور بائیکاٹ کے خاتمے کے خواہاں تھے، چنانچہ انہوں نے اس صحیفے کو ختم کرنے کی کوشش شروع کی۔ ان میں ہشام بن عمرو بن حارث بھی تھے۔ وہ مطعم بن عدی اور قریش کے کچھ دوسرے لوگوں کے پاس گئے اور انہیں اس صحیفے کو ختم کرنے کے لیے آمادہ کر لیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے صحیفے کے بارے میں اطلاع دی اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس صحیفے پر دیمک مقرر کر دی ہے، جس نے اس میں لکھی ہوئی تمام ظلم، زیادتی اور قطع رحمی کی عبارتیں کھالی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کو اس بارے میں بتایا۔ چنانچہ ابو طالب قریش کے پاس گئے اور انہیں اپنے بھتیجے ﷺ کی بتائی ہوئی بات سے آگاہ کیا۔ پھر قریش کعبہ میں داخل ہوئے اور اس صحیفے کو اتار کر دیکھا تو وہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا۔ اس کے بعد بنو ہاشم اور بنو مطلب واپس مکہ مکرمہ آ گئے[2]۔

1- دیکھیں: شرح النووی علی صحیح مسلم (52/9)۔

2- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام (388/1)، زاد المعاد (36/1، 38)۔

ابو طالب کی وفات

نبی کریم ﷺ کے چچا ابو طالب شِعب سے باہر آنے کے بعد وفات پا گئے۔ یہ بعثت کے دسویں سال کے آخر میں ہوا۔ البتہ ان کی وفات کے مہینے کے تعین میں اہلِ سیرت کا اختلاف ہے۔ جب ابو طالب بیمار ہوئے اور قریش کو ان کی بیماری کی شدت کا علم ہوا تو انہوں نے آپس میں کہا: "چلو ابو طالب کے پاس چلتے ہیں، وہ اپنے بھتیجے ﷺ کے معاملے میں ہم سے کوئی وعدہ لے لیں اور ہماری طرف سے بھی انہیں کچھ دے دیں"۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، الفاظ امام حاکم کے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ابو طالب بیمار ہوئے تو قریش ان کے پاس آئے۔ نبی کریم ﷺ بھی تشریف لائے۔ ابو طالب کے سرہانے ایک شخص کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ابو جہل کھڑا ہو گیا تاکہ آپ ﷺ کو وہاں جانے سے روک دے[1]۔ ابو طالب نے کہا: "اے میرے بھتیجے! تم اپنی قوم سے کیا چاہتے ہو"؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے میرے چچا! میں ان سے صرف ایک ایسا کلمہ منوانا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے عرب ان کے سامنے جھک جائیں اور عجم کے لوگ

1- یعنی وہ نبی کریم ﷺ کو وہاں بیٹھنے سے روکنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

انہیں جزیہ ادا کریں۔'' انہوں نے کہا: "ایک کلمہ"؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "صرف ایک کلمہ"۔ انہوں نے پوچھا: "وہ کیا ہے"؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ"۔ اس پر انہوں نے کہا: "کیا اس نے تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا ہے؟ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں سورۂ ص کی یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿ص ۚ وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ۚ﴾ .... ﴿إِنْ هَـٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ (ص: 1-7)[1]۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت مُسَیَّب بن حَزن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے پاس ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے میرے چچا! لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیجیے۔ یہ ایسا کلمہ ہے جس کے ذریعے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے حق میں حجت پیش کر سکوں گا۔'' اس پر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ نے کہا: ''کیا آپ عبد المطلب کے دین سے منہ موڑتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ مسلسل انہیں کلمۂ توحید پیش کرتے رہے، جبکہ وہ دونوں بھی بار بار یہی بات دہراتے رہے، یہاں تک کہ ابو طالب نے اپنی آخری گفتگو میں ان سے کہا: ''میں عبد المطلب

1- یہ روایت امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3512 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3659 کے تحت روایت کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کے دین پر ہوں" اور انہوں نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے سے انکار کر دیا[1]۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی قسم! جب تک مجھے آپ کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ کیا جائے گا، میں ضرور آپ کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ "نبی اور اہلِ ایمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات واضح ہو چکی ہو کہ وہ جہنمی ہیں۔" (التوبہ: 113) اور ابو طالب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ "بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔" (القصص: 56)[2]

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین (89/2) میں فرماتے ہیں: "وفات کے وقت ابو طالب کے لیے برے ساتھیوں سے بڑھ کر اور کیا نقصان دہ چیز ہو سکتی تھی؟ وہ مسلسل ان کے ساتھ لگے رہے، یہاں تک کہ انہیں ایک ایسے کلمے سے روک دیا جو ان کے لیے ہمیشہ کی سعادت کا سبب بن سکتا تھا۔"

2- حوالہ: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4722 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 24، 39 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (593/7) میں فرماتے ہیں: "دوسری آیت کا ابو طالب کے واقعے کے بارے میں نازل ہونا واضح ہے، جبکہ اس سے پہلی آیت کے بارے میں یہ بات محلِ نظر ہے۔ بظاہر مراد یہ ہے کہ استغفار سے متعلق آیت ابو طالب کی وفات کے کچھ عرصے بعد نازل ہوئی، اور اس کا حکم ابو طالب اور دیگر لوگوں سب کے لیے عام ہے"۔

اور ایک دوسرے مقام پر فتح الباری (459/9) میں فرماتے ہیں: "آیت کے بعد میں نازل ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو پہلے سورۂ توبہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ منافقین کے لیے استغفار کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے لیے استغفار کرنے سے ممانعت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کا نزول سببِ نزول کے واقعے کے بعد ہوا، اگرچہ سبب پہلے پیش آ چکا تھا۔ اسی طرح اس

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ" کہہ دیجیے، میں قیامت کے دن اس کلمے کی گواہی آپ کے حق میں دوں گا"۔ انہوں نے کہا: "اگر مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ قریش مجھے عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ اسے اس بات پر محض موت کی گھبراہٹ نے آمادہ کیا تھا، تو میں ضرور آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ "بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے"۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے: "اے محمد! آپ جسے پسند کرتے ہیں، اسے ہدایت نہیں دے سکتے، یعنی یہ اختیار آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ آپ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچا دینا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اسی کے لیے کامل حکمت اور فیصلہ کن حجت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ "ان کی ہدایت آپ کی ذمہ داری نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"۔ (البقرۃ: 272) اور فرمایا: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ "اور اکثر لوگ، خواہ آپ کتنی ہی خواہش

باب کی حدیث میں یہ الفاظ بھی اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں: 'اور اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾؛ کیونکہ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ پہلی آیت ابو طالب اور دیگر لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی، جبکہ دوسری آیت صرف ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔''

1- حوالہ: اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 25، 42 کے تحت روایت کیا ہے۔

کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں"۔ (یوسف: 103) یہ آیت ان تمام آیات سے زیادہ خاص ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ "بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے"۔ (القصص: 56) یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا مستحق ہے۔ صحیحین میں ثابت ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابو طالب رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے، آپ ﷺ کی مدد کرتے، آپ ﷺ کا دفاع کرتے اور آپ ﷺ سے فطری محبت رکھتے تھے، لیکن یہ محبت شرعی اور دینی محبت نہیں تھی۔ جب ابو طالب کی وفات کا وقت آیا اور ان کی موت کا وقت قریب پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایمان لانے اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن ان کے بارے میں تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو گیا اور ان سے یہ موقع چھین لیا گیا۔ چنانچہ وہ اسی کفر کی حالت پر قائم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کامل حکمت ہے[1]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ "اور بے شک آپ سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں"۔ (الشوریٰ: 52) اور فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ "اور ہر قوم کے لیے ایک

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر (246/6)۔

رہنما ہے"۔(الرعد: 7) ہدایت دینے والا اس رہنما کو کہتے ہیں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے گھر کی طرف جانے والے راستے پر رہنمائی کرتا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ﴾ "بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے"۔(القصص: 56) اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بھی منافی نہیں: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ "بے شک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے"۔(فاطر: 8) کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ دونوں باتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کے رسول ہدایتِ دلالت اور ہدایتِ بیان کے ذریعے رہنمائی کرنے والے ہیں، جبکہ حقیقی طور پر ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، جو توفیق اور الہام کے ذریعے ہدایت عطا فرماتا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ لوگوں کو راستہ دکھانے والے حقیقی رہنما ہیں، جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ دلوں کو ہدایت کی توفیق دینے، اس کی طرف مائل کرنے اور دلوں میں ہدایت پیدا کرنے والا ہے[1]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے لیے ایمان مقدر نہیں فرمایا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت، فیصلہ کن، کامل اور ناقابلِ تردید حجت ہے، جس پر ایمان لانا اور اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے

1- دیکھیں: مدارج السالکین (527/4)۔

ہمیں مشرکین کے لیے استغفار کرنے سے منع نہ فرمایا ہوتا تو ہم ابو طالب کے لیے بھی استغفار کرتے اور ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے"[1]۔

ابو طالب کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: "آپ نے اپنے چچا کے لیے کیا فائدہ پہنچایا؟ اللہ کی قسم! وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی خاطر غصے میں آتے تھے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "وہ آگ کے ہلکے عذاب میں ہیں، اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے"۔[2]

اور امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آپ کے چچا ابو طالب کا ذکر کیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت انہیں فائدہ

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ (138/3)۔

2- اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3883 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 209، 357 کے تحت روایت کیا ہے۔

پہنچائے گی، چنانچہ انہیں جہنم کی ہلکی آگ میں رکھا جائے گا، جو ان کے ٹخنوں تک ہو گی اور اس کی شدت سے ان کا دماغ کھول رہا ہو گا"۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "ابو طالب کو جو فائدہ حاصل ہوا، وہ نبی کریم ﷺ کی برکت سے آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے"۔ (2)

1-اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3885 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 210 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-دیکھیں: فتح الباری (594/7)۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی وفات بھی اسی سال ہوئی جس سال ابو طالب کی وفات ہوئی۔ یہ بعثت کا دسواں سال تھا، یعنی ہجرت سے تین سال پہلے کا زمانہ تھا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "پھر خدیجہ بنت خویلد اور ابو طالب ایک ہی سال میں وفات پا گئے"۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ روانہ ہونے سے تین سال پہلے ہوئی"۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی، اور صحیح قول کے مطابق بعثت کے دس سال بعد ہوئی"۔ (3)

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد دوم، ص30۔

2- حوالہ: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3896 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد 7، ص513۔

ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ ہیں، جو ایک برتن میں سالن، کھانا یا مشروب لے کر آ رہی ہیں۔ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام [1] کہیے، اور انہیں جنت میں ایک ایسے گھر کی بشارت دیجیے جو موتیوں سے بنا ہوگا، جہاں نہ کوئی شور ہوگا اور نہ کوئی تھکن"۔ [2]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنے زمانے کی عورتوں میں مریم سب سے بہتر تھیں اور اپنے زمانے کی عورتوں میں خدیجہ سب سے بہتر تھیں"۔ [3]

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ جلاء الأفہام، ص 349 میں فرماتے ہیں: ''حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے انہیں سلام بھیجا، پھر نبی کریم ﷺ نے انہیں اللہ تعالیٰ کا یہ سلام پہنچایا۔ اللہ کی قسم! یہ ایسی خصوصی فضیلت ہے جو ان کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی۔''

2- حوالہ: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3820 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2432 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- حوالہ: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3815 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2430 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "زیادہ واضح بات یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے زمانے میں روئے زمین کی تمام عورتوں میں سب سے بہتر تھیں"۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں، پھر فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہیں"؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، آسیہ بنت مزاحم، جو فرعون کی بیوی تھیں، اور مریم بنت عمران ہیں"۔ (2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے لیے دنیا کی عورتوں میں مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد اور آسیہ، جو فرعون کی بیوی تھیں، کافی ہیں"۔ (3)

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 15، ص 161۔

2- حوالہ: اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2608 اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7010 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- حوالہ: اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12391 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4216 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث صحیح ہے۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بظاہر قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم علیہا السلام حضرت حوا علیہا السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی تمام عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔ ان کے بعد فضیلت میں فاطمہ رضی اللہ عنہا، پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا، اور پھر آسیہ بنت مزاحم، جو فرعون کی بیوی تھیں، کا مقام ہے"۔ (1)

ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو مزید اذیت

ابو طالب کی وفات کے بعد قریش نے نبی کریم ﷺ کو پہلے سے کہیں زیادہ اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب ابو طالب کی وفات ہو گئی تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی اذیتیں پہنچائیں جن کی انہیں ابو طالب کی زندگی میں جرأت بھی نہیں ہوتی تھی"۔ (2)

امام حاکم رحمہ اللہ المستدرک میں فرماتے ہیں: "یہ بات متعدد روایات سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کی وفات ہو گئی تو ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ اور مسلمانوں کو مشرکین کی طرف سے اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا"۔ (3)

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 5، ص 127۔

2- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، ص 30۔

3- دیکھیں: المستدرک، جلد 5، ص 215۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میرے نزدیک وہ زیادہ تر واقعات جن میں یہ ذکر ہے کہ قریش نے نماز پڑھتے وقت نبی کریم ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی تھی، اسی طرح عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ وہ روایت جس میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا گلا اس قدر زور سے گھونٹا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے درمیان میں آکر آپ ﷺ کو ان سے بچایا، اور اسی طرح ابو جہل، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے، کا یہ ارادہ کہ جب آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوں تو وہ آپ ﷺ کی گردن پر پاؤں رکھے، لیکن کوئی چیز اسے اس سے روک دے، اور اس طرح کے دیگر واقعات—یہ سب ابو طالب کی وفات کے بعد پیش آئے تھے"۔ واللہ اعلم۔ (1)

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اچھی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قریش مسلسل میرے معاملے میں محتاط اور دبے ہوئے رہے، یہاں تک کہ ابو طالب کی وفات ہو گئی"۔ (2)

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے صحیح مرسل سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قریش نے مجھے

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد 3، ص 146۔

2- حوالہ: اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4289 کے تحت روایت کیا ہے۔

ایسی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جسے میں ناپسند کرتا ہوں، یہاں تک کہ ابو طالب کی وفات ہو گئی"۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المسـ تدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیٹی! تم کیوں رو رہی ہو"؟ انہوں نے عرض کیا: "ابا جان! میں کیوں نہ روؤں؟ قریش کے یہ سردار حطیم میں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے لات، عُزّیٰ اور تیسرے بت منات کی قسم کھا کر عہد کیا ہے کہ اگر انہیں موقع ملا تو وہ آپ پر حملہ کر کے آپ ﷺ کو قتل کر دیں گے۔ ان میں سے ہر شخص آپ ﷺ کے خون میں اپنا حصہ متعین کر چکا ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیٹی! میرے لیے وضو کا پانی لاؤ"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وضو کیا، پھر مسجد کی طرف تشریف لے گئے۔ جب ان لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے: "یہ رہے وہ!" پھر انہوں نے اپنے سر جھکا لیے اور ان کی ٹھوڑیاں سینوں سے جا لگیں، یہاں تک کہ وہ اپنی نگاہیں بھی نہ اٹھا سکے۔ رسول اللہ ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور ان کی طرف کنکریاں

1- حوالہ: اسے ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت میں روایت کیا ہے، جلد 2، ص 30۔

پھینکیں اور فرمایا: "چہرے بگڑ جائیں"! چنانچہ ان میں سے جس شخص کو بھی آپ ﷺ کی پھینکی ہوئی کنکری لگی، وہ بدر کے دن کفر کی حالت میں قتل ہوا[1]۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے فضائل الصحابہ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "قریش نے رسول اللہ ﷺ کو اس قدر مارا کہ آپ ﷺ پر غشی طاری ہو گئی۔ اس وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بلند آواز سے پکار کر کہنے لگے: 'افسوس ہے تم پر! کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟' لوگوں نے پوچھا: 'یہ کون ہے؟' انہیں بتایا گیا: 'یہ ابن ابی قحافہ ہے، جو دیوانہ ہو گیا ہے"۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''مجھے مشرکین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو دی جانے والی سب سے سخت تکلیف کے بارے میں بتائیے۔'' انہوں نے فرمایا: ''ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ حطیم

1- حوالہ: اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2762 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 592 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حوالہ: اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4473 اور امام احمد رحمہ اللہ نے فضائل الصحابہ میں حدیث نمبر 218 کے تحت روایت کیا ہے۔

میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا اور اس نے اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈال کر آپ ﷺ کا گلا بہت زور سے گھونٹنا شروع کر دیا۔ اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، آپ ﷺ کے کندھے سے پکڑ کر اسے رسول اللہ ﷺ سے دور ہٹایا اور فرمایا: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾ "کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے"؟[1]

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے قریش کو رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے ہوئے صرف ایک ہی دن دیکھا۔ وہ دن یہ تھا کہ میں نے انہیں کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے دیکھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ مقامِ ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط آپ ﷺ کی طرف بڑھا اور اس نے اپنی چادر آپ ﷺ کی گردن میں ڈال دی، پھر آپ ﷺ کو زور سے کھینچا، یہاں تک کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لوگ چیخنے لگے اور انہیں گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں"۔ وہ فرماتے ہیں: "اتنے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تیزی سے آئے، رسول اللہ ﷺ کے دونوں بازوؤں کو پیچھے کی جانب سے پکڑا اور عقبہ کو آپ ﷺ سے دور کیا، جبکہ وہ فرما رہے تھے: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ﴾ کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو

1- حوالہ: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3856 کے تحت روایت کیا ہے۔

جو کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے؟' پھر وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر واپس چلے گئے"۔ (1)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، الفاظ امام مسلم کے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، جبکہ ابو جہل اور اس کے کچھ ساتھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس سے ایک دن پہلے ایک اونٹ ذبح کیا گیا تھا۔ ابو جہل نے کہا: 'تم میں سے کون ہے جو فلاں قبیلے کے ذبح کیے ہوئے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا کر لائے اور جب محمد ﷺ سجدے میں جائیں تو اسے ان کے کندھوں کے درمیان رکھ دے؟' چنانچہ ان لوگوں میں سے سب سے بدبخت شخص (2) اسے اٹھا لایا اور جب نبی کریم ﷺ سجدے میں گئے تو اسے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: 'وہ لوگ ہنسنے لگے اور ایک دوسرے پر جھک جھک کر ہنسنے لگے، جبکہ میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ اگر مجھے کوئی قوت حاصل ہوتی تو میں اسے رسول اللہ ﷺ کی پشت سے ہٹا دیتا۔' نبی کریم ﷺ سجدے میں تھے اور اپنا سر نہیں اٹھا رہے تھے، یہاں تک کہ ایک شخص گیا اور حضرت فاطمہ رضی

1- حوالہ: اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 6569 اور امام ابو یعلیٰ رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 7339 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- وہ عقبہ بن ابی معیط ہے، اللہ اسے رسوا کرے، جیسا کہ صحیح مسلم کی دوسری روایت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے، حدیث نمبر 1794 اور 108۔'

اللہ عنہا کو اطلاع دی۔ وہ کم سن بچی تھیں، چنانچہ آئیں اور اس اوجھڑی کو آپ ﷺ کی پشت سے ہٹا دیا۔ پھر ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور انہیں برا بھلا کہنے لگیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی نماز مکمل کر لی تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ جب دعا کرتے تو تین مرتبہ دعا فرماتے اور جب کوئی چیز مانگتے تو تین مرتبہ مانگتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! قریش کو پکڑ لے۔'' آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ جب انہوں نے آپ ﷺ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی جاتی رہی اور وہ آپ ﷺ کی دعا سے خوف زدہ ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ [1]، امیہ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط کو پکڑ لے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں نے ان تمام لوگوں کو جن کے نام رسول اللہ ﷺ نے لیے تھے، بدر کے دن لاشوں کی صورت میں پڑے ہوئے دیکھا"۔ [2]

1-امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم (129/12) میں فرماتے ہیں: ''صحیح مسلم کے تمام نسخوں میں ولید بن عُقبہ، قاف کے ساتھ، مذکور ہے۔ تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ یہ نام یہاں غلطی سے مذکور ہوا ہے، اور درست ولید بن عُتبہ، تاء کے ساتھ، ہے۔ جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اسی کے بعد ابو بکر بن ابی شیبہ کی روایت میں اسے ذکر کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر ائمۂ حدیث نے بھی اسے صحیح نام کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

2-حوالہ: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 240 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1794 اور 107 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تسلی کے لیے جبریل علیہ السلام کا معجزہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب آپ ﷺ غمگیں بیٹھے ہوئے تھے اور اہلِ مکہ کی طرف سے پہنچائی گئی مار پیٹ کی وجہ سے آپ ﷺ خون میں رنگے ہوئے تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ''آپ کو کیا ہوا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان لوگوں نے میرے ساتھ یہ کیا اور انہوں نے یہ کیا۔'' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو ایک نشانی دکھاؤں''؟۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وادی کے دوسری جانب ایک درخت کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''اس درخت کو اپنے پاس بلایئے''۔ آپ ﷺ نے اسے بلایا تو وہ درخت چلتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ''اب اسے حکم دیجیے کہ واپس چلا جائے''۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا تو وہ واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے یہی کافی ہے''۔[2]

1- علامہ سندھی رحمہ اللہ شرحِ مسند میں فرماتے ہیں: ''یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کو جو کرامت اور بلند مرتبہ حاصل ہے، اس کے مقابلے میں رسالت کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ ﷺ کو جو تکلیف اور مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے، وہ اس فضیلت کے سامنے بھول جانے کے قابل ہے۔''

2- حوالہ: امام احمد، مسند احمد، حدیث نمبر 12112؛ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4028۔

شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ لوگ نبی کریم ﷺ کو اذیت دینے اور دھمکانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، شاید یہ دھمکی اور خوف دلانا آپ ﷺ پر وہ اثر ڈال دے جو ترغیب اور محبت نہ ڈال سکی تھی۔ جب آپ ﷺ چلتے تو آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھا دیتے، آپ ﷺ سجدے میں ہوتے تو اونٹ کی اوجھڑی آپ ﷺ پر ڈال دیتے، طائف میں آپ ﷺ کو پتھر مارے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خون بہا دیا، آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اور اپنے نادان اور کم عقل لوگوں کو آپ ﷺ کے خلاف لگا دیا۔ لیکن ان تمام مظالم نے آپ ﷺ کے اندر غصہ پیدا نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کے دل میں ان کے لیے شفقت پیدا کی؛ ایسی شفقت جو ایک بڑے شخص کو اذیت دینے والے بچوں کے لیے ہوتی ہے، اور ایک عقل مند شخص کو دیوانوں کے لیے ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کا جواب یہ تھا: ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، بے شک یہ لوگ نہیں جانتے''۔[1] قریش اپنے کفر، حق سے روکنے اور ہٹ دھرمی میں بہت آگے بڑھ گئے، لیکن کیا قریش اللہ کے نور کو بجھا سکتے تھے؟[2]

1-اس حدیث کو اسی لفظ کے ساتھ امام بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الإیمان میں حدیث نمبر 1447 کے تحت روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ مرسل ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف الجامع میں حدیث نمبر 1636 کے تحت ذکر کیا ہے اور اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ اسی مفہوم کی روایت امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میری قوم کو بخش دے، بے شک یہ لوگ نہیں جانتے۔''

2-دیکھیں: رجال من التاریخ، شیخ علی طنطاوی، ص 13-14۔

رسول اللہ ﷺ کا طائف کی طرف روانہ ہونا

جب ابو طالب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر آزمائش اور تکالیف بہت بڑھ گئیں تو رسول اللہ ﷺ طائف کی طرف روانہ ہوئے، اس امید کے ساتھ کہ شاید وہاں کے لوگ آپ ﷺ کو پناہ دیں، آپ ﷺ کی اپنی قوم کے خلاف مدد کریں اور ان کے ظلم و زیادتی سے آپ ﷺ کی حفاظت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے طائف کا رخ یا تو اس لیے کیا کہ مکہ مکرمہ کے بعد طائف حجاز میں قوت اور آبادی کے اعتبار سے دوسرا بڑا مرکز تھا، یا اس لیے کہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے آپ ﷺ کے ننھیالی رشتہ دار قبیلہ ہوازن سے تعلق رکھتے تھے اور وہ طائف میں آباد تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے طائف جانے کا ارادہ فرمایا اور پیدل ہی روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ﷺ قبیلہ ثقیف سے مدد اور اپنی قوم کے مقابلے میں پناہ و حفاظت کی درخواست کرنے کے لیے طائف تشریف لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کا طائف پہنچنا جب رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو آپ ﷺ نے ثقیف کے ان تین بھائیوں سے ملاقات کی جو اس وقت قبیلہ ثقیف کے سردار اور معزز لوگ تھے۔ ان کے نام عبد یالیل، مسعود اور حبیب تھے، اور یہ تینوں عمرو بن عمیر کے بیٹے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے، ان کے

ساتھ بیٹھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور اسلام کی مدد و نصرت کی ترغیب دی۔ ان میں سے ایک نے کہا: "اگر واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو میں کعبہ کے پردے نوچ ڈالوں"! دوسرے نے کہا: "کیا اللہ تعالیٰ کو آپ کے علاوہ کوئی اور شخص نہیں ملا جسے وہ اپنا رسول بنا کر بھیجتا"؟ تیسرے نے کہا: "اللہ کی قسم! میں آپ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں، جیسا کہ آپ کہتے ہیں، تو آپ کا مقام اس سے کہیں بلند ہے کہ میں آپ کو جواب دوں، اور اگر آپ اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو میرے لیے مناسب نہیں کہ میں آپ سے بات کروں"۔

رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے، جبکہ آپ ﷺ کو قبیلۂ ثقیف کی طرف سے مدد و نصرت کی امید ختم ہو چکی تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اگر تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو اس بات کو مجھ سے چھپائے رکھنا۔'' لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ دس دن تک ان کے درمیان قیام پذیر رہے۔ اس دوران انہوں نے اپنے نادان لوگوں اور غلاموں کو آپ ﷺ کے خلاف اکسایا۔ وہ آپ ﷺ کو گالیاں دیتے، شور مچاتے اور آپ ﷺ کو سخت اذیتیں پہنچاتے رہے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو ایسی تکلیفیں دیں جو آپ ﷺ کی اپنی قوم نے بھی نہیں دی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ سے کہا: ''ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔'' پھر ان کے نادان لوگ دو قطاروں میں کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ پر پتھر برسانے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دونوں قدم مبارک خون سے لہولہان ہو گئے۔ حضرت

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے جسم کو ڈھال بنا کر آپ ﷺ کو بچاتے رہے، یہاں تک کہ ان کے سر میں بھی کئی زخم آ گئے۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ طائف سے مکہ مکرمہ کی طرف واپس روانہ ہوئے، جبکہ آپ ﷺ اس واقعے کی وجہ سے نہایت غمگیں تھے۔

رسول اللہ ﷺ طائف سے واپسی پر اپنے رب کے حضور وہ مشہور دعا فرمائی:

اللَّهمَّ إليكَ أشكو ضَعفَ قوَّتي، وقلَّةَ حيلَتي، وَهَواني علَى النَّاسِ... أنتَ أرحمُ الرَّاحمينَ، أنتَ ربُّ المستضعفينَ، وأنتَ ربّي... إلى من تَكِلُني؟ إلى بعيدٍ يتجَهَّمُني أَمْ إلى عدُوٍّ ملَّكتَهُ أمري. إن لم يَكُن بِكَ غضبٌ عليَّ فلا أبالي، غيرَ أنَّ عافيتَكَ هيَ أوسعُ لي.. أعوذُ بنورِ وجهِكَ الَّذي أشرَقت لهُ الظُّلماتُ، وصلُحَ علَيهِ أمرُ الدُّنيا والآخرةِ، أن يحلَّ عليَّ غضبُكَ، أو أن ينزلَ بي سخطُكَ. لَكَ العُتبى حتَّى تَرضى، ولا حولَ ولا قوَّةَ إلَّا بِكَ...

ترجمہ: "اے اللہ! میں تجھی سے اپنی کمزوری، اپنی بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! تو کمزوروں کا رب ہے اور میرا بھی رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا ایسے اجنبی کے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے، یا ایسے دشمن کے جسے تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے کسی چیز کی پروا نہیں، البتہ تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرۂ انور کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوئے، اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا مجھ پر تیری ناراضی وارد

ہو۔ میں تیری رضا چاہتا رہوں گا، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، اور نیکی کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت صرف تجھی سے ہے"۔ (1)

حضرت جبرئیل علیہ السلام اور فرشتۂ پہاڑ کا نزول اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کو فرشتۂ پہاڑ کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ آپ ﷺ سے ان لوگوں کے بارے میں اجازت لے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا: "کیا آپ ﷺ پر کبھی ایسا دن بھی گزرا ہے جو غزوۂ اُحد کے دن سے زیادہ سخت ہو؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے تمہاری قوم کی طرف سے بہت کچھ برداشت کرنا پڑا ہے، لیکن ان کی طرف سے مجھے سب سے زیادہ سخت تکلیف یومِ عقبہ کے موقع پر پہنچی، جب میں نے اپنے آپ کو ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے پیش کیا، لیکن اس نے میری مطلوبہ بات قبول نہ کی۔ چنانچہ میں غمگیں اور پریشان حالت میں وہاں سے چلا اور اپنا رخ کیے ہوئے چلتا رہا۔ مجھے ہوش ہی نہ آیا (2)، یہاں تک کہ میں قرن الثعالب (3) پہنچ گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ ایک بادل نے مجھ پر سایہ کر رکھا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں حضرت جبرئیل

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد 2، ص 32-33؛ زاد المعاد، جلد 3، ص 39۔

2- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم جلد 12، ص 130 میں فرماتے ہیں: "یعنی میں اپنی حالت اور اس جگہ کی طرف متوجہ ہی نہ ہو سکا جہاں جا رہا تھا، یہاں تک کہ اپنی شدید پریشانی کی وجہ سے اچانک قرن الثعالب پہنچ گیا۔"

3- قرن الثعالب کی تعیین میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد نجد والوں کا میقات قرن المنازل ہے، جبکہ بعض نے اس کے علاوہ کوئی اور جگہ مراد لی ہے۔ واللہ اعلم۔

علیہ السلام موجود تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دے کر کہا: ''اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ بات سن لی ہے جو انہوں نے آپ سے کہی اور آپ کو جو جواب دیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس فرشتۂ پہاڑ کو بھیجا ہے تاکہ آپ اسے ان لوگوں کے بارے میں جو حکم چاہیں دیں۔'' پھر فرشتۂ پہاڑ نے مجھے آواز دی، مجھے سلام کیا اور کہا: ''اے محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان دونوں پہاڑوں [1] کو ان پر ملا دوں۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس واقعے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے درمیان کس طرح تطبیق دی جائے گی: ﴿قُلْ لَوْ أَنَّ عِندِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ﴾ "دیجیے: اگر وہ چیز میرے اختیار میں ہوتی جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے"۔ (الأنعام: 58)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس کا جواب یہ ہے، واللہ اعلم: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کے مطالبے کے وقت عذاب کا واقع ہونا رسول اللہ ﷺ کے اختیار

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد 6، ص 463 میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد مکہ مکرمہ کے دو پہاڑ ہیں: ایک ابو قُبَیس اور دوسرا اس کے مقابل پہاڑ، اور غالباً وہ قعیقعان ہے۔''

2- حوالہ: امام بخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر 3231؛ امام مسلم، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1795۔

میں ہوتا تو آپ ﷺ ان پر عذاب نازل کر دیتے۔ لیکن مذکورہ حدیث میں یہ بات نہیں کہ ان لوگوں نے آپ ﷺ سے اپنے اوپر عذاب نازل کرنے کا مطالبہ کیا تھا، بلکہ فرشتہ پہاڑ نے آپ ﷺ کے سامنے یہ پیشکش کی تھی کہ اگر آپ ﷺ چاہیں تو وہ اَخْشَبَیْن کو ان پر ملا دے، اور اَخْشَبَیْن سے مراد مکہ مکرمہ کے وہ دو پہاڑ ہیں جو اس کے جنوب اور شمال کی جانب واقع ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے معاملے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمایا اور ان کے لیے بھلائی کی امید رکھی[1]۔

مطعم بن عدی کی پناہ میں رسول اللہ ﷺ کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی میں پہلے سے کہیں زیادہ آگے بڑھ چکی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مطعم بن عدی کی پناہ میں مکہ مکرمہ میں داخلہ فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ مطعم بن عدی[2] کی اس بھلائی کو کبھی نہیں بھولے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور پھر ان

1-دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 3، ص 264۔

2-امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء والصفات جلد 2، ص 206 میں فرماتے ہیں: "مطعم بن عدی غزوۂ بدر سے پہلے کفر کی حالت میں فوت ہوا، اور اہلِ تاریخ، اہلِ سیرت اور دیگر اہلِ علم کے درمیان اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں"۔

گندے لوگوں[1] کے بارے میں مجھ سے بات کرتا تو میں ان سب کو اس کے حوالے کر دیتا۔[2]

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مطعم بن عدی ہی وہ شخص تھا جس نے اس ظالمانہ معاہدے کو ختم کرنے کی کوشش کی تھا، جو قریش نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف لکھا تھا۔ وہ شِعب میں محصور لوگوں کے ساتھ ہمدردی کرتا اور خفیہ طور پر ان تک کھانے پینے کی چیزیں پہنچاتا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کو طائف سے واپسی پر اپنی پناہ دی، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے عمرہ ادا کیا[3]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرمان ''لَتَرَكْتُهُ لَهُ'' کا مطلب یہ ہے کہ میں انہیں اس کے لیے بغیر کسی فدیے کے چھوڑ دیتا[4]۔

اسراء و معراج

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اسراء و معراج کے عظیم سفر سے سرفراز فرمایا۔ یہ سفرِ مبارک دعوتِ دین کے کئی سال گزرنے کے بعد پیش آیا۔ یہ بابرکت سفر

1- ابن اثیر رحمہ اللہ النہایہ جلد 5، ص 12 میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''نتن''، یعنی گندے لوگ اس لیے کہا کہ وہ کافر تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ﴾ "بے شک مشرکین ناپاک ہیں"۔ (التوبہ: 28)۔

2- حوالہ: امام بخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر 4024۔

3- دیکھیں: سیر أعلام النبلاء، جلد 3، ص 95۔

4- فتح الباری، جلد 8، ص 60۔

رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک طرح کا اعزاز اور انعام تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو اپنی بارگاہ میں آپ ﷺ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ فرمائے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کو اسراء کے ذریعے جو خصوصی اعزاز عطا فرمایا گیا، وہ اچانک اور بغیر کسی پیشگی وقت مقرر کیے عطا کیا گیا، تاکہ انتظار کی تکلیف آپ ﷺ سے دور کر دی جائے اور آپ ﷺ کو اچانک یہ اعزاز حاصل ہو"۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے اسراء کا ذکر سورۂ اسراء میں فرمایا ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی، جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔" (الإسراء: 1)

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے معراج کا ذکر سورۂ نجم میں فرمایا ہے: ﴿أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ "کیا تم اس بات پر ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں؟ اور یقیناً انہوں نے اسے ایک اور مرتبہ بھی دیکھا ہے، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، جس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ کو وہ چیز ڈھانپ رہی تھی جو اسے ڈھانپ رہی تھی۔ نہ تو نگاہ ٹیڑھی ہوئی اور نہ حد سے

1- دیکھیں: بدائع الفوائد، جلد 3، ص 1163۔

بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:12-18)[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صحیح احادیث اس بات پر متواتر ہیں، جن کی صحت اور قبولیت پر امت کا اجماع ہے، کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے رب کی طرف معراج کرائی گئی، آپ ﷺ ساتوں آسمانوں سے گزرے، اور نماز کے معاملے میں اس کی تخفیف کے لیے کئی مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ عزوجل کے درمیان آتے جاتے رہے"۔[2]

اسراء و معراج کے وقت کے تعین میں اختلاف

اسراء و معراج کے سفر کے وقت کے تعین میں اہلِ علم کے درمیان بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، اور اس کے متعین وقت کے بارے میں کوئی قطعی اور ثابت دلیل موجود نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس کے مہینے، اس کے عشرے یا اس کی متعین تاریخ کے بارے میں کوئی معلوم اور معتبر دلیل قائم نہیں ہوئی،

1-امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسراء کا واقعہ حدیث کی تمام معروف کتابوں میں ثابت ہے اور تمام اسلامی علاقوں کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کی روایات منقول ہیں، لہٰذا اس اعتبار سے یہ واقعہ متواتر ہے۔'' دیکھیں: تفسیر قرطبیؒ، جلد 13، ص 7۔

2-دیکھیں: تہذیب السنن، جلد 3، ص 258۔

بلکہ اس سلسلے میں منقول روایات منقطع ہیں اور ان میں کوئی ایسی قطعی دلیل نہیں جس پر یقین کے ساتھ اعتماد کیا جاسکے"۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "معراج کے وقت کے بارے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بعثت سے پہلے واقع ہوئی تھی، لیکن یہ ایک شاذ قول ہے، البتہ اگر اسے اس معنی پر محمول کیا جائے کہ اس وقت یہ واقعہ خواب میں پیش آیا تھا تو اس کی گنجائش ہے۔ اکثر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ معراج بعثت کے بعد ہوئی، پھر اس کے وقت کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ہوئی، یہ قول ابن سعد وغیرہ نے اختیار کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو قطعی قرار دیا ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس بارے میں اجماع نقل کرنے میں بہت مبالغہ کیا ہے، کیونکہ یہ دعویٰ درست نہیں، اس مسئلے میں دس سے بھی زیادہ اقوال کے ساتھ بہت زیادہ اختلاف موجود ہے"۔ (2)

اسراء و معراج جسم و روح کے ساتھ ہوا

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "وارد ہونے والی مختلف روایات کے اختلاف کی وجہ سے سلف کے اقوال بھی مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ اسراء و معراج ایک ہی رات میں بیداری کی حالت میں، بعثت کے بعد،

1- اسے امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔ دیکھیں: زاد المعاد، جلد 1، ص 36۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد 7، ص 602۔

نبی کریم ﷺ کے جسم اور روح دونوں کے ساتھ واقع ہوا۔ محدثین، فقہاء اور متکلمین کی اکثریت بھی اسی کی قائل ہے۔ صحیح احادیث کے ظاہری مفاہیم بھی اسی بات کی تائید کرتے ہیں، اس لیے اس سے ہٹنے کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیونکہ عقلی اعتبار سے بھی ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اسے ناممکن قرار دیتی ہو کہ جس کی وجہ سے اس کی تاویل کی ضرورت پیش آئے"۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علماء کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جسم اور روح دونوں کے ساتھ بیداری کی حالت میں اسراء کرایا گیا تھا، خواب میں نہیں۔ البتہ اس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ خواب میں دیکھا ہو، پھر بعد میں بیداری کی حالت میں بھی اسے دیکھا ہو؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ جو خواب بھی دیکھتے تھے، وہ صبح کی روشنی کی طرح بالکل واضح اور سچا ثابت ہوتا تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ﴾ "پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گئی"۔ (الإسراء: 1) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح عموماً ایسے عظیم امور کے موقع پر کی جاتی ہے۔ اگر یہ واقعہ صرف خواب میں پیش آیا ہوتا تو اس میں کوئی ایسی بڑی بات نہ ہوتی جسے غیر معمولی اور عظیم سمجھا جاتا۔ اسی طرح کفارِ قریش بھی فوراً اس کی تکذیب نہ کرتے اور نہ ہی ان لوگوں میں سے ایک جماعت مرتد ہوتی جو پہلے اسلام قبول کر چکے تھے"۔

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد 7، ص 595۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "اس کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ "عبد" یعنی "بندہ" روح اور جسم دونوں کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا﴾ "وہ اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا"۔ (الإسراء: 1) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ "اور ہم نے جو منظر آپ کو دکھایا تھا، اسے لوگوں کے لیے صرف آزمائش بنایا تھا"۔ (الإسراء: 60) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو اس رات دکھایا گیا جس رات آپ ﷺ کو اسراء کرایا گیا تھا۔ اور شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا درخت ہے[1]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ﴾ "نہ نگاہ ٹیڑھی ہوئی اور نہ حد سے بڑھی"۔ (النجم: 17) آنکھوں سے دیکھنا جسم کی خصوصیات میں سے ہے، روح کی نہیں۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کو براق پر سوار کیا گیا، جو سفید رنگ کا ایک چمک دار جانور تھا۔ سواری کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے، روح کو نہیں؛ کیونکہ روح اپنی حرکت کے لیے کسی سواری کی محتاج نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم[2]۔

1- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3888 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 5، ص 43-44۔

اسراء و معراج کا واقعہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے، وہ حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس رات کے بارے میں، جس رات آپ ﷺ کو اسراء کرایا گیا، لوگوں سے بیان فرمایا: ''ایک مرتبہ میں حطیم میں، یا شاید آپ ﷺ نے فرمایا کہ حجر [1] میں لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا [2] آیا۔'' راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے یہاں سے یہاں تک چاک کیا۔'' میں

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد 7، ص 602 میں فرماتے ہیں: "یہ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کی طرف سے شک ہے، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند حدیث نمبر 17835 میں حضرت عثمان سے، وہ ہمام سے روایت کرتے ہوئے اس کی وضاحت کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: 'ایک مرتبہ میں حطیم میں سویا ہوا تھا، اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے شاید یہ کہا کہ حجر میں۔' یہاں حطیم سے مراد حجر ہی ہے۔ البتہ بعض لوگوں نے اس سے وہ جگہ مراد لی ہے جو رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان ہے، یا زمزم اور حجر کے درمیان ہے، لیکن یہ قول زیادہ بعید ہے۔ اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ حطیم سے مراد حجر ہے یا نہیں، لیکن یہاں مقصد اس جگہ کی تعیین کرنا ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ متعدد واقعات نہیں تھے، کیونکہ روایت کا سلسلہ ایک ہی ہے اور واقعہ بھی ایک ہی ہے۔ صحیح بخاری کی کتاب بدء الخلق میں حدیث نمبر 3207 کے الفاظ ہیں: ''ایک مرتبہ میں بیت اللہ کے پاس تھا۔'' یہ تعبیر زیادہ عام ہے۔ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کی روایت میں، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، حدیث نمبر 349 میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر کی چھت کھولی گئی، اس وقت میں مکہ مکرمہ میں تھا۔'' اور واقدی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو شِعبِ ابی طالب سے اسراء کرایا گیا۔ اسی طرح طبرانی میں حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر میں رات گزاری۔ وہ فرماتی ہیں: ''رات کے وقت میں نے آپ ﷺ کو اپنے پاس موجود نہ پایا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے تھے۔'' ان تمام روایات کے درمیان یوں تطبیق دی جا سکتی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں سوئے ہوئے تھے، اور ان کا گھر شِعبِ ابی طالب کے قریب تھا۔ پھر آپ ﷺ کے گھر کی چھت کھولی گئی، اور چونکہ آپ ﷺ اس گھر میں رہتے تھے، اس لیے اس گھر کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کر دی گئی۔ فرشتہ اسی راستے سے نیچے اترا، پھر آپ ﷺ کو گھر سے مسجدِ حرام میں لے آیا۔ آپ ﷺ وہاں لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ پر نیند کے آثار موجود تھے۔ پھر فرشتے نے آپ ﷺ کو مسجد کے دروازے تک لے جا کر براق پر سوار کر دیا"۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، ص 604 میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔''

نے حضرت جارود سے، جو میرے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، پوچھا: اس سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا: "گلے کے شگاف سے لے کر ناف تک"۔[1] پھر اس نے میرا دل نکالا۔ اس کے بعد میرے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو ایمان سے بھرا ہوا تھا۔ اس سے میرے دل کو دھویا گیا، پھر اسے ایمان سے بھر دیا گیا[2] اور دوبارہ اپنی جگہ رکھ دیا گیا۔ پھر میرے پاس ایک ایسا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا، سفید رنگ کا تھا۔ حضرت جارود نے حضرت انس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: "اے ابو حمزہ! کیا اس سے مراد براق ہے"؟ حضرت انس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "ہاں، وہ براق ہی تھا، وہ اپنے قدم کی حدِ نگاہ تک قدم رکھتا تھا"۔[3]

براق پر زین کسی ہوئی تھی اور اس کی لگام بھی ڈالی ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو وہ بدکنے لگا[4]۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اس سے فرمایا: "کیا محمد ﷺ کے ساتھ تم ایسا سلوک کر رہے ہو؟ تم پر آج تک ان سے زیادہ اللہ

1-اور امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح میں حدیث نمبر 164 کی روایت میں ہے کہ انہوں نے سینے سے لے کر پیٹ کے نچلے حصے تک چاک کیا۔

2-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، ص 606 میں فرماتے ہیں: "اس واقعے میں خلافِ معمول امور میں سے ایسی چیزیں بھی شامل ہیں جنہیں سننے والا تو درکنار، دیکھنے والا بھی حیرت میں پڑ جائے۔ عام طور پر یہ بات معلوم ہے کہ جس شخص کا پیٹ چاک کر کے اس کا دل نکال لیا جائے، وہ لازماً مر جاتا ہے۔ لیکن اس واقعے میں اس کا نبی کریم ﷺ پر کوئی نقصان یا تکلیف تو کیا اثر ہی نہیں ہوا۔"

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3887 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 164 کے تحت روایت کیا ہے۔

4-امام سہیلی رحمہ اللہ الروض الأنف، جلد 2، ص 194 میں فرماتے ہیں: "براق کا رسول اللہ ﷺ کے لیے بدکنے کی وجہ یہ تھی کہ اس پر سابقہ انبیاء علیہم السلام کی سواری کو ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے درمیان بھی ایک طویل مدت گزری تھی۔"

تعالیٰ کے نزدیک معزز کوئی شخص سوار نہیں ہوا"۔ یہ سن کر براق پسینے سے شرابور ہو گیا[1]۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں براق پر سوار ہوا، یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچ گیا۔ میں نے اسے[2] اس حلقے سے باندھ دیا جہاں انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہوا"[3]۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت

جب رسول اللہ ﷺ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے وہاں انبیاء و رسل علیہم السلام کو صفیں باندھے ہوئے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان انبیاء کرام علیہم السلام کو آپ ﷺ کے لیے زندہ فرمایا تھا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو آگے بڑھایا تاکہ آپ ﷺ ان کی امامت فرمائیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ مسجد اقصیٰ میں

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12672 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3397 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

2-یعنی براق کو۔

3-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

داخل ہوئے تو آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے پیچھے متوجہ ہو کر دیکھا تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے"۔ (1)

اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ان سب کی امامت فرمائی"۔ (2)

بیت المقدس میں برتن پیش کیے جانے کا واقعہ

جب رسول اللہ ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کے سامنے دو برتن پیش کیے گئے، جن میں سے ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شراب۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں مسجد میں داخل ہوا اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی، پھر باہر نکلا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام

1- مسند احمد، حدیث نمبر 2324، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے اپنی تفسیر جلد 5، ص 28۔ میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- صحیح مسلم، حدیث نمبر 172۔

میرے پاس شراب کا ایک برتن اور دودھ کا ایک برتن لے کر آئے۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے فطرت کو اختیار کیا ہے"۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا معراج[2] کے لیے آسمانوں کی طرف تشریف لے جانا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آسمانِ دنیا کی طرف لے گئے[3]۔ جب میں آسمانِ دنیا پر پہنچا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے نگہبان فرشتے سے کہا: دروازہ کھولو۔ اس نے پوچھا: کون ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: جبرئیل ہوں۔ اس نے پوچھا: کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ فرمایا: ہاں، میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں۔ اس نے پوچھا: کیا انہیں بلایا

1- امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 184 میں فرماتے ہیں: ''علماء نے یہاں فطرت کی تفسیر اسلام اور استقامت سے کی ہے۔ اس کا مفہوم، واللہ اعلم، یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اسلام اور استقامت کی علامت کو اختیار کیا۔ دودھ کو اس لیے علامت بنایا گیا کہ وہ آسان، پاکیزہ، صاف ستھرا اور پینے والوں کے لیے موزوں ہے"۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 5، صفحہ 43 میں فرماتے ہیں: ''معراج سیڑھی کی مانند ہے، جس کے زینے ہوتے ہیں اور ان کے ذریعے اوپر چڑھا جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اس کے ذریعے آسمانِ دنیا کی طرف تشریف لے گئے، پھر باقی ساتوں آسمانوں کی طرف صعود فرمایا۔''

3- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 121 میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بیت المقدس سے متعلق معاملے سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کے لیے معراج پیش کی گئی، جو ایک سیڑھی تھی۔ آپ ﷺ اسی کے ذریعے آسمان کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ کا آسمان کی طرف چڑھنا براق کے ذریعے نہیں ہوا، جیسا کہ بعض لوگ سمجھ سکتے ہیں، بلکہ براق کو مسجدِ بیت المقدس کے دروازے پر باندھ دیا گیا تھا، تاکہ آپ ﷺ اس کے ذریعے واپس مکہ مکرمہ تشریف لے جائیں۔''

گیا ہے[1]؟ فرمایا: ہاں۔ چنانچہ جب دروازہ کھولا گیا تو ہم آسمانِ دنیا پر پہنچے۔ وہاں ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، جس کے دائیں طرف بھی بہت سے لوگ تھے اور بائیں طرف بھی بہت سے لوگ تھے۔ جب وہ اپنی دائیں جانب دیکھتے تو مسکراتے اور خوش ہوتے، اور جب بائیں جانب دیکھتے تو روتے۔ انہوں نے کہا: نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید! میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہیں[2]؟ انہوں نے فرمایا: یہ آدم علیہ السلام ہیں، اور ان کے دائیں اور بائیں جانب موجود یہ لوگ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔ ان میں جو دائیں جانب ہیں، وہ اہلِ جنت ہیں، اور جو بائیں جانب ہیں، وہ اہلِ جہنم ہیں۔ جب حضرت آدم علیہ السلام اپنی دائیں جانب دیکھتے تو مسکراتے اور خوش ہوتے، اور جب اپنی بائیں جانب دیکھتے تو روتے"۔[3]

1-امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد 2، صفحہ 185 میں فرماتے ہیں: "اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں اسراء اور آسمانوں کی طرف صعود کے لیے بھیجا گیا تھا، نہ کہ اس سوال سے یہ مراد تھی کہ ان کی اصل بعثت اور رسالت کس مقصد کے لیے ہوئی ہے؛ کیونکہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد یہ بات ان سے مخفی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہی صحیح بات ہے، واللہ اعلم۔"

2-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 2، صفحہ 7 میں فرماتے ہیں: "اس روایت کے بظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت آدم علیہ السلام کے سلام اور مرحبا کہنے کے بعد ان کے بارے میں سوال کیا، جبکہ مالک بن صعصعہ کی روایت میں اس کے برعکس ترتیب بیان ہوئی ہے، اور وہی روایت زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔ لہٰذا اس روایت کو بھی اسی کے مطابق سمجھا جائے، کیونکہ اس روایت میں ترتیب پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ موجود نہیں ہے۔"

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 349 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 163 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا دوسرے آسمان کی طرف صعود

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر ہمیں دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا، تو پوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: جبرئیل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں مبعوث کیا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، انہیں مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں میں اپنے دونوں خالہ زاد بھائی حضرت عیسیٰ بن مریم اور حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما الصلاۃ والسلام سے ملا۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی"۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کا تیسرے آسمان کی طرف صعود

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: آپ کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: جبرئیل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں مبعوث کیا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، انہیں مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی۔ انہیں

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

حسن و جمال کا نصف حصہ [1] عطا کیا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی [2]۔

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ بدائع الفوائد، جلد 3، صفحہ 1167 میں فرماتے ہیں: بعض اہلِ علم نے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو حسن و جمال کا وہ نصف حصہ عطا کیا گیا تھا جو رسول اللہ ﷺ کو عطا کیا گیا تھا۔ نبی کریم ﷺ حسن و جمال کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اس حسن کا نصف حصہ عطا کیا گیا تھا۔ ان اہلِ علم نے اس کی تائید اس روایت سے کی ہے جسے امام ترمذی نے حضرت قتادہ کی روایت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو بھی مبعوث فرمایا، وہ خوب صورت چہرے اور خوب صورت آواز والا تھا، اور تمہارے نبی ﷺ ان سب میں سب سے زیادہ خوب صورت چہرے اور سب سے زیادہ خوب صورت آواز والے تھے"۔

لیکن بظاہر اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام لوگوں کے مقابلے میں حسن و جمال کا نصف حصہ خصوصی طور پر عطا کیا گیا تھا، جبکہ باقی نصف میں تمام لوگ شریک تھے، اور اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام حسن کے اس نصف حصے میں منفرد تھے جو انہیں خصوصی طور پر عطا کیا گیا تھا۔ الفاظ کا ظاہر یہی مفہوم ہے۔ پھر اس ظاہر مفہوم سے ہٹنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیونکہ یہاں حسن میں "ال" جنس کے لیے ہے، نہ کہ کسی خاص اور متعین حسن کے لیے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو۔ میں نہیں جانتا کہ ان اہلِ علم کو اس ظاہر مفہوم سے ہٹ کر وہ مفہوم اختیار کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا جسے انہوں نے بیان کیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث بھی اس مفہوم کے منافی نہیں، بلکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں چہرے کے اعتبار سے سب سے زیادہ خوب صورت اور آواز کے اعتبار سے سب سے زیادہ حسین تھے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیاء میں سب سے زیادہ خوب صورت ہونے کی وجہ سے اس بات کی نفی ہو جائے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو تمام لوگوں کے مقابلے میں حسن و جمال کا ایک نصف حصہ خصوصی طور پر عطا کیا گیا تھا، جبکہ دوسرے نصف میں تمام لوگ شریک تھے۔ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خصوصی حسن میں بھی شریک تھے اور دوسرے نصف کے حسن میں مزید امتیاز کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر تھے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے جس حدیث کا ذکر کیا ہے، اسے انہوں نے بالمعنیٰ نقل کیا ہے۔ اسے امام ترمذی نے الشمائل میں حضرت قتادہ سے حدیث نمبر 320 کے تحت روایت کیا ہے، نہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے۔ اس روایت کی سند مرسل اور بہت زیادہ ضعیف ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا چوتھے آسمان کی طرف صعود

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر ہمیں چوتھے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جبرئیل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں مبعوث کیا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، انہیں مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی"۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا﴾ "اور ہم نے انہیں بلند مقام پر اٹھایا"۔[1] (مریم:57)

رسول اللہ ﷺ کا پانچویں آسمان کی طرف صعود

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر ہمیں پانچویں آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جبرئیل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں مبعوث کیا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، انہیں مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے دروازہ

1-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

کھول دیا گیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی"۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کا چھٹے آسمان کی طرف صعود

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: جبرئیل۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں مبعوث کیا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، انہیں مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی"۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کا ساتویں آسمان کی طرف صعود

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا تو پوچھا گیا: کون ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ جبرئیل ہیں۔ پوچھا گیا: آپ کے ساتھ کون ہے؟ فرمایا: محمد ﷺ۔ پوچھا گیا: کیا انہیں مبعوث کیا گیا ہے؟ فرمایا: ہاں، انہیں مبعوث کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لیے دروازہ

1-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

کھول دیا گیا۔ وہاں میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ وہ بیت المعمور[1] سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے[2] داخل ہوتے ہیں، پھر وہ دوبارہ وہاں نہیں آتے[3]۔

جب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ آپ کے والد ہیں، انہیں سلام کریں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید![4]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں شواہد کی بنا پر حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب مجھے شبِ معراج لے جایا گیا تو اس رات میری ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ انہوں نے فرمایا: اے محمد! اپنی امت کو میری طرف سے سلام پہنچانا، اور انہیں بتانا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ اور اس کا پانی نہایت شیریں ہے، وہ ہموار میدان ہے،

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 6، صفحہ 453 میں فرماتے ہیں: ''اکثر روایات میں یہ بیان ہوا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے۔''

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3784 کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المعمور ساتویں آسمان میں ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور قیامت قائم ہونے تک دوبارہ اس میں داخل نہیں ہوں گے"۔

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 7، صفحہ 427 میں فرماتے ہیں: ''یعنی فرشتے اس میں عبادت کرتے ہیں اور اس کے گرد طواف کرتے ہیں، جس طرح اہلِ زمین اپنی کعبہ کے گرد طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بیت المعمور ساتویں آسمان کے رہنے والوں کی کعبہ ہے۔''

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3887۔

اوراس کی شجر کاری کے کلمات یہ ہیں: سبحان الله، والحمد لله، ولا إله إلا الله، والله أكبر"۔[1]

بیت المعمور کے پاس برتن پیش کیے جانے کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میرے سامنے بیت المعمور بلند کیا گیا، پھر میرے پاس شراب کا ایک برتن، دودھ کا ایک برتن اور شہد کا ایک برتن لایا گیا۔ میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت قائم ہیں"۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر میرے سامنے بیت المعمور بلند کیا گیا۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ بیت المعمور ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، اور جب وہ اس سے نکلتے ہیں تو دوبارہ اس میں واپس نہیں آتے۔ پھر میرے پاس دو برتن لائے گئے، جن میں سے ایک میں شراب اور دوسرے میں دودھ تھا[3]۔ وہ دونوں میرے

1- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3767، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23552 کے تحت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، کتاب مناقب الانصار، باب المعراج میں حدیث نمبر 3887 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 618 میں فرماتے ہیں: ''جہاں تک برتنوں کی تعداد اور ان میں موجود چیزوں کے اختلاف کا تعلق ہے، تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ بعض راویوں نے وہ چیز بیان کی ہے جسے دوسرے راوی نے بیان نہیں کیا۔''

سامنے پیش کیے گئے، تو میں نے دودھ کو اختیار کیا۔ مجھ سے کہا گیا: آپ نے درست انتخاب کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعے آپ کی امت کو فطرت پر قائم رکھا ہے"۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "اس میں یہ حکمت (2) بھی ممکن ہے کہ اسراء کی بعض روایات میں یہ ذکر ہے کہ آپ ﷺ کو پیاس لگی تھی (3)، اس لیے آپ ﷺ نے دودھ کو دوسرے مشروبات پر ترجیح دی، کیونکہ اس سے آپ ﷺ کی ضرورت پوری ہو سکتی تھی، جبکہ شراب اور شہد سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تھا۔ لہٰذا دودھ کو اختیار کرنے کی اصل وجہ یہی تھی، اور اس کے ساتھ ساتھ دودھ کو کئی اعتبار سے ان دونوں پر فضیلت بھی حاصل تھی"۔ (4)

سدرۃ المنتہیٰ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ (5) کی طرف لے جایا گیا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند تھے اور اس کے پھل بڑے بڑے مٹکوں کی طرح

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 42 اور 264 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- یعنی رسول اللہ ﷺ کا دودھ کو دیگر مشروبات کے مقابلے میں اختیار کرنا۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 356 میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

4- دیکھیں: فتح الباری، جلد 11، صفحہ 203۔

5- سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان میں ہے سدرۃ المنتہیٰ کے ساتویں آسمان میں ہونے کے بارے میں یہ بات بیان کی گئی ہے، جبکہ اس کے نام رکھنے کی وجہ کے متعلق امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 173 کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ کو اسراء کرایا گیا تو آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ یہ چھٹے آسمان میں ہے۔ زمین

تھے۔ جب اسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایسی چیز نے ڈھانپ لیا جس نے اسے ڈھانپ لیا، تو وہ بدل گئی۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا[1]۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے لے جایا گیا، یہاں تک کہ میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گیا۔ اسے مختلف رنگوں نے ڈھانپ رکھا تھا، جنہیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھے"[2]۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿إِذْ يَغْشَى۔ السِّدْرَةَ مَا يَغْشَى۔﴾ "جب سدرۃ المنتہیٰ کو وہ چیز ڈھانپ رہی تھی جو اسے ڈھانپ رہی تھی"۔ کی تلاوت کی، پھر فرمایا: "وہ سونے کے پروانے تھے"۔[3]

سے جو کچھ اوپر لے جایا جاتا ہے، وہ اسی مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے، اور اوپر سے جو کچھ نیچے لایا جاتا ہے، وہ بھی اسی مقام پر پہنچ کر ٹھہر جاتا ہے"۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 615 میں فرماتے ہیں: "حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان کہ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان میں ہے، ان دیگر روایات کے منافی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ساتویں آسمان میں داخل ہونے کے بعد سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ اس کی توجیہ یہ کی جائے گی کہ اس درخت کی اصل چھٹے آسمان میں ہے، جبکہ اس کی شاخیں اور فروع ساتویں آسمان میں ہیں۔ چھٹے آسمان میں صرف اس کا تنا اور اصل حصہ ہے"۔

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 349 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 173 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حقیقی صورت میں دیکھنا

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ان کی حقیقی صورت میں دیکھا، جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس مختلف صورتوں میں آیا کرتے تھے، تاہم اکثر وہ حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لاتے تھے۔ (1)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ۝ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ۝ عِندَ سِدْرَةِ الْمُنتَهَىٰ ۝ عِندَهَا جَنَّةُ الْمَأْوَىٰ (2) ۝ إِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ (3) ۝ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ﴾ "کیا تم اس چیز کے بارے میں

1- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 5857 کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کی صورت میں آیا کرتے تھے۔''

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 7، صفحہ 451 میں فرماتے ہیں: ''یہ وہ دوسری مرتبہ ہے جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اس حقیقی صورت میں دیکھا، جس صورت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا تھا، اور یہ واقعہ شبِ اسراء میں پیش آیا تھا۔''

3- امام ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین، جلد 3، صفحہ 151 میں فرماتے ہیں: ''اس آیت میں بڑی عجیب حکمتیں پوشیدہ ہیں، اور یہ ان باریک آداب میں سے ہیں جو کامل ترین انسان، یعنی رسول اللہ ﷺ کے شایانِ شان ہیں۔ اس مقام پر آپ ﷺ کی ظاہری نگاہ اور باطنی بصیرت دونوں میں کامل موافقت اور یکسانیت تھی۔ آپ ﷺ کی آنکھ جس چیز کا مشاہدہ کرتی، آپ ﷺ کی بصیرت بھی اس کی تصدیق کرتی، اور آپ ﷺ کی بصیرت جس حقیقت کا ادراک کرتی، وہ بھی آنکھ سے دیکھی جانے والی حقیقی چیز تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حق میں بصر اور بصیرت کے مشاہدے میں کامل موافقت تھی۔ اسی لیے اسراء کے سفر میں آپ ﷺ کی سواری کا قدم آپ ﷺ کی نگاہ سے پیچھے نہیں رہتا تھا، بلکہ جہاں تک آپ ﷺ کی نظر پہنچتی، براق بھی اپنا قدم وہاں رکھتا تھا۔ یہ اس کے سوار کی کیفیت اور اس غیر معمولی رفتار کے عین مطابق تھا جس کے ذریعے آپ ﷺ اپنی سیر میں تمام عالم سے آگے نکل گئے تھے۔ چنانچہ براق کا قدم آپ ﷺ کی نگاہ کے مقام سے پیچھے نہیں رہتا تھا، جس طرح آپ ﷺ کا قدم آپ ﷺ کے علم و معرفت کے مقام سے پیچھے نہیں رہتا تھا۔''

ان سے جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتے ہیں؟ اور یقیناً انہوں نے جبرئیل کو ایک اور مرتبہ بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، جس کے قریب جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرۃ المنتہیٰ کو وہ چیز ڈھانپ رہی تھی جو اسے ڈھانپ رہی تھی۔ نہ تو نگاہ بہکی اور نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھیں"۔ (النجم: 12-18)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ﴾ (النجم: 13) کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے، اور ان کے پروں سے مختلف قسم کے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے"۔ (1)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کا ان آیات کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دیدار پر محمول کرنا زیادہ صحیح ہے"۔ (2)

1-اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 3915 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے اپنی تفسیر، جلد 7، صفحہ 451 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: "یہ سند عمدہ اور مضبوط ہے۔"

2-دیکھیں: دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 385۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس مسئلے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے جو بات کہی ہے، وہی حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ﴾ (النجم: 8) سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہی ہیں، جیسا کہ صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا[1] اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ[2] سے یہ بات ثابت ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ[3] سے بھی یہ روایت موجود ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس آیت کی اس تفسیر کے خلاف کوئی مخالف معلوم نہیں"۔[4]

رسول اللہ ﷺ کا جنت میں داخل ہونا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے جنت میں داخل کیا گیا، وہاں موتیوں کے گنبد تھے اور اس کی مٹی مشک کی تھی"۔[5]

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3235، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 177 اور 287 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4856، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 174 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 175 کے تحت روایت کیا ہے۔

4-دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 5، صفحہ 8۔

5-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3342 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 163 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! وہ دونوں براق سے اس وقت تک جدا نہیں ہوئے[1] جب تک ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول نہیں دیے گئے۔ پھر دونوں نے جنت، جہنم اور آخرت سے متعلق تمام وعدہ شدہ امور کا مشاہدہ کیا"۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا نہرِ کوثر کا مشاہدہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب نبی کریم ﷺ کو آسمان کی طرف لے جایا گیا تو آپ ﷺ ایک ایسی نہر کے پاس سے گزرے جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے

1-اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمانوں کی طرف صعود کے دوران براق کی پشت سے جدا نہیں ہوئے۔ لیکن یہ بات صحیح مسلم کی حدیث نمبر 216 اور 259 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے خلاف ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں نے اسے اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے"۔

امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 365 میں فرماتے ہیں: "رہا براق کو باندھنا، تو ہم نے اسے دوسری احادیث میں بھی روایت کیا ہے۔ براق ایک مخلوق اور سواری تھی، اور سواریوں کو باندھنا ایک معروف معمول ہے۔ اگرچہ اللہ عزوجل اسے محفوظ رکھنے پر بھی قادر ہے، لیکن جس روایت میں کسی بات کا اثبات ہو، وہ اس روایت کے مقابلے میں مقدم ہوتی ہے جس میں اس کی نفی ہو۔ وباللہ التوفیق"۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 5، صفحہ 21 میں فرماتے ہیں: "حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ بات نفی پر مبنی ہے، جبکہ دیگر صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے براق کو حلقے کے ساتھ باندھنے اور بیت المقدس میں نماز ادا کرنے کی بات نقل کی ہے۔ لہٰذا ان کی بیان کردہ اثبات والی روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس نفی والی بات پر مقدم ہوگی"۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23285 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3414 کے تحت روایت کیا ہے، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

گنبد بنے ہوئے تھے اور وہ اندر سے کھوکھلے تھے۔ میں نے پوچھا: اے جبرئیل! یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ کوثر ہے"۔ (1)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب اللہ کے نبی ﷺ کو جنت میں معراج کرائی گئی، یا جیسا کہ راوی نے کہا، تو آپ ﷺ کے سامنے ایک نہر پیش کی گئی، جس کے دونوں کنارے یاقوت کے تھے، یا فرمایا: کھوکھلے یاقوت کے تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ موجود فرشتے نے اپنا ہاتھ اس میں مارا اور اس سے مشک نکالی۔ محمد ﷺ نے اپنے ساتھ موجود فرشتے سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ کوثر ہے، جو اللہ عزوجل نے آپ کو عطا فرمایا ہے"۔ (2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4964 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 4748 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی اپنے رب سے ملاقات[1] اور نمازوں کی فرضیت[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھے اوپر لے جایا گیا، یہاں تک کہ میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں مجھے قلموں کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی[3]۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وہ وحی فرمائی جو اس نے فرمائی۔ اور مجھ پر ہر دن اور رات میں پچاس نمازیں فرض کر دی گئیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے پوچھا: آپ کی امت پر آپ کے رب نے کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں۔ انہوں نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے تخفیف کی درخواست کریں، کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزمایا اور ان کے حالات کا تجربہ کیا ہے"۔[4]

1-امام ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین، جلد 3، صفحہ 153 میں فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ اپنے کامل ادب اور اس کی کامل بندگی کے مقام کو مزید بلند کرتے ہوئے مسلسل آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے آسمانوں کے پردوں کو چاک کر دیا، ساتوں آسمانوں کو عبور کیا، سدرۃ المنتہیٰ سے بھی آگے گزر گئے اور قرب کے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں آپ ﷺ اولین و آخرین سے سبقت لے گئے۔ وہاں آپ ﷺ پر قربِ الٰہی کی مختلف کیفیات اور مراتب لگاتار وارد ہونے لگے، اور ظاہری و باطنی حجاب ایک ایک کر کے آپ ﷺ سے دور ہوتے گئے۔ اور آپ ﷺ کو ایسے مقام پر فائز کیا گیا جس پر انبیاء و رسل علیہم السلام بھی رشک کرتے تھے۔"

2-امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر (10/13) میں فرماتے ہیں: "اہلِ علم اور اہلِ سیرت کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ نبی کریم ﷺ پر نماز مکہ مکرمہ میں اسی وقت فرض ہوئی جب آپ ﷺ کو اسراء کرایا گیا اور آسمان کی طرف لے جایا گیا۔"

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 349، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 163 اور 263 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3207 میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں آپ سے زیادہ لوگوں کے حالات جانتا ہوں۔ میں نے بنی اسرائیل کے ساتھ بہت سخت محنت اور جدوجہد کی ہے، اور بے شک آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں اپنے رب کے پاس واپس گیا اور عرض کیا: اے میرے رب! میری امت پر تخفیف فرما۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دیں۔ پھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دی ہیں۔ انہوں نے کہا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، لہٰذا اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے مزید تخفیف کی درخواست کریں"۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مسلسل آتا جاتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! یہ ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں ہیں، ہر نماز کا اجر دس نمازوں کے برابر ہے، اس طرح یہ پچاس نمازیں شمار ہوں گی[1]۔ اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے، لیکن اسے نہ کرے، تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اور اگر وہ اسے کر لے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے، لیکن اسے نہ کرے، تو

1- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 211 میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''پھر آواز دی گئی: اے محمد! میرے ہاں بات تبدیل نہیں ہوتی، اور بے شک ان پانچ نمازوں کے بدلے آپ کے لیے پچاس نمازوں کا اجر ہے۔''

اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جاتا، اور اگر وہ اسے کر لے تو اس کے لیے صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے"۔ (1)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر میں نیچے اترا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور انہیں اس بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا: اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے مزید تخفیف کی درخواست کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اپنے رب کے پاس بار بار واپس جا چکا تھا، یہاں تک کہ اب مجھے اپنے رب سے حیا آنے لگی"۔ (2)

راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا

سلف اور خلف کے اہلِ علم کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہیں۔ اس مسئلے میں دو مشہور اقوال ہیں۔

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 619 میں فرماتے ہیں: "یہ ان مضبوط ترین دلائل میں سے ہے جن سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شبِ اسراء اپنے نبی محمد ﷺ سے بغیر کسی واسطے کے کلام فرمایا"۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 122 میں فرماتے ہیں: "چنانچہ اس رات نبی کریم ﷺ کو اپنے رب سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے براہِ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، اور اہلِ سنت کے ائمہ گویا اس بات پر متفق ہیں"۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 162 اور 259 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حضرت عائشہ [1] اور حضرت عبداللہ بن مسعود [2] رضی اللہ عنہما اس دیدار کے امکان کی نفی کے قائل تھے، جبکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ [3] سے منقول اقوال میں اختلاف ہے۔ پھر اہلِ علم کے درمیان اس بارے میں بھی اختلاف ہوا کہ اگر دیدار ہوا تو کیا نبی کریم ﷺ نے اپنے ظاہری آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا دل کی آنکھ سے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں بعض روایات مطلقاً [4] اور بعض مقیداً [5] منقول ہیں، لہٰذا مطلق روایات کو مقید روایات پر محمول کرنا ضروری ہے [6]۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی ایسی روایت ثابت نہیں جو صحیح ہو [7]۔ اور امام بغوی رحمہ اللہ کا اپنی

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4855 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 177، 287 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4857 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 174 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 178، 291 اور 292 کے تحت روایت کیا ہے۔

4-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3564 اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 57 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

5-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 176، 284 اور 285 کے تحت روایت کیا ہے۔

6-دیکھیں: فتح الباری، جلد 9، صفحہ 589۔

7-اس سے مراد شبِ معراج رسول اللہ ﷺ کا اپنے رب سبحانہٗ وتعالیٰ کو دیکھنا ہے۔

تفسیر[1] میں یہ کہنا کہ ایک جماعت کی رائے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور یہ حضرت انس، حسن بصری اور عکرمہ رحمہم اللہ کا قول ہے، محلِ نظر ہے۔ واللہ اعلم"۔[2]

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حدیثِ شریک[3] میں ایک زائد بات[4] منقول ہے، جسے انہوں نے منفرد طور پر بیان کیا ہے، اور یہ ان لوگوں کے موقف کے مطابق ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تھا۔ جبکہ حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم نے ان آیات کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے دیدار پر محمول کیا ہے، اور یہی قول زیادہ صحیح ہے"۔[5]

1- دیکھیں: تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 243۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 484۔

3- حدیثِ شریک کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7517 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- حدیثِ شریک میں منقول اضافہ یہ ہے: "ہم اپنے رب، جو جبّار اور رب العزت ہے، کے پاس پہنچے، پھر وہ قریب ہوا، یہاں تک کہ اس کے اور آپ ﷺ کے درمیان دو کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔" حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 7، صفحہ 7 میں فرماتے ہیں: "شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے اس حدیث میں اضطراب کیا ہے اور ان کا حافظہ کمزور ہو گیا تھا، اس لیے وہ اسے اچھی طرح ضبط نہیں کر سکے"۔

5- دیکھیں: دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 385۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ امام بیہقی رحمہ اللہ کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس مسئلے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے جو بات کہی ہے، وہی حق ہے"۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف اور خلف کے اہلِ علم کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ معاملہ سیدِ اولادِ آدم ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا؟

اکثر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو نہیں دیکھا۔ عثمان بن سعید دارمی نے اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماعی موقف قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں ظاہری آنکھ سے براہِ راست دیدار کا دعویٰ کرے، وہ وہم اور غلطی کا شکار ہے۔ البتہ اگر اس سے مراد دل کی آنکھ سے ایسا مشاہدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بندے کو ایسے محسوس ہو جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو"[2]، تو یہ درست ہے۔ اور یہ دراصل یقین کی مضبوطی اور علم میں اضافے کا نام ہے۔

ہاں، کبھی انسان پر ایک عظیم نور ظاہر ہو سکتا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا نور ہے اور حقیقتِ الٰہی اس پر جلوہ گر ہو گئی ہے، لیکن یہ بھی غلط ہے؛

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 5، صفحہ 8۔

2- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 50 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 9 کے تحت روایت کیا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نور کی تاب کسی چیز میں نہیں۔ جب پہاڑ پر اس نور کی معمولی سی جھلک ظاہر ہوئی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر زمین پر گر پڑا"۔ (1)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے پاس ایسی کوئی واضح نص نہیں پہنچی جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ بھی ان مسائل میں سے ہے جن میں ایک مسلمان اپنے دین کے معاملے میں خاموش رہ سکتا ہے۔ البتہ خواب میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بارے میں متعدد اور کثرت سے روایات منقول ہیں۔ رہی آخرت میں اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کی بات، تو یہ یقینی امر ہے اور اس کے بارے میں متعدد متواتر نصوص وارد ہوئی ہیں۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ واپسی اور لوگوں کو واقعۂ اسراء کے بارے میں بتانا

پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کو آسمانوں سے واپس مسجدِ اقصیٰ لے آئے۔ اس کے بعد دونوں براق پر سوار ہوئے اور صبح ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ واپس پہنچ گئے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کو بیت المقدس

1- دیکھیں: مدارج السالکین، جلد 4، صفحہ 119۔

2- دیکھیں: سیر أعلام النبلاء، جلد 2، صفحہ 167۔

تک اسراء کرایا گیا، پھر اسی رات آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور لوگوں کو اپنے سفر کے بارے میں بتایا، نیز بیت المقدس کی علامات اور ان کے قافلے کے بارے میں بھی انہیں خبر دی۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب اسراء کی رات گزر گئی اور صبح کے وقت میں مکہ مکرمہ میں تھا تو میں اپنے معاملے کی وجہ سے بہت پریشان ہوا اور مجھے معلوم تھا کہ لوگ مجھے جھٹلائیں گے۔ چنانچہ میں الگ تھلگ بیٹھ گیا اور غمگین تھا۔ اتنے میں اللہ کا دشمن ابو جہل وہاں سے گزرا اور میرے پاس آکر بیٹھ گیا اور مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا: کیا کوئی نئی بات پیش آئی ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے پوچھا: کیا بات پیش آئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے آج رات اسراء کرایا گیا۔ اس نے پوچھا: کہاں تک؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس تک۔ اس نے کہا: پھر صبح کے وقت آپ ہمارے درمیان موجود تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے آپ ﷺ کو فوراً جھٹلانے کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر وہ اپنی قوم کو

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 3546 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 28 میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ نیز علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الضعیفۃ، جلد 4، صفحہ 439 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

اس واقعے کی طرف دعوت دے کر بلائے گا تو وہ لوگ اس کی بات ماننے سے انکار کر دیں گے۔ اس نے کہا: اگر میں آپ کی قوم کو بلا کر وہی بات بتانے کو کہوں جو آپ نے مجھے بتائی ہے، تو کیا آپ انہیں بھی یہی واقعہ بیان کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے پوچھا: کیا بات پیش آئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے آج رات اسراء کرایا گیا۔ اس نے پوچھا: کہاں تک؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس تک۔ اس نے کہا: پھر صبح کے وقت آپ ہمارے درمیان موجود تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے آپ ﷺ کو فوراً جھٹلانے کا اظہار نہیں کیا، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ اگر وہ اپنی قوم کو اس واقعے کی طرف دعوت دے کر بلائے گا تو وہ لوگ اس کی بات ماننے سے انکار کر دیں گے۔ اس نے کہا: اگر میں آپ کی قوم کو بلا کر وہی بات بتانے کو کہوں جو آپ نے مجھے بتائی ہے، تو کیا آپ انہیں بھی یہی واقعہ بیان کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔''

ابو جہل نے پکار کر کہا: ''اے بنی کعب بن لؤی کے لوگو! یہاں آؤ۔'' راوی کہتے ہیں: لوگ فوراً اس کے پاس جمع ہو گئے اور آ کر دونوں کے پاس بیٹھ گئے۔ ابو جہل نے کہا: ''اپنی قوم کو وہ بات بتاؤ جو تم نے مجھے بتائی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے آج رات اسراء کرایا گیا۔'' انہوں نے پوچھا: ''کہاں تک؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المقدس تک۔'' انہوں نے کہا: ''پھر صبح کے وقت آپ ہمارے درمیان موجود تھے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' راوی کہتے ہیں: اس پر کچھ لوگ تالیاں بجانے لگے اور کچھ نے تعجب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ اپنے سروں پر رکھ لیے، کیونکہ وہ اسے جھوٹ سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے کہا: ''کیا آپ ہمارے لیے مسجدِ اقصیٰ کی علامات اور اوصاف بیان کر سکتے ہیں؟'' جبکہ ان لوگوں میں بعض ایسے بھی تھے جو اس علاقے کا سفر کر چکے تھے اور مسجدِ اقصیٰ کو دیکھ چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چنانچہ میں مسجدِ اقصیٰ کی صفات بیان کرنے لگا۔ میں مسلسل اس کی نشانیاں بیان کرتا رہا، یہاں تک کہ بعض تفصیلات میں مجھے قدرے التباس ہونے لگا۔ پھر مسجدِ اقصیٰ میرے سامنے لائی گئی[1] اور میں اسے دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ اسے عِقال یا عُقَیل کے گھر کے سامنے رکھ دیا گیا۔ چنانچہ میں اسے دیکھ کر اس کی علامات بیان کرتا رہا۔ اس پر لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے اس کی جو صفات بیان کی ہیں، وہ بالکل درست ہیں''۔[2]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے آپ کو حِجر میں دیکھ رہا تھا اور قریش مجھ سے میرے اسراء کے سفر کے بارے میں سوال کر رہے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 599 میں فرماتے ہیں: ''یہ معجزے کے اعتبار سے زیادہ واضح اور اس میں کوئی ناممکن بات نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے پلک جھپکنے سے بھی کم وقت میں ملکہ بلقیس کا تخت حاضر کر دیا گیا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹا کر ان کے پاس لایا گیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں''۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2819 اور امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر 32358 کے تحت روایت کیا ہے۔

تھے۔انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کے بارے میں ایسی باتیں پوچھیں جنہیں میں نے محفوظ نہیں رکھا تھا، تو مجھے ایسی پریشانی لاحق ہوئی جیسی اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے نمایاں کر دیا، چنانچہ میں اسے دیکھتا رہا۔ وہ مجھ سے جو بھی چیز پوچھتے، میں اسے دیکھ کر انہیں اس کے بارے میں بتا دیتا"۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں حجر میں کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے بیت المقدس کو نمایاں کر دیا، چنانچہ میں اسے دیکھتے ہوئے اس کی نشانیاں انہیں بتانے لگا"۔ (2)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے واقعۂ اسراء کی تصدیق کرنا

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "جب نبی کریم ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ تک اسراء کرایا گیا تو صبح کے وقت لوگ اس واقعے کا تذکرہ کرنے لگے۔ چنانچہ کچھ ایسے لوگ جو پہلے آپ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اور آپ ﷺ کی تصدیق کرتے تھے، مرتد ہو گئے۔ پھر وہ لوگ یہ خبر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک لے کر گئے اور کہا: کیا

1-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 172 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3886 کے تحت روایت کیا ہے۔

آپ اپنے ساتھی کے پاس چلیں گے؟ وہ یہ دعویٰ کر رہے ہیں کہ انہیں آج رات بیت المقدس تک لے جایا گیا ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا انہوں نے واقعی یہ بات کہی ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر انہوں نے یہ بات کہی ہے تو یقیناً انہوں نے سچ کہا ہے۔ انہوں نے کہا: کیا آپ ان کی اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ آج رات بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں، میں تو اس سے بھی زیادہ بعید باتوں میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں صبح و شام آسمان سے آنے والی ان کی خبروں کی بھی تصدیق کرتا ہوں۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لقب صدیق پڑ گیا۔ (1)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ بات قطعی طور پر بیان کی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کہنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے واقعۂ اسراء کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے میں سب لوگوں پر سبقت حاصل کی۔ وہ فرماتے ہیں: "چونکہ کسی معاملے کی حقیقت جاننے میں سبقت حاصل کرنا فضیلت کا باعث بنتا ہے، اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کی وجہ سے فضیلت حاصل ہوئی کہ انہوں نے لوگوں سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی اس خبر کی تصدیق کی کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تشریف لے گئے اور اسی رات وہاں سے واپس ہو کر اپنے گھر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق کہا گیا، اگرچہ تمام

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4455 کے تحت روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ میں اس کی مختلف طرق ذکر کیے ہیں، حدیث نمبر 306، اور اسے صحیح قرار دینے کی طرف مائل ہوئے ہیں۔

اہلِ ایمان بھی جب اس واقعے سے باخبر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح تصدیق کرتے تھے"۔[1]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کو اسراء کیسے کرایا گیا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے مکہ مکرمہ میں اپنے صحابہ کو عشاء کی نماز پڑھائی، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس ایک سفید سواری لے کر آئے، جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی تھی۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے واقعۂ اسراء و معراج بیان فرمایا، پھر فرمایا: ''اس کے بعد صبح ہونے سے پہلے میں مکہ مکرمہ میں اپنے صحابہ کے پاس واپس آگیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول! آپ رات کہاں تھے؟ میں نے آپ کو آپ کی جگہ پر تلاش کیا تھا۔ میں نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے آج رات بیت المقدس لے جایا گیا تھا؟ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! وہاں پہنچنے میں تو ایک ماہ کا سفر لگتا ہے، لہٰذا آپ اس کی صفات بیان فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر میرے سامنے بیت المقدس کو اس طرح نمایاں کر دیا گیا کہ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ وہ مجھ سے جو کچھ پوچھتے، میں اس کے بارے میں انہیں بتاتا جاتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ مشرکین نے کہا: ''دیکھو، ابن

1- دیکھیں: شرح مشکل الآثار، جلد 3، صفحہ 394۔

ابی کبشہ ہ[1] یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ آج رات بیت المقدس گیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جو کچھ تمہیں بتا رہا ہوں، اس کی ایک نشانی یہ ہے کہ میں تمہارے ایک قافلے کے پاس فلاں مقام پر سے گزرا تھا۔ ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا، جسے فلاں شخص نے تلاش کر کے جمع کیا۔ اور وہ قافلہ فلاں جگہ قیام کرے گا، پھر فلاں جگہ جائے گا اور فلاں دن تمہارے پاس پہنچے گا۔ ان کے آگے ایک خاکستری اونٹ ہو گا، جس پر سیاہ کپڑا پڑا ہو گا اور اس پر دو سیاہ تھیلے ہوں گے۔'' پھر جب وہ دن آیا تو لوگ راستے پر نکل کر قافلے کا انتظار کرنے لگے۔ یہاں تک کہ دوپہر کے قریب وہ قافلہ آ پہنچا، اور اس کے آگے وہی اونٹ تھا جس کی صفت رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس رات رسول اللہ ﷺ نے ایسی بہت سی نشانیاں اور حیرت انگیز امور اپنی آنکھوں سے دیکھے کہ اگر کوئی دوسرا شخص ان میں سے ایک یا بعض چیزیں بھی دیکھ لیتا تو حیرت زدہ ہو جاتا یا اس کی عقل ماؤف ہو جاتی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت بالکل مطمئن اور پُر سکون تھے۔ آپ ﷺ کو اندیشہ تھا کہ اگر آپ ﷺ فوراً اپنی قوم کو ان تمام چیزوں کے بارے میں بتا دیں جو آپ ﷺ نے دیکھی ہیں تو وہ آپ ﷺ کو جھٹلانے میں جلدی کریں گے۔ چنانچہ آپ

1-اس سے ان کی مراد رسول اللہ ﷺ تھے۔

2-اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد2، صفحات 356-357 میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر، جلد5، صفحہ 27 میں فرماتے ہیں: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حدیث، یعنی حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث، متعدد باتوں پر مشتمل ہے۔ ان میں بعض باتیں صحیح ہیں، جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے، اور بعض منکر ہیں، مثلاً حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المقدس لے جائے جانے کے بارے میں سوال کرنا وغیرہ۔ واللہ اعلم۔''

ﷺ نے حکمت اور نرمی کے ساتھ پہلے انہیں صرف یہ بتایا کہ آپ ﷺ اس رات بیت المقدس تشریف لے گئے تھے"۔[1]

اوقاتِ نماز کی تعلیم کے لیے وحی کا نزول

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس بات میں اہلِ علم کا کوئی اختلاف نہیں کہ شبِ اسراء کی اگلی صبح حضرت جبرئیل علیہ السلام زوال کے وقت نازل ہوئے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز اور اس کے اوقات کی تعلیم دی"۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب ہجرت سے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے[3] شبِ اسراء کا واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر پانچ نمازیں فرض فرمائیں، پھر ان کی شرائط، ارکان اور ان سے متعلق دیگر احکام بعد میں بتدریج واضح فرمائے۔ واللہ اعلم"۔[4]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے نماز میں تاخیر کی۔ اس موقع پر حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ ان کے پاس آئے اور انہیں بتایا کہ ایک مرتبہ

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 123۔

2- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 13، صفحہ 14۔

3- گزشتہ سطور میں بیان ہو چکا ہے کہ: اسراء و معراج کے وقوع کے متعین وقت کے بارے میں کوئی مستند روایت ثابت نہیں ہے۔

4- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 164۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے عراق[1] میں نماز میں تاخیر کی تھی، تو حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا: "اے مغیرہ! یہ کیا معاملہ ہے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور انہوں نے نماز پڑھائی، پھر رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے دوبارہ نماز پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے تیسری مرتبہ نماز پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے چوتھی مرتبہ نماز پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی۔ پھر انہوں نے فرمایا: مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے"۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس اس وقت آئے جب سورج ڈھل گیا تھا اور فرمایا: ''اے محمد! اٹھیں اور ظہر کی نماز پڑھیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے سورج ڈھلنے کے فوراً بعد ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ عصر کا وقت ہوا اور آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو گیا۔ پھر آئے اور فرمایا: ''اے محمد! اٹھیں اور عصر کی نماز پڑھیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے عصر کی نماز

1- صحیح مسلم کی روایت میں کوفہ کا ذکر ہے۔

2-امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 5، صفحہ 91 میں فرمایا ہے: "أُمِرْتُ" کو میم کے ضمہ اور تاء کے فتحہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور تاء کے ضمہ کے ساتھ بھی، اور دونوں قراءتیں واضح ہیں۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 521، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 610 اور 167 کے تحت روایت کیا ہے۔

پڑھی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر آئے اور فرمایا: ''اٹھیں اور مغرب کی نماز پڑھیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے سورج کے غروب ہوتے ہی مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہو گئی۔ پھر آئے اور فرمایا: ''اٹھیں اور عشاء کی نماز پڑھیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر فجر کی روشنی نمودار ہونے کے وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: "اے محمد! اٹھیں اور نماز پڑھیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی۔ پھر اگلے دن حضرت جبرئیل علیہ السلام اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ اس کے برابر ہو گیا تھا اور فرمایا: "اے محمد! اٹھیں اور ظہر کی نماز پڑھیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر اس وقت آئے جب آدمی کا سایہ دوگنا ہو گیا تھا اور فرمایا: "اے محمد! اٹھیں اور عصر کی نماز پڑھیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی۔ پھر مغرب کے وقت، جب سورج غروب ہو گیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے۔ یہ وہی وقت تھا جس میں پہلے دن مغرب کی نماز پڑھائی تھی۔ فرمایا: "اٹھیں اور مغرب کی نماز پڑھیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر عشاء کے وقت آئے، جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر چکا تھا، اور فرمایا: "اٹھیں اور نماز پڑھیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی۔ پھر صبح کے وقت آئے، جب خوب اجالا ہو گیا تھا، اور فرمایا: "اٹھیں اور فجر کی نماز پڑھیں"۔ چنانچہ آپ ﷺ نے

فجر کی نماز پڑھی۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ''ان دونوں اوقات کے درمیان پورا وقت ہے"۔[1]

چاند کا شق ہونا

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علمائے کرام کے درمیان اس بات پر اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چاند شق ہوا تھا اور یہ آپ ﷺ کے نمایاں معجزات میں سے ایک تھا"۔[2]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اہلِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ ﷺ انہیں کوئی نشانی دکھائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں چاند کے دو ٹکڑے دکھائے، یہاں تک کہ انہوں نے دونوں کے درمیان جبلِ حرا[3] کو دیکھا"۔[4]

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14538 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 707 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 472۔

3- حرا مکہ مکرمہ کا ایک معروف پہاڑ ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد 1، صفحہ 362۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3868 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2802 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "چاند شق ہو گیا اور ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ منیٰ میں تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گواہ رہو"!، اور چاند کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے کہ چاند شق ہونے کا واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا تھا؛ کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ صراحت نہیں کی کہ اس رات نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے۔ اور اگر بالفرض انہوں نے اس کی صراحت بھی کی ہوتی تو منیٰ بھی مکہ مکرمہ ہی کے تابع علاقوں میں شامل ہے، لہٰذا دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں"۔ (2)

امام طیالسی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند شق ہو گیا۔ قریش نے کہا: یہ ابن ابی کبشہ کا جادو ہے"۔ اور انہوں نے کہا: "انتظار کرو، دیکھو باہر سے آنے والے مسافر کیا خبر لاتے ہیں؛ کیونکہ محمد ﷺ تمام لوگوں پر جادو نہیں کر سکتے"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "چنانچہ جب

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3869 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2800 اور 44 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد 7، صفحہ 579۔

باہر سے آنے والے لوگ آئے تو انہوں نے بھی اسی واقعے کی تصدیق کی"۔ [1] اس واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ﴾ "قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں: یہ تو مسلسل چلا آنے والا جادو ہے"۔(القمر: 1-2)

نبی کریم ﷺ کا عرب کے قبائل کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ [2] واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کی مخالفت اور دینِ اسلام سے دوری میں پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کر چکی تھی، سوائے ان چند کمزور مسلمانوں کے جنہوں نے آپ ﷺ پر ایمان قبول کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ موسمِ حج میں، جب یہ مواقع آتے، عرب کے مختلف قبائل کے سامنے خود کو پیش فرماتے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے، انہیں بتاتے کہ آپ ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اور ان سے مطالبہ فرماتے کہ وہ آپ ﷺ کی تصدیق کریں اور آپ ﷺ کو اپنی حفاظت میں لے لیں،

1- اسے امام طیالسی رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 293 اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں مختصر طور پر حدیث نمبر 697 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- طائف سے واپسی کے بعد۔

تاکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ذمہ داری اور پیغام کو لوگوں تک پہنچا سکیں[1]۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں دس سال تک لوگوں کے گھروں اور ٹھکانوں میں، عکاظ اور مجنہ کے میلوں میں اور منیٰ کے حج کے مواقع پر لوگوں کے پیچھے جاتے رہے اور فرماتے: کون مجھے پناہ دے گا؟ کون میری مدد کرے گا، تاکہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا سکوں؟ اور اس کے لیے جنت ہے"۔ (2)

امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ عرفات کے میدان میں لوگوں کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے اور فرماتے: کیا کوئی ایسا شخص ہے جو مجھے اپنی قوم تک پہنچا دے؟ کیونکہ قریش نے مجھے اپنے رب عزوجل کا پیغام پہنچانے سے روک رکھا ہے"۔[3]

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 35۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14456 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 4734، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3152، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 201 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت ایاس بن معاذ اشہلی رضی اللہ عنہ کا اسلام

حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور وہ مطلق طور پر انصار میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے شخص تھے۔

حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حضرت محمود بن لبید، جو بنو عبدالاشہل کے خاندان سے تھے، سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: جب ابوالحیسر انس بن رافع مکہ مکرمہ آئے اور ان کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے چند نوجوان بھی تھے، جن میں حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اپنی قوم، یعنی خزرج کے مقابلے میں قریش سے حلیف بننے کی کوشش میں آئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے بارے میں معلوم ہوا تو آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس مقصد سے بہتر چیز چاہتے ہو جس کے لیے تم یہاں آئے ہو؟'' انہوں نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہے تاکہ میں انہیں اس بات کی دعوت دوں کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایک کتاب بھی نازل فرمائی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کا تعارف پیش کیا اور انہیں قرآن کریم کی آیات سنائیں۔ حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ، جو اس وقت کم عمر نوجوان تھے،

بولے: ''اے میری قوم! اللہ کی قسم! یہ اس مقصد سے کہیں بہتر ہے جس کے لیے تم یہاں آئے ہو۔'' راوی کہتے ہیں کہ ابوالحیسر نے بطحاء کی مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور وہ حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر مار کر کہا: ''ہمیں تم سے کوئی واسطہ نہیں، اللہ کی قسم! ہم تو کسی اور مقصد کے لیے یہاں آئے ہیں۔'' حضرت ایاس رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اور وہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد اوس اور خزرج کے درمیان جنگ بُعاث[1] پیش آئی۔ راوی کہتے ہیں: پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت محمود بن لبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے قبیلے کے جن لوگوں نے ان کی وفات کے وقت انہیں دیکھا، انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ مسلسل لا إله إلا الله، الله اكبر، الحمد لله اور سبحان الله کہتے رہے، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس لیے انہیں اس بات میں کوئی شک نہیں تھا کہ حضرت ایاس بن معاذ رضی اللہ عنہ مسلمان ہی

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ جلد 3، صفحہ 160 میں فرماتے ہیں: ''جنگ بُعاث مدینہ منورہ میں ایک مقام پر پیش آنے والی ایک عظیم جنگ تھی، جس میں اوس اور خزرج کے معززین اور سرداروں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سرداروں میں سے بہت کم لوگ باقی بچے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح حدیث نمبر 3777 میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "جنگ بُعاث ایسا واقعہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے پہلے ہی سے مقدر فرما دیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت اوس و خزرج کے سرداروں کی جماعت باہم منتشر ہو چکی تھی، ان کے بڑے بڑے سردار قتل ہو چکے تھے اور بہت سے لوگ زخمی تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کو اپنے رسول ﷺ کے لیے ان کے اسلام میں داخل ہونے کی تمہید بنا دیا"۔

فوت ہوئے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انہوں نے اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ سے وہ کلام سنا تھا تو اسی وقت ان کے دل میں اسلام راسخ ہو گیا تھا[1]۔

انصار رضی اللہ عنہم کے اسلام کا آغاز

جب اللہ عزوجل نے اپنے دین کو غالب کرنے، اپنے نبی ﷺ کو عزت و سربلندی عطا کرنے اور اپنے رسول ﷺ سے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو رسول اللہ ﷺ حسبِ معمول حج کے موسم میں تشریف لے گئے۔ اسی دوران آپ ﷺ عقبہ کے مقام پر تھے کہ آپ ﷺ کی ملاقات خزرج کے چند لوگوں سے ہوئی، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خیر کا ارادہ فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم کون لوگ ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''ہم خزرج کے چند افراد ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم یہود کے حلیفوں میں سے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: ''ہاں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم بیٹھو گے؟ میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' انہوں نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' چنانچہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی، ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انہیں قرآن کریم سنایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے لیے یہ بھی ایک سبب بنایا تھا کہ یہود ان کے ساتھ ان کے علاقوں میں آباد تھے۔ وہ اہلِ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23619 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4891 کے تحت روایت کیا ہے۔

کتاب اور علم والے لوگ تھے، جبکہ یہ[1] لوگ مشرک اور بت پرست تھے۔ یہود ان پر غلبہ رکھتے تھے۔ جب ان کے درمیان کوئی اختلاف یا جھگڑا ہوتا تو یہود ان سے کہتے: "ایک نبی کے مبعوث ہونے کا زمانہ قریب آچکا ہے۔ ہم اس کی پیروی کریں گے اور اس کے ساتھ مل کر تمہیں عاد اور ارم کی طرح قتل کریں گے"۔[2]

جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے گفتگو فرمائی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی تو ان میں سے بعض نے ایک دوسرے سے کہا: "اے ہماری قوم! اللہ کی قسم! تم جانتے ہو کہ یہی وہ نبی ہیں جن کے بارے میں یہود تمہیں دھمکی دیا کرتے تھے، لہٰذا ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں۔" چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا جواب دیتے ہوئے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تھا، اسے قبول کر لیا۔

خزرج کے یہ لوگ یثرب کے سمجھ دار اور صاحبِ بصیرت افراد میں شمار ہوتے تھے۔ حال ہی میں ہونے والی خانہ جنگی[3] نے انہیں نڈھال کر دیا تھا، جس کی

1- یعنی اوس و خزرج۔

2- اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ کریم میں یہود کی طرف سے اوس اور خزرج کو دی جانے والی اس دھمکی کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ، آیت نمبر 89 میں ارشاد فرمایا: ﴿وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ "اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو اس کتاب کی تصدیق کرنے والی تھی جو ان کے پاس موجود تھی، حالانکہ اس سے پہلے وہ کافروں کے مقابلے میں اسی نبی کے ذریعے مدد مانگا کرتے تھے، پھر جب وہ چیز آگئی جسے وہ پہچانتے تھے تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے"۔ (البقرۃ: 89)

3- جنگ بعاث۔

آگ ابھی تک پوری طرح بجھی نہیں تھی۔ چنانچہ انہیں امید ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کی دعوت اس جنگ کے خاتمے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "ہم اپنی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں، اور کسی قوم کے درمیان اتنی دشمنی اور باہمی فساد نہیں ہے جتنا ہماری قوم کے درمیان ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعے ان سب کو متحد فرمادے گا۔ چنانچہ ہم ان کے پاس واپس جائیں گے، انہیں آپ ﷺ کی دعوت کی طرف بلائیں گے اور اس دین کے بارے میں انہیں بتائیں گے جسے آپ ﷺ نے ہمارے سامنے پیش کیا اور ہمیں پسند آیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اس دین پر جمع فرمادے تو پھر کوئی شخص آپ ﷺ سے زیادہ عزت و قوت والا نہ ہوگا"۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ سے رخصت ہو کر اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے، اس حال میں کہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے اور آپ ﷺ کی تصدیق کر چکے تھے [1]۔

خزرج کے معزز افراد کے نام

ابن اسحاق رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق، خزرج کے یہ معزز افراد چھ افراد تھے:

- بنو نجار سے:

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 42۔

1- حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ۔

2- حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ، جو ابن عفراء کے نام سے معروف تھے اور عفراء ان کی والدہ تھیں۔

- بنو زریق سے:

حضرت رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ۔

- بنو سلمہ [1] سے:

حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

- بنو حرام بن کعب سے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

- بنو عبید بن عدی سے:

1- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد 2، صفحہ 46 میں وضاحت کی ہے کہ سلمہ میں حرف لام پر کسرہ ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ بن رئاب رضی اللہ عنہ۔ یہ حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما سے مختلف ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کثرت سے احادیث روایت کی ہیں[1]۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ

جب خزرج کے یہ چھ افراد مدینہ واپس پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ یہاں تک کہ مدینہ میں اسلام کا چرچا عام ہو گیا اور انصار کے تقریباً ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہونے لگا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے ہمارے ذریعے آپ ﷺ کے لیے مددگار بھیجے۔ ہم نے آپ ﷺ کو پناہ دی اور آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ پھر ہم میں سے ایک شخص آپ ﷺ کے پاس جاتا، آپ ﷺ پر ایمان لاتا اور آپ ﷺ سے قرآن کریم سیکھتا، پھر اپنی قوم کے پاس واپس آتا تو اس کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس کے گھر والے بھی مسلمان

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 42۔

ہو جاتے۔ یہاں تک کہ انصار کے تقریباً ہر گھر میں مسلمانوں کی ایک جماعت موجود ہو گئی جو اپنے اسلام کا علانیہ اظہار کرتی تھی"۔ (1)

جب اگلا سال آیا تو انصار میں سے بارہ افراد موسمِ حج میں حاضر ہوئے۔ ان میں دو افراد اوس سے اور دس افراد خزرج سے تھے۔ ان بارہ افراد میں سے پانچ وہ تھے جو گزشتہ سال رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے والے چھ افراد میں شامل تھے۔

- خزرج سے: بنو نجار سے:

1- حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ۔

2- حضرت عوف بن حارث رضی اللہ عنہ، جو ابن عفراء کے نام سے معروف تھے۔

3- حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ، جو ابن عفراء کے نام سے معروف تھے۔

- بنو زریق سے:

4. حضرت رافع بن مالک بن عجلان رضی اللہ عنہ۔

5. حضرت ذکوان بن عبد قیس رضی اللہ عنہ۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14456 کے تحت روایت کیا ہے۔

- بنو عوف بن خزرج سے:

6. حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ۔

7. حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ۔

- بنو سالم بن عوف سے:

8. حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ رضی اللہ عنہ۔

- بنو سلمہ سے:

9. حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

- بنو حرام بن کعب سے:

10. حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ۔

- اوس سے: بنو عبد الاشہل سے:

11. حضرت ابو الہیثم مالک بن تیہان رضی اللہ عنہ۔

- بنو عمرو بن عوف سے:

12. حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ۔[1]

بیعتِ عقبہ اولیٰ کی شرائط

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم تنگی اور آسانی، خوشی اور ناگواری، ہر حال میں آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے؛ اور یہ کہ اگر دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے تو بھی ہم صبر کریں گے؛ اور یہ کہ ہم اہلِ اقتدار سے ان کے اختیارِ حکومت کے بارے میں نزاع نہیں کریں

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحات 44، 46۔

گے [1]؛اور یہ کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، حق بات کہیں گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے "۔ [2]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہم چستی اور سستی، ہر حال میں آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے، تنگی اور آسانی میں اللہ کی راہ میں خرچ کریں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے، اللہ کے بارے میں حق بات کہیں گے اور اس معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے، اور جب رسول اللہ ﷺ یثرب تشریف لائیں تو ہم آپ ﷺ کی اس طرح مدد کریں گے جس طرح ہم اپنے آپ، اپنی

1- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 189 میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حکمرانوں کے منصبِ حکومت کے بارے میں ان سے نزاع نہ کیا جائے اور نہ ان کے اختیارات میں مداخلت کی جائے، البتہ اگر ان کی طرف سے کوئی ایسا واضح منکر سامنے آئے جسے اسلامی اصولوں کی روشنی میں یقینی طور پر منکر سمجھا جاتا ہو تو اس پر انہیں متنبہ کیا جائے۔ اور جہاں کہیں بھی ہوں، حق بات کہی جائے۔ رہی ان کے خلاف خروج اور قتال کی بات، تو مسلمانوں کے اجماع کے مطابق یہ حرام ہے، خواہ وہ فاسق اور ظالم ہی کیوں نہ ہوں۔ اس مفہوم کی تائید میں متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اہلِ سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حکمران محض فسق کی وجہ سے اپنے منصب سے معزول نہیں ہوتا۔ رہے ہمارے بعض فقہاء کی کتابوں میں مذکور وہ قول کہ حکمران فسق کی وجہ سے معزول ہو جاتا ہے، اور یہی قول معتزلہ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے، تو یہ قول کہنے والے کی غلطی ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔ علماء نے فرمایا ہے کہ حکمران کو معزول نہ کرنے اور اس کے خلاف خروج کو حرام قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں فتنے، خون ریزی اور باہمی تعلقات میں فساد پیدا ہو سکتا ہے، اور اس طرح حکمران کو معزول کرنے میں پیدا ہونے والا فساد اس کے برقرار رہنے کے فساد سے کہیں زیادہ ہو سکتا ہے۔'' دیکھیں: شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 189۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7055 اور 7056، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1709 کے تحت روایت کیا ہے۔

بیویوں اور اپنی اولاد کو محفوظ رکھتے ہیں، اور اس کے بدلے ہمارے لیے جنت ہے۔"
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "یہی رسول اللہ ﷺ کی وہ بیعت ہے جس پر ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی تھی۔[1]

- **مشہور وہم:**

میں کہتا ہوں: بیعتِ عقبہ اولیٰ کو اس بیعت کے ساتھ تشبیہ دینا جو رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے لی تھی، بعض راویوں کا وہم ہے؛ کیونکہ بیعتِ عقبہ اولیٰ میں نہ خواتین کا ذکر تھا اور نہ ہی اس کی شرائط میں اس کا کوئی ذکر موجود تھا۔[2]

حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو مدینہ روانہ کرنا

حج کا موسم ختم ہوا اور لوگ اپنی بستیوں کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ انصار کو قرآن کریم پڑھائیں، انہیں اسلام کی تعلیم دیں اور انہیں دین سمجھائیں۔

1- اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 452 میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 177 میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے: "یہ سند جید اور مضبوط ہے"۔

2- میں نے اسے اللؤلؤ المکنون، جلد 1، صفحات 560-566 میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے سب سے پہلے ہمارے پاس حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے، اور وہ دونوں ہمیں قرآن کریم پڑھایا کرتے تھے"۔ (1)

حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کی دعوت و تعلیم کے ذریعے اوس اور خزرج کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان میں حضرت سعد بن معاذ اور حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں اسی دن بنو عبدالاشہل کے تمام مرد و خواتین مسلمان ہو گئے، سوائے اصیرم عمرو بن ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ کے۔ ان کا اسلام قبول کرنا جنگِ اُحد تک مؤخر رہا۔ چنانچہ وہ اسی دن مسلمان ہوئے، پھر میدانِ جنگ میں شریک ہوئے اور شہید ہو گئے، حالانکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو ان کے بارے میں بتایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً وہ اہلِ جنت میں سے ہے"۔ (2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4941 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حضرت اصیرم عمرو بن ثابت رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23634 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے الإصابۃ، جلد 4، صفحہ 501 میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

بیعتِ عقبہ ثانیہ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی، چنانچہ ہم نے باہم مشورہ کیا اور ہمارے ستر افراد جمع ہو گئے۔ ہم نے کہا: آخر کب تک ہم رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ کی وادیوں اور پہاڑوں میں دھکے کھاتے اور خوف کی حالت میں رہنے دیں گے؟ چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور حج کے موسم میں آپ ﷺ کے پاس پہنچے، اور ہم نے آپ ﷺ سے عقبہ کی گھاٹی میں ملاقات کا وقت طے کیا۔[1]

اس عظیم بیعت کی تفصیلات، جو ہجرتِ مدینہ کا سبب بنی، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم اپنی قوم کے مشرک حاجیوں کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے۔ ہم اس وقت نماز پڑھتے اور دین کی سمجھ حاصل کرتے تھے، اور ہمارے ساتھ ہمارے بڑے اور سردار حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب ہم نے سفر کا ارادہ کیا اور مدینہ سے روانہ ہوئے تو ہم رسول اللہ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے لگے، کیونکہ ہم آپ ﷺ کو نہیں جانتے تھے اور اس سے پہلے آپ ﷺ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ ہمیں مکہ مکرمہ کا ایک شخص ملا، تو ہم نے اس سے رسول اللہ ﷺ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14653 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: کیا تم دونوں آپ ﷺ کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا: کیا تم حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما، آپ ﷺ کے چچا کو جانتے ہو؟ ہم نے کہا: ہاں۔ ہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جانتے تھے، کیونکہ وہ تجارت کی غرض سے ہمارے پاس آتے رہتے تھے۔ اس شخص نے کہا: جب تم مسجد [1] میں داخل ہو تو جو شخص حضرت عباس کے ساتھ بیٹھا ہوا ہو، وہی رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ ہم مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ ہم نے سلام کیا اور آپ ﷺ کے پاس بیٹھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابو الفضل! کیا آپ ان دونوں کو جانتے ہیں؟'' انہوں نے کہا: ہاں، یہ براء بن معرور ہیں، جو اپنی قوم کے سردار ہیں، اور یہ کعب بن مالک ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کبھی نہیں بھول سکتا: ''کیا یہ کعب بن مالک شاعر ہیں؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں"۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ سے طے کیا تھا کہ ایامِ تشریق کے درمیانی دنوں میں عقبہ کے مقام پر ملاقات ہو گی۔ جب ہم حج سے فارغ ہو گئے اور وہ رات آ گئی جس میں رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات طے تھی تو ہمارے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو حضرت جابر

1- یعنی مسجد حرام۔

رضی اللہ عنہ کے والد اور ہماری قوم کے معزز سرداروں میں سے ایک تھے۔ ہم اپنے ساتھ موجود مشرکینِ قوم سے اس معاملے کو چھپا رہے تھے۔ پھر ہم نے ان سے بات کی اور کہا: ''اے ابو جابر! آپ ہماری قوم کے معزز سرداروں اور شریف لوگوں میں سے ہیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ اسی حالت پر قائم رہیں اور کل جہنم کے ایندھن بنیں۔'' پھر ہم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور رسول اللہ ﷺ سے ہماری ملاقات کے مقررہ وقت کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے، ہمارے ساتھ عقبہ میں حاضر ہوئے اور انہیں نقیب مقرر کیا گیا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے اس رات اپنی قوم کے ساتھ اپنے اپنے خیموں میں آرام کیا۔ جب رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا تو ہم رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے مقررہ وقت پر اپنے خیموں سے نکلے۔ ہم چھپتے چھپاتے اس طرح آگے بڑھ رہے تھے جیسے تیتر دبے پاؤں چلتے ہیں، یہاں تک کہ عقبہ کے قریب شعب میں ہم سب جمع ہو گئے۔ ہماری تعداد ستر [1] مردوں کی تھی، اور ہمارے ساتھ ان کی دو خواتین بھی تھیں: حضرت نسیبہ بنت کعب، ام عمارہ، جو بنو مازن بن نجار کی

1- ابن اسحاق کی السیرۃ کی جلد دوم، صفحہ 54 کی روایت میں تین اور ستر مردوں کا ذکر ہے۔ ابن سید الناس رحمہ اللہ نے عیون الأثر جلد اول، صفحہ 277 میں فرمایا ہے: ''یہ ان لوگوں کے ناموں کی فہرست ہے جو بیعتِ عقبہ میں شریک ہوئے تھے۔ ان کی تعداد تہتر مرد اور دو خواتین تھی۔ یہی معروف تعداد ہے۔ اگر تفصیلی روایات میں اس سے زیادہ یا کم تعداد کا ذکر ملے تو مجموعی تعداد میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں، بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ بیعتِ عقبہ میں کون کون شریک تھا۔ بعض راوی کسی شخص کے شریک ہونے کو ثابت کرتے ہیں، جبکہ بعض دوسرے راوی اس کی جگہ کسی اور شخص کا ذکر کرتے ہیں۔ اس طرح کا اختلاف اہلِ بدر، شہدائے اُحد اور دیگر مواقع کے بارے میں بھی منقول ہے۔''

خواتین میں سے تھیں، اور حضرت اسماء بنت عمرو بن عدی بن ثابت، جو بنو سلمہ کی خواتین میں سے تھیں اور ان کی کنیت ام منیع تھی۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم سب شعب میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ ہمارے پاس تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہ اس وقت تک اپنی قوم کے دین پر تھے، تاہم وہ اپنے بھتیجے کے معاملے میں شریک ہونا اور ان کے لیے مزید اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب ہم سب بیٹھ گئے تو سب سے پہلے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے گفتگو شروع کی۔ انہوں نے فرمایا: ''اے گروہ خزرج! عرب لوگ انصار کے اس قبیلے کو، یا اس کے دونوں قبیلوں کو، خزرج کہا کرتے تھے۔ تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ ہم میں سے ہیں۔ ہم نے اپنی قوم کے ان لوگوں سے، جو ہمارے جیسے ہی خیالات رکھتے ہیں، آپ ﷺ کی حفاظت کی ہے۔ آپ ﷺ اپنی قوم میں عزت و وقار رکھتے ہیں اور اپنے شہر میں مضبوط پشت پناہی رکھتے ہیں۔'' ہم نے عرض کیا: ''آپ نے جو کچھ فرمایا، ہم نے سن لیا ہے۔ اب آپ گفتگو فرمائیں، اے اللہ کے رسول ﷺ، اور اپنے لیے اور اپنے رب کے لیے جو چاہیں، طے کر لیں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی، قرآن کریم کی تلاوت کی، اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور اسلام کی رغبت دلائی۔ پھر فرمایا: ''میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری اسی طرح حفاظت کرو گے

جس طرح تم اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔'' چنانچہ حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا: ''ہاں! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ہم آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح ہم اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتے ہیں۔'' پھر ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ ہم جنگ کے ماہر اور ہتھیار رکھنے والے لوگ ہیں، اور یہ جنگی صلاحیت اور ہتھیار ہمیں نسل در نسل ورثے میں ملے ہیں۔[1]

ایک دوسری روایت میں، جو امام احمد رحمہ اللہ کی مسند اور ابن حبان رحمہ اللہ کی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم سفر کرکے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حج کے موسم میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ ﷺ سے ہماری ملاقات کے لیے شعبِ عقبہ کا مقام طے ہوا۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے میرے بھتیجے! مجھے معلوم نہیں کہ یہ کون لوگ ہیں جو تمہارے پاس آئے ہیں۔ مجھے اہلِ یثرب کے بارے میں اچھی واقفیت ہے۔'' چنانچہ ہم ایک ایک اور دو دو کرکے ان کے پاس جمع ہونے لگے۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15798 اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7011 کے تحت روایت کیا ہے۔

جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہمارے چہروں کو دیکھا تو فرمایا: ''یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا، یہ سب نوخیز نوجوان ہیں''۔

ہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ ﷺ سے کن باتوں پر بیعت کریں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ خوشی اور ناگواری، چستی اور سستی، ہر حال میں میری بات سنو گے اور اطاعت کرو گے؛ تنگی اور خوش حالی، دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے؛ نیکی کا حکم دو گے اور برائی سے روکو گے؛ اللہ کے بارے میں حق بات کہو گے اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرو گے؛ اور جب میں یثرب آؤں تو میری مدد کرو گے اور میری اسی طرح حفاظت کرو گے جس طرح تم اپنے آپ، اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اور تمہارے لیے جنت ہے۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ ہم سے بیعت لے رہے تھے۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14653 اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7012 کے تحت روایت کیا ہے۔

جب ہم بیعت سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں نے لے لیا اور میں نے عطا کر دیا۔[1]

حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں ثقہ راویوں کی سند کے ساتھ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "بیعتِ عقبہ کی رات اور رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے درمیان تین ماہ یا اس کے قریب مدت تھی۔ انصار نے رسول اللہ ﷺ سے ذوالحجہ میں بیعتِ عقبہ کی رات بیعت کی تھی، جبکہ رسول اللہ ﷺ ماہِ ربیع الاول میں مدینہ منورہ تشریف لائے"۔[2]

• آیتِ میثاق کا نزول:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو اور اس عہد کو بھی جو اس نے تم سے پکا کیا تھا، جب تم نے کہا تھا: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سینوں کے رازوں کو خوب جانتا ہے۔ (المائدہ: 7)

1- سندی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی شرح جلد 7، صفحہ 121 میں رسول اللہ ﷺ کے فرمان "أخذت وأعطيت" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "یہاں 'أخذت وأعطيت' متکلم کے صیغے میں ہے، یعنی 'میں نے تم سے بیعت لے لی'، یعنی اسے قبول کر لیا، اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت عطا کر دی۔" اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15259 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4298 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جمہور مفسرین، جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، کے نزدیک اس سے مراد وہ عہد و میثاق ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ خوشی اور ناگواری، چستی اور سستی، ہر حال میں سننے اور اطاعت کرنے پر کیا تھا، جب انہوں نے کہا تھا: ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ جیسا کہ بیعتِ عقبہ کی رات اور درخت کے نیچے ہونے والی بیعت میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ ''بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔'' (الفتح: 10) چنانچہ انہوں نے عقبہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ وہ آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے آپ، اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کی حفاظت کرتے ہیں، اور یہ کہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پاس تشریف لے آئیں۔ سب سے پہلے حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔ اس رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد کو مضبوط کرنے اور آپ ﷺ کے معاملے کو مستحکم کرنے میں ان کا بڑا نمایاں کردار تھا۔ وہی یہ کہنے والے تھے: ''اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ہم آپ ﷺ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سے بیعت لیجیے، کیونکہ اللہ کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں اور ہتھیاروں والے ہیں، جو ہمیں نسل در نسل ورثے میں ملے ہیں۔'' یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی جڑا ہوا ہے: ﴿أَوْفُوا

بِالْعُقُودِ﴾ ”عہد و پیمان پورے کرو۔“ (المائدہ: 1) چنانچہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو عہد کیا تھا، اسے پورا کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ ان کے نبی ﷺ اور اسلام کی طرف سے انہیں بہترین جزا عطا فرمائے، اور ان سے راضی ہو اور انہیں راضی فرمائے۔ (1)

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت (2) کی اجازت

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ستر افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس سے واپس چلے گئے تو آپ ﷺ کا دل مطمئن ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے ایسا مضبوط سہارا اور ایسے لوگ مہیا فرما دیے تھے جو جنگجو، طاقت و قوت رکھنے والے اور مدد و نصرت کے لیے تیار تھے۔ ادھر مشرکین کی طرف سے

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 7، صفحہ 371۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد اول، صفحہ 24 میں فرمایا: ہجرت کے معنی کسی چیز کو چھوڑنے کے ہیں، جبکہ کسی چیز کی طرف ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی دوسری جگہ کو چھوڑ کر اس جگہ منتقل ہو جائے۔ اسلام میں ہجرت کی دو صورتیں رہی ہیں: پہلی صورت: خوف کی جگہ سے امن کی جگہ کی طرف منتقل ہونا، جیسا کہ حبشہ کی دونوں ہجرتوں میں ہوا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی ابتدائی ہجرت بھی اسی میں شامل ہے۔ دوسری صورت: دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرنا۔ یہ اس وقت شروع ہوئی جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے اور جن مسلمانوں کے لیے ممکن تھا، وہ آپ ﷺ کے پاس ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ اس وقت ہجرت کا تعلق خاص طور پر مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہونے سے تھا، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی خصوصیت ختم ہو گئی، البتہ جو شخص دار الکفر سے دار الایمان کی طرف ہجرت کرنے پر قادر ہو، اس کے لیے عمومی طور پر یہ ہجرت باقی رہی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات جلد دوم، صفحہ 646 میں فرمایا: مہاجرین وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ مکرمہ یا کسی اور جگہ سے ہجرت کی۔ قرآن کریم کی آیات، احادیث اور اجماع سے ان کی فضیلت واضح طور پر ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ﴾ "اور سبقت لے جانے والے پہلے لوگ"۔ (التوبہ: 100) اور فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا﴾ "بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی"۔ (الأنفال: 72) اور فرمایا: ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا﴾ "اور جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے نکلے"۔ (النساء: 100) اور حدیث میں ہے: "ہجرت اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے"۔ میں کہتا ہوں: "ہجرت اپنے سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے" والی حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 121 کے تحت روایت کیا ہے۔

مسلمانوں پر آزمائش اور سختی بڑھتی گئی، کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ مسلمان مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مزید سختیاں شروع کر دیں اور انہیں ایسی گالیاں اور اذیتیں پہنچانے لگے جو اس سے پہلے نہیں پہنچاتے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی تکالیف کی شکایت کی اور آپ ﷺ سے ہجرت کرنے کی اجازت طلب کی[1]۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب انصار کے اس گروہ نے اسلام قبول کرنے، رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے مسلمانوں کی مدد و نصرت کرنے اور انہیں پناہ دینے پر آپ ﷺ سے بیعت کر لی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کے مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مکہ مکرمہ میں موجود دیگر مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف نکل جائیں، وہاں ہجرت کریں اور اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ جا ملیں۔[2]

1- دیکھیں: ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد اول، صفحہ 108۔

2- دیکھیں: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جلد دوم، صفحہ 81۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا: "مجھے تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، جہاں کھجور کے درخت ہیں اور وہ دو پتھریلے میدانوں کے درمیان واقع ہے"۔ (1)

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ سے ایسی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کھجور کے درخت ہیں۔ میرے خیال میں آیا کہ شاید وہ یمامہ یا ہجر کا علاقہ ہے، لیکن وہ مدینہ، یعنی یثرب تھا"۔ (2)

پھر رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کریں اور اپنے انصاری بھائیوں کے ساتھ جا ملیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اللہ عزوجل نے تمہارے لیے ایسے بھائی مہیا فرما دیے ہیں جن کے پاس تمہیں پناہ اور امن حاصل ہوگا، اور ایک ایسی سرزمین عطا فرمائی ہے جہاں تم امن کے ساتھ رہو گے"۔ چنانچہ مسلمان گروہ در گروہ اور چھپتے چھپاتے مکہ مکرمہ سے نکلنے لگے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ ہی میں قیام پذیر رہے اور انتظار کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ آپ

1-اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3622 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2272 کے تحت روایت کیا ہے۔

ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت عطا فرمائے۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مسلسل ہجرت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہماری طرف نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما تشریف لائے۔ وہ دونوں ہمیں قرآن کریم پڑھاتے تھے۔ پھر حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم تشریف لائے، اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لائے"۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب ہم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا تو میں، عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص بن وائل السہمی نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ہم تینوں صبح کے وقت مکہ مکرمہ سے نکل کر سَرِف کے اوپر بنی غفار کے چشمے کے قریب واقع مقامِ تناضب پر جمع ہوں گے[3]۔ ہم نے طے کیا کہ ہم میں

1- دیکھیں: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جلد دوم، صفحہ 81۔

2- حوالہ: امام بخاری، صحیح البخاری، حدیث نمبر 4491۔

3- ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات جلد 3، صفحہ 144 میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: "ہم صرف خفیہ طور پر ہی نکلتے تھے۔"

سے جو شخص مقررہ وقت پر وہاں نہ پہنچے تو سمجھا جائے گا کہ اسے روک لیا گیا ہے، چنانچہ اس کے دونوں ساتھی آگے روانہ ہو جائیں گے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "چنانچہ صبح ہوئی تو میں اور عیاش بن ابی ربیعہ مقامِ تناضب پر پہنچ گئے، لیکن ہشام ہمارے ساتھ نہ آ سکے۔ انہیں روک لیا گیا اور وہ آزمائش میں مبتلا ہو کر اسی فتنے کا شکار ہو گئے"۔ (1)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت کی اجازت طلب کرنا ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اکثر رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کی اجازت طلب کرتے تھے، تو رسول اللہ ﷺ ان سے فرماتے: ''جلدی نہ کرو، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے ایک ساتھی مقرر فرما دے گا۔'' چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امید رہتی کہ وہ ساتھی رسول اللہ ﷺ ہی ہوں گے۔ (2)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: "جو لوگ ہجرت کرنا چاہتے تھے، وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر گئے، اور جو لوگ حبشہ کی سرزمین کی طرف ہجرت کر چکے تھے، ان میں سے اکثر مدینہ منورہ کی طرف واپس آ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی

1- اسے ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ جلد دوم، صفحہ 88 میں روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے الإصابۃ جلد ششم، صفحہ 423 میں ذکر کر کے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- دیکھیں: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جلد دوم، صفحہ 94۔

تیاری کرلی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "ذرا ٹھہرو، مجھے امید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی"۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ کو واقعی اس کی امید ہے؟ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کے لیے اپنے آپ کو روک لیا اور چار ماہ تک اپنی دونوں سواریوں کو سَمُر [1] کے پتوں سے چارہ کھلاتے رہے"۔ [2]

قریش کا دار الندوہ میں اجتماع

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے اپنے شہر کے علاوہ دوسرے لوگوں میں بھی ایک جماعت اور ساتھی پیدا ہو گئے ہیں، اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ ﷺ کے مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان لوگوں کے پاس ہجرت کر کے جا رہے ہیں، تو انہیں یقین ہو گیا کہ مسلمانوں نے ایک ایسی جگہ حاصل کرلی ہے جہاں انہیں مضبوط حمایت اور تحفظ حاصل ہے۔ چنانچہ انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے پاس تشریف لے جائیں گے، اور وہ سمجھ گئے کہ وہ لوگ قریش کے خلاف جنگ کے لیے پوری طرح متحد ہو چکے ہیں۔ اس صورتِ حال کے پیش نظر قریش رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے اور

1- سَمُر طلح کی قسم کا ایک درخت ہے، سَمُر کے پتے، یعنی درخت سے جھاڑ کر حاصل کیا جانے والا چارہ۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ کے معاملے میں باہمی مشورہ کرنے کے لیے دارالندوہ میں جمع ہوئے، کیونکہ وہ آپ ﷺ سے خوف محسوس کرنے لگے تھے۔ چنانچہ جس دن انہوں نے باہمی مشورے کے لیے اجتماع طے کیا تھا، اس دن صبح سویرے جمع ہوگئے۔ اس دن کو یومُ الزَّحمۃ کہا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض نے بعض سے کہا: ''اس شخص کا معاملہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ اللہ کی قسم! ہمیں اس بات کا اطمینان نہیں کہ اگر دوسرے لوگوں میں سے بھی اس کے پیروکار اس کے ساتھ مل گئے تو وہ ہم پر حملہ نہیں کرے گا۔'' ان میں سے ایک شخص نے کہا: ''اسے زنجیروں میں جکڑ کر قید کر دو اور اس پر ایک دروازہ بند کر دو، پھر کچھ عرصہ انتظار کرو، یہاں تک کہ اسے بھی وہی موت آجائے جو اس سے پہلے گزرنے والے ان شاعروں، مثلاً زہیر، نابغہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو آئی تھی۔'' لیکن قریش نے اس رائے کو مسترد کر دیا۔

پھر ان میں سے ایک شخص نے کہا: "ہم اسے اپنے درمیان سے نکال دیں اور اپنے شہر سے جلاوطن کر دیں۔ جب وہ ہمارے درمیان سے نکل جائے گا تو اللہ کی قسم! ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوگی کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کہاں ٹھہرتا ہے۔ اس طرح ہم اپنے معاملات درست کر لیں گے اور ہماری باہمی الفت و اتحاد پہلے کی طرح برقرار ہو جائے گا"۔ لیکن قریش نے اس رائے کو بھی مسترد کر دیا۔

پھر ابو جہل، اللہ اسے ذلیل کرے، نے کہا: "اللہ کی قسم! میرے پاس اس کے بارے میں ایک ایسی رائے ہے جس پر ابھی تک تمہاری نظر نہیں پہنچی"۔ انہوں

نے پوچھا: "اے ابوالحکم! وہ کیا رائے ہے"؟ اس نے کہا: "میری رائے یہ ہے کہ ہم ہر قبیلے سے ایک مضبوط، بہادر، شریف اور ہمارے درمیان معزز نوجوان منتخب کریں، پھر ان میں سے ہر ایک کو ایک تیز دھار تلوار دے دیں۔ اس کے بعد وہ سب مل کر محمد ﷺ پر حملہ کریں اور ایک ہی وار میں انہیں قتل کر دیں۔ اس طرح ہم ان سے نجات حاصل کر لیں گے۔ کیونکہ اگر وہ سب مل کر ایسا کریں گے تو آپ ﷺ کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا، پھر بنو عبد مناف تمام قبائل سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھیں گے۔ چنانچہ وہ ہمارے مطالبے پر دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ہم ان کی دیت ادا کر دیں گے"۔ چنانچہ سب لوگ اس تجویز پر متفق ہو گئے اور اسی ارادے سے وہاں سے منتشر ہوئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہ فیصلہ نافذ کریں گے [1]۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کو قریش کے مکر سے آگاہ کرنا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مشرکین کے اس مکر و سازش سے آگاہ فرمایا جو وہ آپ ﷺ کے خلاف کر رہے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ۚ وَيَمْكُرُونَ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ ترجمہ: اور جب کافر لوگ آپ ﷺ کے خلاف سازش کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کو قید کر دیں، یا آپ ﷺ کو قتل کر دیں، یا آپ ﷺ کو (مکہ مکرمہ سے) نکال

1- دیکھیں: ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، جلد دوم، صفحہ 96۔

دیں۔ وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے، اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔(الأنفال:30)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس کلام کا مفہوم یہ ہے: اے محمد ﷺ! میری اس نعمت کو یاد کریں جو میں نے آپ ﷺ پر اس وقت کی کہ آپ ﷺ کی قوم کے مشرکین نے آپ ﷺ کے خلاف سازش کی کہ آپ ﷺ کو قید کر دیں، یا قتل کر دیں، یا آپ ﷺ کو آپ کے وطن سے نکال دیں۔ لیکن میں نے اپنی تدبیر کے ذریعے آپ ﷺ کو ان سے نجات دی اور انہیں ہلاک کر دیا۔ لہٰذا آپ ﷺ میرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ان مشرکین سے جنگ کریں جو آپ ﷺ سے جنگ کرتے ہیں اور اس دینِ حق کو قبول کرنے سے منہ موڑتے ہیں جس کے ساتھ میں نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے۔ ان کی کثرتِ تعداد آپ ﷺ کو خوف زدہ نہ کرے، کیونکہ آپ ﷺ کا رب ان لوگوں کے مقابلے میں سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے جو اس کا انکار کرتے، اس کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرتے اور اس کے احکام و نواہی کی مخالفت کرتے ہیں"۔ (1)

1- دیکھیں: تفسیر طبری، جلد ششم، صفحہ 229۔

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث کیا گیا۔ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک قیام پذیر رہے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ پھر آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام کیا، اور جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ کی عمر تریسٹھ سال تھی"۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا، جبکہ نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں چالیس سال قیام فرمایا۔ البتہ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے، اور صحیح قول یہ ہے کہ یہ مدت تیرہ سال تھی۔ اس طرح آپ ﷺ کی کل عمر تریسٹھ سال بنتی ہے۔ یہ بات کہ آپ ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا گیا، یہی صحیح، مشہور اور وہ قول ہے جس پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ (2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3902 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 15، صفحہ 81۔

نبی کریم ﷺ کی ہجرت

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا﴾ ترجمہ: اور کہیے: اے میرے رب! مجھے سچی جگہ داخل فرما اور سچی جگہ سے نکال، اور اپنی طرف سے میرے لیے ایسا اقتدار و غلبہ عطا فرما جو میری مدد کرنے والا ہو۔ (الإسراء: 80) یہ آیت نبی کریم ﷺ کو ہجرت کی اجازت دیے جانے کے بارے میں نازل ہوئی۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رہنمائی فرمائی اور انہیں یہ دعا کرنے کی توفیق دی کہ اللہ تعالیٰ موجودہ حالات سے جلد ہی کشادگی اور فوری نجات کی کوئی راہ پیدا فرمادے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اجازت عطا فرمائی، جہاں انصار اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والے لوگ موجود تھے۔ یوں مدینہ منورہ آپ ﷺ کے لیے جائے سکونت اور قرار بن گیا اور وہاں کے لوگ آپ ﷺ کے مددگار بن گئے"۔ (1)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے، پھر

1- دیکھیں: ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد سوم، صفحہ 189۔

آپ ﷺ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا﴾ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب تکالیف بہت بڑھ گئیں تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی اجازت طلب کی (2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "ابھی ٹھہرے رہو"۔ انہوں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ کو امید ہے کہ آپ ﷺ کو بھی ہجرت کی اجازت دی جائے گی"؟ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: ''مجھے اس کی امید ہے۔'' چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت کا انتظار کرنے لگے۔ ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لائے اور آواز دے کر فرمایا: ''جو لوگ تمہارے پاس ہیں، انہیں یہاں سے ہٹا دو۔'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہاں تو میری صرف دو بیٹیاں ہیں (3)۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے مکہ مکرمہ سے نکلنے کی اجازت

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3406 اور حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4305 کے تحت روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری کی جلد 8، صفحہ 144 پر فرماتے ہیں: یعنی ہجرت کے بارے میں۔

3- صحیح بخاری میں ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3905 میں ہے: «إِنَّمَا هُمْ أَهْلُكَ» یعنی: ''وہ تو آپ کے گھر والے ہی ہیں''۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد 7، صفحہ 643 میں لکھا ہے کہ اس سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہما ہیں۔ اور سہیلی رحمہ اللہ نے الروض الأنف جلد 2، صفحہ 312 میں کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پہلے ہی ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر چکے تھے۔

دے دی گئی ہے؟'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! پھر رفاقت کا کیا ہوگا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رفاقت ہوگی۔'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں جنہیں میں نے ہجرت کے لیے تیار کر رکھا ہے"۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کو ان میں سے ایک اونٹنی دے دی جسے جَدْعاء، کہا جاتا تھا۔ (1)

عبداللہ بن اریقط (2) کو راستہ بتانے کے لیے اجرت پر مقرر کرنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بنو دیل (3) کے ایک شخص کو، جو بنو عبد عدی سے تعلق رکھتا تھا، راستہ بتانے کے لیے اجرت پر مقرر کیا۔ وہ راستے کی رہنمائی میں ماہر تھا، اور اگرچہ وہ قریش

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4093 اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 6279 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابۃ جلد 4، صفحہ 5 میں لکھا ہے: عبداللہ بن اریقط، اور بعض روایات میں اریقد بھی کہا گیا ہے، یعنی طاء کے بجائے دال کے ساتھ۔ وہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے موقع پر راستہ بتانے والے تھے۔ صحیح احادیث میں ان کا ذکر ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وہ اپنی قوم کے دین پر تھے۔ میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ان کا ذکر صرف ذہبی رحمہ اللہ کی التجرید میں دیکھا ہے۔ جبکہ عبدالغنی مقدسی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب السیرۃ میں قطعی طور پر لکھا ہے کہ ان کے اسلام لانے کا علم نہیں ہے، اور امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء جلد 1، صفحہ 100 میں بھی انہی کی پیروی کی ہے۔

3- میں کہتا ہوں: صحیح بخاری میں عبداللہ بن اریقط کے نام کی صراحت نہیں ہوئی، البتہ امام حاکم کی المستدرک میں حدیث نمبر 4308 اور 4320 کی روایت میں ان کے نام کی صراحت موجود ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔ اسی طرح ابن اسحاق نے السیرۃ جلد 2، صفحہ 99 میں اور دیگر محدثین نے بھی ان کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

کے کافروں کے دین پر تھا[1]، لیکن دونوں نے اس پر اعتماد کیا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی دونوں سواریاں اس کے حوالے کر دیں اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ تین راتوں کے بعد صبح کے وقت دونوں سواریاں لے کر غارِ ثور میں ان سے آملے گا[2]۔

مشرکین کا رسول اللہ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرنا

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر واپس تشریف لائے اور رات ہونے کا انتظار کرنے لگے، تاکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے جائیں اور دونوں غارِ ثور کی طرف روانہ ہوں۔ آپ ﷺ کو قریش کی طرف سے کی جانے والی اس سازش کا مکمل علم تھا۔ قریش کے وہ افراد رسول اللہ ﷺ کے گھر کے گرد جمع ہو گئے اور دروازے کے سوراخ سے اندر جھانک جھانک کر آپ ﷺ کی نگرانی کرنے لگے۔ وہ رات کے وقت آپ ﷺ پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور آپس میں یہ مشورہ کر

1-امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بدائع الفوائد جلد 3، صفحہ 1169 میں فرمایا: ہجرت کے موقع پر نبی کریم ﷺ کا عبداللہ بن اریقط دیلی کو، جبکہ وہ اس وقت کافر تھا، راستہ بتانے کے لیے اجرت پر مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ طب، سرمہ لگانے، ادویات، لکھنے، حساب کتاب، عیوب وغیرہ جیسے معاملات میں کسی کافر سے رجوع کرنا اور اس کی مہارت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، بشرطیکہ وہ معاملہ ایسی ولایت اور ذمہ داری سے متعلق نہ ہو جس میں عدل و امانت کا تقاضا ہو۔ محض کسی شخص کے کافر ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی بھی معاملے میں اس پر اعتماد نہ کیا جائے؛ کیونکہ راستے کی رہنمائی سے بڑھ کر کوئی معاملہ خطرناک نہیں، خصوصاً ہجرت کے سفر کے راستے کی رہنمائی، جس میں جان و مال دونوں کا خطرہ تھا۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

رہے تھے کہ ان میں سے کون سب سے زیادہ بد بختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کام کرے گا۔[1]

رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کے سامنے سے باہر تشریف لائے، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ میں مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے ان کے سروں پر ڈالنے لگے، جبکہ وہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ پا رہے تھے۔ اس وقت آپ ﷺ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ (سورۃ یٰس: 9)[2]

رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غارِ ثور کی طرف روانہ ہونا

رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تمام تیاریاں پہلے ہی مکمل کر رکھی تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ہم نے دونوں کے لیے سفر کا سامان جلد از جلد تیار کیا"۔[3]

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 63۔

2- یہ واقعہ سیرت ابن ہشام جلد 2، صفحہ 97 میں مذکور ہے۔

3- اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

پھر دونوں روانہ ہوئے اور غارِ ثور کی طرف چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی طرف الوداعی نظر ڈالی اور فرمایا: "اللہ کی قسم! بے شک تم اللہ کی زمینوں میں سب سے بہترین زمین اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب زمین ہو۔ اگر مجھے تم سے نکالا نہ جاتا تو میں کبھی تم سے نہ نکلتا"۔ (1)

امام ترمذی اور حاکم رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے مکہ! تو کتنا پاکیزہ اور کتنا پیارا شہر ہے، اور تو مجھے کتنا محبوب ہے! اگر میری قوم نے مجھے تجھ سے نکالا نہ ہوتا تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت اختیار نہ کرتا"۔ (2)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "پھر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ غارِ ثور کے پہاڑ میں ایک غار میں پہنچے اور وہاں تین راتیں چھپ کر قیام کیا"۔ (3)

1-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4267 کے تحت اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18715 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

2-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4268 کے تحت اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 1807 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک دوسری روایت میں ہے، وہ فرماتی ہیں: "پھر دونوں سوار ہوئے اور روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ غار کے پاس پہنچے، جو غارِ ثور میں تھا، اور دونوں نے اس میں پناہ لے لی"۔ (1)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی نبی کریم ﷺ کی خدمت

حضرت عبداللہ بن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما غار میں رسول اللہ ﷺ اور اپنے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قیام کے دوران رات کو ان کے پاس رہا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "حضرت عبداللہ بن ابو بکر رضی اللہ عنہما ان دونوں کے پاس رات گزارتے تھے۔ وہ ایک سمجھ دار، ہوشیار اور ذہین نوجوان تھے۔ وہ سحری کے وقت وہاں سے نکلتے اور صبح مکہ مکرمہ میں قریش کے ساتھ اس طرح کرتے جیسے انہوں نے رات وہیں گزاری ہو۔ قریش رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلاف جو بھی سازش یا تدبیر کرتے، وہ اسے اچھی طرح یاد رکھتے، پھر جب اندھیرا چھٹنے لگتا تو ان دونوں کے پاس آکر اس کی خبر دے دیتے"۔ (2)

1- اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4093 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا بکریاں چرانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ ان دونوں کے لیے بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جب رات کا کچھ حصہ گزر جاتا تو وہ بکریاں لے کر ان دونوں کے پاس آتے، چنانچہ دونوں حضرات رات بھر ان بکریوں کا تازہ دودھ پیتے رہتے۔ پھر حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ صبح کی تاریکی میں بکریوں کو ہانک کر لے جاتے۔ وہ ان تینوں راتوں میں ہر رات اسی طرح کیا کرتے تھے"۔ (1)

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا: جب حضرت عبداللہ بن ابو بکر رضی اللہ عنہما ان دونوں حضرات کے پاس سے صبح کے وقت مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے تو حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں لے کر ان کے قدموں کے نشانات کے پیچھے چلتے، یہاں تک کہ بکریوں کے ذریعے ان نشانات کو مٹا دیتے۔ (2)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا دونوں کے لیے کھانا پہنچانا

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا تو میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں آپ

1- اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- یہ واقعہ سیرت ابن ہشام جلد 2، صفحہ 100 میں مذکور ہے۔

ﷺ کے لیے سفر کا سامان تیار کیا۔ لیکن ہمیں آپ ﷺ کے کھانے اور پانی کے برتن کو باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں مل رہی تھی۔ میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اپنے کمر بند کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں مل رہی جس سے میں اسے باندھ سکوں۔ انہوں نے فرمایا: اسے دو حصوں میں پھاڑ لو، ایک حصے سے پانی کا برتن باندھ دو اور دوسرے حصے سے کھانے کا سامان باندھ دو[1]۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اسی وجہ سے مجھے ذات النطاقین کہا جانے لگا"۔[2]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "اللہ کی قسم! میں ذات النطاقین ہوں۔ ان میں سے ایک کمر بند کے ذریعے میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کھانے کو سواریوں سے اٹھا کر رکھتی تھی، جبکہ دوسرا وہ کمر بند تھا جس سے کسی عورت کے لیے بے نیاز ہونا ممکن نہیں ہوتا"۔[3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو ذات النطاقین اس لیے کہا گیا کہ انہوں نے اپنے ایک کمر بند کو دو حصوں میں پھاڑ لیا تھا۔ ان میں سے ایک حصے کو کمر بند کے طور پر استعمال کیا اور اسی پر اکتفا کیا، جبکہ

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد 7، صفحہ 660 میں لکھا ہے: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو اپنی کمر بند کو پھاڑ کر اس کے ذریعے کھانے کا سامان باندھنے کا مشورہ دینے والے ان کے والد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

2- اسے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2979 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2545 کے تحت روایت کیا ہے۔

دوسرے حصے سے نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کھانے کا سامان باندھا، جیسا کہ خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اس حدیث میں صراحت کی ہے۔[1]

مشرکین کا نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی کی تلاش میں نکلنا

مشرکین رسول اللہ ﷺ کے گھر کے دروازے پر آپ ﷺ کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ وہاں سے نکل چکے تھے۔ پھر ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے کہا: ''تم یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو؟'' انہوں نے کہا: ''محمد ﷺ کا۔'' اس نے کہا: ''اللہ تمہیں ناکام و نامراد کرے! اللہ کی قسم! محمد ﷺ تمہارے پاس سے گزر کر جا چکے ہیں، پھر انہوں نے تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی نہیں چھوڑا مگر اس کے سر پر مٹی ڈال دی، اور اپنے کام کے لیے روانہ ہو گئے۔ کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ تمہارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟''

چنانچہ ان میں سے ہر شخص نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو واقعی اس پر مٹی پڑی ہوئی تھی۔ پھر وہ اندر جھانک کر دیکھنے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بستر پر رسول اللہ ﷺ کی سبز چادر اوڑھے ہوئے لیٹا ہوا دیکھا۔ وہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! یہ تو محمد ﷺ ہی ہیں جو اپنی چادر اوڑھے سو رہے ہیں۔'' وہ اسی حالت میں صبح تک وہیں رہے۔

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 16، صفحہ 81۔

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بستر سے اٹھے تو انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! جس شخص نے ہمیں یہ خبر دی تھی، اس نے ہم سے سچ کہا تھا۔''

قریش نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلاش میں پوری شدت سے کوشش شروع کر دی۔ انہوں نے ماہر سراغ رساں افراد کو بھی ساتھ لیا اور جو شخص ان دونوں کو گرفتار کر کے لاتا، اس کے لیے سو اونٹ کا بڑا انعام مقرر کیا۔ چنانچہ لوگ ان کی تلاش میں پوری طرح جُٹ گئے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے[1]۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قریش کے کافر لوگوں کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، دونوں میں سے ہر ایک کو قتل کرنے یا گرفتار کر کے لانے والے کے لیے دیت مقرر کرنے کا اعلان کیا"۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی سیرت میں حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 97؛ زاد المعاد، جلد 3، صفحات 65، 66۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3906 کے تحت اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 17591 کے تحت روایت کیا ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے ہوئے روانہ ہوئے تو قریش نے آپ ﷺ کو واپس لانے والے شخص کے لیے سو اونٹ کا انعام مقرر کیا[1]۔

جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تھے

اس دوران جب دونوں حضرات غار میں موجود تھے، مشرکین ہر طرف پھیل گئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تلاش کرنے لگے، یہاں تک کہ ان میں سے ایک گروہ جبلِ ثور تک پہنچ گیا۔ وہ غار کے دہانے تک آ پہنچے، اور رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تلاش کر لینے اور ان تک پہنچ جانے کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ گیا تھا کہ وہ غار کے اندر جھانک لیتے۔

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا: ''میں نے غار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے ہوئے مشرکین کے قدم اپنے سروں کے بالکل اوپر دیکھے تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کوئی شخص اپنے قدموں کی طرف نظر کر لے تو وہ ہمیں اپنے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 102۔

قدموں کے نیچے دیکھ لے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابو بکر! تمہارا ان دو کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے؟[1]

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ غار میں تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو اچانک مجھے ان لوگوں کے قدم نظر آئے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اگر ان میں سے کوئی شخص اپنی نگاہ ذرا نیچی کر لے تو ہمیں دیکھ لے گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خاموش رہو، اے ابو بکر! ہم دو ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارا تیسرا ہے"۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: نبی کریم ﷺ کے فرمان ''اللہ تعالیٰ ان دونوں کا تیسرا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کا مددگار اور حامی ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے اعتبار سے ہر دو افراد کے ساتھ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ﴾ (المجادلہ: 7)[3]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3653 اور 3922 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2381 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3922 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد 7، صفحہ 675۔

اس عظیم موقع پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ (سورۃ التوبہ: 40)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے رسول ﷺ کی اپنے دین کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد کرنے اور انہیں ان پر غالب کرنے کا ذمہ دار ہے، خواہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں یا نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس واقعے کی یاد دہانی کرا رہا ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ تعداد میں کم تھے اور دشمن تعداد میں زیادہ تھے، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی۔ تو اب جبکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھی تعداد میں زیادہ اور دشمن تعداد میں کم ہوں، اللہ تعالیٰ کس طرح ان کی مدد نہ فرمائے گا؟[1]

میں کہتا ہوں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشرکین کے دلوں اور آنکھوں کو غار کے اندر دیکھنے سے پھیر دیا، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسی کے ذریعے اپنے رسول ﷺ کو مشرکین سے محفوظ فرمایا۔

1- دیکھیں: تفسیر ابن جریر طبری، جلد 6، صفحہ 374۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی کا غار سے روانہ ہونا رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار میں تین راتیں قیام کیا۔ جب ان دونوں کی تلاش کی شدت کم ہو گئی اور لوگوں کی سرگرمیاں قدرے تھم گئیں تو عبداللہ بن اریقط دونوں سواریاں لے کر ان کے پاس پہنچے۔ چنانچہ دونوں حضرات سوار ہوئے اور حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "عامر بن فہیرہ اور راستہ بتانے والا بھی ان دونوں کے ساتھ روانہ ہوئے، پھر وہ انہیں ساحلی راستے پر لے گیا"۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بظاہر مکہ مکرمہ سے روانگی اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے کے درمیان پندرہ دن کا عرصہ تھا؛ کیونکہ آپ ﷺ نے غارِ ثور میں تین دن قیام فرمایا، پھر ساحلی راستہ اختیار کیا، جو عام راستے کے مقابلے میں زیادہ طویل تھا۔ (2)

مدینہ منورہ کی طرف راستہ

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: جب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کرتے ہوئے غار سے روانہ ہوئے تو آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق

1- اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3905 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 204۔

رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن اریقط لیثی تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے۔ عبداللہ بن اریقط نے دونوں کو مکہ مکرمہ کے نچلے حصے کی طرف سے لے کر سفر شروع کیا، پھر انہیں ساحل کی طرف لے گیا جو عسفان سے نیچے کی جانب تھا۔ اس کے بعد وہ انہیں نچلے امج کے راستے سے لے گیا، پھر قُدید سے گزرنے کے بعد عام راستے سے ہٹ کر الخَرّار کے راستے پر چل پڑا۔ پھر ثنیۃ المُرَّہ سے گزرا، اس کے بعد لفت کے راستے سے انہیں لے گیا، پھر مُدلِجۃ لقف سے گزرا، اس کے بعد مُدلِجۃ مجاج کے اندرونی راستے سے گزر کر مرَّ لِہج کی طرف گیا۔ پھر مرَّ لِہج کے نشیبی حصے میں ذوالغُضّ وَین سے گزرا، اس کے بعد بطنِ ذی کَشْد سے گزرا۔ پھر الجَدَاجِد کا راستہ اختیار کیا، اس کے بعد مُدلِجۃ اَعْداء کے نشیبی حصے میں ذی سَلم سے گزرا، پھر القاحہ کی طرف اترا اور العُرج پہنچا۔ اس کے بعد رَکوبہ کے دائیں جانب ثنیۃ الغائر سے گزرا، پھر بطنِ رِئم میں اترا اور وہاں سے قُباء پہنچا، جہاں بنو عمرو بن عوف کے ہاں قیام فرمایا۔[1]

راستے میں پیش آنے والے واقعات

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے سفر کے دوران مختلف واقعات پیش آئے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4318 کے تحت روایت کیا ہے۔

رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ کی طرف تشریف لا رہے تھے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے (1)۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رسیدہ اور معروف شخصیت تھے (2)، جبکہ نبی کریم ﷺ جوان تھے (3) اور آپ ﷺ کو لوگ پہچانتے نہیں تھے۔ راستے میں کوئی شخص حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملتا تو پوچھتا: "اے ابو بکر! آپ کے آگے یہ کون شخص ہیں"؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے: "یہ وہ شخص ہیں جو مجھے راستہ دکھاتے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد 2، صفحہ 91 میں فرمایا: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار اس لیے کیا تھا کہ ان کی تکریم ہو اور ان کے مقام و مرتبے کو نمایاں کیا جائے، ورنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی ایک سواری بھی تھی جس پر انہوں نے ہجرت کی تھی۔

2- امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں حدیث نمبر 12234 کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو لوگ راستے میں اس لیے پہچانتے تھے کہ وہ تجارت کے سلسلے میں شام کا سفر کیا کرتے تھے"۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد 7، صفحہ 664 میں فرمایا: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ کہا گیا کہ "وہ پہچانے جاتے تھے"؛ کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تجارتی سفر کے دوران اہلِ مدینہ کے پاس سے گزرا کرتے تھے، جبکہ نبی کریم ﷺ کا مکہ مکرمہ سے سفر کیے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد 7، صفحہ 664 میں فرمایا: بظاہر اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے عمر میں بڑے تھے، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 2352 میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال اس وقت ہوا جب ان کی عمر 63 سال تھی، اور وہ نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد دو سال اور چند ماہ زندہ رہے۔" لہٰذا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عمر کے بارے میں صحیح قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے دو سال سے کچھ زیادہ کم عمر تھے۔

ہیں"[1] ۔ سننے والا سمجھتا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اشارہ سفر کے راستے کی طرف ہے، حالاں کہ ان کی مراد بھلائی اور ہدایت کا راستہ ہوتی تھی[2]۔

چرواہے اور دودھ پلانے کا واقعہ

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عازب رضی اللہ عنہ سے ایک کجاوہ تیرہ درہم میں خریدا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عازب سے فرمایا: ''براء سے کہو کہ میرا کجاوہ میرے پاس پہنچا دیں۔'' عازب نے کہا: ''نہیں، جب تک آپ ہمیں یہ نہ بتائیں کہ جب آپ اور رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور مشرکین آپ دونوں کو تلاش کر رہے تھے تو آپ نے کیا کیا؟'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور پوری رات اور دن چلتے رہے، یہاں تک کہ دن چڑھ آیا۔ دوپہر کے وقت جب سورج بہت بلند ہو گیا تو میں نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی کہ کہیں کوئی سایہ نظر آئے جس میں پناہ لے سکوں۔ اچانک مجھے ایک چٹان نظر آئی۔ میں اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ اس کے

1- میں کہتا ہوں: اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے توریہ ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ نے الأذکار صفحہ 612 پر فرمایا: جان لو کہ توریہ اور تعریض سے مراد یہ ہے کہ انسان ایسا لفظ استعمال کرے جس کا ایک ظاہری معنی ہو، لیکن وہ اس لفظ سے اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی مراد لے، جو اگرچہ اس لفظ میں شامل ہو، مگر اس کے ظاہری معنی کے خلاف ہو۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3911 کے تحت، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12234 اور 14063 کے تحت روایت کیا ہے۔

نیچے کچھ سایہ باقی ہے۔ میں نے وہاں کی جگہ کو ہموار کیا، پھر نبی کریم ﷺ کے لیے وہاں بستر بچھایا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! آپ لیٹ جائیں۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ لیٹ گئے۔'' پھر میں ارد گرد کے علاقے کا جائزہ لینے لگا کہ کہیں ہمارا پیچھا کرنے والوں میں سے کوئی نظر نہ آئے۔ اچانک مجھے ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریاں لے کر اسی چٹان کی طرف جا رہا تھا جہاں ہم جانا چاہتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا: اے لڑکے! تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا، جسے میں پہچانتا تھا۔'' میں نے اس سے پوچھا: کیا تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

میں نے کہا: کیا تم ہمارے لیے دودھ دوہ سکتے ہو؟ اس نے کہا: "ہاں"۔ چنانچہ میں نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنی بکریوں میں سے ایک بکری پکڑ لے۔ پھر میں نے اسے حکم دیا کہ اس کے تھنوں سے گرد و غبار جھاڑ دے۔ اس کے بعد میں نے اسے اپنے ہاتھ بھی جھاڑنے کو کہا۔ اس نے اسی طرح کیا اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ پھر اس نے میرے لیے تھوڑا سا دودھ دوہا"۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھوٹا سا مشکیزہ[1] لیا ہوا تھا، جس کے منہ پر ایک کپڑا بندھا ہوا تھا۔ میں نے اس دودھ کو اس میں ڈال کر نیچے سے ٹھنڈا ہونے دیا۔ پھر اسے لے کر نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ آپ ﷺ بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دودھ نوش

1- یہ مشکیزہ پہلے سے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3615 میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میرے پاس ایک مشکیزہ تھا، جسے میں نبی کریم ﷺ کے لیے ساتھ لے کر چل رہا تھا، آپ ﷺ اس سے پانی پیتے اور وضو فرماتے تھے۔''

فرمایئے۔ آپ ﷺ نے اتنا دودھ پیا کہ میں خوش ہو گیا"۔ پھر میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اب روانہ ہونے کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ چنانچہ ہم روانہ ہو گئے، جبکہ وہ لوگ مسلسل ہماری تلاش میں تھے"۔ (1)

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنا

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جعرانہ کے مقام پر اسلام قبول کیا، جب آپ ﷺ غزوۂ حنین اور طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ انہوں نے بہت اچھے طریقے سے اسلام قبول کیا اور ان کا اسلام پختہ ہو گیا۔ ہجرت کے موقع پر ان کا رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نکلنے کا واقعہ مشہور ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور یہاں الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "قریش کے کافر لوگوں کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، دونوں میں سے ہر ایک کو قتل کرنے یا گرفتار کرنے والے شخص کے لیے دیت کے برابر انعام مقرر کیا(2)۔ میں اپنی قوم بنی مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ انہی لوگوں میں سے ایک شخص آیا

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3615 اور 3652 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں دو مقامات پر، تفصیل اور اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ تفصیلی روایت کتاب الزہد والرقائق، باب: حدیث الہجرۃ، حدیث نمبر 2009 اور 75 کے تحت، جبکہ مختصر روایت کتاب الاشربۃ، باب: دودھ پینے کا جواز، حدیث نمبر 2009 اور 90 کے تحت ہے۔

2-دیت کی مقدار سو اونٹ تھی، جیسا کہ ابن اسحاق کی السیرۃ جلد دوم، صفحہ 103 میں مذکور ہے۔

اور ہمارے پاس کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے سراقہ! ابھی ابھی میں نے ساحل کی طرف کچھ سیاہ سائے دیکھے ہیں، میرا خیال ہے کہ وہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ہیں"۔

سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی لوگ ہیں، لیکن میں نے کہا: یہ وہ نہیں ہیں[1]، بلکہ ابھی ابھی میں نے فلاں اور فلاں لوگوں کو وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر میں کچھ دیر اسی مجلس میں بیٹھا رہا، یہاں تک کہ اٹھ کر اپنے گھر چلا گیا۔ میں نے اپنی خادمہ سے کہا کہ میری گھوڑی باہر نکال لائے۔ وہ ایک ٹیلے کے پیچھے تھی، وہاں سے اسے نکال کر میرے لیے لے آئے۔ میں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور گھر کے پچھلے حصے سے نکل کر اسے ساتھ لے لیا۔ پھر میں نے نیزے کی نوک سے زمین پر لکیریں کھینچتے ہوئے اور نیزے کے اگلے حصے کو جھکائے ہوئے اپنی گھوڑی تک پہنچا۔ اس پر سوار ہوا اور اسے تیز دوڑایا، یہاں تک کہ وہ مجھے ان دونوں کے قریب لے گئی۔ جب میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ ان کی آواز سن سکتا تھا، تو میری گھوڑی ٹھوکر کھا کر گر گئی اور میں بھی اس سے گر پڑا۔ میں اٹھا اور اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس

1- میں کہتا ہوں: سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خود انعام کی رقم حاصل کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ ابن اسحاق کی السیرۃ جلد دوم، صفحہ 103 میں ہے۔ وہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں امید رکھتا تھا کہ میں انہیں قریش کے حوالے کر دوں گا اور سو اونٹ حاصل کر لوں گا۔''

میں سے فال کے تیر[1] نکالے اور ان کے ذریعے فال نکالا کہ میں انہیں نقصان پہنچاؤں یا نہ پہنچاؤں"۔

پھر فال کے تیروں میں سے وہ تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا، یعنی یہ کہ میں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں۔ لیکن میں نے فال کے تیروں کی مخالفت کی، اپنی گھوڑی پر سوار ہوا اور اسے تیز دوڑایا، یہاں تک کہ میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ جب میں ان کے قریب ہوا تو میری گھوڑی نے پھر ٹھوکر کھائی اور میں اس سے گر پڑا۔ میں اٹھا اور اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا، اس میں سے فال کے تیر نکالے اور ان کے ذریعے فال نکالی۔ پھر وہی تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا، یعنی یہ کہ میں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں۔ میں نے پھر فال کے تیروں کی مخالفت کی، اپنی گھوڑی پر سوار ہوا اور اسے تیز دوڑایا۔ یہاں تک کہ جب میں نے نبی کریم ﷺ کی تلاوت کی آواز سنی، جبکہ آپ ﷺ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے، تو اچانک میری گھوڑی کے اگلے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے، یہاں تک کہ گھٹنوں تک زمین میں داخل ہو گئے[2]۔ میں گھوڑی سے اتر گیا اور اسے

1- یہ وہ فال کے تیر تھے جو زمانۂ جاہلیت میں استعمال ہوتے تھے۔ ان پر ''کرو'' اور ''نہ کرو'' جیسے الفاظ لکھے ہوتے تھے۔ ان میں سے کسی شخص کے پاس یہ تیر ایک برتن میں رکھے ہوتے تھے۔ جب وہ سفر، شادی یا کسی اہم کام کا ارادہ کرتا تو اپنا ہاتھ اس برتن میں ڈال کر ان میں سے ایک تیر نکالتا۔ اگر ''کرو'' والا تیر نکلتا تو وہ اپنا کام انجام دیتا، اور اگر ''نہ کرو'' والا تیر نکلتا تو وہ اس کام سے رک جاتا اور اسے انجام نہ دیتا۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 281۔

2- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3615، اور صحیح مسلم کی حدیث نمبر 2009 میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بد دعا فرمائی، تو اس کی گھوڑی زمین میں اس طرح دھنس گئی کہ اس کا پیٹ زمین سے لگ گیا... زمین کے ایک سخت حصے میں"۔

جھڑکا۔ وہ کھڑی ہوئی، لیکن بڑی مشکل سے اپنے اگلے دونوں پاؤں زمین سے نکال سکی۔ جب وہ بالکل سیدھی کھڑی ہوگئی تو اس کے دونوں اگلے پاؤں کے نشانات سے آسمان کی طرف دھوئیں کی طرح غبار کا ایک بلند بادل اٹھ رہا تھا۔ میں نے پھر فال کے تیروں کے ذریعے فال نکالی تو وہی تیر نکلا جسے میں ناپسند کرتا تھا، یعنی یہ کہ میں انہیں کوئی نقصان نہ پہنچاؤں۔ چنانچہ میں نے انہیں آواز دے کر امان کا اعلان کیا۔ وہ دونوں رک گئے۔ میں اپنی گھوڑی پر سوار ہوا اور ان کے پاس پہنچ گیا۔ جب مجھے یہ واقعہ پیش آیا اور میری گھوڑی ان کے پاس جانے سے رک گئی تو میرے دل میں یہ بات آگئی کہ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے کہا: ''آپ کی قوم نے آپ کے بارے میں سو اونٹوں کی دیت مقرر کی ہے۔'' پھر میں نے انہیں اپنے سفر کے دوران پیش آنے والے حالات اور ان لوگوں کے ارادوں کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد میں نے انہیں زادِ سفر اور سامان پیش کیا، لیکن انہوں نے مجھ سے کوئی چیز قبول نہیں کی اور نہ ہی مجھ سے کسی چیز کا مطالبہ کیا، صرف اتنا کہا کہ ہماری آمد و رفت کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ پھر میں نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک تحریر لکھ دیں، جس کی وجہ سے مجھے امان حاصل رہے۔ آپ ﷺ

نے حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، تو انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر میرے لیے وہ تحریر لکھ دی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہو گئے[1]۔

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سراقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "کسی ایسے شخص کو ہمارے پیچھے نہ آنے دینا جو ہمارا تعاقب کرے"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "چنانچہ دن کے ابتدائی حصے میں وہ اللہ کے نبی ﷺ کے خلاف جدوجہد کرنے والا تھا، اور دن کے آخری حصے میں آپ ﷺ کا محافظ بن گیا"۔[2]

اعرابی کا واقعہ اور اس کا اسلام قبول کرنا

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں قیس بن نعمان سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ چھپتے ہوئے سفر کر رہے تھے تو راستے میں ایک شخص ملا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے دودھ مانگا۔ اس نے کہا: ''میرے پاس دودھ دینے والی کوئی بکری

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3906 اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 17591 کے تحت روایت کیا ہے۔ نیز حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2615 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2009 کے تحت اسے روایت کیا ہے۔

2- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3615، اور صحیح مسلم کی حدیث نمبر 2009 میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی تو اس کی گھوڑی زمین میں دھنس گئی، یہاں تک کہ اس کا پیٹ زمین سے لگ گیا۔ میں نے اسے زمین کے ایک سخت حصے میں اس حال میں دیکھا"۔

نہیں ہے، البتہ یہاں ایک چھوٹی بکری ہے جو سردیوں کے شروع میں حاملہ ہوئی تھی۔ اس نے ابھی بچہ جنا ہے، لیکن اس کے تھنوں میں دودھ باقی نہیں رہا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے میرے پاس لاؤ۔'' وہ اسے لے آیا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے پکڑا، اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور دعا فرمائی، تو اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک لکڑی [1] لے کر آئے اور اس سے دودھ دوہا۔ پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پلایا، پھر چرواہے کو پلایا، پھر دوبارہ دودھ دوہا اور خود بھی پیا۔ چرواہے نے پوچھا: ''اللہ کے واسطے! آپ کون ہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے آج تک آپ جیسا شخص نہیں دیکھا۔'' نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میرا راز اس وقت تک چھپاؤ گے جب تک میں خود تمہیں نہ بتادوں؟'' اس نے کہا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں محمد، اللہ کا رسول ہوں۔'' اس نے کہا: ''کیا آپ وہی ہیں جن کے بارے میں قریش کہتے ہیں کہ آپ دین سے پھر گئے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، وہ میرے بارے میں یہی کہتے ہیں۔'' اس نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے، وہ نبی ہی کر سکتا ہے۔ لہٰذا میں آپ کی پیروی کرتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج تم میرے

1- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کوئی گہرا پتھر یا لکڑی کا برتن لے کر آئے تھے، یعنی ایسا برتن جس میں گہرائی ہو۔ پھر انہوں نے اس میں دودھ دوہا۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 4412 میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعے میں، جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے گزرے، یہ الفاظ ہیں: ''پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک گہرے پتھر کا برتن لے کر آئے، اس میں دودھ دوہا اور پیا۔''

ساتھ نہیں چل سکتے۔ جب تمہیں معلوم ہو کہ میں غالب آچکا ہوں تو ہمارے پاس آ جانا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا حضرت ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرنا

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اور امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں ہشام بن حبیب بن خویلد رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، اور ان دونوں کے راستہ بتانے والے عبداللہ بن اریقط تھے۔ راستے میں ان لوگوں کا گزر ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا کے خیمے کے پاس سے ہوا۔ وہ ایک باہمت اور مضبوط عورت تھیں۔ وہ خیمے کے صحن میں بیٹھتی تھیں اور لوگوں کو پانی اور کھانا فراہم کرتی تھیں۔ ان لوگوں نے ان سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کے لیے مانگیں، لیکن ان کے پاس ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ یہ لوگ بھوک اور سفر کی سختی سے بہت کمزور ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خیمے کے ایک کونے میں ایک بکری دیکھی تو فرمایا: ”اے ام معبد! یہ بکری کیسی ہے؟“ انہوں نے کہا: ”یہ وہ بکری ہے جو کمزوری کی وجہ سے باقی بکریوں کے ساتھ نہیں جا سکتی۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کیا اس

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4319 کے تحت روایت کیا ہے۔

کے تھنوں میں دودھ ہے؟'' انہوں نے کہا: ''یہ تو اس سے بھی زیادہ کمزور ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا آپ مجھے اجازت دیتی ہیں کہ میں اس کا دودھ دوہ لوں؟'' انہوں نے کہا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر آپ کو اس کے تھنوں میں دودھ نظر آئے تو اسے دوہ لیجیے۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بکری کو اپنے پاس بلایا، اس کے تھنوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، اللہ تعالیٰ کا نام لیا اور اس بکری کے لیے دعا فرمائی۔ اچانک اس نے اپنے پاؤں کھول دیے اور اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسا برتن منگوایا جس میں ایک جماعت کا دودھ سما سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس میں اتنا دودھ دوہا کہ برتن اوپر تک بھر گیا اور اس پر جھاگ نظر آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ نے پہلے ام معبد رضی اللہ عنہا کو اتنا دودھ پلایا کہ وہ سیر ہو گئیں، اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو پلایا، یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔ سب سے آخر میں آپ ﷺ نے خود دودھ پیا۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ اسی برتن میں دودھ دوہا، یہاں تک کہ وہ بھر گیا۔ آپ ﷺ نے وہ دودھ ام معبد رضی اللہ عنہا کے پاس چھوڑ دیا، ان سے بیعت لی اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ (1)

1-اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4320 اور امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں حدیث نمبر 3704 کے تحت روایت کیا ہے۔ اس کے محقق شیخ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث حسن اور قوی ہے"۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ جلد سوم، صفحہ 204 میں حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا کا یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور فرمایا: "یہ واقعہ مشہور ہے اور مختلف طرق سے مروی ہے، جن میں سے بعض روایات بعض کو تقویت دیتی ہیں"۔

میں کہتا ہوں: حافظ بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ جلد دوم، صفحات 491، 492 میں نبی کریم ﷺ کی ہجرت کے واقعے کے ضمن میں ام معبد رضی اللہ عنہا کے واقعے سے ملتا جلتا ایک واقعہ ذکر کیا ہے، پھر فرمایا: "یہ واقعہ اگرچہ ام معبد رضی اللہ عنہا کے واقعے کے مقابلے میں بعض چیزوں میں کم اور بعض میں زیادہ ہے، تاہم یہ اسی کے قریب ہے اور بظاہر دونوں واقعات ایک ہی واقعہ معلوم ہوتے ہیں"۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی البدایہ والنہایہ جلد سوم، صفحہ 206 میں اسے ذکر کیا ہے اور اسے دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، نیز اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ہجرت کا پہلا سال

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی کا قباء پہنچنا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو وہ ہر صبح مدینہ سے باہر حرّہ کی طرف نکل جاتے اور آپ ﷺ کا انتظار کرتے رہتے، یہاں تک کہ دوپہر کی سخت گرمی انہیں واپس آنے پر مجبور کر دیتی۔ ایک دن وہ کافی دیر تک انتظار کرنے کے بعد واپس لوٹے۔ جب وہ اپنے گھروں میں پہنچ گئے تو یہودیوں میں سے ایک شخص اپنے قلعے کی چھت پر کسی کام کے لیے چڑھا ہوا تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے اور سراب کی وجہ سے دور سے ان کے گرد سفیدی سی نظر آ رہی تھی۔ وہ یہ منظر دیکھ کر اپنی آواز پر قابو نہ رکھ سکا اور بلند آواز سے پکارا: ''اے عرب کے لوگو[1]! جس شخص کا تم انتظار کر رہے تھے، وہ آ گیا ہے!'' یہ سنتے ہی مسلمان ہتھیار لے کر نکل پڑے اور حرّہ کے پیچھے جا کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ رسول اللہ ﷺ نے راستہ بدل کر انہیں دائیں جانب لے لیا اور بنی عمرو بن عوف کے ہاں جا کر قیام

1- ابن اسحاق کی السیرۃ جلد دوم، صفحہ 106 میں ''یا بنی قیلہ'' کے الفاظ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد ہفتم، صفحہ 654 میں فرمایا ہے: ''قیلہ'' قاف پر زبر اور یاء پر سکون کے ساتھ ہے۔ یہ انصار کی بڑی جدہ اور اوس و خزرج کی والدہ تھیں۔ ان کا نام قیلہ بنت کاہل تھا۔

فرمایا۔ یہ واقعہ پیر کے دن[1]، ماہِ ربیع الاول میں پیش آیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں سے بات کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے، جبکہ رسول اللہ ﷺ خاموش بیٹھے رہے۔ جو انصاری لوگ پہلے رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھ چکے تھے، وہ آتے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سلام کرتے۔ یہاں تک کہ دھوپ رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے لگی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور اپنی چادر سے آپ ﷺ پر سایہ کر دیا۔ اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی عمرو بن عوف کے ہاں دس سے کچھ زیادہ راتیں قیام فرمایا[2] اور اس دوران اس مسجد کی بنیاد رکھی جو تقویٰ پر قائم کی گئی تھی[3]۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مسجد میں نماز بھی ادا فرمائی[4]۔

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد ہفتم، صفحہ 655 میں فرمایا ہے: ''یہی بات معتبر ہے، جبکہ جس شخص نے جمعہ کا دن کہا ہے، اس کی یہ رائے شاذ ہے۔'' اور ابن اسحاق کی السیرۃ جلد دوم، صفحہ 105 میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ربیع الاول کی بارہ تاریخ گزرنے کے بعد، پیر کے دن قباء تشریف لائے۔

2- ابن اسحاق کی السیرۃ جلد دوم، صفحہ 108 میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے قباء میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں پیر، منگل، بدھ اور جمعرات کے دن قیام فرمایا اور اپنی مسجد کی بنیاد رکھی۔ البتہ بنی عمرو بن عوف کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ ان کے ہاں اس سے زیادہ دن قیام پذیر رہے تھے۔''

3- یہ مسجد قباء ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ جلد سوم، صفحہ 223 میں فرمایا: ''یہ مسجد مدینہ منورہ میں اسلام کے زمانے میں تعمیر ہونے والی پہلی مسجد تھی، بلکہ اس امت کے عام لوگوں کے لیے بنائی جانے والی پہلی مسجد تھی۔''

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3906، امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4323، اور ابن اسحاق نے السیرۃ جلد دوم، صفحہ 106 میں روایت کیا ہے۔

مسجد قباء کی تعمیر اور اس کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے قباء میں قیام کے دوران مسجد قباء تعمیر فرمایا۔ یہ اسلام میں مسلمانوں کی جماعت کے لیے تعمیر کی جانے والی پہلی مسجد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: ﴿لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَى مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾(التوبۃ:108)۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: "حقیقت میں یہ پہلی مسجد ہے جہاں نبی کریم ﷺ نے علانیہ طور پر اپنے صحابہ کے ساتھ باجماعت نماز ادا فرمائی، اور یہ مسلمانوں کی جماعت کے لیے تعمیر کی جانے والی پہلی مسجد ہے"۔[2]

مدینہ منورہ میں قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ مسجد قباء تشریف لے جاتے اور وہاں نماز ادا فرماتے تھے۔ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "رسول

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 656 میں فرمایا: "جمہور علماء کی رائے ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے، اور آیتِ کریمہ کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔"

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہفتم، صفحہ 656۔

اللہ ﷺ مسجد قباء کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیدل تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے"۔ (1)

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ ہر ہفتے کے دن مسجد قباء تشریف لے جاتے، کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر"۔ (2)

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ قباء کثرت سے تشریف لے جاتے تھے، کبھی پیدل اور کبھی سوار ہو کر"۔ (3)

ابن ماجہ اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام حاکم رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں: "رسول اللہ ﷺ بنی

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1194 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1399 اور 516 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1193 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1399 اور 521 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 1813 کے تحت روایت کیا ہے۔

عمرو بن عوف کی مسجد، یعنی مسجد قباء میں داخل ہوئے اور وہاں نماز ادا فرمائی۔ انصار کے کچھ لوگ آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو سلام کیا"۔ (1)

مسجد قباء میں نماز کی فضیلت مسجد قباء میں نماز کی فضیلت کے بارے میں امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور الفاظ ابن ماجہ کی روایت کے ہیں۔ حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے، پھر مسجد قباء آئے اور وہاں ایک نماز ادا کرے، تو اسے ایک عمرے کے برابر اجر ملے گا"۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کا قباء سے روانہ ہونا اور مدینہ منورہ میں داخل ہونا

جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ آپ ﷺ نے سواری کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی، یہاں تک کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہو گئے۔ اس وقت پورا ماحول خوشی اور مسرت سے بھرا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیے چلتی رہی، یہاں تک کہ بنی مالک بن نجار کے گھروں کے پاس پہنچی، جہاں

1- اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1017 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4324 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 15981 اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سنن میں حدیث نمبر 1412 کے تحت روایت کیا ہے۔

آج مسجد نبوی ﷺ کی جگہ ہے۔ وہاں اونٹنی بیٹھ گئی۔ یہ جگہ بنی نجار کے علاقے میں، حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے سامنے تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور یہاں الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے انصار کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا، تو وہ نبی اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو سلام کیا اور عرض کیا: "آپ دونوں اطمینان کے ساتھ سوار ہو جائیں، ہم آپ کی اطاعت کرنے والے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سوار ہو گئے اور انصار ہتھیار لیے آپ دونوں کے ارد گرد چلنے لگے۔ مدینہ منورہ میں اعلان ہو گیا کہ اللہ کے نبی ﷺ تشریف لے آئے ہیں۔ لوگ آپ ﷺ کو دیکھنے کے لیے گھروں سے باہر نکل آئے اور کہتے جاتے تھے: ''اللہ کے نبی ﷺ تشریف لے آئے ہیں!'' رسول اللہ ﷺ چلتے ہوئے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب پہنچے اور وہاں قیام فرمایا۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''ہمارے خاندان والوں میں سے کس کا گھر ہمارے سب سے قریب ہے''؟، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! میں ہی ہوں۔ یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جاؤ اور ہمارے لیے آرام کرنے کی جگہ تیار کرو"۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ گئے اور دونوں کے لیے آرام کرنے کی جگہ تیار کی۔ پھر واپس آکر عرض کیا: "اے

اللہ کے نبی! میں نے آپ دونوں کے لیے آرام کرنے کی جگہ تیار کر دی ہے، اللہ کی برکت کے ساتھ تشریف لے جایئے اور آرام فرمایئے"۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے۔ لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اونٹنی مدینہ میں مسجدِ نبوی ﷺ کی موجودہ جگہ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہاں مسلمانوں میں سے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ جگہ سہیل اور سہل نامی دو یتیم بچوں کی تھی، جو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ وہاں کھجوریں سکھانے کی جگہ تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ان شاء اللہ، یہی ہماری منزل ہے"۔ (2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ لوگوں نے آپ ﷺ کا استقبال کیا۔ وہ راستوں اور گھروں کی چھتوں پر نکل آئے۔ خادم اور بچے راستوں میں خوشی سے دوڑ رہے تھے اور بلند آواز سے کہہ رہے تھے: "اللہ اکبر! اللہ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3911 اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 13205 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3906 کے تحت روایت کیا ہے۔

کے رسول ﷺ تشریف لے آئے! محمد ﷺ تشریف لے آئے!"، لوگ اس بات پر بحث کرنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کس کے گھر قیام فرمائیں گے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آج رات میں بنی نجار کے ہاں قیام کروں گا، جو عبدالمطلب کے ننھیالی رشتہ دار ہیں، تاکہ اس طرح ان کی عزت و تکریم ہو"۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حضرت ابوایوب خالد بن زید رضی اللہ عنہ کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے گھر قیام فرمایا۔ اسی طرح بنی نجار کے ہاں آپ ﷺ کا قیام اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کے لیے اس گھر کا انتخاب بھی ایک عظیم فضیلت ہے۔ اس زمانے میں مدینہ منورہ میں تقریباً نو محلے تھے۔ ہر محلہ اپنے گھروں، کھجوروں کے باغات، کھیتیوں اور رہنے والوں کے ساتھ ایک الگ بستی کی حیثیت رکھتا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے مخصوص محلے میں آباد تھا اور یہ محلے ایک دوسرے سے ملے ہوئے دیہات کی طرح تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لیے بنی مالک بن نجار کے گھرانے کو منتخب فرمایا"۔ (2)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 3 کے تحت روایت کیا ہے، جبکہ اسی روایت کا یہ حصہ: "آج رات میں بنی نجار کے ہاں قیام کروں گا..." امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2009 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد سوم، صفحہ 216۔

مدینہ منورہ الگ الگ بستیوں پر مشتمل تھا

نبی کریم ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ مختلف الگ الگ بستیوں پر مشتمل تھا۔ انصار کے ہر خاندان اور قبیلے کے لوگ اپنے اپنے علاقے میں آباد تھے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یثرب[1] ابھی ایک باقاعدہ شہر کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ مختلف بستیوں پر مشتمل تھا"۔ بنی مالک بن نجار ایک الگ بستی میں آباد تھے، جو ایک محلے کی طرح تھی اور اسے بنی فلاں کا علاقہ یا گھر کہا جاتا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: "انصار کے گھروں میں سب سے بہتر گھرانہ بنی نجار کا ہے"۔[2] اسی طرح بنی عدی بن نجار کا اپنا علاقہ تھا، بنی مازن بن نجار کا اپنا علاقہ تھا، بنی سالم کا اپنا علاقہ تھا، بنی ساعدہ کا اپنا علاقہ تھا، بنی حارث بن خزرج کا اپنا علاقہ تھا، بنی عمرو بن عوف کا اپنا علاقہ تھا، بنی عبدالاشہل کا اپنا علاقہ تھا، اور اسی طرح انصار کے دیگر خاندان بھی اپنے اپنے علاقوں میں آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انصار کے تمام خاندانوں کے علاقوں میں خیر ہے"۔[3]

1- یثرب ہی مدینہ نبوی ہے، اور زمانہ جاہلیت میں اس کا یہی نام تھا۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

2- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3789 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2511 اور 117 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3789 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2511 اور 117 کے تحت روایت کیا ہے۔

دیکھیں: امام ذہبی رحمہ اللہ کی السیرۃ النبویۃ، جلد اول، صفحہ 286۔

مدینۂ نبوی کے فضائل

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے مدینۂ منورہ کو شرف حاصل ہوا، اور یہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کے نیک بندوں کے لیے پناہ گاہ بن گیا، مسلمانوں کے لیے مضبوط قلعہ اور محفوظ حصار بن گیا، اور تمام جہان والوں کے لیے ہدایت کا مرکز بن گیا۔ مدینۂ منورہ کی فضیلت کے بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں"۔[1]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی دونوں صحیحوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یقیناً ایمان مدینہ کی طرف اسی طرح سمٹ کر آتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ کر جاتا ہے"۔[2]

مسجدِ نبوی کی تعمیر

مدینۂ نبوی میں قیام کے بعد رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا کام مسجدِ نبوی کی تعمیر کا کیا۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی دونوں صحیح میں حضرت انس بن

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد سوم، صفحہ 218۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1876 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 147 کے تحت روایت کیا ہے۔

مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور بنی نجار کے معزز لوگوں کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے بنی نجار! اپنے اس باغ [1] کی قیمت بتاؤ"۔ انہوں نے عرض کیا: "اللہ کی قسم! ہم اس کی قیمت صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں"۔ [2]

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی سواری مسجد کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ اس وقت وہاں مسلمانوں میں سے کچھ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ جگہ کھجوریں خشک کرنے کے لیے استعمال ہوتی تھی، اور یہ سہیل اور سہل نامی دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، جو حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی کفالت میں تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی سواری وہاں آکر بیٹھ گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'یہ ان شاء اللہ ہماری منزل ہے۔' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ کو مسجد بنانے کے لیے اس کی قیمت طے کرنے کے سلسلے میں ان سے بات کی۔ انہوں نے عرض کیا: 'نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم یہ جگہ آپ کو بطورِ ہبہ دے دیتے ہیں۔' لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کا یہ

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہفتم، صفحہ 683 پر فرماتے ہیں: "پہلے گزر چکا ہے کہ یہ جگہ مزبد تھی، لہٰذا ممکن ہے کہ ابتدا میں یہاں ایک چار دیواری تھی، پھر وہ ویران ہو گئی اور یہ جگہ مزبد بن گئی"۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3932 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 524 اور 9 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہبہ قبول کرنے سے انکار فرمایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے وہ جگہ ان دونوں سے خرید لی، پھر اسے مسجد بنادیا"۔ (1)

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع فرمائی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی جگہ بنی نجار کی ملکیت تھی۔ وہاں کھجور کے درخت، کھیتی اور زمانۂ جاہلیت کی کچھ قبریں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ کھجور کے درخت کاٹ دیے جائیں، کھیتی کو ختم کر دیا جائے اور قبروں کو کھود کر نکال دیا جائے"۔ (2)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی قبروں کو کھود کر نکالنے، ویران جگہ کو ہموار کرنے اور کھجور کے درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا۔ پھر کھجور کے ان درختوں کو مسجد کی قبلہ والی جانب قطار میں لگا دیا گیا اور مسجد کے دونوں جانب لکڑی کے ستون بنائے گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پتھر اٹھا اٹھا کر لے جا رہے تھے اور اس دوران اشعار پڑھ رہے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ تھے۔ وہ یہ اشعار پڑھتے تھے:

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3906 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12242 کے تحت روایت کیا ہے۔

اللهم إنه لا خير إلا خير الآخرة فانصر الأنصار والمهاجرة.

ترجمہ: اے اللہ! حقیقی خیر تو صرف آخرت کی خیر ہے، لہٰذا انصار اور مہاجرین کی مدد فرما۔[1]

مسجدِ نبوی انتہائی سادہ انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت نافع رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا: "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مسجدِ نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی، اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی اور اس کے ستون کھجور کی لکڑی کے تھے"۔[2]

ازواجِ مطہرات کے حجرات کی تعمیر

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجدِ مبارک کے ارد گرد اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے رہنے کے لیے حجرے تعمیر فرمائے۔ یہ حجرے بھی نہایت سادہ انداز میں بنائے گئے تھے۔ اس وقت حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے لیے ایک حجرہ تھا اور دوسرا

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 428 اور 3932، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 524 اور 9 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 446 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے؛ کیونکہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ داؤد بن قیس رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے ازواجِ مطہرات کے حجرات دیکھے، وہ کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور باہر سے بالوں سے بنے ہوئے ٹاٹ سے ڈھکے ہوئے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ حجرے کی چوڑائی، حجرے کے دروازے سے گھر کے دروازے تک تقریباً چھ یا سات ہاتھ تھی، جبکہ اندر سے گھر کی لمبائی تقریباً دس ہاتھ تھی۔ اسی طرح میرا اندازہ ہے کہ اس کی موٹائی تقریباً سات یا آٹھ ہاتھ کے درمیان تھی۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے پر کھڑا ہوا تو وہ مغرب کی طرف تھا"۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ محمد بن ہلال رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجرات دیکھے، جو کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے اور بالوں سے بنے ہوئے ٹاٹ سے ڈھکے ہوئے تھے۔ محمد بن ہلال رحمہ اللہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "اس کا دروازہ شام کی سمت تھا"۔ میں نے پوچھا: "کیا وہ ایک پٹ والا دروازہ تھا یا دو پٹ والا؟" انہوں نے فرمایا: "ایک ہی پٹ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں حدیث نمبر 451 کے تحت روایت کیا ہے۔

والا دروازہ تھا"۔ میں نے پوچھا: "وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا"؟ انہوں نے فرمایا: "عرعر[1] یا ساج[2] کی لکڑی کا"۔

مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات

پھر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار رضی اللہ عنہم کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا۔ یہ مواخات حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر میں قائم کی گئی۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیح میں، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے ہمارے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان باہمی بھائی چارہ قائم فرمایا"۔ راوی سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ایسا لگتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا"۔[3]

1- عرعر صنوبر کی ایک قسم کے درخت ہیں۔ دیکھیں: المعجم الوسیط، جلد دوم، صفحہ 595۔

2- ساج وہ لکڑی ہے جو ہندوستان سے لائی جاتی ہے، اور اس کی ایک لکڑی کو ساجہ کہا جاتا ہے۔ دیکھیں: لسان العرب، جلد ششم، صفحہ 419۔

اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں حدیث نمبر 776 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2294 اور 7340، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2529، 204 اور 205، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12089 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "مواخات کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے ابتدائی دنوں میں ہوا، اور جو لوگ اسلام قبول کرکے مدینہ آتے یا مدینہ منورہ میں حاضر ہوتے، ان کے لحاظ سے آپ ﷺ وقتاً فوقتاً مواخات کا سلسلہ جاری رکھتے تھے"۔ (1)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کے اصول پر مواخات قائم فرمائی، اور وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنتے تھے، جبکہ ان کے رشتہ دار وارث نہیں بنتے تھے۔ یہ سلسلہ غزوۂ بدر تک جاری رہا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (سورۃ الأنفال: 75) تو وراثت کا حق اخوت کے معاہدے کے بجائے رشتہ داری کی بنیاد پر مقرر کر دیا گیا"۔ (2)

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾۔" انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اگر کعب (3) کا انتقال ہو جاتا اور اس کا کوئی وارث نہ ہوتا تو میں اس کا

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہفتم، صفحہ 690۔

2- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 77۔

3- اس سے مراد حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ ہیں۔

وارث بنتا، اور اگر میرا انتقال ہو جاتا تو وہ میرا وارث بنتا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾۔[1]

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ابتدائی طور پر مہاجرین ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے، جبکہ دیگر لوگ ایک دوسرے کے وارث نہیں بنتے تھے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾۔[2]

سنن ابی داؤد میں ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ایک شخص دوسرے شخص سے، جس کے درمیان کوئی نسبی رشتہ نہیں ہوتا تھا، بھائی چارے کا معاہدہ کر لیتا تھا، پھر دونوں میں سے ایک دوسرے کا وارث بنتا تھا۔ بعد میں سورۃ الأنفال کی یہ آیت نازل ہوئی اور اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ﴾۔[3]

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 8204 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 8200 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2901 کے تحت روایت کیا ہے۔

اذان[1] کی مشروعیت

اذان ہجرت کے پہلے سال[2] مشروع ہوئی۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی دونوں صحیحوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب مسلمان مدینہ منورہ تشریف لائے تو نماز کے وقت جمع ہوتے اور نماز کے لیے کوئی اعلان نہیں کیا جاتا تھا۔ ایک دن اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی مشورہ کیا۔ بعض نے کہا: نصاریٰ کی طرح ناقوس[3] بنالیا جائے، اور بعض نے کہا: یہود کی طرح بوق[4] بنایا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کسی ایسے شخص کو نہیں بھیج سکتے جو نماز کے لیے اعلان کرے[5]؟

1- اذان لغت میں اطلاع دینے اور اعلان کرنے کو کہتے ہیں۔ دیکھیں: لسان العرب، جلد اول، صفحہ 105۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ، آیت نمبر 3 میں فرمایا: ﴿وَأَذَانٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ﴾ اور شرعی اصطلاح میں اذان سے مراد مخصوص الفاظ کے ذریعے نماز کا وقت ہونے کا اعلان کرنا ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد اول، صفحہ 37۔ امام قرطبیؒ رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ہفتم، صفحہ 244 میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ (سورۃ المائدہ: 58) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اذان کا ذکر صرف اسی سورت میں آیا ہے۔ البتہ سورۃ الجمعہ میں جو اذان کا ذکر ہے، وہ خاص طور پر نمازِ جمعہ کے لیے ہے، جبکہ اس سورت میں مذکور اذان کا حکم تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد دوم، صفحہ 278 میں فرماتے ہیں: ''راجح بات یہ ہے کہ اذان ہجرت کے پہلے سال مشروع ہوئی۔''

3- ناقوس ایک لمبی لکڑی ہوتی ہے جسے اس سے چھوٹی لکڑی کے ذریعے بجایا جاتا ہے، اور نصاریٰ اس کے ذریعے اپنی نمازوں کے اوقات کا اعلان کرتے تھے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 92۔

4- بوق ایک کھوکھلا آلہ ہوتا ہے جس میں پھونک مار کر آواز نکالی جاتی ہے۔ دیکھیں: المعجم الوسیط، جلد اول، صفحہ 77۔

5- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد دوم، صفحہ 282 میں فرماتے ہیں: ''بظاہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مشورہ کہ کسی شخص کو مقرر کیا جائے جو نماز کے لیے اعلان کرے، اس مشورے کے نتیجے میں تھا کہ اس موقع پر نماز کے وقت لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا اذان سے متعلق خواب اس کے بعد کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم۔'' اور علامہ سندھی رحمہ اللہ شرح المسند جلد چہارم، صفحہ 271 میں فرماتے ہیں: ''یہاں 'اعلان' سے مراد الصلاۃ جامعۃ جیسے الفاظ کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لیے جمع ہونے کی

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے بلال! اٹھو اور نماز کے لیے اعلان کرو''[1]۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو انہوں نے مشورہ کیا کہ نماز کا وقت کسی ایسی چیز کے ذریعے معلوم کرایا جائے جسے لوگ پہچان سکیں۔ چنانچہ یہ تجویز پیش کی گئی کہ آگ جلائی جائے یا ناقوس بجایا جائے"۔[2]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ ابو عمیر بن انس سے، اور ان کے انصاری رشتہ داروں سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ اس بارے میں فکر مند ہوئے کہ نماز کے لیے لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے۔ آپ ﷺ سے کہا گیا: نماز کا وقت ہونے پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے، جب لوگ اسے دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو نماز کے وقت کی اطلاع دے دیں گے۔ لیکن آپ ﷺ کو یہ تجویز پسند نہیں آئی"۔[3]

اطلاع دینا ہے، نہ کہ معروف اذان؛ کیونکہ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات باہمی مشورے کے وقت کہی تھی، جبکہ معروف اذان حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے خواب کے بعد مشروع ہوئی۔''

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر **604** اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر **377** کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 606، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 378 اور 3 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 498 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام ابوداؤد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ یہ روایت حسن سند کے ساتھ مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ نے نماز کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ناقوس بجانے کا ارادہ فرمایا، لیکن نصاریٰ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے آپ ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے، تو میں رات کو سویا ہوا تھا۔ اسی دوران خواب میں ایک شخص میرے پاس آیا۔ اس نے سبز رنگ کے دو کپڑے پہن رکھے تھے اور اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا جسے وہ اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا تم یہ ناقوس فروخت کرتے ہو؟ اس نے کہا: تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعے نماز کے لیے لوگوں کو بلائیں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: تم یہ کہو: **اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ۔''

پھر وہ شخص تھوڑی دیر کے لیے مجھ سے دور ہوا اور کہا: ''جب تم نماز کے لیے اقامت کہو تو یہ کہو: اللَّهُ أَكْبَرُ، اللَّهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، اللَّهُ أَكْبَرُ،

اللّٰہُ أَکْبَرُ، لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ۔ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا، آپ ﷺ کو بتادیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہ ان شاءاللہ سچا خواب ہے۔' پھر آپ ﷺ نے اذان دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی طریقے کے مطابق اذان دیا کرتے تھے۔''

ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "بلال کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤ اور انہیں اذان کے کلمات بتاؤ، تاکہ بلال اذان دیں؛ کیونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند اور سریلی ہے"۔[1] حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف گیا اور انہیں اذان کے کلمات بتاتا جاتا تھا، جبکہ وہ بلند آواز سے اذان دیتے جاتے تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سنی تو باہر تشریف لائے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے بھی بالکل وہی خواب دیکھا ہے جو

1- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم جلد چہارم، صفحہ 67 میں فرماتے ہیں: ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان اور نماز کے اعلان کے لیے خاص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی آواز زیادہ بلند اور اچھی تھی۔ بعض اہلِ علم نے اَندیٰ صوتًا کا معنی زیادہ بلند آواز والا بیان کیا ہے، جبکہ بعض نے اس کا معنی زیادہ خوش آواز قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤذن کی آواز بلند اور اچھی ہونا مستحب ہے، اور اس بات پر اہلِ علم کا اتفاق ہے۔ ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر ہمارے سامنے ایک ایسا مؤذن ہو جس کی آواز اچھی ہو اور وہ اذان دینے کے عوض معاوضہ طلب کرے، جبکہ دوسرا شخص بغیر کسی معاوضے کے اذان دینے کے لیے تیار ہو لیکن اس کی آواز اچھی نہ ہو، تو ان دونوں میں سے کسے مقرر کیا جائے؟ اس بارے میں دو قول ہیں، اور صحیح قول یہ ہے کہ اچھی آواز والے مؤذن کو معاوضہ دے کر مقرر کیا جائے۔''

انہوں نے دیکھا ہے۔" ابوداؤد کی روایت میں مزید ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پس اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں"۔ (1)

❁ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجدِ نبوی تعمیر فرمائی تو اس وقت مسجد میں کوئی منارہ نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ ایک انصاری خاتون کے گھر کی چھت پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ میں حسن سند کے ساتھ بنی نجار کی ایک خاتون سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "میرا گھر مسجد کے آس پاس موجود گھروں میں سب سے بلند تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اسی گھر کی چھت پر فجر کی اذان دیا کرتے تھے۔ وہ سحری کے وقت آکر چھت پر بیٹھ جاتے اور فجر کا انتظار کرتے رہتے۔ جب فجر ظاہر ہوتی تو وہ اپنے جسم کو کھینچتے اور کہتے: "اے اللہ! میں تیری حمد بیان کرتا ہوں اور قریش کے مقابلے میں تیری مدد چاہتا ہوں کہ وہ تیرے دین کو قائم کریں۔' وہ خاتون فرماتی ہیں: پھر وہ اذان دیتے تھے"۔ (2)

رسول اللہ ﷺ نے انصار رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ مسجد میں فقراء اور مساکین کے لیے کھجور کے خوشے لٹکائے جائیں۔ امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 16477 اور 16478، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 499، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 706 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 519 اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ جلد دوم، صفحہ 123 میں روایت کیا ہے۔

اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ہر شخص جس کے پاس دس وسق[1] کھجوریں ہوں، وہ ان میں سے ایک کھجور کا خوشہ مسجد میں مسکینوں کے لیے لٹکائے"۔[2]

امام ترمذی، امام ابن ماجہ اور امام حاکم رحمہم اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 267) کے بارے میں انہوں نے فرمایا: "یہ آیت ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی۔ ہم کھجوروں والے لوگ تھے۔ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق اپنی کھجوروں میں سے کچھ لاتا۔ کوئی ایک خوشہ لاتا اور کوئی دو خوشے، اور انہیں مسجد میں لٹکا دیتا[3]۔ اصحابِ صفہ[4] کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں ہوتا تھا، چنانچہ جب ان میں سے کسی کو بھوک لگتی تو وہ مسجد میں لٹکے ہوئے کھجور کے خوشے کے پاس آتا اور اپنی لاٹھی سے اسے مارتا، جس سے کچی اور پکی کھجوریں گر جاتیں اور وہ انہیں کھا لیتا۔

1- وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 161۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14867 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1602 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسے اپنی تفسیر، جلد سوم، صفحہ 622 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: "یہ سند اچھی اور مضبوط ہے"۔

3- ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں دو ستونوں کے درمیان ایک رسی سے لٹکا دیا جاتا تھا۔

4- ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں مہاجرین کے فقراء کا ذکر ہے۔

لیکن بعض ایسے لوگ بھی تھے جو خیر میں رغبت نہیں رکھتے تھے۔ وہ ایسا خوشہ لاتے جس میں خراب اور بے کار کھجوریں ہوتیں، یا ایسا خوشہ لاتے جو ٹوٹا ہوا ہوتا، پھر اسے مسجد میں لٹکا دیتے[1]۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ﴾[2]۔

بستیوں میں مساجد بنانے کا حکم

رسول اللہ ﷺ نے بستیوں اور محلوں میں مساجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے بستیوں اور محلوں میں مساجد تعمیر کرنے، انہیں صاف رکھنے اور خوشبو سے معطر کرنے کا حکم دیا"۔

1- ابن ماجہ اور حاکم کی روایت میں ہے کہ ان میں سے کوئی شخص خراب کھجوروں کا خوشہ لاکر اس میں شامل کر دیتا تھا، یہ سمجھتے ہوئے کہ بہت سے خوشے لٹکائے جانے کی وجہ سے اس کا بھی کوئی حرج نہیں ہوگا۔

2- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3230، امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1822، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3164 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفیان رحمہ اللہ نے فرمایا: ''مساجد کو دور میں تعمیر کرنے'' سے مراد قبائل اور بستیوں میں مساجد تعمیر کرنا ہے۔ (1)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''دار'' سے مراد بستی ہے، اور دارِ بنی عوف سے مراد قباء ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد بنی مالک بن نجار کے علاقے میں تعمیر فرمائی، اور اس وقت یہ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ (2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اپنی بستیوں اور محلوں میں مساجد تعمیر کریں، ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کریں اور انہیں پاک صاف رکھیں"۔ (3)

علامہ سندی رحمہ اللہ ''وَأَنْ تُصْلِحَ صَنْعَتَهَا'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس سے مراد مسجد کی تعمیر کو مضبوط اور پائیدار بنانا اور اس پر حلال مال خرچ کرنا ہے، نہ کہ اسے زیب و زینت سے آراستہ کرنا"۔ (4)

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 600 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 455 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے فتح الباری جلد اول، صفحہ 455 میں ذکر کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیں: السیرۃ النبویہ، امام ذہبی رحمہ اللہ، جلد اول، صفحہ 286۔

2- دیکھیں: السیرۃ النبویہ، امام ذہبی رحمہ اللہ، جلد اول، صفحہ 286۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23146 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- دیکھیں: شرح السندی للمسند، جلد 13، صفحہ 382۔

میں کہتا ہوں: یہ حکم ہجرت کے پہلے سال دیا گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا صحیفہ لکھنا اور یہودیوں سے معاہدہ کرنا

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان ایک تحریر لکھی، اور اس میں یہودیوں سے بھی معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا، انہیں ان کے دین اور ان کے مال پر برقرار رکھا، اور ان کے لیے کچھ شرائط مقرر کیں اور ان پر بھی کچھ شرائط عائد کیں"۔ (1)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں موجود یہودیوں کے ساتھ معاہدہ کیا اور اپنے اور ان کے درمیان ایک تحریر لکھی"۔ (2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ نے ہر خاندان کے ذمے اس کے دیت کے متعلق احکام تحریر فرما دیے"۔

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحات 115 اور 118۔

2- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 79۔

میں کہتا ہوں: ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اس صحیفے کی دفعات ذکر کی ہیں۔ اگرچہ اس کی سند ثابت نہیں، لیکن سیرتِ نبویہ کے واقعات میں ایسی باتیں ثابت ہیں جو اس کی دفعات کی تائید کرتی ہیں[1]۔

ایک اہم فائدہ:

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ﴾ (سورۃ المائدہ: 5) ”یہ آیت اس معاملے میں واضح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ معاملات کیے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس چند جو کے عوض رہن تھی، جو آپ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ کے لیے لیے تھے[2]۔ شک اور اختلاف کو دور کرنے والی قطعی دلیل یہ ہے کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اہلِ حرب کے ساتھ تجارت کرنا جائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے خود بھی تجارت کی غرض سے ان کے علاقوں کا سفر فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کا یہ سفر اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے علاقوں کا سفر کرنا اور ان کے ساتھ تجارت کرنا جائز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ سفر نبوت سے پہلے کا تھا، تو ہم کہیں گے کہ نبوت سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کبھی حرام کام نہیں کیا، اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے۔ جب آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی تو آپ ﷺ نے اس سے معذرت

1- اسے ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے، جلد دوم، صفحات 115 اور 118۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2200، 2209 اور 516 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1603 کے تحت روایت کیا ہے۔

نہیں کی، نہ ہی نبوت کے بعد آپ ﷺ کو اس سے منع کیا گیا، اور نہ ہی آپ ﷺ کی زندگی میں کسی صحابی نے اسے ترک کیا، نہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں میں سے کسی نے اسے ترک کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیدیوں کو چھڑانے کے لیے بھی ان کے علاقوں کا سفر کرتے تھے، اور یہ ایک واجب کام تھا۔ اسی طرح صلح کے معاملات کے لیے بھی سفر کرتے تھے، جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا گیا۔ یہ سفر کبھی واجب ہوتا تھا اور کبھی مستحب۔ رہا محض تجارت کی غرض سے ان کے علاقوں کا سفر کرنا، تو یہ مباح ہے"۔ (1)



1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد ہفتم، صفحات 216-217۔

غزواتِ[1] نبویہ

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں قیام فرما ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد اور اہلِ ایمان کے ذریعے آپ ﷺ کو قوت عطا فرمائی، نیز انصار کے دلوں کو ان سابقہ دشمنیوں اور باہمی رنجشوں کے بعد ایک دوسرے سے جوڑ دیا، تو اللہ کے انصار اور اسلام کے لشکر نے آپ ﷺ کو سیاہ و سفید ہر طرح کے لوگوں سے محفوظ رکھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دیں اور آپ ﷺ کی محبت کو اپنے والدین، اولاد اور بیویوں کی محبت پر مقدم رکھا۔ آپ ﷺ ان کے نزدیک ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ عرب اور یہودی سب مل کر ان کے خلاف صف آرا ہو گئے اور ہر طرف سے ان کے خلاف دشمنی اور جنگ کا اعلان کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر، در گزر اور تحمل کا حکم دیتا رہا، یہاں تک کہ مسلمانوں کی قوت مضبوط ہو گئی اور ان کی طاقت میں اضافہ ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے انہیں جنگ کی اجازت دی، لیکن اسے ان پر فرض نہیں کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (سورۃ الحج: 39) ”ان لوگوں کو جن سے جنگ کی جا رہی ہے، اجازت دے دی گئی ہے، کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے، اور بے شک اللہ ان کی مدد کرنے پر پوری قدرت

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد 8، صفحہ 3 میں فرماتے ہیں: "یہاں مغازي سے مراد وہ واقعات ہیں جن میں نبی کریم ﷺ نے خود یا اپنی طرف سے کسی لشکر کے ذریعے کفار کا مقابلہ کرنے کا قصد فرمایا۔ کفار کا قصد کرنا عام ہے، خواہ ان کے علاقوں کی طرف جانے کے لیے ہو یا ان مقامات کی طرف جہاں وہ مقیم تھے، یہاں تک کہ غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق بھی اس میں شامل ہیں"۔
شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ منہاج السنۃ جلد 8، صفحہ 117۔ میں فرماتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غزوات، خصوصاً وہ غزوات جن میں قتال ہوا، اہلِ علم کے نزدیک معروف، مشہور، محفوظ اور متواتر ہیں۔ آپ ﷺ کے حالات سے متعلق احادیث، فقہ، تفسیر، مغازی، سیرت اور دیگر کتابوں میں ان کا ذکر موجود ہے"۔

رکھتا ہے۔''اس کے بعد ان پر صرف ان لوگوں کے خلاف قتال فرض کیا گیا جو ان سے جنگ کرتے تھے، ان لوگوں کے خلاف نہیں جو ان سے جنگ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ﴾ (سورۃ البقرۃ: 190) ''اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔'' پھر اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ قتال کا حکم مختلف مراحل سے گزرا: پہلے یہ ممنوع تھا، پھر اس کی اجازت دی گئی، پھر ان لوگوں کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا جو مسلمانوں سے جنگ شروع کریں، اور اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا۔ اس کی فرضیت کے بارے میں دو اقوال ہیں: ایک قول کے مطابق یہ ہر فرد پر فرضِ عین ہے، جبکہ مشہور قول کے مطابق فرضِ کفایہ ہے۔[1]

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ ساتھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! جب ہم مشرک تھے تو ہم عزت و طاقت میں تھے، لیکن جب ہم ایمان لائے تو ذلت و کمزوری کا شکار ہو گئے!''

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحات 84 اور 86۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے در گزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ان لوگوں سے جنگ نہ کرو۔'' پھر جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو آپ ﷺ نے انہیں قتال کرنے کا حکم دیا۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا گیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگوں نے اپنے نبی کو نکال دیا، اب یہ لوگ ضرور ہلاک ہوں گے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ﴾ (سورۃ الحج: 39)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہو گیا کہ اب قتال ضرور ہو گا"۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام فرما رہے۔ اس دوران آپ ﷺ پر مکی سورتیں نازل ہوتی رہیں، اور ان سورتوں میں مشرکین کے ساتھ بحث و گفتگو، توحید کی وضاحت و تشریح اور اس کے دلائل و شواہد بیان کیے گئے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان لوگوں پر حجت قائم ہو گئی جنہوں نے اس کے دین کی مخالفت کی تو ہجرت کا حکم دیا گیا، اور اس

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 2408 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1865 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3444 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔

کے بعد ان لوگوں کے خلاف تلوار کے ذریعے قتال اور گردنیں مارنے کا حکم دیا گیا جو قرآن کی مخالفت، اس کی تکذیب اور اس کے ساتھ عناد کرتے تھے"۔ (1)

سریۂ سیف البحر

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے پہلے سال ماہِ رمضان میں، مدینہ منورہ ہجرت کے سات ماہ بعد سریۂ سیف البحر روانہ فرمایا۔ اس کی قیادت حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی، اور ان کے ساتھ مہاجرین (2) کے تیس سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک سفید جھنڈا عطا فرمایا۔ اس سریہ کا مقصد قریش کے اس تجارتی قافلے کو روکنا تھا جو شام سے آرہا تھا۔ اس قافلے کے ساتھ ابو جہل بن ہشام بھی تین سو آدمیوں کے ہمراہ تھا۔ جب مسلمان سیف البحر پہنچے تو دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہو گیا اور وہ قتال کے لیے صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اس موقع پر مجدي بن عمرو الجُهني آگے بڑھے۔ وہ دونوں گروہوں کے حلیف تھے۔ انہوں نے دونوں کے درمیان حائل ہو کر قتال رکوا دیا، چنانچہ دونوں گروہوں کے درمیان جنگ نہیں ہوئی۔ (3)

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ 188۔

2- ابن سعد رحمہ اللہ الطبقات الکبریٰ جلد دوم، صفحہ 1۔ میں فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر سے پہلے کسی مہم پر کسی انصاری صحابی کو روانہ نہیں فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے آپ ﷺ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔ اور ہمارے نزدیک یہی بات ثابت اور قابل اعتماد ہے"۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 207؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحات 1-2۔

حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کا سریہ رابغ کی طرف

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کو مہاجرین کے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ بطنِ رابغ کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ واقعہ ماہِ شوال میں، رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے آٹھ ماہ بعد پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک سفید جھنڈا مقرر فرمایا، جسے حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ وہاں ان کا سامنا ابوسفیان بن حرب سے ہوا، جو دو سو آدمیوں کے ساتھ بطنِ رابغ میں موجود تھا۔ یہ مقام جُحفہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا۔ دونوں کے درمیان باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی، بلکہ معمولی جھڑپ ہوئی۔ اسی موقع پر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک تیر چلایا، اور یہ اسلام میں چلایا جانے والا پہلا تیر تھا۔ اس کے بعد دونوں گروہ واپس لوٹ گئے۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں عربوں میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا"۔ (2)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سریہ خرّار (3) کی طرف

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو خرّار کی طرف روانہ فرمایا۔ یہ واقعہ ماہِ ذوالقعدہ میں، رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے نو ماہ بعد

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 203؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد اول، صفحہ 252۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3728 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- خرّار، خاء پر زبر اور پہلی راء پر تشدید کے ساتھ، جُحفہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 21۔

پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک سفید جھنڈا مقرر فرمایا، جسے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مہاجرین کے بیس[1] آدمی بھیجے تاکہ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کو روک سکیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ہدایت فرمائی کہ وہ خرّار سے آگے نہ بڑھیں۔ وہ لوگ پیدل روانہ ہوئے۔ دن کے وقت چھپ کر رہتے اور رات کو سفر کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح کے وقت خرّار پہنچے۔ وہاں معلوم ہوا کہ قافلہ ایک دن پہلے ہی وہاں سے گزر چکا تھا۔ چنانچہ وہ کسی مڈبھیڑ کے بغیر مدینہ منورہ واپس آ گئے[2]۔

1- یہ وہی ہے جو ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات الکبریٰ، جلد اول، صفحہ 252 میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد دوم، صفحہ 212 میں ذکر کیا ہے کہ وہ آٹھ افراد تھے۔ واللہ اعلم۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 212؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد اول، صفحہ 252۔

ہجرت کا دوسرا سال

غزوۂ ابواء یا غزوۂ ودّان [1]

یہ رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا غزوہ تھا جس میں آپ ﷺ خود تشریف لے گئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے کہا: ''نبی کریم ﷺ نے سب سے پہلے غزوۂ ابواء میں شرکت فرمائی، پھر غزوۂ بواط اور اس کے بعد غزوۂ عشیرہ میں تشریف لے گئے''۔ [2]

یہ غزوہ صفر کے مہینے میں، رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے بارہ ماہ بعد پیش آیا۔ آپ ﷺ کا جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے، اور وہ سفید رنگ کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ مہاجرین کے ستر آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، ان میں کوئی انصاری شامل نہیں تھا۔ آپ ﷺ ابواء تک تشریف لے گئے تاکہ قریش کے تجارتی قافلے کو روک سکیں، لیکن وہاں کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 4۔ میں فرماتے ہیں: ''ابواء اور ودّان دو ایک دوسرے کے قریب واقع مقامات ہیں، جن کے درمیان تقریباً چھ یا آٹھ میل کا فاصلہ ہے۔'' اسی وجہ سے حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''جبکہ وہ ابواء یا ودّان میں تھے۔'' حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1855 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1103 اور 50 کے تحت روایت کی ہے۔

2- امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں کتاب المغازی، باب غزوۂ عشیرہ یا عُسیرہ کے تحت تعلیقاً ذکر کیا ہے۔

اس غزوے کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مَخْشِي بن عمرو ضَمُری کے ساتھ معاہدہ کیا۔ وہ اس زمانے میں بنو ضمرہ کے سردار تھے۔ اس معاہدے کے مطابق رسول اللہ ﷺ بنو ضمرہ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے، اور وہ بھی آپ ﷺ کے خلاف جنگ نہیں کریں گے، نہ آپ ﷺ کے مقابلے میں لوگوں کو جمع کریں گے اور نہ آپ ﷺ کے دشمن کی مدد کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ ایک تحریری معاہدہ بھی کیا۔ اس غزوے کے دوران رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے پندرہ راتیں باہر رہے۔[1]

غزوۂ بواط[2]

یہ رسول اللہ ﷺ کا دوسرا غزوہ تھا۔ یہ واقعہ ربیع الاول میں، آپ ﷺ کی ہجرت کے تیرہ ماہ بعد پیش آیا۔ آپ ﷺ کا جھنڈا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت سعد بن معاذ[3] رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مہاجرین میں سے روانہ ہوئے، تاکہ قریش کے ایک تجارتی

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 203؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 252۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 4۔ میں فرماتے ہیں: "بواط باء پر زبر کے ساتھ ہے، اگرچہ اس پر پیش بھی پڑھا جاتا ہے، اور واو کو مخفف پڑھا جاتا ہے۔ یہ جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے، جو ینبع کے قریب واقع ہے"۔

3- یہ وہی ہے جو ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات الکبریٰ، جلد دوم، صفحہ 253 میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 210 میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

قافلے کو روک سکیں۔ اس قافلے میں امیہ بن خلف جمحی[1]، قریش کے ایک سو آدمی اور ڈھائی ہزار اونٹ تھے۔ رسول اللہ ﷺ رضویٰ[2] کی جانب واقع بواط تک تشریف لے گئے، لیکن وہاں کوئی مڈبھیڑ نہیں ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے[3]۔

غزوۂ عشیرہ[4]

یہ رسول اللہ ﷺ کا تیسرا[5] غزوہ تھا۔ یہ واقعہ جمادی الآخرہ میں، آپ ﷺ کی ہجرت کے سولہ ماہ بعد پیش آیا۔ آپ ﷺ کا جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے اور وہ سفید رنگ کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ

1- یہ شخص غزوۂ بدر کبریٰ میں کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

2- رَضْوَی، راء پر زبر اور ضاد ساکن کے ساتھ، ینبع کے قریب ایک مشہور اور عظیم پہاڑ ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان، جلد چہارم، صفحہ 409۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 210؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 253۔

4- ابن اثیر رحمہ اللہ النہایہ جلد سوم، صفحہ 217؛ میں فرماتے ہیں: ''عشیرہ ینبع کے علاقے میں واقع ایک مقام کا نام ہے۔'' صحیح بخاری، حدیث نمبر 3949 میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے عُسَیرہ یا عُشَیر کے لفظ سے بیان کیا۔ شعبہ رحمہ اللہ نے یہ بات قتادہ رحمہ اللہ کے سامنے ذکر کی تو قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''عشیرہ۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 6۔ میں فرماتے ہیں: "قتادہ رحمہ اللہ کا یہی قول اہلِ سیرت کے نزدیک متفق علیہ ہے، اور یہی درست ہے"۔

5- میں کہتا ہوں: غزوۂ عشیرہ کا نبی کریم ﷺ کا تیسرا غزوہ ہونا اس روایت کے منافی نہیں جو صحیح بخاری، حدیث نمبر 3009 اور 3949، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 1251 میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلا غزوہ کون سا کیا تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ''ذات العُسَیر یا العُشَیر۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی مراد وہ پہلا غزوہ ہے جس میں انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت کی تھی۔ اس کی تائید امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں حدیث نمبر 19182 میں صحیح سند سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ابو اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے کتنے غزوات میں شرکت فرمائی؟ انہوں نے فرمایا: ''انیس غزوات میں۔'' میں نے ان میں سے سترہ غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شرکت کی، جبکہ آپ ﷺ نے مجھ سے پہلے دو غزوات میں شرکت فرمائی تھی۔

نے مدینہ منورہ میں حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ مہاجرین کے ایک سو پچاس، اور ایک قول کے مطابق دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے کسی کو زبردستی ساتھ نہیں لیا۔ یہ لوگ تیس اونٹوں پر سوار تھے اور باری باری ان پر سوار ہوتے ہوئے قریش کے اس تجارتی قافلے کو روکنے کے لیے روانہ ہوئے جو شام کی طرف جارہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ملی تھی کہ یہ قافلہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوچکا ہے اور اس میں قریش کا بہت سامال ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ عشیرہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ اس سے کئی دن پہلے ہی وہاں سے گزر چکا ہے۔ یہی وہ قافلہ تھا جس کی واپسی پر رسول اللہ ﷺ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے تھے، اور یہی وہ قافلہ تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے قتال اور ذات الشوکۃ یعنی مسلح گروہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کبریٰ کے موقع پر پیش آیا۔ (1)

غزوۂ سفوان (2) یا بدرِ اولیٰ

رسول اللہ ﷺ غزوۂ عشیرہ سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ میں دس راتوں سے بھی کم قیام فرمایا تھا کہ کُرز بن جابر فہری (3) نے مدینہ منورہ کے مویشیوں پر حملہ کر کے انہیں ہانک لیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے ستر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کا سفید جھنڈا حضرت علی بن ابی

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 210؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 253۔

2- سَفْوان، سین اور فاء پر زبر کے ساتھ، بدر کی جانب واقع ایک وادی کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 338۔

3- بعد میں کُرز بن جابر رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور ان کا اسلام بہت اچھا رہا۔

طالب رضی اللہ عنہ اٹھائے ہوئے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے تعاقب میں چلتے رہے، یہاں تک کہ بدر کی جانب واقع ایک وادی صفوان تک پہنچ گئے، لیکن کُرز بن جابر فہری آپ ﷺ کے ہاتھ نہ آسکا اور آپ ﷺ اس کا تعاقب نہ کر سکے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے[1]۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا سریہ نخلہ[2] کی طرف

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کو نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مہاجرین کے آٹھ[3] افراد بھیجے، ان میں کوئی انصاری شامل نہیں تھا۔ یہ واقعہ رجب میں، ہجرت کے سترہ ماہ بعد پیش آیا۔ ان میں سے ہر دو آدمی باری باری ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک تحریر لکھی اور انہیں حکم دیا کہ وہ دو دن کا سفر کرنے سے پہلے اسے نہ دیکھیں۔ پھر دو دن کے بعد اسے کھول کر دیکھیں اور اس میں جو حکم دیا گیا ہے، اسی کے مطابق آگے بڑھیں، اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی اس کے بارے میں مجبور نہ کریں۔

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 213؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 253۔

2- نخلہ حجاز میں واقع ایک مقام ہے جو مکہ مکرمہ کے قریب ہے۔ وہاں کھجور کے درخت اور کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ دیکھیں: معجم البلدان، جلد ہشتم، صفحہ 381۔

3- یہ روایت ابن اسحاق نے سیرت، جلد دوم، صفحہ 213 میں ذکر کی ہے، جبکہ ابن سعد نے الطبقات الکبریٰ، جلد دوم، صفحہ 253 میں **بارہ افراد** کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔ دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد انہوں نے وہ تحریر کھولی تو اس میں لکھا تھا: "جب تم میری یہ تحریر پڑھ لو تو آگے بڑھتے ہوئے نخلہ پہنچو، جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ وہاں قریش کی نگرانی کرو اور ان کے حالات کے بارے میں ہمیں معلومات فراہم کرو"۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم حکم سن کر اس کی تعمیل کرتے ہیں"۔ پھر انہوں نے اپنے ساتھیوں کو اس تحریر میں موجود حکم سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کسی کو اس سفر پر جانے کے لیے مجبور نہیں کریں گے۔ پھر فرمایا: "تم میں سے جو شخص شہادت کا خواہش مند ہے، وہ آگے بڑھے، اور جو موت کو ناپسند کرتا ہے، وہ واپس چلا جائے۔ رہا میں، تو میں ضرور آگے جاؤں گا"۔ چنانچہ وہ سب کے سب ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

راستے میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہما کا وہ اونٹ گم ہو گیا جس پر دونوں باری باری سوار ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ اس کی تلاش میں پیچھے رہ گئے، جبکہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ اپنے باقی ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے نخلہ پہنچ گئے۔ وہاں قریش کا ایک تجارتی قافلہ ان کے سامنے سے گزرا، جس میں کشمش، چمڑا اور دیگر تجارتی سامان تھا۔ اس قافلے میں عمرو بن حضرمی، عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ، نوفل بن عبداللہ بن مغیرہ اور حکم بن کیسان، جو ہشام بن مغیرہ کے آزاد کردہ غلام تھے، موجود تھے۔ مسلمانوں نے باہم مشورہ کیا اور کہا: ''ہم ماہِ رجب کے آخری دن میں ہیں، اور رجب حرمت والے مہینوں میں سے

ہے۔ اگر ہم ان سے جنگ کریں گے تو حرمت والے مہینے کی بے حرمتی ہو گی، اور اگر آج رات انہیں چھوڑ دیں تو وہ حرم کی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔'' آخر کار انہوں نے ان کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا، جس سے وہ قتل ہو گیا۔ پھر مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا، جبکہ نوفل بن عبداللہ فرار ہو گیا۔

پھر وہ تجارتی قافلے اور دونوں قیدیوں کو لے کر مدینہ پہنچے، اور اس مال میں سے پانچواں حصہ (خمس) الگ کر لیا۔ چنانچہ یہ اسلامی تاریخ کا پہلا خمس، اسلام میں کافروں کا پہلا مقتول اور اسلام میں پہلے دو قیدی تھے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس اقدام کو ناپسند فرمایا۔ اگرچہ انہوں نے جو کچھ کیا تھا، اپنی اجتہادی رائے سے کیا تھا، لیکن اس کے باوجود وہ اس معاملے پر سخت پریشان ہو گئے اور انہیں گمان ہوا کہ وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔ ادھر قریش کی مخالفت اور اس واقعے پر ان کا اعتراض مزید شدت اختیار کر گیا۔ انہوں نے کہا: محمد ﷺ نے حرمت والے مہینے میں قتال کو حلال کر دیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 217)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: یہ جو واقعہ پیش آیا، اگرچہ اس میں خطا ہوئی، کیونکہ حرمت والے مہینے میں قتال کرنا اللہ تعالیٰ کے

نزدیک بڑا گناہ ہے، لیکن اے مشرکو! تم جس کام میں مبتلا ہو، یعنی اللہ کی راہ سے روکنا، اس کا انکار کرنا، مسجدِ حرام سے روکنا اور محمد ﷺ اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو، جو حقیقت میں مسجدِ حرام کے اصل اہل ہیں، وہاں سے نکالنا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرمت والے مہینے میں قتال کرنے سے کہیں زیادہ بڑا جرم ہے[1]۔

تحویلِ قبلہ[2]

ہجرت کے دوسرے سال[3] ماہِ رجب کے وسط میں قبلہ بیت المقدس سے کعبۂ مشرفہ کی طرف تبدیل کر دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ ترجمہ: ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اٹھتے دیکھ رہے ہیں، لہٰذا ہم آپ کو اسی قبلے کی طرف ضرور پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے

1- دیکھیں: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 88۔
اس سریہ کا مکمل واقعہ ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1534 کے تحت، طحاوی نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر 4880، 4881 کے تحت، اور ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد دوم، صفحہ 213 پر بیان کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ 209 میں اس روایت کے مختلف طرق ذکر کیے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے: ان تمام طرق کو مجموعی طور پر دیکھا جائے تو یہ روایت صحیح قرار پاتی ہے۔

2- ابن سید الناس رحمہ اللہ نے عیون الأثر، صفحہ 264 میں فرمایا: علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے بیت المقدس کی طرف رخ فرماتے تھے، اور قبلہ کعبۂ مشرفہ کی طرف بھی مدینہ منورہ ہی میں تبدیل کیا گیا۔ البتہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد کتنے عرصے تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی، قبلہ کس نماز کے دوران تبدیل کیا گیا، اور اس سے پہلے مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کس طرح نماز ادا فرماتے تھے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ 134 میں فرمایا: صحیح قول کے مطابق تحویلِ قبلہ ہجرت کے دوسرے سال ماہِ رجب کے وسط میں ہوئی تھی، اور جمہور علماء کی اکثریت کا بھی یہی قول ہے۔

ہیں۔ پس آپ اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف پھیر لیجیے، اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے چہروں کو اسی کی طرف پھیر لیا کرو۔ اور بے شک جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے، وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اور اللہ ان کے اعمال سے غافل نہیں۔ (سورۃ البقرۃ: 144) امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی، پھر ہمارا رخ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔[1]

حاکم نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: قرآنِ کریم میں جن احکام کے سب سے پہلے منسوخ ہونے کا ذکر ہم تک پہنچا ہے، ان میں قبلے کا حکم بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (سورۃ البقرۃ: 115) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمائی اور بیت اللہ کو چھوڑ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾ (سورۃ البقرۃ: 142) اس آیت میں بیت المقدس کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو منسوخ فرما دیا اور رسول اللہ ﷺ کو بیت اللہ کی طرف پھیر دیا۔

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4402 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 525 اور 12 کے تحت روایت کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(سورۃ البقرۃ:150)۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(سورۃ البقرۃ:144) کے بارے میں فرمایا: اس آیت میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ انسان جہاں بھی قیام پذیر ہو، وہاں مسجدِ حرام کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں نکلنے کی کوئی خاص غایت مقرر نہیں فرمائی، بلکہ اسے مطلق رکھا ہے، جس طرح نکلنے کی ابتدا کو بھی عام رکھا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ جس جگہ سے بھی کسی مقام کی طرف روانہ ہوں، خواہ نماز کے لیے، غزوے کے لیے، حج کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے، آپ ﷺ اور پوری امت کو مسجدِ حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ اسی طرح زمین کے جس بھی خطے میں وہ موجود ہوں، آپ ﷺ اور امت کو مسجدِ حرام کی طرف رخ کرنے کا حکم ہے۔ چنانچہ ان دونوں آیات میں پوری امت کے تمام حالات شامل ہیں: سفر کے آغاز میں، جب وہ کسی جگہ سے روانہ ہوں؛ سفر کے اختتام پر، جب وہ اپنی منزل پر پہنچ جائیں؛ اور قیام کی حالت میں، جہاں کہیں بھی وہ موجود ہوں۔ اس طرح ان آیات سے تینوں حالتوں میں قبلہ کی طرف رخ کرنے کے حکم کی عمومیت ثابت ہوتی ہے، اور انسان کی زندگی میں عموماً یہی تین حالتیں پیش آتی ہیں[2]۔

1- اسے حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر 2097 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: بدائع الفوائد، جلد چہارم، صفحات 1602-1603۔

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے تین آیات میں بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم بار بار اس لیے بیان فرمایا کہ قبلہ کی تبدیلی کا انکار کرنے والے لوگ تین قسم کے تھے:

اول: یہودی، کیونکہ ان کے بنیادی مذہبی اصولوں میں نسخ کو تسلیم نہیں کیا جاتا۔

دوم: اہلِ شک اور منافقین، جنہوں نے قبلہ کی تبدیلی کا سخت انکار کیا، کیونکہ یہ ان کے نزدیک نازل ہونے والا پہلا ایسا حکم تھا جس میں تبدیلی واقع ہوئی تھی۔

سوم: قریش کے کافر، کیونکہ انہوں نے کہا: محمد ﷺ کو اپنے آبائی دین سے جدا ہونے پر ندامت ہوئی ہے، اس لیے جس طرح آپ ﷺ ہمارے قبلے کی طرف واپس آگئے ہیں، اسی طرح ہمارے دین کی طرف بھی واپس آجائیں گے۔ (1)

رمضان کے روزوں کی فرضیت

رمضان المبارک کے روزے ہجرت کے دوسرے سال فرض کیے گئے، اور رسول اللہ ﷺ کا وصال اس وقت ہوا جب آپ ﷺ نو رمضان کے روزے رکھ چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔ (سورۃ البقرۃ: 183)

1- دیکھیں: الروض الأنف، جلد دوم، صفحہ 264۔

رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ آپ ﷺ مختلف قسم کی عبادات کثرت سے ادا فرماتے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام رمضان المبارک میں آپ ﷺ کے ساتھ قرآنِ کریم کا دور فرماتے تھے۔ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملاقات کرتے تو آپ ﷺ خیر و بھلائی میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے تھے۔ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی سخاوت سب سے بڑھ کر ہوتی تھی۔ آپ ﷺ اس مہینے میں صدقہ و خیرات، نیکی و احسان، تلاوتِ قرآن، نماز، ذکر اور اعتکاف کی کثرت فرماتے تھے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ اس امت کے اہلِ ایمان سے خطاب کرتے ہوئے انہیں روزے کا حکم دے رہا ہے۔ روزے سے مراد کھانے پینے سے رکنا اور اللہ عزوجل کی خالص نیت کے ساتھ اس حالت پر قائم رہنا ہے۔ روزے میں نفس کی پاکیزگی، اس کی اصلاح اور اسے برے اخلاق سے پاک کرنے کا ایک عظیم فائدہ ہے۔[2]

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد دوم، صفحات 36-37۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ 497۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ترجمہ: اور یقیناً اللہ نے بدر کے مقام پر تمہاری مدد فرمائی، جبکہ تم کمزور اور بے سروسامان تھے، لہٰذا اللہ سے ڈرو، تاکہ تم شکر گزار بنو۔ (سورۃ آل عمران: 123)۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ ہجرت کے دوسرے سال 17 رمضان المبارک، بروز جمعہ کی صبح پیش آیا۔ (1)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے غزوات میں سب سے زیادہ شرف والا اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مسلمانوں کے نزدیک سب سے زیادہ عظمت و حرمت والا غزوہ غزوۂ بدرِ کبریٰ تھا۔ اسی غزوے میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے بڑے بڑے سرداروں کو ہلاک کیا، اپنے دین کو غالب فرمایا اور اسی دن سے اسلام کو عزت و سربلندی عطا فرمائی۔ غزوۂ بدر ہجرت کے دوسرے سال 17 رمضان المبارک، بروز جمعہ کی صبح پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے غزوات میں فضیلت کے اعتبار سے کوئی غزوہ اس کے برابر نہیں، البتہ اس کے قریب غزوۂ حدیبیہ ہے، جہاں بیعتِ رضوان ہوئی تھی۔ غزوۂ حدیبیہ ہجرت کے چھٹے سال پیش آیا۔ (2)

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد چہارم، صفحہ 66 میں فرمایا ہے کہ: "اہلِ مغازی اور سیرت کے نزدیک یہی صحیح قول ہے"۔

2- دیکھیں: الاستیعاب، جلد اول، صفحہ 145۔

غزوۂ بدر کا سبب

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے واپس آ رہا ہے، جس کی قیادت ابو سفیان صخر بن حرب کر رہے ہیں۔ اس قافلے کے ساتھ قریش کے تیس یا چالیس افراد تھے اور اس میں بہت زیادہ مال و دولت تھی۔ یہ وہی تجارتی قافلہ تھا جس کی تلاش میں رسول اللہ ﷺ غزوۂ عشیرہ کے موقع پر نکلے تھے، جب وہ مکہ مکرمہ سے شام کی طرف روانہ ہوا تھا۔ (1)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانگی کی ترغیب

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش کے تجارتی قافلے کی طرف روانہ ہونے کی ترغیب دی اور فرمایا: "یہ قریش کا تجارتی قافلہ ہے، جس میں ان کے مال و دولت موجود ہیں، لہٰذا اس کی طرف روانہ ہو جاؤ، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ مال تمہیں عطا فرما دے"۔ (2)

رسول اللہ ﷺ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو، جن کی سواری موجود تھی، روانہ ہونے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اس سفر کی تیاری کے لیے زیادہ اہتمام نہیں کیا، کیونکہ آپ ﷺ نے جلدی اور عجلت میں روانہ ہونے کا ارادہ فرمایا تھا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے،

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 218۔

2- اسے ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد دوم، صفحہ 219 میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے بسبسہ [1] کو جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ معلوم کرے کہ قریش اور ابو سفیان نے کیا کیا ہے۔ وہ واپس آئے تو گھر میں میرے اور رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی موجود نہ تھا۔ انہوں نے آپ ﷺ کو پوری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ہمارا ایک مطلوب ہے، لہٰذا جس کی سواری موجود ہو، وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے۔'' چنانچہ بعض لوگوں نے مدینہ منورہ کے بالائی علاقے میں موجود اپنی سواریوں کے بارے میں آپ ﷺ سے اجازت مانگی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، صرف وہی شخص ہمارے ساتھ جائے جس کی سواری اس وقت موجود ہے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ [2]

1- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 13، صفحہ 39 میں فرمایا: تمام نسخوں میں یہ نام بُسَ یُسَ ہے، جس میں پہلے باء پر پیش، پھر دو سین ہیں، دونوں پر زبر ہے اور ان کے درمیان یاء ساکن ہے۔ البتہ ابن اسحاق کی سیرت، جلد دوم، صفحہ 229 میں یہ نام بَسْبَس کے الفاظ کے ساتھ آیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابہ، جلد اول، صفحہ 420 میں اسے بَسْبَسَہ بن عمرو لکھا ہے۔ اس میں دونوں باء پر زبر ہیں، ان کے درمیان سین ساکن ہے اور اس کے بعد دوسرے سین پر زبر ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ صحیح مسلم میں یہ نام بُسَ یُسَ ہے، یعنی تصغیر کے صیغے میں باء کے ساتھ۔ ابوداؤد کی روایت میں بھی یہ نام بُسَ یُسَ کے صیغے میں آیا ہے۔ اسی طرح ابن اثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے ابن مندہ کے اصل نسخے میں بھی یہی نام دیکھا ہے، البتہ بعض نسخوں میں اس کے الفاظ مختلف ہیں۔ صحیح قول پہلا ہی ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1901، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12398 کے تحت روایت کیا ہے، جبکہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اسے مختصراً حدیث نمبر 2618 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے انیسویں مہینے، ماہِ رمضان کی بارہ تاریخ [1] گزرنے کے بعد بروز ہفتہ مدینہ منورہ سے غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابن اُمِّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت کے لیے اپنا نائب مقرر فرمایا۔ پھر روحاء [2] کے مقام سے حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ بھیج دیا اور انہیں مدینہ منورہ کا نگران مقرر فرمادیا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مہاجرین اور انصار میں سے تین سو سے کچھ زائد افراد [4] غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہوئے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم آپس میں گفتگو کیا کرتے تھے کہ اصحابِ بدر کی تعداد تین سو سے کچھ زائد تھی، اور ان کی تعداد حضرت لوط علیہ السلام کے ان ساتھیوں کے برابر تھی جو ان کے ساتھ دریا پار کر گئے تھے، اور ان کے ساتھ صرف اہلِ ایمان ہی نے دریا پار کیا تھا"۔ [5]

1- یہ تفصیل ابن سعد نے الطبقات، جلد دوم، صفحہ 254 میں ذکر کی ہے۔ البتہ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد دوم، صفحہ 224 میں رسول اللہ ﷺ کی روانگی کا متعین دن ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے صرف یہ لکھا ہے کہ: "رسول اللہ ﷺ ماہِ رمضان کی کچھ راتیں گزرنے کے بعد اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہوئے۔" اور ابن ہشام نے ابن اسحاق کی سیرت کی تہذیب کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی روانگی کا دن متعین کیا ہے اور لکھا ہے: "رمضان کی آٹھ راتیں گزرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ روانہ ہوئے۔"

2- الروحاء: مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیں: جامع الأصول، جلد نہم، صفحہ 379۔

3- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 224، اور الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد اول، صفحہ 254۔

4- امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں تعداد تین سو تیرہ (313) کے الفاظ ہیں۔

5- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3959 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1688 کے تحت روایت کیا ہے۔

مسلمانوں کے پاس ستر اونٹ تھے، جن پر ہر تین افراد باری باری سوار ہوتے تھے۔ان میں سے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیدل ہی سفر کر رہے تھے۔اسی طرح مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "غزوۂ بدر کے دن ہم میں سے ہر تین افراد ایک اونٹ پر سوار تھے۔ حضرت ابولبابہ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہمار سول اللہ ﷺ کے ہم سفر ساتھی تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی سواری کی باری آتی تو وہ دونوں عرض کرتے: ہم آپ ﷺ کی طرف سے پیدل چلتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو، اور نہ ہی میں تم دونوں کی نسبت اجر سے بے نیاز ہوں"۔[1]

میں کہتا ہوں: غزوۂ بدرِ کبریٰ میں شریک مسلمانوں کی تعداد کے بارے میں اہلِ سیرت کے درمیان اختلاف ہے۔ابن سید الناس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عیون الأثر، جلد اول، صفحات 431-432 میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام شمار کیے ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ ناموں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''ہم نے جن لوگوں کا ذکر کیا ہے، ان میں خزرج کے افراد کی تعداد 195، اوس کے 74 اور مہاجرین کی 94 ہے۔اس طرح مجموعی تعداد 363 بنتی ہے، جو اہلِ بدر کی مشہور تعداد سے زیادہ ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جن افراد کے نام ہم نے ذکر کیے ہیں، ان میں بعض کے بارے میں اختلاف ہے۔اس اختلاف کی ایک مثال پہلے اہلِ بیعتِ عقبہ کے ذکر میں گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔''

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 3901 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "غزوۂ بدر کے دن ہم میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی گھوڑ سوار نہیں تھا"۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ایک ایسا شاندار موقف دیکھا ہے کہ اگر وہ موقف میرے حصے میں آتا تو میرے لیے زمین کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔'' وہ فرماتے ہیں: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور وہ اس موقع پر واحد گھوڑ سوار تھے (2)۔ پھر انہوں نے وہ واقعہ بیان کیا کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابہ اور تہذیب التہذیب میں فرمایا: حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ غزوۂ بدر اور دیگر تمام اہم غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ بدر کے دن وہ گھوڑ سوار تھے، اور یہ بات ثابت نہیں کہ ان کے علاوہ کوئی اور صحابی گھوڑ سوار کی حیثیت سے غزوۂ بدر میں شریک ہوا ہو (3)۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1023 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4376 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: الإصابہ، جلد ششم، صفحہ 160، اور تہذیب التہذیب جلد چہارم، صفحہ 146۔

جھنڈوں اور پرچموں کی تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے لواء حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، مہاجرین کا پرچم حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اور انصار کا پرچم حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ جبکہ لشکر کے آخری حصے[1] کی نگرانی کے لیے حضرت قیس بن ابی صعصعہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔[2]

مسلمانوں کا بدر کی طرف سفر رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور روحاء کے مقام پر پہنچ کر وہاں قیام فرمایا۔ پھر وہاں سے کوچ کیا اور آگے روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ صفراء کے قریب پہنچے تو حضرت بسبس بن عمرو جہنی اور حضرت عدی بن ابی الزغباء رضی اللہ عنہما کو بدر کی طرف بھیجا تاکہ وہ تجارتی قافلے کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ آگے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ وادیِ ذَفران[3] پہنچے اور وہاں قیام فرمایا۔[4]

اہلِ مکہ کو جنگ کے لیے ابھارنا اور ان کا روانہ ہونا جب تجارتی قافلے کے قائد ابو سفیان کو رسول اللہ ﷺ کے روانہ ہونے اور قافلے کی طرف پیش قدمی کرنے کی اطلاع ملی تو اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت دے کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ وہ قریش

1- الساقۃ: یہ سائق کی جمع ہے، اور اس سے مراد لشکر کے وہ افراد ہیں جو مجاہدین کے لشکر کے پیچھے رہتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 381۔

2- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 224، اور الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد اول، صفحات 255-256۔

3- ذَفران: ذال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ وادیِ صفراء کے قریب واقع ایک وادی کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 149۔

4- دیکھیں: **سیرۃ ابن ہشام**، جلد دوم، صفحہ 226۔

کو مدد کے لیے پکارے اور انہیں رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے نکلنے کی ترغیب دے۔ جب یہ فریاد اہلِ مکہ تک پہنچی تو وہ تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور بڑی تعداد میں روانہ ہوئے۔ قریش کے معززین میں سے ابو لہب کے علاوہ کوئی پیچھے نہ رہا۔ ابو لہب نے اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا۔ ان کی تعداد ایک ہزار جنگجو تھی، ان کے ساتھ سو گھوڑے اور بہت سے اونٹ تھے، جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ (1)

امیہ بن خلف کا قتل کے خوف میں مبتلا ہونا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ، امیہ بن خلف کے دوست تھے۔ جب امیہ مدینہ منورہ سے گزرتا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں قیام کرتا، اور جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے گزرتے تو امیہ کے ہاں قیام کرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ گئے اور امیہ کے ہاں قیام کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے امیہ سے کہا: ''میرے لیے کچھ وقت تنہائی کا انتظام کر دو، شاید میں بیت اللہ کا طواف کر سکوں۔'' چنانچہ امیہ انہیں دن چڑھے تقریباً دوپہر کے قریب لے کر نکلا۔ راستے میں ابو جہل سے ملاقات ہو گئی۔ اس نے کہا: ''اے ابو صفوان! تمہارے ساتھ یہ کون شخص ہے؟''

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد دوم، صفحات 219، 222۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یہ سعد ہے۔'' ابو جہل نے کہا: ''کیا میں تمہیں مکہ میں اطمینان کے ساتھ طواف کرتے دیکھوں، حالانکہ تم نے ان لوگوں کو پناہ دی ہے جنہوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ دیا ہے، اور تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ تم ان کی مدد اور حمایت کرو گے؟ اللہ کی قسم! اگر تم ابو سفیان کے ساتھی نہ ہوتے تو تم اپنے گھر والوں کے پاس صحیح سلامت واپس نہ جا سکتے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بلند آواز سے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! اگر تم نے مجھے اس سے روکا تو میں بھی تمہیں اس سے زیادہ سخت چیز سے روک دوں گا؛ یعنی مدینہ جانے والے تمہارے راستے کو روک دوں گا۔'' امیہ نے کہا: ''اے سعد! ابو الحکم کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرو، وہ اس وادی کے سردار ہیں۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے امیہ! ہمیں چھوڑو، اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ یہ لوگ تمہیں قتل کریں گے۔'' امیہ نے پوچھا: ''کیا مکہ میں؟'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے معلوم نہیں۔'' یہ سن کر امیہ بہت گھبرا گیا۔ جب وہ اپنے گھر واپس پہنچا تو اپنی بیوی سے کہا: ''اے ام صفوان! کیا تم نے نہیں سنا کہ سعد نے کیا کہا؟'' اس نے پوچھا: ''انہوں نے تم سے کیا کہا؟'' امیہ نے کہا: ''ان کا کہنا ہے کہ محمد ﷺ نے انہیں خبر دی ہے کہ وہ لوگ مجھے قتل کریں گے۔'' میں نے ان سے پوچھا: ''کیا مکہ میں؟'' تو انہوں نے کہا: ''مجھے معلوم نہیں۔'' اس پر امیہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں مکہ سے باہر نہیں جاؤں گا۔'' پھر جب غزوۂ بدر کا وقت آیا تو ابو جہل نے لوگوں کو نکلنے کے لیے ابھارا اور کہا: ''اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے پہنچو۔'' امیہ نے باہر جانے کو ناپسند کیا۔ ابو جہل اس کے پاس

آیا اور کہا: ''اے ابو صفوان! اگر لوگ دیکھیں گے کہ تم پیچھے رہ گئے ہو، حالانکہ تم اس وادی کے سردار ہو، تو وہ بھی تمہارے ساتھ پیچھے رہ جائیں گے۔'' ابو جہل مسلسل اسے اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ امیہ نے کہا: ''جب تم نے مجھے مجبور ہی کر دیا ہے تو اللہ کی قسم! میں مکہ کا بہترین اونٹ خریدوں گا۔'' پھر امیہ نے اپنی بیوی سے کہا: ''اے ام صفوان! میرا سامان تیار کرو۔'' اس نے کہا: ''اے ابو صفوان! کیا تم اپنے یثربی بھائی[1] کی کہی ہوئی بات بھول گئے ہو؟'' امیہ نے جواب دیا: ''نہیں، میں اسے نہیں بھولا، لیکن میں ان لوگوں کے ساتھ صرف تھوڑے فاصلے تک جاؤں گا۔'' جب امیہ روانہ ہوا تو وہ جس جگہ بھی پڑاؤ کرتا، اپنے اونٹ کو باندھ دیتا۔ وہ مسلسل اسی طرح کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے غزوۂ بدر میں قتل کرا دیا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی کئی واضح معجزات ہیں۔ اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پختہ یقین اور مضبوط حوصلے کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ کا معمول قدیم زمانے سے چلا آ رہا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نبی کریم ﷺ کے عمرہ کرنے سے پہلے بھی عمرہ کرنے کی اجازت تھی، بخلاف حج کے۔ واللہ اعلم۔[3]

1- یعنی: سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3950، 3632 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 10۔

رسول اللہ ﷺ کو قریش کے نکلنے کی اطلاع ملنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے نکل چکے ہیں، تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ مہاجرین نے گفتگو کی اور نہایت عمدہ انداز میں اپنی رائے پیش کی۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ ان سے مشورہ فرمایا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کو حضرت ابو سفیان کے آنے کی اطلاع ملی[1] تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی، تو آپ ﷺ نے ان کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گفتگو کی، تو آپ ﷺ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ فرمائی۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر کے موقع پر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: ﴿فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾

1- امام احمد رحمہ اللہ کی مسند کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن لوگوں سے مشورہ فرمایا۔''

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1779 کے تحت اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 13296 کے تحت روایت کیا ہے۔

یعنی: آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں مل کر جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں"۔ (سورۃ المائدہ: 24)"بلکہ آپ آگے بڑھیں، ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں"۔ یہ سن کر گویا رسول اللہ ﷺ کی پریشانی دور ہو گئی اور آپ ﷺ کو اطمینان حاصل ہوا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت اور امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا ایسا شاندار موقف دیکھا کہ اگر میں اس کا حصہ ہوتا تو یہ میرے لیے زمین کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہوتا۔'' وہ فرماتے ہیں: حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت وہ گھوڑے پر سوار تھے، اور عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! خوش ہو جائیے، اللہ کی قسم! ہم آپ سے وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی: ﴿فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ﴾ یعنی: آپ اور آپ کا رب جائیں اور دونوں مل کر جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔'' (سورۃ المائدہ: 24)''بلکہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! ہم ضرور آپ کے آگے، آپ کے دائیں، آپ کے بائیں اور آپ کے پیچھے رہ کر آپ کا ساتھ دیتے رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرما دے"۔[2]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4609 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3959 اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4306 کے تحت روایت کیا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اے لوگو! مجھے اپنی رائے دو۔'' آپ ﷺ کی مراد دراصل انصار تھے، کیونکہ وہ مسلمانوں کی بڑی تعداد میں تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب انصار نے بیعتِ عقبہ کے موقع پر آپ ﷺ سے بیعت کی تھی تو انہوں نے عرض کیا تھا: ''اے اللہ کے رسول! ہم اس وقت تک آپ کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہیں جب تک آپ ہمارے علاقوں میں نہ پہنچ جائیں۔ پھر جب آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیں گے تو آپ ہماری امان میں ہوں گے، اور ہم آپ کی اسی طرح حفاظت کریں گے جیسے اپنے بیٹوں اور اپنی عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں انصار یہ نہ سمجھتے ہوں کہ ان کی ذمہ داری صرف ان دشمنوں سے آپ ﷺ کی مدد اور حفاظت کرنا ہے جو مدینہ میں آپ ﷺ پر حملہ آور ہوں، اور یہ کہ ان پر یہ لازم نہیں کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ اپنے علاقوں سے باہر کسی دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے روانہ ہوں۔ (1)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (2) کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ہم انصار سے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 227۔

2- اسی طرح ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت جلد 2، صفحہ 227 میں ذکر کیا ہے کہ انصار کی طرف سے گفتگو کرنے والے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے۔ جبکہ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1779 میں یہ مذکور ہے کہ انصار کی طرف سے گفتگو کرنے والے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 14 میں فرماتے ہیں: صحیح مسلم میں یہ ذکر ہوا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو کی تھی، اسی طرح ابن ابی شیبہ نے عکرمہ رحمہ اللہ کی مرسل روایت سے بھی اسے نقل کیا ہے۔ تاہم اس میں اشکال ہے، کیونکہ حضرت

اپنی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے، آپ ﷺ کی تصدیق کی، اور گواہی دی کہ آپ ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے اسی بنیاد پر آپ ﷺ سے عہد و پیمان کیا ہے کہ ہم آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ لہٰذا اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ جس مقصد کے لیے روانہ ہونا چاہتے ہیں، روانہ ہو جائیں، ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اگر آپ ﷺ ہمیں لے کر اس سمندر کے سامنے جائیں اور اسے عبور کریں تو ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسے عبور کریں گے، اور ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہیں رہے گا۔ ہمیں اس بات میں کوئی ناگواری نہیں کہ آپ ﷺ کل ہمیں لے کر ہمارے دشمن کا سامنا کریں۔ ہم جنگ میں صبر کرنے والے اور میدانِ مقابلہ میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ہماری طرف سے وہ کچھ دکھائے گا جس سے آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔ پس اللہ کی برکت کے ساتھ ہمیں لے کر آگے بڑھیے۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، پھر فرمایا: ''چلو اور خوش ہو جاؤ! بے شک اللہ

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، اگرچہ ان کا شمار اہلِ بدر میں کیا جاتا ہے، کیونکہ ان کے لیے بھی مالِ غنیمت میں حصہ مقرر کیا گیا تھا۔ دونوں روایات میں اس طرح تطبیق دی جا سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دو مرتبہ مشورہ فرمایا تھا۔ پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں اس وقت جب آپ ﷺ کو ابو سفیان کے تجارتی قافلے کے آنے کی اطلاع ملی۔ یہ بات صحیح مسلم کی روایت میں واضح ہے، جس کے الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس وقت صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا جب آپ ﷺ کو ابو سفیان کے آنے کی اطلاع ملی۔ دوسری مرتبہ آپ ﷺ نے مدینہ سے روانہ ہونے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا، جیسا کہ زیرِ بحث حدیث میں مذکور ہے۔

تعالیٰ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ کے بارے میں وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا میں اس وقت بھی ان لوگوں کے قتل ہونے کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔[1]

مسلمانوں کا بدر کے قریب وادی کے ایک کنارے اور کفار کا دوسرے کنارے پر اترنا

پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے اور اپنے لشکر کے ساتھ بدر کے قریب قریب والے کنارے پر اترے، جبکہ قریش کے کفار دور والے کنارے پر اترے۔ اس وقت دونوں میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے کے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ رہے حضرت ابو سفیان تو وہ سمندر کے ساحل کی طرف نکل گئے اور اپنے تجارتی قافلے کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”جب تم قریب والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر، جبکہ قافلہ تم سے نیچے کی جانب تھا۔ اگر تم باہم مقابلے کا وقت مقرر کرتے تو اس وقت کے تعین میں اختلاف ہو جاتا، لیکن اللہ نے اس کام کو پورا کرنا تھا جو ہو کر رہنے والا تھا، تاکہ جو ہلاک ہو وہ واضح دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ بھی واضح دلیل کے ساتھ زندہ رہے، اور بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ (سورۃ الأنفال: 42)

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 227۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "یعنی جو شخص اس واضح دلیل کے قائم ہو جانے کے بعد بھی کفر کرے، وہ اس نشانی اور عبرت کو دیکھ لینے کے باوجود کفر کرے، اور جو ایمان لائے، وہ بھی اسی طرح واضح دلیل اور نشانی دیکھ کر ایمان لائے"۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق رحمہ اللہ کی تفسیر پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ بہت عمدہ تفسیر ہے۔'' اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہارے دشمن کے ساتھ ایک ہی مقام پر بغیر کسی پیشگی طے شدہ وقت کے جمع کیا، تاکہ وہ تمہیں ان پر فتح عطا فرمائے اور حق کا کلمہ باطل پر بلند کرے، اور معاملہ بالکل واضح ہو جائے، دلیل فیصلہ کن اور نشانیاں روشن ہو جائیں، یہاں تک کہ کسی کے لیے کوئی عذر یا شبہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ اس کے بعد ''لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ'' یعنی جو شخص ہلاک ہو، وہ اس حال میں ہلاک ہو کہ وہ اپنے معاملے کی حقیقت سے بخوبی واقف ہو؛ یعنی دلیل قائم ہو جانے کے باوجود کفر پر قائم رہے اور اسے معلوم ہو کہ وہ باطل پر ہے۔ اور ''وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ'' یعنی جو زندہ رہے، وہ واضح دلیل کی بنیاد پر زندہ رہے؛ یعنی جو شخص واضح دلیل اور حجت کی بنا پر ایمان لائے۔ ﴿وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَن بَيِّنَةٍ﴾ (سورۃ الأنفال: 42) یعنی واضح دلیل اور بصیرت کی بنیاد پر۔ (2)

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 284۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 69۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف روانہ کرنا

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم کو بعض دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر کے پانی کے مقام کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ وہ قریش کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہمیں وہاں[1] قریش کے دو آدمی ملے۔ ان میں سے ایک قریش کا آدمی تھا اور دوسرا عقبہ بن ابی معیط کا غلام تھا۔ قریشی آدمی تو بچ کر نکل گیا، لیکن ہم نے عقبہ کے غلام کو پکڑ لیا۔ ہم اس سے پوچھنے لگے: قریش کے لوگ کتنی تعداد میں ہیں؟ وہ کہتا: اللہ کی قسم! وہ بہت بڑی تعداد میں ہیں اور ان کی جنگی طاقت بھی بہت زیادہ ہے۔ جب بھی وہ یہ بات کہتا، مسلمان اسے مارتے، یہاں تک کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا: قریش کے لوگ کتنی تعداد میں ہیں؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! وہ بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ان کی جنگی طاقت بھی بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بہت کوشش کی کہ وہ ان کی تعداد بتادے، لیکن اس نے بتانے سے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟''

1- یعنی: بدر کے پانی کے آس پاس۔

اس نے جواب دیا: "وہ ہر روز دس اونٹ ذبح کرتے ہیں"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ لوگ ایک ہزار ہیں؛ کیونکہ ہر اونٹ سو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے"۔ (1)

صحیح مسلم، مسند امام احمد اور سنن ابی داود کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اچانک انہیں قریش کے پانی لانے والے غلاموں میں سے ایک سیاہ فام غلام ملا، جو بنو حجاج کا غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پکڑ لیا اور اس سے پوچھنے لگے: ابو سفیان کہاں ہے؟ وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! مجھے ابو سفیان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، البتہ قریش یہاں پہنچ چکے ہیں، جن میں ابو جہل، عتبہ اور شیبہ دونوں بیٹے ربیعہ کے، اور امیہ بن خلف بھی شامل ہیں۔ جب وہ یہ بات کہتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے مارتے۔ وہ کہتا: ''مجھے چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں بتاتا ہوں۔'' جب وہ اسے چھوڑ دیتے تو وہ کہتا: ''اللہ کی قسم! مجھے ابو سفیان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں، لیکن قریش یہاں پہنچ چکے ہیں۔ ان میں ابو جہل، عتبہ اور شیبہ دونوں بیٹے ربیعہ کے، اور امیہ بن خلف بھی شامل ہیں۔'' نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور اس کی یہ گفتگو سن رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جب وہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 948 کے تحت روایت کیا ہے۔

تمہیں سچی بات بتاتا ہے تو تم اسے مارتے ہو، اور جب جھوٹی بات کہتا ہے تو اسے چھوڑ دیتے ہو۔ یہ قریش ہیں جو ابو سفیان کو بچانے کے لیے یہاں پہنچ چکے ہیں"۔ (1)

میں کہتا ہوں: بنو حجاج کے غلام کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مارنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قتال کو ناپسند کر رہے تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ (2) أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ (3) وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾ "اور جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دونوں گروہوں میں سے ایک تمہارے لیے ہوگا، اور تم چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہیں مل جائے، جبکہ اللہ چاہتا تھا کہ اپنے کلمات کے ذریعے حق کو ثابت کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔" (سورۃ الأنفال: 7)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کو ناپسند کیا اور ان کی خواہش تھی کہ کاش ابو سفیان کا تجارتی قافلہ ہی ان کے قریب ہوتا اور وہ اسے حاصل کر لیتے، کیونکہ قریش کے جنگ کے لیے نکلنے

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1779، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 13296، اور امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2681 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 7، صفحہ 183 میں فرمایا: "یعنی دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ؛ ایک گروہ ابو سفیان بن حرب اور اس کا تجارتی قافلہ تھا، جبکہ دوسرا مشرکین کا وہ گروہ تھا جو اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا تھا۔"

3- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 4، صفحہ 16 میں فرمایا: "یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں اس گروہ کے ساتھ مقابلے کے لیے جمع کرنا چاہتا تھا جو قوت اور جنگ کی صلاحیت رکھتا تھا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے تمہیں غالب کرے، تمہیں ان پر فتح عطا فرمائے، اپنے دین کو سربلند کرے، اسلام کا کلمہ بلند فرمائے اور اسے تمام ادیان پر غالب کر دے۔ اللہ تعالیٰ انجامِ امور کو خوب جانتا ہے، اور اسی نے اپنی بہترین تدبیر کے مطابق تمہارے معاملات کو اس طرح ترتیب دیا، اگرچہ بظاہر بندے اس کے برعکس چیز کو پسند کرتے تھے۔"

والے لشکر کے مقابلے میں اس قافلے پر قابو پانا زیادہ آسان تھا؛ اس لیے کہ قریش کا لشکر نہایت جنگی قوت رکھتا تھا اور اس نے جنگ کے لیے بھرپور تیاری کر رکھی تھی۔ چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان دونوں [1] کو مارتے اور مار کی تکلیف ہوتی تو وہ کہتے: ''ہم ابوسفیان کے ساتھ ہیں۔'' اور جب وہ انہیں چھوڑ دیتے اور دوبارہ پوچھتے تو وہ کہتے: ''ہم قریش کے ساتھ ہیں۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ کا بدر کے چشمے پر قیام رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ بدر کے پانی کی طرف روانہ ہوئے تاکہ مشرکین سے پہلے وہاں پہنچ جائیں اور انہیں اس پر قبضہ کرنے سے روک سکیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بدر کے کنوؤں میں سے بہترین کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے، اور بدر ایک کنواں تھا۔ ہم مشرکین سے پہلے وہاں پہنچ گئے"۔ [3]

دونوں لشکروں پر بارش کا نزول

اللہ تعالیٰ نے قریش اور پانی کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی اور ان پر ایک زبردست بارش نازل فرمائی۔ یہ بارش کفار کے لیے عذاب اور مسلمانوں کے لیے نعمت

1- وہ اسلم، جو بنو حجاج کا غلام تھا، اور عریض، جو بنو العاص بن سعید کا غلام تھا، دونوں کو مارتے تھے۔ یہ ابن اسحاق کی سیرت میں مذکور روایت ہے۔

2- دیکھیں: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 94۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 948 کے تحت روایت کیا ہے۔

ثابت ہوئی۔ اس بارش نے مسلمانوں کے لیے زمین کو ہموار اور مضبوط کر دیا، جس سے چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾ "جب اللہ اپنی طرف سے تمہیں اطمینان دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دور کرے، تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس کے ذریعے تمہارے قدم جمادے"۔ (سورۃ الأنفال: 11)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے اس رات ایک ہی بارش نازل فرمائی۔ مشرکین پر یہ موسلا دھار بارش کی صورت میں ہوئی، جس نے انہیں آگے بڑھنے سے روک دیا، جبکہ مسلمانوں پر یہ ہلکی بارش کی صورت میں ہوئی، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انہیں پاک کیا اور ان سے شیطان کی گندگی دور فرمائی۔ اسی بارش سے زمین ہموار ہو گئی، ریت جم گئی، قدم مضبوط ہو گئے، پڑاؤ کی جگہ تیار ہو گئی اور ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اور مسلمان پانی تک پہلے پہنچ گئے۔ انہوں نے رات کا کچھ حصہ وہاں قیام کیا اور حوض بنائے، پھر باقی پانی کے چشموں اور کنوؤں کو بند کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انہی حوضوں کے پاس قیام پذیر ہوئے"۔ [1]

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 206۔

عریش[1] کی تعمیر اور مسلمانوں کے لشکر کی صف بندی

رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک عریش (چھپر/سائبان) تیار کیا گیا، جو ایک بلند ٹیلے پر بنایا گیا تھا اور وہاں سے میدانِ جنگ واضح طور پر نظر آتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس عریش میں موجود تھے۔ رمضان المبارک کی سترہویں تاریخ کی رات، جو جمعہ کی رات اور جنگ کی رات تھی، رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کی صف بندی اور ترتیب فرما رہے تھے۔ پھر آپ ﷺ میدانِ جنگ میں چلنے لگے اور اپنے دستِ مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے: ''یہ کل فلاں شخص کے قتل ہونے کی جگہ ہے، اور یہ فلاں شخص کے قتل ہونے کی جگہ ہے، ان شاء اللہ۔'' اور آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے زمین کے ان مقامات کی طرف اشارہ فرماتے، یہاں وہاں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! ان میں سے کوئی شخص بھی اس جگہ سے نہ ہٹا جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک رکھا تھا"۔[2]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث

1- عریش لکڑی یا لکڑی کی شاخوں سے بنائے گئے اس خیمے کو کہتے ہیں جس پر سایہ کرنے کے لیے چھت یا پردہ ڈال دیا جائے۔ دیکھیں: لسان العرب، جلد 9، صفحہ 134۔ عریش کا ذکر صحیح بخاری، حدیث نمبر 4877 میں بھی آیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن اپنے خیمے میں تشریف فرما ہو کر فرمایا، پھر راوی نے پوری حدیث ذکر کی ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1779 اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 13296 کے تحت روایت کیا ہے۔

فرمایا! وہ لوگ ان حدود سے ذرہ بھر بھی آگے نہیں بڑھے جن کی رسول اللہ ﷺ نے نشاندہی فرمائی تھی"۔ (1)

اونگھ کا طاری ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا نماز پڑھنا

جمعہ کی رات مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطمینان اور امن کے طور پر اونگھ طاری ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً﴾ "جب اللہ اپنی طرف سے تمہیں اطمینان دینے کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا"۔ (سورۃ الأنفال: 11) چنانچہ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سو گئے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اس نعمت یاد دلا رہا ہے کہ اس نے ان پر اونگھ طاری کر دی، تاکہ انہیں اس خوف سے اطمینان حاصل ہو جو دشمن کی کثرت اور مسلمانوں کی قلتِ تعداد کی وجہ سے انہیں لاحق تھا"۔ (2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "غزوۂ بدر کے دن جب ہم اپنی صفوں میں کھڑے تھے تو ہم پر اونگھ طاری ہو گئی"۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں بھی ان لوگوں میں شامل تھا جن پر اس دن اونگھ طاری ہوئی تھی۔ میری حالت یہ تھی کہ میری تلوار میرے ہاتھ سے گر جاتی، میں اسے اٹھا لیتا، پھر دوبارہ گر جاتی اور میں اسے پھر اٹھا لیتا"۔ (3)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2873 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 22۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 16357 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس رات، یعنی یوم الفرقان کی رات، ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے ہوئے گزاری۔ آپ ﷺ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر دعا کرتے رہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "غزوۂ بدر کے دن حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہم میں کوئی گھوڑ سوار نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر شخص سو رہا تھا، جبکہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی جاگ نہیں رہا تھا۔ آپ ﷺ ایک درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے تھے اور روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی"۔ (1)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ اگلی صبح بدر کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اس پوری رات عبادت میں جاگ کر گزاری تھی"۔ (2)

مشرکین کے لشکر کا وادیِ بدر میں پہنچنا

جب رسول اللہ ﷺ صبح کے وقت بیدار ہوئے تو وہ جمعہ، 17 رمضان، 2 ہجری کا دن تھا، جسے یوم الفرقان کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صفوں میں کھڑا کیا اور ان کی صفیں درست فرمائیں، پھر انہیں ہدایت دیتے ہوئے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1023 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4759 کے تحت روایت کیا ہے۔

فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک آگے نہ بڑھے جب تک میں اسے آگے بڑھنے کا حکم نہ دوں"۔ (1)

قریش اپنے مختلف لشکروں اور دستوں کے ساتھ آگے بڑھے اور میدانِ جنگ میں اپنی پوزیشنیں سنبھالنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو دعا فرمائی: "اے اللہ! یہ قریش ہیں جو اپنے غرور اور تکبر کے ساتھ آئے ہیں، تیرے مقابلے پر اتر آئے ہیں اور تیرے رسول کو جھٹلا رہے ہیں۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جس مدد کا وعدہ فرمایا ہے، وہ عطا فرما"۔ (2)

مبارزت (جنگ کی ابتداء)

جب قریش میدانِ جنگ میں اچھی طرح صف آرا ہو گئے تو انہوں نے مبارزت کا مطالبہ کیا۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "عتبہ، اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید آگے بڑھے اور پکار کر کہنے لگے: کون ہے جو ہمارے مقابلے میں آئے"؟

اس پر انصار کے چند نوجوان آگے بڑھے۔ عتبہ نے کہا: "ہم ان لوگوں کو نہیں چاہتے، بلکہ ہمارے مقابلے میں بنو عبدالمطلب کے چچازاد اور خاندان کے بزرگوں میں سے کوئی شخص آئے"۔

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1901 اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12398 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 233۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے حمزہ! کھڑے ہو جاؤ، اے عبیدہ! کھڑے ہو جاؤ، اے علی! کھڑے ہو جاؤ"۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت عتبہ کے مقابلے میں، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ، حضرت شیبہ کے مقابلے میں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ولید کے مقابلے میں نکلے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عتبہ کو قتل کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ولید کو قتل کیا، جبکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حضرت شیبہ کو قتل کیا۔ شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ٹانگ پر ایسا وار کیا کہ وہ کٹ گئی۔ پھر حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے انہیں وہاں سے نکال لیا، یہاں تک کہ صفراء کے مقام پر ان کی وفات ہو گئی۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ نے عتبہ اور شیبہ دونوں بیٹوں ربیعہ کے، اور ولید بن عتبہ کو ہلاک کیا، جبکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے"۔ (2)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صحیح بات یہ ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت عتبہ کے مقابلے میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت شیبہ (3) کے مقابلے میں مبارزت کے لیے نکلے تھے، واللہ اعلم"۔ (4)

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4943 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 948 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- یہی روایت امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2605 کے تحت نقل کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

4- دیکھیں: السیرۃ النبویۃ، امام ذہبی رحمہ اللہ، جلد 1، صفحہ 306۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "یہی روایت زیادہ صحیح ہے، لیکن سیرت میں مذکور روایت، جس کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ولید کے مقابلے میں اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضرت عتبہ کے مقابلے میں مبارزت کے لیے نکلے تھے، زیادہ مشہور ہے اور موقع و محل کے زیادہ موافق بھی ہے[1]؛ کیونکہ حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت شیبہ دونوں عمر رسیدہ تھے، اسی طرح حضرت عتبہ اور حضرت حمزہ بھی عمر رسیدہ تھے، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ولید دونوں نوجوان تھے"۔[2]

امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں فرمایا ہے: صحیح اور ثابت روایت یہی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو قتل کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید کو قتل کیا، اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ کے مقابلے میں مبارزت کی[3]۔

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں، اور امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت قیس بن عباد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، البتہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو قسم کھاتے ہوئے سنا کہ: "اللہ کی قسم! یہ آیات غزوۂ بدر کے دن ان چھ افراد کے بارے میں نازل ہوئیں: ﴿هَذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ﴾ (سورۃ الحج: 19)؛ یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت علی بن ابی طالب اور

1- یہ روایت امام حاکم رحمہ اللہ کی مستدرک میں مذکور روایت کے بھی موافق ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 527۔

3- میں کہتا ہوں: یہی وہ روایت ہے جسے امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ، حدیث نمبر 4943 کے تحت روایت کیا ہے۔ یہی روایت زیادہ مشہور اور معروف ہے۔ نیز دیکھیں: طبقات ابن سعد، جلد دوم، صفحہ 261۔

حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم، جبکہ دوسری طرف عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ تھے۔ یہ لوگ غزوۂ بدر کے دن اپنے رب کے بارے میں باہم مقابل ہوئے"۔ (1)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "میرے نزدیک ان اقوال میں سے درست بات کے سب سے زیادہ قریب اور آیت کی تفسیر کے زیادہ موافق قول یہ ہے کہ ان دو فریقوں سے مراد تمام کافر ہیں، خواہ وہ کسی بھی قسم کے کفر میں مبتلا ہوں، اور تمام اہلِ ایمان مراد ہیں۔ میں نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے اپنی مخلوق کے دو گروہوں کا ذکر فرمایا ہے: ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں، اور دوسرا وہ جو اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ پھر اس کے بعد ان دونوں گروہوں کی صفات اور ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے معاملے کا ذکر فرمایا۔ اگر کوئی کہنے والا یہ سوال کرے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو روایت منقول ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوۂ بدر کے دن مبارزت کے لیے نکلے تھے، تو اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان شاء اللہ ہم اس روایت کو اسی طرح تسلیم کرتے ہیں جس طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی آیت کسی خاص سبب کی بنا پر نازل ہوتی ہے، پھر اس کا حکم اور مفہوم ہر

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3966، 3968 اور 3969 کے تحت، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3033 کے تحت، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2835 کے تحت روایت کیا ہے۔

اس صورت کو شامل ہوتا ہے جو اس سبب کے مشابہ ہو۔ یہ آیت بھی انہی آیات میں سے ہے"۔[1]

جنگ کا آغاز، نبی کریم ﷺ کا اپنے رب سے دعا اور فریاد کرنا

پھر جنگ کی شدت بڑھ گئی، دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے، لوگ ایک دوسرے کے قریب آ گئے، جنگ کا پہیہ پوری قوت سے گھومنے لگا اور قتال میں شدت پیدا ہو گئی۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ دعا اور عاجزی کے ساتھ اپنے رب کے حضور فریاد کرنے لگے اور بار بار اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے لگے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے دن ایک خیمے میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور تیرے وعدے کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔'' اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر عرض کیا: ''بس کیجیے، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اپنے رب سے بہت زیادہ الحاح وزاری[2] کر لی ہے"۔[3]

1- دیکھیں: تفسیر طبری، جلد نہم، صفحہ 124۔

2- امام ابن القیم رحمہ اللہ مدارج السالکین میں فرماتے ہیں: ''یہ الحاح وزاری ہی حقیقی عبودیت ہے۔'' دیکھیں: مدارج السالکین، جلد دوم، صفحہ 577۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4875 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے قبلہ رُخ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور اپنے رب سے فریاد کرنے لگے: اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ فرمایا ہے، اسے پورا فرما۔ اے اللہ! تو نے مجھ سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے، وہ عطا فرما۔ اے اللہ! اگر آج اسلام کے پیروکاروں کا یہ مختصر سا گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ آپ ﷺ مسلسل اپنے رب سے فریاد کرتے رہے، اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے قبلہ رُخ رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر دونوں کندھوں سے گر گئی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے، چادر اٹھا کر آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈال دی، پھر پیچھے سے آپ ﷺ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! اپنے رب سے آپ کی یہ فریاد کافی ہے، یقیناً وہ آپ سے کیا ہوا وعدہ پورا فرمائے گا''۔ (1)

فرشتوں کا نزول

پھر رسول اللہ ﷺ کو تھوڑی دیر کے لیے اونگھ آ گئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا اور فرمایا: ''اے ابو بکر! خوش ہو جاؤ، یہ جبریل علیہ السلام ہیں، ان کے گھوڑے کے آگے کی طرف گرد و غبار اڑ رہا ہے''۔ (2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن فرمایا: ''یہ جبریل

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1763 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام اموی نے المغازی میں روایت کیا ہے، جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں مذکور ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے تخریج فقہ السیرۃ للغزالی، صفحہ 226 میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

علیہ السلام ہیں، جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہیں اور ان پر جنگی ساز و سامان ہے"۔[1]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ "جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا: میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعے تمہاری مدد کرنے والا ہوں، جو پے در پے آتے جائیں گے۔ اور اللہ نے اسے صرف خوشخبری کے طور پر اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے مقرر کیا تھا، ورنہ مدد تو صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔" **(سورۃ الأنفال: 9-10)** اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ "جب آپ کے رب نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، لہٰذا تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا، پس ان کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور ان کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ"۔ سورۃ الأنفال: 12)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اس وقت مسلمانوں میں سے ایک شخص ایک مشرک کے پیچھے تیزی سے دوڑ رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے اوپر کوڑے کی ضرب کی آواز سنی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3995 کے تحت روایت کیا ہے۔

اور ایک سوار کی آواز آئی: 'آگے بڑھو، حیزوم!' اس نے اپنے سامنے موجود مشرک کی طرف دیکھا تو وہ اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ دیکھا تو اس کی ناک پر ضرب لگی ہوئی تھی اور اس کا چہرہ کوڑے کی ضرب سے پھٹا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر وہ انصاری صحابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم نے سچ کہا، یہ تیسرے آسمان سے آنے والی مدد تھی"۔ (1)

نبی کریم ﷺ کا مشرکین پر کنکریاں پھینکنا جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے مسلمانوں کی مدد فرمائی تو رسول اللہ ﷺ عریش سے باہر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾ "عنقریب یہ لشکر شکست کھا جائے گا اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گا۔" (سورۃ القمر: 45) (2) پھر آپ ﷺ نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی، مشرکین کی طرف رخ کیا اور فرمایا: "چہرے بگڑ جائیں!" پھر آپ ﷺ نے وہ کنکریاں ان کے چہروں کی طرف پھینک دیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص باقی نہ رہا جس کی آنکھیں ان کنکریوں سے بھر نہ گئی ہوں۔ اسی واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ "پس تم نے انہیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور جب آپ نے (کنکریاں) پھینکیں تو آپ نے نہیں پھینکیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں۔" (سورۃ الأنفال: 17)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1763 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اس واقعے کو اسی قدر امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3953 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ آیت نبی کریم ﷺ کے سب سے بڑے معجزات میں سے ایک ہے، اور اس میں خطاب خاص طور پر اہلِ بدر سے ہے۔ اسی طرح وہ مٹھی بھر کنکریاں بھی نبی کریم ﷺ نے پھینکی تھیں، لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں مشرکین کے تمام چہروں تک پہنچا دیا، اور یہ آپ ﷺ کی قدرت سے باہر تھا۔ یہی وہ "رمی" ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے نفی فرمائی ہے، جبکہ اس رمی کو آپ ﷺ کے لیے ثابت کیا ہے جو آپ کی قدرت میں تھی، یعنی کنکریاں پھینکنا۔ اسی طرح مشرکین کے قتل کی جو نسبت ان سے منفی کی گئی ہے، اس سے مراد وہ قتل ہے جو ان کے ہاتھوں سے براہِ راست نہیں ہوا، بلکہ فرشتوں نے کیا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی شخص کسی سوار کے پیچھے تیزی سے دوڑ رہا ہوتا، لیکن اچانک دیکھتا کہ فرشتے کی ضرب سے اس سوار کا سر اس کے سامنے زمین پر پڑا ہوا ہے"۔ (1)

اور امام ابن القیم رحمہ اللہ مدارج السالکین میں فرماتے ہیں: "اس آیت میں اشارہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے مشرکین کو دفع کرنے کے لیے ظاہری اسباب پیدا فرمائے، لیکن ان کو شکست دینے اور ہلاک کرنے کے لیے ایسے باطنی اسباب اختیار فرمائے جو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے۔ چنانچہ جو شکست، قتل اور فتح حاصل ہوئی، وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منسوب ہوئی اور اسی کی مدد سے واقع ہوئی؛ اور وہ بہترین مددگار ہے"۔ (2)

1- دیکھیں: إعلام الموقعین، جلد چہارم، صفحات 63-64۔

2- دیکھیں: مدارج السالکین، جلد چہارم، صفحہ 410۔

کافروں کی شکست

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان پر اپنی مدد نازل فرمائی اور انہیں مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا، جس کے نتیجے میں ستر مشرکین قتل ہوئے اور ستر قیدی بنا لیے گئے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "غزوۂ بدر کے دن نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشرکین کے ایک سو چالیس افراد کو قابو کیا؛ ان میں ستر قیدی تھے اور ستر مقتول"۔ (1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اس دن مشرکین میں سے ستر افراد قتل کیے گئے اور ستر افراد کو قیدی بنایا گیا"۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: مقتولین کی تعداد کے بارے میں یہی درست بات ہے۔ (3)

پس مشرکین میں سے جن لوگوں کو قتل کیا گیا، ان میں، جن کے نام رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے، ابو جہل، جو ابوالحکم عمرو بن ہشام تھا، عتبہ اور شیبہ دونوں ربیعہ کے بیٹے، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف اور کفر کے سرداروں میں سے دیگر لوگ بھی تھے۔

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3986 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1763 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 39۔

نبی کریم ﷺ کا کافروں کی لاشوں کے پاس کھڑا ہونا

پھر رسول اللہ ﷺ نے کافروں کے مقتولین کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ انہیں بدر کے کنوؤں میں سے ایک کنویں کی طرف گھسیٹ کر لے جایا گیا اور اس میں ڈال دیا گیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے، اور وہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: ''نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن قریش کے چوبیس سرداروں کے بارے میں حکم دیا، چنانچہ انہیں بدر کے ایک گندے اور ناپاک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ نبی کریم ﷺ کی عادت تھی کہ جب کسی قوم پر غلبہ حاصل کرتے تو تین راتیں میدان میں قیام فرماتے۔ چنانچہ جب بدر میں تیسرا دن ہوا تو آپ ﷺ نے اپنی سواری لانے کا حکم دیا، اس پر کجاوہ کسا گیا، پھر آپ ﷺ پیدل چل پڑے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے چل پڑے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارا خیال ہے کہ آپ ﷺ کسی ضرورت کے لیے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کنویں کے کنارے پر کھڑے ہو گئے اور انہیں ان کے ناموں اور ان کے باپوں کے ناموں سے پکارنے لگے: ''اے فلاں بن فلاں! اور اے فلاں بن فلاں! کیا تمہیں یہ بات پسند ہوتی کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے؟ بے شک ہم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے، تو کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ان لوگوں سے کیا بات کر رہے ہیں جن کے جسموں میں روحیں نہیں ہیں؟'' تو رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! تم جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔''

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا تاکہ انہیں آپ ﷺ کی بات سنوادے، بطورِ سرزنش، ذلت، سزا، حسرت اور ندامت کے"۔ (1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے مقتولین کو تین دن تک چھوڑے رکھا، پھر آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، ان کے پاس کھڑے ہوئے اور انہیں پکار کر فرمایا: ''اے ابو جہل بن ہشام! اے امیہ بن خلف! اے عتبہ بن ربیعہ! اے شیبہ بن ربیعہ! کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا نہیں پایا؟ بے شک میں نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا ہے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سنی تو عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ کیسے سن سکتے ہیں اور کیسے جواب دے سکتے ہیں، جبکہ وہ مردار ہو چکے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم جو کچھ میں کہہ رہا ہوں، اسے ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، لیکن وہ جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے"۔ (2)

مسلمان شہداء کی تعداد

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3976 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2874 کے تحت روایت کیا ہے۔

غزوۂ بدرِ کبریٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چودہ افراد شہید ہوئے؛ ان میں چھ مہاجرین، چھ خزرج اور دو اوس سے تھے۔[1]

اہلِ مدینہ کو فتح کی خوشخبری دینا

رسول اللہ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ مدینہ کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے روانہ فرمایا۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں ایک حسن لغیرہ سند کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر بن حزم اور صالح بن ابی امیہ بن سہل بن حنیف سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اہلِ مدینہ کی طرف دو خوشخبری دینے والے بھیجے۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے نچلے علاقے کے لوگوں کی طرف اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ کے بالائی علاقے کے لوگوں کی طرف روانہ فرمایا، تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نبی ﷺ کو عطا کی گئی فتح کی خوشخبری سنائیں۔ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی اپنے بیٹے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اس وقت ملاقات ہوئی جب وہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، جو رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی تھیں، کو دفن کرکے مٹی برابر کر رہے تھے۔ ان سے کہا گیا: ''یہ تمہارے والد ہیں، جو ابھی پہنچے ہیں۔'' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں ان کے پاس آیا تو وہ لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر کہہ رہے تھے: ''عتبہ بن ربیعہ، شیبہ

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحات 319-320۔

بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، نبیہ، منبہ اور امیہ بن خلف قتل ہو گئے ہیں۔'' میں نے عرض کیا: ''ابا جان! کیا یہ بات واقعی درست ہے؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہاں، اللہ کی قسم! بیٹے!''(1)

نبی کریم ﷺ کا قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آنا

پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ کی مدد و نصرت سے کامیاب و کامران، فتحِ الٰہی پر خوش و مطمئن، قیدیوں اور مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے تو مدینہ اور اس کے آس پاس موجود آپ ﷺ کے تمام دشمن آپ ﷺ سے مرعوب ہو چکے تھے۔ مدینہ کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی موقع پر عبداللہ بن اُبی منافق اور اس کے ساتھی بھی ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر اور قیدیوں کے معاملات شوال کے مہینے میں مکمل فرمائے۔(2)

موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے واقعے کے ذریعے مشرکین اور منافقین کی گردنیں ذلیل کر دیں۔ چنانچہ مدینہ میں کوئی منافق اور کوئی یہودی ایسا باقی نہ رہا جس نے غزوۂ بدر کے واقعے کے سامنے اپنی گردن نہ جھکا دی

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 5025 کے تحت، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد سوم، صفحہ 187 میں روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 219۔

ہو۔اور یہ یوم الفرقان تھا، یعنی وہ دن جب اللہ تعالیٰ نے شرک اور ایمان کے درمیان فرق واضح فرمادیا۔[1]

سورۃ الانفال[2] کا نزول

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب غزوۂ بدر کا معاملہ مکمل ہو گیا تو اللہ عزوجل نے اس کے بارے میں قرآن مجید کی پوری سورۃ الانفال نازل فرمائی"۔[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الانفال کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ بدر کے بارے میں نازل ہوئی"۔[4]

صحیح مسلم کے ایک دوسرے لفظ میں ہے، سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الانفال کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''یہ بدر کے بارے میں نازل ہونے والی سورت ہے۔[5]

اہلِ بدر کی فضیلت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں معاذ بن رفاعہ بن رافع الزرقی سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، جو اہلِ بدر میں سے تھے، وہ کہتے ہیں: ''جبریل علیہ

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد سوم، صفحات 116-117۔

2- امام سہیلی رحمہ اللہ الروض الأنف جلد سوم، صفحہ 119 میں فرماتے ہیں: ''الانفال سے مراد مالِ غنیمت ہے"۔

3- سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 278۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4645 کے تحت روایت کیا ہے۔

5- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3031 کے تحت روایت کیا ہے۔

السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: تم اپنے درمیان اہلِ بدر کو کس مقام پر شمار کرتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مسلمانوں میں سب سے افضل ہیں، یا اسی مفہوم کی کوئی بات فرمائی۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: اسی طرح وہ فرشتے بھی افضل ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔[1]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ[2] غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے، اور تمہیں کیا معلوم[3]، شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کے بارے میں خاص توجہ فرمائی ہو اور فرمایا ہو: تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے''[4]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "یہ ایک عظیم بشارت ہے، جو ان کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی"۔[5]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بارے میں ہمارا گمان، واللہ اعلم، یہ ہے کہ یہ خطاب ایسے لوگوں سے ہے جن کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جانتا تھا کہ وہ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3992 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- یعنی اس سے مراد حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ ہیں، جب انہوں نے اہلِ مکہ کے نام ایک خط بھیجا تھا، جس میں انہیں نبی کریم ﷺ کے مکہ کی طرف روانہ ہونے اور اسے فتح کرنے کے ارادے کی خبر دی تھی۔

3- یہ خطاب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہے، کیونکہ انہوں نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو ان کے اہلِ مکہ کے نام خط بھیجنے کی وجہ سے قتل کرنے کی اجازت طلب کی تھی۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4274 کے تحت اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2494 کے تحت روایت کیا ہے۔

5- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 37۔

اپنے دین سے جدا نہیں ہوں گے، بلکہ اسلام ہی کی حالت میں وفات پائیں گے۔ اگرچہ ان سے بھی بعض ایسے گناہ سرزد ہو سکتے ہیں جو دوسرے لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ انہیں ان گناہوں پر اصرار کرتے ہوئے نہیں چھوڑے گا، بلکہ انہیں سچی توبہ، استغفار اور ایسی نیکیاں کرنے کی توفیق دے گا جو ان گناہوں کے اثر کو مٹا دیں گی۔ اور انہیں دوسروں کے مقابلے میں اس خصوصیت سے نوازنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بارے میں یہ بات یقینی طور پر معلوم ہو چکی تھی کہ وہ مغفور ہیں۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کی مغفرت ان اسباب کے بغیر حاصل ہوئی جو ان کی طرف سے انجام پاتے ہیں۔ اسی طرح اس کا یہ تقاضا بھی نہیں کہ مغفرت پر بھروسا کرتے ہوئے فرائض کو ترک کر دیا جائے۔ اگر مغفرت اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے احکام پر مسلسل عمل کیے بغیر ہی حاصل ہو چکی ہوتی تو پھر انہیں نماز، روزہ، حج، زکاۃ اور جہاد کی کوئی ضرورت نہ رہتی، اور یہ بات محال ہے۔ بلکہ بعد میں بھی توبہ کرنا واجبات میں سے ایک اہم ترین واجب ہے۔ لہٰذا مغفرت کی ضمانت کا یہ مطلب نہیں کہ مغفرت کے اسباب کو ترک کر دیا جائے۔ اسی طرح جن لوگوں کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی بشارت دی یا یہ خبر دی کہ وہ مغفور ہیں، نہ انہوں نے اور نہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے یہ سمجھا کہ ان کے لیے گناہوں اور معصیتوں کا ارتکاب بالکل آزاد ہے یا واجبات کو ترک کرنے کی صورت میں انہیں معافی حاصل رہے گی۔ بلکہ بشارت ملنے کے بعد یہ لوگ پہلے کی نسبت زیادہ محتاط، زیادہ محنت کرنے والے، زیادہ خوف رکھنے والے اور زیادہ اللہ سے

ڈرنے والے ہو گئے، جیسا کہ ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال تھا جنہیں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ (1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حاطب رضی اللہ عنہ کی شکایت کی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! حاطب جہنم میں ضرور داخل ہو گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے غلط کہا، وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا؛ کیونکہ وہ غزوۂ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہو چکا ہے۔ (2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت ربیعہ بنت براء، جو حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے حارثہ کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے؟ وہ غزوۂ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے۔ انہیں ایک ایسی تیر لگی تھی جس کا چلانے والا معلوم نہ تھا۔ اگر وہ جنت میں ہیں تو میں صبر کروں گی، اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور معاملہ ہے تو میں ان پر خوب روؤں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ام حارثہ! جنت میں بہت سے درجات اور باغات ہیں، اور تمہارا بیٹا جنت الفردوس میں پہنچا ہے''۔ (3)

1- دیکھیں: کتاب الفوائد، صفحہ 39۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی ** صحیح ** میں حدیث نمبر **2495** کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2809 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں اہلِ بدر کی فضیلت کی ایک عظیم تنبیہ ہے۔[1]

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت معاذ بن رفاعہ بن رافع سے روایت کیا ہے، اور ان کے والد رفاعہ اہلِ بدر میں سے تھے، جبکہ ان کے دادا رافع بیعتِ عقبہ میں شریک تھے۔ چنانچہ وہ اپنے بیٹے سے فرمایا کرتے تھے: **''مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں غزوۂ بدر میں شریک ہونے کے بجائے بیعتِ عقبہ میں شریک ہوتا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اہلِ بدر کی دوسروں پر فضیلت کے بارے میں کوئی صریح فرمان نہیں سنا تھا، اسی لیے انہوں نے اپنی اجتہادی رائے کی بنا پر یہ بات کہی۔ ان کے خیال کی وجہ یہ تھی کہ بیعتِ عقبہ ہی اسلام کی نصرت کی بنیاد اور ہجرت کا سبب بنی، اور اسی ہجرت کے نتیجے میں تمام غزوات کے لیے تیاری کا آغاز ہوا۔ لیکن فضیلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے"۔[3]

غزوۂ بنو سلیم

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے، اور بدر سے واپسی رمضان کے آخری دنوں میں ہوئی، تو آپ ﷺ مدینہ میں صرف سات

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد سوم، صفحہ 348

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3993 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 46۔

راتیں قیام فرما سکے۔ اس کے بعد آپ ﷺ خود بنو سلیم کی طرف غزوہ کے ارادے سے روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ان کے پانی کے ایک چشمے پر پہنچے جسے الکدر کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ وہاں تین راتیں قیام فرما کر مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور کسی قسم کی جنگ کا سامنا نہیں ہوا۔ (1)

غزوۂ بنو قینقاع

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بیان کیا کہ بنو قینقاع وہ پہلے یہودی تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور بدر اور اُحد کے درمیان آپ ﷺ سے جنگ کی۔ (2)

جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میدانِ بدر میں اپنے رسول ﷺ اور اہلِ ایمان کو زبردست فتح عطا فرمائی ہے، اور مسلمانوں کو ایسی عزت، قوت اور رعب حاصل ہو گیا ہے کہ دور و نزدیک کے لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت بیٹھ گئی ہے، تو ان کا غیظ و غضب ظاہر ہو گیا۔ انہوں نے کھلم کھلا دشمنی اور شر کا اظہار کیا اور سرکشی واذیت کا علانیہ مظاہرہ کرنے لگے۔

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 49؛ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد سوم، صفحہ 163۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 54۔

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اس غزوے کی تاریخ متعین نہیں کی، بلکہ اسے غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے درمیان قرار دیا ہے۔ جبکہ امام ابن سعد رحمہ اللہ نے طبقات، جلد دوم، صفحہ 263 میں ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ ہجرتِ مدینہ کے بیس ماہ مکمل ہونے پر، شوال کی پندرہ تاریخ، ہفتہ کے دن پیش آیا۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 149 میں اسی قول کی پیروی کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "یہودیوں میں سب سے پہلے عہد توڑنے والے بنو قینقاع تھے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے واقعے کے بعد شوال میں ان سے جنگ کی"۔ (1)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حسن سند کے ساتھ، جو شواہد کی بنا پر حسن ہے، روایت کیا ہے۔ الفاظ امام ابو داؤد کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن قریش کو شکست دی اور مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو بنو قینقاع کے بازار میں جمع کیا اور فرمایا: اے یہود کے گروہ! اسلام لے آؤ، اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی کچھ آجائے جو قریش پر آیا ہے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! آپ اس بات سے دھوکا نہ کھائیں کہ آپ نے قریش کے چند ایسے لوگوں کو قتل کیا ہے جو ناتجربہ کار تھے اور جنگ کرنا نہیں جانتے تھے۔ اگر آپ نے ہم سے جنگ کی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل جنگجو کون ہیں، اور آپ نے ہم جیسے لوگوں کا سامنا کبھی نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ﴾ سے لے کر اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ﴾ تک۔ (سورۃ آل عمران: 12-13) (2)

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 68۔

2- یہ روایت امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3001 کے تحت، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے فتح الباری**، جلد ہشتم، صفحہ 71 میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ان دونوں گروہوں[1] سے اشارہ غزوۂ بدر کے دن کی طرف ہے۔[2]

بنوقینقاع کا محاصرہ اور پھر ان کی جلاوطنی

جب بنوقینقاع نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے عہد[3] کی خلاف ورزی کی تو رسول اللہ ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا قائم مقام مقرر فرمایا اور مسلمانوں کا جھنڈا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا۔ آپ ﷺ نے ان کا **پندرہ راتوں **تک محاصرہ کیے رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ انہیں باندھ دیا جائے۔ اس موقع پر عبداللہ بن اُبی بن سلول نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں گفتگو کی اور ان کے حق میں بہت اصرار کیا، کیونکہ وہ ان کے حلیف تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس کے حوالے کر دیا اور حکم فرمایا کہ وہ مدینہ منورہ سے نکل جائیں اور یہاں آپ ﷺ کے پڑوس میں نہ رہیں۔ چنانچہ وہ شام کے علاقے اَذْرِعات کی طرف چلے گئے۔[4]

1- جن دونوں گروہوں کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد پنجم، صفحہ 39۔

3- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم جلد دوازدہم، صفحہ 78 میں فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہد اور ذمی جب اپنا عہد توڑ دے تو وہ حربی ہو جاتا ہے اور اس پر جنگ کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اور امام کو اختیار ہے کہ ان میں سے جسے چاہے قیدی بنائے اور جس پر چاہے احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے۔''

4- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحات 54-55؛ زادالمعاد، جلد سوم، صفحہ 149۔

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی دونوں صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا، جبکہ بنو قریظہ کو ان کے حال پر رہنے دیا اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا، یہاں تک کہ بعد میں بنو قریظہ نے جنگ کی، تو ان کے مردوں کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور مال واسباب کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ البتہ ان میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے انہیں امان دے دی، اور وہ اسلام لے آئے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا، جن میں بنو قینقاع، جو عبداللہ بن سلام کی قوم تھی، اور بنو حارثہ کے یہودی، اور مدینہ میں موجود ہر یہودی شامل تھا۔[1]

غزوۂ سویق[2] یا قرقرۃ الکدر[3]

غزوۂ سویق ہجرت کے دوسرے سال ماہِ ذوالحجہ میں پیش آیا۔

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4028 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 766 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- سویق ایک قسم کا کھانا ہے جو گندم اور جو کو پیس کر تیار کیا جاتا ہے۔ اسے سویق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حلق سے آسانی سے اتر جاتا ہے۔ دیکھیں: المعجم الوسیط، جلد اول، صفحہ 465۔ امام ابن ہشام رحمہ اللہ سیرت، جلد سوم، صفحہ 51 میں فرماتے ہیں: ''اس غزوے کو غزوۂ سویق اس لیے کہا گیا کہ مجھے ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے کہ اس واقعے میں لوگوں نے سب سے زیادہ اپنا زادِ سفر، یعنی سویق، پھینکا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے بہت سا سویق حاصل کر لیا، اسی وجہ سے اس کا نام غزوۂ سویق رکھا گیا۔''

3- قرقر ہموار زمین کو کہتے ہیں، جبکہ کدر بنو سلیم کے پانی کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 43۔

غزوے کا سبب

جب مشرکین کا شکست خوردہ لشکر غزوۂ بدر سے واپس لوٹا تو ابو سفیان نے نذر مانی کہ جب تک وہ محمد ﷺ سے جنگ نہ کرلے، جنابت کا پانی اپنے سر پر نہیں ڈالے گا۔ چنانچہ وہ قریش کے دو سو سواروں کے ساتھ نکلا، یہاں تک کہ رات کے وقت بنو نضیر کے پاس پہنچا۔ وہ ایک رات یہودی شخص سلام بن مشکم کے ہاں ٹھہرا۔ اس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں کے حالات اور ان کی خبریں اسے بتائیں۔ پھر وہ اپنی اسی رات کے آخری حصے میں وہاں سے نکلا اور اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا۔ اس کے بعد اس نے قریش کے کچھ آدمیوں کو بھیجا۔ وہ مدینہ کے ایک علاقے العریض میں پہنچے اور وہاں کھجوروں کے باغات میں سے کچھ کو آگ لگادی۔ وہاں انہیں ایک انصاری شخص اور اس کا ایک حلیف ملا، تو انہوں نے دونوں کو قتل کر دیا۔ پھر وہ واپس لوٹ گئے۔

نبی کریم ﷺ کا ابو سفیان کے تعاقب میں نکلنا

جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نکلنے کی ترغیب دی اور دو سو مہاجرین و انصار کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے، تاکہ انہیں تلاش کریں۔ ابو سفیان اور اس کے ساتھی اپنے بوجھ کو ہلکا کرنے کے لیے راستے میں اپنا سویق کا تھیلا پھینکتے جاتے تھے، کیونکہ سویق ہی ان کے زیادہ تر زادِ سفر پر مشتمل تھا۔ مسلمان اسے اٹھا لیتے تھے، اسی وجہ سے اس غزوے کا نام غزوۂ سویق پڑ گیا۔ رسول اللہ ﷺ قرقرۃ الکدر تک پہنچے، لیکن ابو سفیان

اور اس کے ساتھیوں کو نہ پاسکے۔ پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ آپ ﷺ کی غیر موجودگی پانچ دن رہی۔[1]

ہجری کا تیسرا سال

غزوۂ ذی اَمر[2] یا غزوۂ غطفان[3]

جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ سویق سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ذوالحجہ کا باقی حصہ یا اس کے قریب مدت مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نجد کی طرف غزوہ کے ارادے سے روانہ ہوئے، جس کا مقصد غطفان تھا۔ اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی کہ بنو ثعلبہ اور بنو محارب کے ایک گروہ نے ذی اَمر کے مقام پر جمع ہو کر یہ ارادہ کیا ہے کہ مدینہ منورہ کے اطراف پر حملہ کریں۔

رسول اللہ ﷺ چار سو پچاس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ راستے میں ان لوگوں میں سے ایک شخص، جس کا نام جبار اور جو بنو ثعلبہ سے تھا، مسلمانوں کے ہاتھ آگیا۔ اسے رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا۔ اس نے آپ ﷺ کو ان لوگوں کے حالات بتائے اور کہا: ''وہ آپ ﷺ سے مقابلہ نہیں کریں گے۔ اگر انہیں آپ ﷺ کے روانہ ہونے کی خبر ہو جاتی تو وہ پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ جاتے۔'' اور میں

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحات 50-51؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 264۔

2- اس غزوے کو ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 52 میں اسی نام سے ذکر کیا ہے۔

3- ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی طبقات، جلد دوم، صفحہ 266 میں اسی نام سے ذکر کیا ہے، جبکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 375 میں اسے غزوۂ نجد کے نام سے ذکر کیا ہے۔

بھی آپ ﷺ کے ساتھ چلوں گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ اسلام لے آیا۔

رسول اللہ ﷺ چلتے رہے، یہاں تک کہ ایک ایسے پانی کے مقام پر پہنچے جسے ذو اَمر کہا جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے وہاں پڑاؤ ڈالا، جبکہ غطفان کے لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں میں منتشر ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور کسی قسم کی جنگ پیش نہیں آئی۔ آپ ﷺ کی مدینہ سے غیر حاضری گیارہ راتیں رہی۔ (1)

غزوۂ اُحد (2)

غزوۂ اُحد ہجری کے تیسرے سال، ماہِ شوال کی پندرہ تاریخ (3)، ہفتہ کے دن پیش آیا۔

1- یہی بات امام ابن سعد رحمہ اللہ نے طبقات، جلد دوم، صفحہ 267 میں ذکر کی ہے۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 52 میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجد میں پورا ماہِ صفر یا اس کے قریب مدت قیام فرمایا۔
اس غزوے کی تفصیلات کے لیے دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 52؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحات 266-267۔

2- امام ابن اسحاق رحمہ اللہ سیرت، جلد سوم، صفحہ 117 میں فرماتے ہیں: ''غزوۂ اُحد کا دن آزمائش، مصیبت اور چھان بین کا دن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے اہلِ ایمان کو آزمایا اور ان منافقین کو آزمائش میں مبتلا کیا جو اپنی زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے، جبکہ اپنے دل میں کفر کو چھپائے ہوئے تھے۔ اور یہ وہ دن تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں میں سے جنہیں عزت دینا چاہا، انہیں شہادت کے ذریعے عزت بخشی۔''

3- یہی بات امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 112 میں ذکر کی ہے، جبکہ امام ابن سعد رحمہ اللہ نے طبقات، جلد دوم، صفحہ 267 میں ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ شوال کی سات راتیں گزرنے کے بعد پیش آیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "اور اس کے پاس، یعنی جبلِ اُحد کے پاس، جمہور کے اتفاق کے مطابق تیسرے سال ماہِ شوال میں مشہور واقعہ پیش آیا"۔ (1)

اور اس عظیم غزوے کے بارے میں سورۂ آل عمران کی بہت سی آیات نازل ہوئیں، جن کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتا ہے: ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (سورۂ آل عمران: 122-123)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان آیات کی تفسیر میں فرمایا: "جمہور کے نزدیک اس واقعے سے مراد غزوۂ اُحد کا دن ہے۔ یہی بات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ، سدی اور کئی دوسرے اہلِ علم نے کہی ہے۔ جبکہ حسن بصری رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد غزوۂ احزاب کا دن ہے۔ اسے ابن جریر نے روایت کیا ہے، لیکن یہ قول غریب ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا"۔ (2)

غزوے کا سبب

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جب غزوۂ بدر کے دن قریش کے کفار میں سے وہ لوگ مارے گئے جو کنویں میں ڈالے گئے تھے، اور ان کا شکست خوردہ لشکر مکہ واپس لوٹ گیا، جبکہ ابو سفیان بن حرب بھی اپنے تجارتی اونٹوں کو لے کر مکہ واپس

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 88۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ 109۔

پہنچ گیا، تو عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ، قریش کے ان لوگوں کے ساتھ جن کے باپ، بیٹے اور بھائی بدر کے دن مارے گئے تھے، ابو سفیان بن حرب کے پاس گئے، اور قریش کے ان لوگوں سے بھی بات کی جن کی اس تجارتی قافلے میں تجارت تھی۔ انہوں نے کہا: اے قریش کے لوگو! محمد ﷺ نے تمہیں سخت نقصان پہنچایا ہے اور تمہارے بہترین لوگوں کو قتل کر دیا ہے، لہٰذا اس مال کے ذریعے ہماری مدد کرو تاکہ ہم ان کے خلاف جنگ کر سکیں۔ امید ہے کہ ہم اپنے مقتولین کا بدلہ ان لوگوں سے لے سکیں گے جنہوں نے ہمارے آدمیوں کو قتل کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بعض اہلِ علم نے، جیسا کہ مجھے بتایا گیا ہے، کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان انہی کے بارے میں نازل ہوا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ ”بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں، سو وہ اسے خرچ کرتے رہیں گے، پھر وہ ان کے لیے حسرت بن جائے گا، پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے، اور جن لوگوں نے کفر کیا، انہیں جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا۔“ (سورۃ الانفال: 36)[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "اسی طرح مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عتیبہ، قتادہ، سدی اور ابن ابزیٰ رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے کہ یہ آیت ابو سفیان اور اس کے اس مال خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جو اس نے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 68۔

رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے غزوۂ اُحد میں خرچ کیا تھا۔اور ضحاک نے کہا ہے کہ یہ آیت اہلِ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بہر حال، ہر صورت میں یہ آیت عام ہے، اگرچہ اس کے نزول کا سبب خاص ہے"۔ (1)

قبائل کو ابھارنا اور کفار کے لشکر کی تعداد

قریش نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کی تیاری کی، اور چند آدمیوں کو عرب کے قبائل میں بھیجا تاکہ وہ انہیں اپنی مدد کے لیے بلائیں اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف انہیں ابھاریں۔ چنانچہ ان کے ساتھ قریش، ان کے حلیفوں اور احابیش میں سے تین ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ وہ اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے تاکہ وہ میدانِ جنگ سے فرار نہ ہوں۔ان کے ساتھ ابو عامر فاسق بھی شامل ہو گیا، جو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے، جنہیں غسیل الملائکہ کہا جاتا ہے۔ وہ اپنی قوم کے پچاس آدمیوں کے ساتھ آیا تھا۔ میدانِ جنگ میں اس کا کردار یہ تھا کہ زمین میں گڑھے کھودے، تاکہ مسلمان ان میں گر جائیں۔ چنانچہ ابو سفیان بن حرب، جو اس لشکر کا قائد تھا، لوگوں کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوا، یہاں تک کہ جبلِ اُحد کے قریب عینین (2) نامی مقام پر آ کر پڑاؤ ڈالا۔

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم، صفحہ 53۔

2- جبلِ عینین اُحد میں واقع ایک پہاڑ ہے، اور یہی وہ پہاڑ ہے جس پر اس دن تیر اندازوں نے قیام کیا تھا۔ دیکھیں: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 301۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر 4072 میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب عینین کے سال لوگ نکلے، اور عینین اُحد کے سامنے ایک پہاڑ ہے، جس کے اور اُحد کے درمیان ایک وادی ہے۔'' اور امام احمد رحمہ اللہ کی روایت، حدیث نمبر 16077 میں ہے: ''اور عینین اُحد کے نیچے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 117 میں فرماتے ہیں: ''ان کا یہ کہنا کہ عینین اُحد کے سامنے ایک پہاڑ ہے، یعنی اُحد کی جانب واقع ہے۔ کہا جاتا ہے: فلاں شخص فلاں چیز کے حیال میں ہے، یعنی اس کے مقابل ہے۔ یہ

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "پس قریش نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے اس وقت اجتماع کیا، جب ابو سفیان بن حرب اور تجارتی قافلے والوں نے ایسا کیا، اور ان کے ساتھ ان کے احابیش، کنانہ کے قبائل میں سے ان کی اطاعت کرنے والے لوگ اور اہلِ تہامہ بھی شامل ہو گئے۔ اور وہ اپنی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے کر نکلے، تاکہ غیرت و حمیت قائم رہے اور وہ فرار نہ ہوں۔ چنانچہ وہ چلتے ہوئے آئے، یہاں تک کہ عینین کے مقام پر، جو قناۃ[1] کے قریب بطنِ سَبخہ میں ایک پہاڑ ہے، وادی کے کنارے مدینہ منورہ کے سامنے آ کر اترے"۔[2]

جبیر بن مطعم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل

جبیر بن مطعم ہی وہ شخص تھے جن کے چچا طعیمہ بن عدی کو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ جبیر بن مطعم اس وقت مشرک تھے۔ ان کا ایک حبشی غلام تھا، جس کا نام وحشی تھا۔ وہ حبشیوں کے طریقے کے مطابق اپنا نیزہ پھینکتا تھا اور اس میں بہت کم خطا کرتا تھا۔ جبیر بن مطعم نے اس سے کہا: "لوگوں کے ساتھ نکل جاؤ، اگر تم نے محمد ﷺ کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کر دیا تو تم آزاد

اس روایت کے بعض راویوں کی طرف سے اس کی تفسیر ہے۔ اور وحشی رضی اللہ عنہ نے اس سال کو اُحد کے بجائے عینین کی طرف منسوب کیا، اس کا سبب یہ ہے کہ قریش نے اسی کے پاس پڑاؤ ڈالا تھا۔"

1- قناۃ: مدینہ کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے، جس میں کھیتی، مال اور زرعی پیداوار ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 303۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحات 68، 70۔

ہو"۔[1] اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4072 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا: "حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے بدر کے دن طعیمہ بن عدی بن خیار کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ میرے آقا جبیر بن مطعم نے مجھ سے کہا: اگر تم نے میرے چچا کے بدلے حمزہ کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو"۔[2]

حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے کہا: "اور مجھے اس کے علاوہ کسی اور چیز کی کوئی حاجت نہیں تھی"۔[3]

رسول اللہ ﷺ کی طرف حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا خط[4]

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کی فوجی تیاریوں پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ جب یہ لشکر روانہ ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 69۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4072 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4072 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 78۔

4- حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ الاستیعاب، جلد دوم، صفحہ 359 میں فرماتے ہیں: ''حضرت عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو مشرکین کی خبروں کے بارے میں خطوط لکھا کرتے تھے، اور مسلمان مکہ میں ان کی وجہ سے تقویت حاصل کرتے تھے۔'' اور امام ذہبی رحمہ اللہ سیر أعلام النبلاء، جلد دوم، صفحہ 96 میں فرماتے ہیں: ''پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ مسلسل نبی کریم ﷺ کے بارے میں فکر مند اور آپ ﷺ سے محبت کرنے والے رہے، اور آپ ﷺ کی خاطر تکلیف پر صبر کرتے رہے۔ اس وقت تک وہ اسلام نہیں لائے تھے۔ یہاں تک کہ بیعتِ عقبہ کی رات وہ اپنے بھتیجے کے ساتھ رات میں اٹھے، اور ستر افراد سے ان کے لیے پختہ عہد لیا۔ پھر وہ اپنے لوگوں کے ساتھ مجبور

عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ایک فوری خط روانہ کیا، جس میں لشکر کی تمام تفصیلات درج تھیں[1]۔

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا

جب رسول اللہ ﷺ کو قریش کے بارے میں خبر کی پوری طرح تصدیق ہو گئی تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا اور ان سے مشورہ فرمایا کہ کیا ان کی طرف نکلنا چاہیے یا مدینہ منورہ میں ہی قیام کرنا چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ سے باہر نہ نکلا جائے اور اسی میں پناہ لے کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر مشرکین مدینہ میں داخل ہو جائیں تو مسلمان گلیوں کے سروں پر ان سے لڑیں اور عورتیں گھروں کی چھتوں سے ان کا مقابلہ کریں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں وہ خواب بھی بیان فرمایا جو آپ ﷺ نے دیکھا تھا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن اپنی تلوار ذوالفقار اپنے لیے منتخب کر لی تھی، اور یہی وہ تلوار تھی جس کے بارے میں آپ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے موقع پر خواب دیکھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنی تلوار

ہو کر بدر کی طرف نکلے، جہاں وہ قیدی بن گئے۔ اس وقت انہوں نے ان کے سامنے ظاہر کیا کہ وہ پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ پھر وہ مکہ واپس آ گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ وہاں کیوں مقیم رہے۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے موقع پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا، نہ ہی وہ ابو سفیان کے ساتھ نکلے، اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، قریش نے بھی اس بارے میں ان سے کوئی باز پرس نہیں کی۔ پھر فتح مکہ سے کچھ پہلے وہ ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے، لیکن ان کا مکہ سے روانہ ہونا ہمارے لیے واضح طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔“

1- دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ 250۔

ذوالفقار میں ایک شگاف دیکھا، تو میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ تم میں سے ایک شخص کے قتل ہونے کی علامت ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ میں ایک مینڈھے کے پیچھے سوار ہوں، تو میں نے اس کی تعبیر لشکر کے سردار [1] سے کی۔ اور میں نے دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں، تو میں نے اس کی تعبیر مدینہ منورہ سے کی۔ اور میں نے دیکھا کہ گائیں [2] ذبح کی جارہی ہیں، اور اللہ کی قسم! گائے بہتر ہے [3]، اللہ کی قسم! گائے بہتر ہے۔ [4]

امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن لوگوں سے مشورہ کیا، پھر فرمایا: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں، اور گویا کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں اور فروخت کی جارہی ہیں۔ پس میں نے اس مضبوط زرہ کی تعبیر مدینہ منورہ سے کی، اور گائے کی تعبیر کچھ لوگوں سے کی، اور

1- کَبْشُ القوم سے مراد قوم کا سردار اور ان کا آقا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کَبْشُ القوم سے مراد ان کا محافظ اور ان میں قابلِ نظر شخص ہے۔ دیکھیں: لسان العرب، جلد دوازدہم، صفحہ 18۔

2- سندی رحمہ اللہ شرحِ مسند جلد دوم، صفحہ 490 میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرمان «فَتَجَزَّرَ» کا مطلب ہے: ''پس اس کے بعد گائے ذبح کی جائیں گی۔'' گویا اس سے مراد ذبح کی جانے والی گایوں کی کثرت بیان کرنا ہے، یعنی ایک گائے کے بعد دوسری گائے ذبح کی جاتی رہے گی۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 128 میں فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرمان «واللہ خیر» کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ بھی خواب ہی کے جملوں میں سے ہے، جیسا کہ قاضی عیاض رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ علم نے قطعی طور پر بیان کیا ہے۔ اسی طرح دونوں الفاظ «واللہ خیر» رفع کے ساتھ ہیں، کیونکہ یہ مبتدا اور خبر ہیں۔ اس میں ایک لفظ محذوف ہے، جس کی تقدیر یہ ہے: ''اور اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا کام بہتر ہے۔''

4- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2405 اور 442 کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ بہتر ہے۔ لہٰذا اگر تم ان سے گلیوں میں لڑو تو عورتیں دیواروں کے اوپر سے ان پر پتھر پھینکیں گی۔ (1)

اور امام احمد رحمہ اللہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر ہم مدینہ منورہ ہی میں ٹھہرے رہیں، پھر اگر وہ ہمارے پاس مدینہ میں داخل ہوں تو ہم ان سے لڑیں گے"۔ (2)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے

چنانچہ فضلاء صحابہ میں سے ایک جماعت، جنہیں غزوۂ بدر کے موقع پر نکلنے کا موقع نہیں ملا تھا، فوراً اس بات کی طرف اشارہ کرنے لگی کہ ان کے مقابلے کے لیے باہر نکلا جائے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس معاملے میں اصرار کیا۔ انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! زمانۂ جاہلیت میں بھی کبھی دشمن ہمارے شہر میں داخل ہو کر ہم پر غالب نہیں آئے، تو اسلام کے زمانے میں وہ ہمارے شہر میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اب تمہاری مرضی ہے"۔ (3)

اور امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "کیا وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو کر ہم پر حملہ

1- اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ، حدیث نمبر 7600 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 14787 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 14787 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

کریں گے ؟ وہ کبھی بھی ہمارے پاس داخل نہیں ہوئے، بلکہ ہم ہی ان کے مقابلے میں باہر نکلیں گے "۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اب تمہاری مرضی ہے"۔ (1)

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے دن اپنی تلوار ذوالفقار اپنے لیے منتخب کرلی تھی، اور یہی وہ تلوار تھی جس کے بارے میں آپ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے موقع پر خواب دیکھا تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب غزوۂ اُحد کے دن مشرکین رسول اللہ ﷺ کے مقابلے میں آئے تو رسول اللہ ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں ہی قیام کیا جائے اور وہیں ان سے مقابلہ کیا جائے۔ لیکن کچھ ایسے لوگوں نے، جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے، عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں ان کے مقابلے میں لے چلیں تاکہ ہم اُحد میں ان سے لڑیں۔''اور انہیں امید تھی کہ انہیں بھی وہ فضیلت حاصل ہوگی جو اہلِ بدر کو حاصل ہوئی تھی۔ (2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بہت سے لوگوں نے دشمن کے مقابلے میں نکلنے پر ہی اصرار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کی رائے پر اکتفانہ کیا۔ اگر وہ آپ ﷺ کے حکم پر راضی ہو جاتے تو ایسا ہی ہوتا، لیکن قضا و قدر غالب آ گئی۔ اور جن لوگوں نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا تھا، ان میں سے زیادہ تر وہ لوگ تھے جو غزوۂ

1- اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں حدیث نمبر 7600 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 2620 کے تحت روایت کیا ہے۔

بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے اہلِ بدر کے لیے پہلے سے حاصل ہونے والی فضیلت کو جان لیا تھا"۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کا اُحد کی طرف روانگی کی تیاری کرنا

رسول اللہ ﷺ اٹھے، اپنے گھر میں داخل ہوئے، اپنی زرہ پہنی اور آپ ﷺ نے دو زریں پہنیں (2)۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ نے دو زریں پہن رکھی تھیں"۔ (3)

اور امام احمد رحمہ اللہ اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن دو زریں پہن رکھی تھیں"۔ (4)

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ارادہ بدل گیا اور انہوں نے کہا: ہم نے رسول اللہ ﷺ کی رائے کی مخالفت کی ہے۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مدینہ ہی میں قیام فرمائیں، رائے آپ ہی کی رائے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی نبی کے لیے

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 387۔

2- سندی رحمہ اللہ نے سنن نسائی پر اپنے حاشیے، جلد سوم، صفحہ 365 میں فرمایا ہے: "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔"

3- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1787 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 15722 اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے سنن میں حدیث نمبر 2806 کے تحت روایت کیا ہے۔

یہ مناسب نہیں کہ جب وہ اپنی جنگی پوشاک پہن لے تو اسے اتار دے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمن کے درمیان فیصلہ فرمادے"۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں فرمایا: "جب رسول اللہ ﷺ کسی کام کا پختہ عزم کر لیتے تو کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہوتا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے بڑھے۔ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مدینہ میں قیام کرنے اور باہر نکلنے کے بارے میں مشورہ کیا، تو صحابہ نے آپ ﷺ کے لیے باہر نکلنے کی رائے دی۔ پھر جب آپ ﷺ نے اپنی جنگی پوشاک پہن لی اور پختہ ارادہ کر لیا تو صحابہ نے عرض کیا: آپ مدینہ میں قیام فرمائیں۔ لیکن آپ ﷺ نے عزم کر لینے کے بعد ان کی طرف میلان نہیں فرمایا اور فرمایا: کسی نبی کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اپنی جنگی پوشاک پہن لے، پھر اسے اتار دے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمادے"۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کا اُحد کی طرف روانہ ہونا

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دشمن کے مقابلے میں نکلنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک ہزار مجاہدین کے

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث نمبر 2626 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔ نیز امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نمبر 14787 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

2- دیکھیں: صحیح بخاری، جلد پانزدہم، صفحہ 283۔

ساتھ روانہ ہوئے، اور ان میں منافقین بھی شامل تھے، جن کا سردار عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا۔

کم سنی کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو واپس کرنا

جب رسول اللہ ﷺ ایک مقام پر پہنچے جسے شیخین کہا جاتا ہے تو وہاں پڑاؤ فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے لشکر کا جائزہ لیا اور جو لوگ کم سن تھے اور انہیں قتال کے لیے موزوں نہیں سمجھا، انہیں واپس کر دیا۔ ان میں عبداللہ بن عمر بن خطاب، زید بن

ثابت، اسامہ بن زید، براء بن عازب[1]، ابو سعید خدری اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ سب ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔[2]

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن مجھے پیش کیا، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت نہیں دی۔ پھر غزوۂ

1- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے غزوۂ اُحد میں شریک ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزوۂ اُحد میں موجود تھے، لیکن کم سنی کی وجہ سے قتال میں براہِ راست شریک نہیں ہوئے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں سندِ صحیح کے ساتھ، حدیث نمبر 18586 کے تحت، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں اور عبداللہ بن عمر ایک ہی عمر کے ہیں۔''

لدّاۃ لام کے کسرہ کے ساتھ اس شخص کو کہتے ہیں جو تمہاری پیدائش کے دن پیدا ہوا ہو۔ دیکھیں: المعجم الوسیط، جلد دوم، صفحہ 1056۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3939 کے تحت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''...پس انہوں نے انہیں شکست دے دی، اور اللہ کی قسم! میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ دوڑ رہی تھیں، ان کے پازیب اور پنڈلیاں ظاہر ہو رہی تھیں اور وہ اپنے کپڑے اوپر اٹھائے ہوئے تھیں۔''

میں کہتا ہوں: یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے آغاز میں کفار کی شکست کے بعد پیش آیا تھا۔

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 6501 اور ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے مصنف میں حدیث نمبر 34388 کے تحت حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ بدر کے دن مجھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا، تو آپ ﷺ نے ہمیں کم سن قرار دے کر واپس کر دیا، اور ہم غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے۔''

اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3956 کے تحت بھی روایت کیا ہے، لیکن اس میں ''اور ہم غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے'' کے الفاظ نہیں ہیں۔ ح

افظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 18 میں فرماتے ہیں: ''پس اگر اس اضافے کو اس معنی پر محمول کیا جائے کہ 'ہم غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے' سے مراد صرف خود براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مراد نہیں، تو درست ہے؛ ورنہ صحیح میں جو روایت ہے وہ زیادہ صحیح ہے۔''

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 74۔

خندق کے دن مجھے پیش کیا گیا، اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی"۔[1]

عبداللہ بن اُبی[2] اور اس کے ساتھیوں کی بغاوت

ہفتہ کے دن فجر طلوع ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ شوط کے مقام پر پہنچے تو فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ دشمن کے بالکل قریب تھے۔ وہیں عبداللہ بن اُبی بن سلول اپنے ساتھیوں سمیت لشکر کے تقریباً ایک تہائی، یعنی تین سو آدمیوں کو لے کر واپس ہو گیا۔ وہ کہتا تھا: ''اے لوگو! ہمیں معلوم نہیں کہ ہم یہاں اپنے آپ کو کیوں قتل کروانے جا رہے ہیں۔'' چنانچہ وہ اپنے ان لوگوں کو لے کر واپس ہو گیا جو اس کی قوم میں سے منافق اور شکوک و شبہات رکھنے والے تھے۔ عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے گئے اور ان سے کہا: ''اے میری قوم! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جب دشمن تمہارے نبی اور تمہاری قوم کے پاس پہنچ چکا ہے تو انہیں بے یار و مددگار نہ چھوڑو۔'' انہوں نے کہا: ''اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم لوگ جنگ کرو گے تو ہم تمہیں چھوڑ کر نہ آتے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہاں کوئی جنگ نہیں ہو گی۔'' جب وہ اپنی بات پر اڑ گئے اور واپس جانے کے سوا کسی بات پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2464 اور 4079 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1866 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات جلد اول، صفحہ 603 میں فرماتے ہیں: ''عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار تھا۔ اس کی مذمت میں بہت سی مشہور آیات نازل ہوئیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں وفات پا گیا۔''

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دور کرے، اے اللہ کے دشمنو! اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تم سے بے نیاز کر دے گا''۔ (1)

اور اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾ ''اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کر دے اور منافقوں کو بھی ظاہر کر دے۔ اور ان سے کہا گیا: آؤ، اللہ کی راہ میں لڑو یا (کم از کم اپنے دشمن کو) دفع کرو۔ انہوں نے کہا: اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی جنگ ہو گی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ وہ اس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں''۔ (سورۃ آل عمران: 166-167)

اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ (2) فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا (3)﴾ ''پھر تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں تم دو گروہ ہو گئے ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے سبب انہیں الٹا پھیر دیا ہے''۔ (سورۃ النساء: 88)

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 72۔

2- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر جلد ششم، صفحہ 503 میں فرماتے ہیں: ''یہاں منافقین سے مراد عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی ہیں، جنہوں نے غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور نکلنے کے بعد اپنے لشکر سمیت واپس لوٹ گئے۔''

3- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر جلد دوم، صفحہ 371 میں فرماتے ہیں: ''یعنی ان کی نافرمانی، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور باطل کی پیروی کی وجہ سے۔

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب نبی کریم ﷺ غزوۂ اُحد کے لیے روانہ ہوئے تو جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ نکلے تھے، ان میں سے کچھ لوگ واپس لوٹ گئے[1]۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا: ہم ان سے جنگ کریں گے، اور دوسرا گروہ کہتا تھا: ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا﴾[2]۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "آیت کے نزول کے سبب کے بارے میں یہی صحیح قول ہے"۔[3]

بنو سلمہ[4] اور بنو حارثہ کا منافقین سے متاثر ہونا

بنو سلمہ اور بنو حارثہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کی بات سے متاثر ہوئے اور ان دونوں نے بھی واپس لوٹنے کا ارادہ کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے محفوظ رکھا اور انہیں ثابت قدم رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ "جب تم میں سے دو جماعتوں نے ارادہ کیا کہ وہ بزدلی

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد چہارم، صفحہ 585 میں فرماتے ہیں: "یہ عبداللہ بن اُبی اور اس کے پیروکار تھے"۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4050 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1076 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 101۔

4- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم جلد شانزدہم، صفحہ 55 میں فرماتے ہیں: "بنو سَلِمَہ، لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔"

دکھائیں، حالانکہ اللہ ان دونوں کا مددگار تھا، اور اہلِ ایمان کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔"(سورۃ آل عمران:122)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان دو جماعتوں سے مراد خزرج کے بنو سلمہ اور اوس کے بنو حارثہ ہیں، اور یہ دونوں غزوۂ اُحد کے دن لشکر کے دونوں بازو تھے"۔[1]

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِذْ هَمَّتْ طَائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾۔ ہم دو جماعتیں، بنو حارثہ اور بنو سلمہ، تھیں، اور ہمیں یہ بات پسند نہیں تھی۔" اور سفیان رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا: "مجھے یہ بات پسند نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا﴾ یعنی اللہ ان دونوں کا مددگار ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا اُحد کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا

منافقین کے واپس لوٹ جانے کے بعد رسول اللہ ﷺ باقی ماندہ لشکر کے ساتھ آگے بڑھے، جن کی تعداد سات سو[3] مجاہدین تھی۔ اس بارے میں اختلاف ہے

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد پنجم، صفحہ 285۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4051 اور 4558، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2505 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ جلد سوم، صفحہ 220 میں فرماتے ہیں: "اہلِ مغازی کے نزدیک مشہور یہی ہے کہ وہ سات سو مجاہدین ہی باقی رہ گئے تھے۔"

کہ ان کے ساتھ گھوڑے بھی تھے یا نہیں[1] ۔ آپ ﷺ آگے تشریف لے گئے، یہاں تک کہ اُحد کے پہاڑ کے ایک درّے میں، وادی کے ایک جانب، پہاڑ کی طرف اترے اور وہاں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ فرمایا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف رخ رکھا اور اپنی پشت اُحد پہاڑ کی طرف کرلی، جبکہ جبلِ عینین کو اپنی بائیں جانب رکھا۔ اس طرح دشمن کا لشکر مسلمانوں اور مدینہ منورہ کے درمیان حائل تھا۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا اپنے لشکر کو ترتیب دینا اور تیر اندازوں کو وصیت کرنا

ہفتہ کے دن، پندرہ شوال کی صبح، رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتال کے لیے ترتیب دیا اور ان میں سے ماہر ترین تیر اندازوں کو منتخب فرمایا، جن کی تعداد پچاس[3] تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر بن نعمان انصاری اوسی بدری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا اور انہیں ایک چھوٹی پہاڑی پر متعین فرمایا، جو بعد میں **جبلِ رماۃ (تیر اندازوں کی پہاڑی)** کے نام سے مشہور ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بالکل واضح اور دوٹوک ہدایات دیں اور فرمایا: ***"ہمارے

1- میں کہتا ہوں: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد جلد سوم، صفحہ 227 میں، اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الفصول في سیرۃ الرسول صفحہ 112 میں غلطی کی ہے، چنانچہ انہوں نے کہا ہے: "اور ان میں پچاس گھڑ سوار تھے۔" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 93 میں فرماتے ہیں: "یہ واضح غلطی ہے۔" اور موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے قطعی طور پر بیان کیا ہے کہ غزوۂ اُحد میں ان کے ساتھ کوئی گھوڑا نہیں تھا۔ جبکہ واقدی کی روایت میں، جسے ابن سعد نے الطبقات جلد دوم، صفحہ 269 میں ان سے نقل کیا ہے، یہ ہے: "ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ایک گھوڑا اور ابو بردہ کا ایک گھوڑا تھا۔"

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 73۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری جلد ہشتم، صفحہ 390 میں فرماتے ہیں: "یہی قابل اعتماد قول ہے۔"

پیچھے کی طرف سے حفاظت کرنا۔ اگر تم ہمیں قتل ہوتے دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا، اور اگر تم ہمیں مالِ غنیمت حاصل کرتے دیکھو تو ہمارے ساتھ شریک نہ ہونا۔"(1)

امام بخاری رحمہ اللہ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ***"رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن پچاس آدمیوں پر مشتمل تیر اندازوں کا امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اور فرمایا: اگر تم ہمیں دیکھو کہ پرندے ہمیں اچک کر لے جا رہے ہیں، تب بھی اس جگہ سے نہ ہٹنا، یہاں تک کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں۔ اور اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہم نے قوم کو شکست دے دی ہے اور انہیں روند دیا ہے، تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا، یہاں تک کہ میں تمہاری طرف پیغام بھیجوں۔(2)

اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ اگر تم ہمیں دیکھو کہ ہم ان پر غالب آ گئے ہیں تو بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اور اگر تم انہیں ہم پر غالب آتے دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا"۔(3)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے **مسند** میں حدیث نمبر **2609** اور امام حاکم رحمہ اللہ نے **المستدرک** میں حدیث نمبر **3201** کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی **صحیح** میں حدیث نمبر **3039** اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2662 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4043 کے تحت روایت کیا ہے۔

اس دستے کو پہاڑی پر متعین کرنے اور یہ سخت فوجی احکامات دینے کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے اس واحد راستے کو بند کر دیا جس سے مشرکین کے گھڑ سوار مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے پہنچ سکتے تھے، اور مسلمانوں کے گرد چکر کاٹ کر حملہ کرنے اور ان کا محاصرہ کرنے کی کارروائی کر سکتے تھے۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتال پر ابھارنا

رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک تیز دھار تلوار اٹھائی اور اسے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے پیش فرمایا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن ایک تلوار اٹھائی اور فرمایا: 'مجھ سے یہ تلوار کون لے گا؟' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہاتھ بڑھا دیے اور ہر شخص کہنے لگا: 'میں، میں۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'اسے اس کے حق کے ساتھ کون لے گا؟' راوی کہتے ہیں: لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ تو سماک بن خرشہ (2)، ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: 'میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔' چنانچہ انہوں نے اسے لے لیا اور اس کے ذریعے مشرکین کے سروں کو چیر ڈالا''۔ (3)

1- دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ 355۔

2- ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الاصول جلد اول، صفحہ 449، قسم التراجم میں فرماتے ہیں: ''سماک'' سین کے کسرہ اور میم اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے، جبکہ "خرشہ" خاء، راء اور شین معجمہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2470 اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 12135 کے تحت روایت کیا ہے۔

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ اُحد کے دن ایک تلوار پیش کی اور فرمایا: ''اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ کون لے گا؟'' میں کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''میں، اے اللہ کے رسول ﷺ!'' آپ ﷺ نے مجھ سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا: ''اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ کون لے گا؟'' میں دوبارہ کھڑا ہوا اور عرض کیا: ''میں، اے اللہ کے رسول ﷺ!'' آپ ﷺ نے پھر مجھ سے منہ پھیر لیا۔ پھر فرمایا: ''اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ کون لے گا؟'' ابو دجانہ، سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: ''میں اسے اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کا حق کیا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اس کے ذریعے کسی مسلمان کو قتل نہ کرنا اور کسی کافر کے مقابلے سے بھاگنا نہیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار انہیں دے دی۔ وہ جب قتال کا ارادہ کرتے تو ایک مخصوص پٹی باندھ لیتے تھے۔ زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے کہا: آج میں ضرور دیکھوں گا کہ وہ کیا کرتے ہیں"۔ چنانچہ ان کے سامنے جو چیز بھی آتی، وہ اسے پھاڑ دیتے اور چیر دیتے تھے۔ (1)

مشرکین کے لشکر کی ترتیب

قریش نے اپنے لشکر کو صفوں کی ترتیب کے مطابق منظم کیا۔ چنانچہ عمومی قیادت ابو سفیان کے پاس تھی، جبکہ بائیں بازو کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل کے پاس

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 5089 کے تحت روایت کیا ہے۔

تھی۔ اپنے گھڑ سوار دستے کے دائیں بازو کی قیادت خالد بن ولید کے سپرد کی، اور بنو عبد الدار کے طلحہ بن ابی طلحہ کے حوالے لشکر کا جھنڈا کر دیا۔ قتال شروع ہونے سے پہلے ابو عامر فاسق [1]، جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتا تھا، نے اپنی قوم کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ ان کے پاس گیا اور پکار کر کہنے لگا: ''اے گروہِ اوس! میں ابو عامر ہوں۔'' اوس کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے جواب دیا: ''اللہ تمہاری آنکھ کو ٹھنڈک نہ دے، اے فاسق!'' اس نے کہا: ''میرے بعد میری قوم کو برائی لاحق ہو گئی ہے۔'' پھر وہ انہیں چھوڑ کر مشرکین کے پاس واپس چلا گیا۔ [2]

قتال کا آغاز اور مشرکین کے علم برداروں کا قتل

پھر دونوں لشکر باہم ٹکرا گئے اور اس دن میدانِ جنگ کے ہر حصے میں لوگوں کے درمیان شدید قتال ہوا۔ مشرکین کے جھنڈے کے گرد قتال بہت سخت ہو گیا، یہاں تک کہ اس کے علم برداروں میں سے سات یا نو افراد قتل کر دیے گئے۔ جو شخص بھی اسے اٹھاتا، قتل کر دیا جاتا۔ چنانچہ امام احمد اور حاکم رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''دن کے ابتدائی حصے میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مشرکین کے خلاف قتال کرتے

1- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحات 418، 419 میں فرماتے ہیں: ابو عامر جاہلیت میں ''راہب'' کے نام سے معروف تھا۔ وہ اور عبد اللہ بن أبی بن سلول دونوں منافق تھے۔ البتہ عبد اللہ اپنے نفاق کو چھپاتا تھا، جبکہ ابو عامر اسے ظاہر کرتا تھا۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 75۔

رہے، یہاں تک کہ مشرکین کے جھنڈے کے علم برداروں میں سے سات یا نو افراد قتل کر دیے گئے۔ (1)

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی شدتِ قتال

حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کے ساتھ زبردست قتال کیا۔ وہ جس مشرک کے سامنے بھی آتے، اسے قتل کر دیتے۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں آج ضرور دیکھوں گا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔'' چنانچہ ان کے سامنے جو بھی چیز آتی، وہ اسے پھاڑتے اور چیرتے چلے جاتے، یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے دامن میں چند عورتوں کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ دف تھے اور ان میں سے ایک عورت یہ اشعار پڑھ رہی تھی: ''ہم طارق کی بیٹیاں ہیں، نرم بچھونوں پر چلتی ہیں۔ اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی اور بچھونے بچھائیں گی، اور اگر تم پیٹھ پھیر کر واپس جاؤ گے تو ہم بھی جدا ہو جائیں گی، ایسی جدائی جو محبت کے بغیر ہو۔'' زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے اس عورت پر وار کرنے کے لیے تلوار اٹھائی، پھر اس سے رک گئے۔ جب قتال ختم ہوا تو میں نے ان سے کہا: ''میں نے آپ کا تمام عمل دیکھ لیا، سوائے اس کے کہ آپ نے اس عورت پر تلوار اٹھائی اور پھر

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2006 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3201 کے تحت روایت کیا ہے۔

اسے نہیں مارا۔" انہوں نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلوار کا یہ شرف سمجھا کہ میں اس کے ذریعے کسی عورت کو قتل نہ کروں"۔ (1)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما غزوۂ اُحد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے کے بعد شہید ہوئے۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میرے والد غزوۂ اُحد کے دن شہید ہوئے تو میں ان کے چہرے سے کپڑا ہٹانے لگا اور رونے لگا۔ لوگ مجھے منع کرنے لگے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھے منع نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہ بنت عمرو (2) بھی ان پر رو رہی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان پر روؤ یا نہ روؤ، فرشتے مسلسل اپنے پروں سے ان پر سایہ کیے رہے، یہاں تک کہ تم نے انہیں اٹھالیا"۔ (3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ عظیم المرتبت شخصیت، جس پر فرشتے اپنے پروں سے سایہ کیے ہوئے تھے، اس پر رونا نہیں چاہیے، بلکہ اس انجام پر خوش ہونا چاہیے جس سے وہ دوچار ہوا"۔ (4)

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 5089 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 1244 میں ہے: "پھر میری پھوپھی فاطمہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔"

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1244 اور 1293، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2471 اور 130 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- دیکھیں: فتح الباری، جلد سوم، صفحہ 512۔

مسلمانوں کی زبردست فتح

مسلمانوں نے اپنے دشمن کو بری طرح شکست دی اور ان پر فتح حاصل کی۔ اللہ جل جلالہ کے بعد اس کا بڑا سبب تیر اندازوں کا اس پہاڑ پر ثابت قدم رہنا تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے انہیں ثابت قدم رہنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی مدد نازل فرمائی اور اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ مسلمانوں نے تلواروں کے ذریعے مشرکین کو اس قدر مارا کہ انہیں ان کے لشکر کے پڑاؤ سے پیچھے ہٹا دیا، اور یہ ایسی شکست تھی جس میں کوئی شک نہیں تھا۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام حاکم نے المستدرک میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی موقع پر اتنی زبردست مدد و نصرت حاصل نہیں ہوئی جتنی غزوۂ اُحد کے دن حاصل ہوئی۔'' راوی کہتے ہیں: ہم نے ان کی اس بات کو ناپسند کیا۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''میرے اور اس شخص کے درمیان جو اس بات کا انکار کرتا ہے، اللہ عزوجل کی کتاب فیصلہ کرنے والی ہے۔ اللہ عزوجل غزوۂ اُحد کے دن کے بارے میں فرماتا ہے: 'اور یقیناً اللہ نے اپنا وعدہ تم سے سچا کر دکھایا، جب تم اس کے حکم سے انہیں قتل کر رہے تھے۔'''' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''''الحسّ' سے مراد قتل کرنا ہے''۔ (1)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1609 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3101 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب غزوۂ اُحد کا دن آیا تو مشرکین کو واضح شکست ہوئی''۔ (1)

امام حاکم اور ابن اسحاق نے سیرت میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے خود دیکھا کہ میں ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیوں کو دیکھ رہا تھا، وہ اپنی پنڈلیاں کھولے ہوئے بھاگ رہی تھیں''۔ (2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''پھر انہوں نے انہیں شکست دے دی۔ اللہ کی قسم! میں نے عورتوں کو تیزی سے بھاگتے ہوئے دیکھا، ان کے پازیب اور پنڈلیاں ظاہر ہو رہی تھیں اور وہ اپنے کپڑے اٹھائے ہوئے تھیں''۔ (3)

تیر اندازوں کا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنا

دن کے ابتدائی حصے میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ حاصل تھا۔ چنانچہ وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے اور پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہوئے اپنی عورتوں تک جا پہنچے۔ جب تیر اندازوں نے ان کی شکست دیکھی تو انہوں نے اپنا وہ مورچہ چھوڑ دیا جس کی حفاظت کا رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا۔ انہوں نے کہا: ''اے لوگو! مالِ غنیمت، مالِ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3824 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4362، اور ابن اسحاق نے سیرت میں جلد سوم، صفحہ 86 پر روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 106 میں اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3039 کے تحت روایت کیا ہے۔

غنیمت!''ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی تاکید یاد دلائی، لیکن انہوں نے ان کی بات پر توجہ نہ دی۔ ان کا خیال تھا کہ مشرکین دوبارہ واپس نہیں آئیں گے اور اب وہ کسی صورت سنبھل نہیں سکیں گے۔ چنانچہ وہ مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے چل پڑے اور مورچہ خالی کر دیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ابن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا: مالِ غنیمت! اے قوم! مالِ غنیمت! تمہارے ساتھی غالب آ چکے ہیں، اب تم کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم بھول گئے ہو جو رسول اللہ ﷺ نے تم سے فرمایا تھا؟[2] انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ضرور لوگوں کے پاس جائیں گے اور مالِ غنیمت میں سے اپنا حصہ حاصل کریں گے"۔[3]

امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت حاصل کیا

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 230؛ والفصول في سیرۃ الرسول، صفحات 120، 121۔

2- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3443 میں ہے: ''نبی کریم ﷺ نے مجھے تاکید فرمائی تھی کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔''

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3939 کے تحت روایت کیا ہے۔

اور مشرکین کے لشکر کے پڑاؤ کو مجاہدین کے لیے مباح کر دیا تو تمام[1] تیر انداز اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہو کر مالِ غنیمت لوٹنے لگے"۔[2]

اور پچاس میں سے اکثر تیر اندازوں نے وہ جگہیں چھوڑ دیں جن کی حفاظت کا رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا، اور مسلمانوں کی پشت دشمن کے لیے کھول دی۔ البتہ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ چند ساتھیوں کے ساتھ، جن کی تعداد دس سے بھی کم تھی، اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے۔[3]

اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں فرمایا: ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ[4] مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا[5] وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ[6]﴾ "یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دکھائی، اس معاملے میں باہم اختلاف کیا اور اس کے بعد

1- میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تمام تیر انداز مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے پہاڑ سے نیچے اتر گئے تھے، اور یہ بات درست ہے، البتہ چند ہی افراد ایسے تھے جو اپنی جگہ پر ثابت قدم رہے، جن کی تعداد دس سے زیادہ نہیں تھی۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2609 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3101 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 86؛ الطبقات الکبری لابن سعد، جلد سوم، صفحہ 270۔

4- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18600 میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی، اس کے بعد کہ آپ ﷺ نے تمہیں مالِ غنیمت اور دشمن کی شکست دکھا دی تھی۔"

5- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد پنجم، صفحہ 363 میں فرماتے ہیں: "یعنی مالِ غنیمت۔"

6- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد پنجم، صفحہ 363 میں فرماتے ہیں: "یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مورچوں پر ثابت قدم رہے اور اپنے نبی ﷺ کے حکم کی مخالفت نہیں کی، اور ان کے ساتھ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے۔"

نافرمانی کی جب اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی جسے تم پسند کرتے تھے۔ تم میں سے کچھ دنیا چاہتے تھے اور تم میں سے کچھ آخرت چاہتے تھے"۔(آل عمران:152)

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کے گرد گھوم کر حملہ کرنا اور مسلمانوں کا اضطراب

جب تیر اندازوں نے اس مورچے کو چھوڑ دیا جس کی حفاظت کی رسول اللہ ﷺ نے انہیں تاکید فرمائی تھی تو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مشرکین کے سوار دوبارہ پلٹ کر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مورچہ خالی ہے اور وہاں کوئی تیر انداز موجود نہیں۔ چنانچہ وہ وہاں سے گزر گئے اور آگے بڑھتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان کے آخری سوار بھی وہاں سے گزر گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان میں سے بعض کو شہادت سے سرفراز فرمایا، جن میں سب سے نمایاں حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ پھر وہ مسلمانوں کے پیچھے سے گھوم کر پہنچے اور ان کے سواروں نے ایک زور دار نعرہ بلند کیا۔ اس آواز کو سن کر شکست خوردہ مشرکین نے فوراً حالات بدلتے ہوئے محسوس کیے اور وہ مسلمانوں کے خلاف دوبارہ پلٹ آئے۔

امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ نے مالِ غنیمت حاصل کیا اور مشرکین کے لشکر کے پڑاؤ کو مباح کر دیا تو تمام تیر انداز نیچے اتر آئے اور لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہو کر مال لوٹنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی

صفیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔'' راوی کہتے ہیں کہ آپ نے اس کی کیفیت بیان کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالیں۔ ''اور وہ آپس میں خلط ملط ہو گئے۔ پھر جب تیر اندازوں نے وہ جگہ خالی کر دی جہاں وہ متعین تھے تو گھڑ سوار اسی راستے سے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر داخل ہو گئے۔ چنانچہ بعض لوگ بعض کو مارنے لگے اور صفیں آپس میں خلط ملط ہو گئیں، اور مشرکین میں سے بہت سے لوگ قتل ہوئے"۔ (1)

ابن اسحاق نے سیرت میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب ہم نے مشرکین کو میدان سے پیچھے ہٹا دیا تو تیر انداز مالِ غنیمت کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے ہماری پشت گھڑ سواروں کے لیے کھول دی۔ چنانچہ وہ ہمارے پیچھے سے آ پہنچے اور ایک پکارنے والے نے پکارا: خبردار! محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ تو ہم پیچھے پلٹ گئے اور وہ لوگ بھی ہم پر پلٹ آئے"۔ (2)

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے خود دیکھا کہ میں ہند بنت عتبہ اور اس کی ساتھی عورتوں کی پنڈلیوں کو دیکھ رہا تھا، وہ اپنی پنڈلیاں

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2609 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3201 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے ابن اسحاق نے سیرت میں جلد سوم، صفحہ 86 پر روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 106 میں اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

کھولے ہوئے بھاگ رہی تھیں۔ نہ تو انہیں پکڑنے کی کوئی معمولی سی کوشش کی جارہی تھی اور نہ ہی کوئی بڑی کوشش۔ اس دوران جب ہم نے مشرکین کو میدان سے پیچھے ہٹا دیا تو تیر انداز مالِ غنیمت لوٹنے کے ارادے سے لشکر کے پڑاؤ کی طرف مائل ہو گئے اور انہوں نے ہماری پشت گھڑ سواروں کے لیے کھول دی۔ چنانچہ وہ ہمارے پیچھے سے آ پہنچے، اور ایک پکارنے والے نے پکارا: خبر دار! محمد ﷺ شہید کر دیے گئے ہیں۔ تو ہم پیچھے پلٹ گئے اور وہ لوگ بھی ہم پر پلٹ آئے، حالانکہ ہم مشرکین کا جھنڈا گرا چکے تھے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی بھی اس کے قریب آنے کی جرأت نہیں کر رہا تھا"۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ کا غلطی سے قتل ہونا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب غزوۂ اُحد کا دن آیا تو مشرکین کو شکست ہوئی۔ پھر ابلیس نے پکار کر کہا: اے اللہ کے بندو! اپنے پیچھے والوں سے ہوشیار رہو۔ تو ان میں سے اگلے لوگ پلٹ کر اپنے پیچھے والوں سے لڑ پڑے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ ان کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا: اے اللہ کے بندو! یہ میرے والد ہیں، یہ میرے والد ہیں! لیکن اللہ کی قسم! وہ لوگ باز نہ آئے، یہاں تک

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4362 کے تحت روایت کیا ہے۔

کہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ تمہیں معاف فرمائے''۔[1]

امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ اُحد کے دن مسلمانوں کی تلواریں یمان، جو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد تھے، پر پڑیں اور وہ انہیں پہچان نہیں سکے، چنانچہ انہوں نے انہیں قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ ان کی دیت ادا فرمائیں، لیکن حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ان کی دیت مسلمانوں کے لیے صدقہ کر دی''۔[2]

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت

وحشی بن حرب نے مسلمانوں میں پیدا ہونے والی اس افراتفری سے فائدہ اٹھایا اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں وحشی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں ایک درخت کے نیچے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ میرے قریب آئے تو میں نے اپنا نیزہ ان کی طرف پھینکا اور اسے ان کے پیٹ کے نچلے حصے میں مارا، یہاں تک کہ وہ ان کی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3290 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23639 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4970 کے تحت روایت کیا ہے۔

دونوں رانوں کے درمیان سے نکل گیا۔ پھر وہ آخری موقع تھا جب میں نے انہیں دیکھا"۔ (1)

ابن اسحاق کی ایک روایت میں وحشی کہتے ہیں: ''میں نے اپنا نیزہ ہلایا، یہاں تک کہ جب مجھے اس پر اطمینان ہو گیا تو میں نے اسے ان کی طرف پھینک دیا۔ وہ ان کے پیٹ کے نچلے حصے میں لگا اور ان کی دونوں ٹانگوں کے درمیان سے نکل گیا۔ وہ میری طرف اٹھنے اور بڑھنے لگے، لیکن ان پر غلبہ پا لیا گیا۔ چنانچہ میں نے انہیں اور اپنے نیزے کو اسی حال میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ وفات پا گئے۔ پھر میں ان کے پاس آیا، اپنا نیزہ اٹھایا اور لشکر میں واپس آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے ان کے علاوہ کسی اور سے کوئی غرض نہیں تھی، میں نے انہیں صرف اس لیے قتل کیا تھا کہ میں آزاد ہو جاؤں"۔ (2)

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور فرشتوں کا انہیں غسل دینا

حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ اس غزوے میں شہید ہوئے۔ انہیں شداد بن اسود نے قتل کیا۔ چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور امام حاکم نے المستدرک میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے شکست کھا کر بھاگ گئے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض لوگ مدینہ کی جانب ایک پہاڑ کے قریب پہنچ گئے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف واپس آ گئے۔ اس دوران حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کا

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4072 اور امام احمد رحمہ اللہ نے مسند میں حدیث نمبر 16077 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 80۔

مقابلہ ابو سفیان بن حرب [1] سے ہوا۔ جب حنظلہ رضی اللہ عنہ ابو سفیان پر غالب آنے لگے تو شداد بن اسود نے انہیں دیکھا اور تلوار سے حنظلہ پر وار کیا، یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔ اس وقت حنظلہ رضی اللہ عنہ قریب تھا کہ ابو سفیان کو قتل کر دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تمہارے ساتھی حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، لہٰذا اس کی اہلیہ [2] سے اس کے بارے میں پوچھو۔' ان کی اہلیہ نے عرض کیا: 'جب انہوں نے جنگ کی آواز سنی تو وہ جنابت کی حالت میں گھر سے نکل گئے تھے۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اسی وجہ سے فرشتوں نے انہیں غسل دیا ہے۔' [3]

رسول اللہ ﷺ کا ثابت قدم رہنا

جب حالات بدل گئے تو رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کے ساتھ صورتِ حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ چنانچہ امام نسائی نے السنن الکبریٰ میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب غزوۂ اُحد کا دن آیا اور لوگ پیچھے ہٹ گئے تو رسول اللہ ﷺ انصار کے بارہ آدمیوں کے ساتھ ایک جانب تھے، جن میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ مشرکین وہاں پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے متوجہ ہو کر فرمایا: 'ان لوگوں کے مقابلے میں کون کھڑا ہو گا؟' حضرت طلحہ

1- امام حاکم کی روایت میں ابو سفیان بن حارث کے الفاظ ہیں۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تلخیص الحبیر، جلد سیز دہم، حدیث نمبر 1197 میں فرماتے ہیں: ''اس کی اہلیہ سے مراد اس کی بیوی جمیلہ بنت اُبی بن سلول ہیں۔''

3- اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7025 اور امام حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر 4979 کے تحت روایت کیا ہے۔

رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: 'میں۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تم اپنی جگہ رہو۔' پھر انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا: 'میں، یارسول اللہ!' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تم جاؤ۔' چنانچہ وہ لڑتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ مشرکین دوبارہ سامنے ہیں، تو فرمایا: 'ان لوگوں کے مقابلے میں کون کھڑا ہوگا؟' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: 'میں۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تم اپنی جگہ رہو۔' پھر انصار میں سے ایک شخص نے عرض کیا: 'میں۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'تم جاؤ۔' چنانچہ وہ لڑتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ اسی طرح فرماتے رہے اور انصار میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر اپنے سے پہلے والے کی طرح لڑتا رہا، یہاں تک کہ شہید ہو جاتا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'ان لوگوں کے مقابلے میں کون کھڑا ہوگا؟' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: 'میں۔' چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ان گیارہ افراد کی طرح زبردست قتال کیا، یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پر وار کیا گیا اور ان کی انگلیاں کٹ گئیں۔ (1)

1- اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں حدیث نمبر 4302، امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد سوم، صفحہ 236 میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 106 میں اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ، جلد ششم، حصہ اول، صفحہ 701 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جو شَل ہو چکا تھا۔ انہوں نے غزوۂ اُحد کے دن اسی ہاتھ کے ذریعے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کی تھی"۔ (1)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنا

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چودہ افراد ثابت قدم رہے، ان میں سات مہاجرین تھے، جن میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور سات انصار میں سے تھے"۔ (2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ سات انصاری صحابہ اور دو مہاجر صحابہ (3) کے ساتھ اکیلے رہ گئے۔ جب مشرکین آپ ﷺ کے قریب پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: 'کون ہے جو انہیں ہم سے دور کرے؟ اس کے لیے جنت ہے، یا وہ جنت میں میرا ساتھی ہو گا۔

جب یہ ساتوں انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کے علاوہ کوئی باقی نہ رہا۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں ابو عثمان نہدی سے روایت کیا ہے، وہ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4063 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: الطبقات الکبری، جلد دوم، صفحہ 270۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 106 میں فرماتے ہیں: ''وہ دونوں طلحہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما تھے۔''

فرماتے ہیں: ''ان دنوں میں سے بعض دنوں میں[1] جن میں رسول اللہ ﷺ نے قتال کیا، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طلحہ اور سعد کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہا۔[2]

یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لیے سب سے زیادہ نازک گھڑی تھی اور مشرکین کے لیے ایک سنہری موقع تھا۔ مشرکین نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے میں ذرا بھی تاخیر نہ کی، چنانچہ انہوں نے اپنی پوری توجہ رسول اللہ ﷺ پر مرکوز کر دی اور آپ ﷺ کو شہید کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی دائیں جانب کی نچلی چوکور (رباعی)[3] داڑھ ٹوٹ گئی، آپ ﷺ کی پیشانی زخمی ہو گئی اور خود کی دو کڑیاں آپ ﷺ کے رخسار میں دھنس گئیں۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ کے زخم کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "نبی کریم ﷺ کا چہرہ زخمی کر دیا گیا، آپ ﷺ کی چوکور داڑھ ٹوٹ گئی اور آپ ﷺ کے سر پر خود کو کچل دیا گیا"۔[4]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہفتم، صفحہ 448 میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد غزوۂ اُحد کا دن ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3722، 3723، 4060 اور 4061، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2414 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- رُباعیہ، راء کے فتحہ کے ساتھ، ان چار دانتوں میں سے ایک دانت ہے جو ثنایا اور ناب کے بعد ہوتے ہیں۔ دیکھیں: لسان العرب، جلد پنجم، صفحہ 119۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 113 میں فرماتے ہیں: رباعیہ کے ٹوٹنے سے مراد یہ ہے کہ اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر الگ ہو گیا تھا، لیکن وہ اپنی جڑ سے اکھڑا نہیں تھا۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2911 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1790 کے تحت روایت کیا ہے۔

عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں زہری رحمہ اللہ سے ایک قوی مرسل سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اس دن رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر تلوار سے ستر ضربیں[1] لگائی گئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سب کے شر سے محفوظ رکھا[2]۔

فرشتوں کا نزول

ان نازک اور مشکل لمحات میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کے لیے اپنے فرشتوں کو نازل فرمایا۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ کے ساتھ دو آدمی آپ ﷺ کی طرف سے قتال کر رہے تھے، ان دونوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور وہ انتہائی شدت کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ میں نے ان دونوں کو اس سے پہلے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا۔[3]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں جانب دو آدمیوں کو

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 112 میں فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ ستر سے مراد اس کی حقیقی تعداد ہو، یا پھر کثرت کے اظہار کے لیے مبالغہ مراد ہو۔

2- اسے عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر 9736 کے تحت روایت کیا ہے، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 122 میں اسے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: اس کی سند مرسل اور قوی ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4054 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2306 اور 47 کے تحت روایت کیا ہے۔

دیکھا، جنہوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ میں نے ان دونوں کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس کے بعد کبھی دیکھا۔ یعنی وہ دونوں حضرت جبریل اور حضرت میکائیل علیہما السلام تھے۔ (1)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی کریم ﷺ کے گرد جمع ہونا

یہ تمام واقعات نہایت تیزی سے چند لمحوں میں پیش آئے۔ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو قتال کے وقت اگلی صفوں میں موجود تھے، وہ صورتِ حال کو دیکھتے یا رسول اللہ ﷺ کی آواز سنتے ہی آپ ﷺ کی طرف تیزی سے بڑھے۔ لیکن وہ اس وقت پہنچے جب رسول اللہ ﷺ کو مذکورہ زخم لگ چکے تھے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کافروں کو آپ ﷺ سے دور کر دیا تھا۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام ذکر کرنے کے بعد جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے، فرمایا: اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ وہ مجموعی طور پر ثابت قدم رہے تھے، جبکہ اس سے پہلے جن لوگوں کا ذکر گزر چکا ہے، وہ یکے بعد دیگرے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تھے، اور اللہ ہی زیادہ جانتا ہے۔ (3)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2306 اور 2346 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: الرحیق المختوم، صفحہ 270۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 106۔

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو خود کے نیچے پہچانا۔ انہوں نے بلند آواز سے پکار کر کہا: اے مسلمانوں کی جماعت! خوش ہو جاؤ، یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا۔ چنانچہ مسلمان آپ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ اس گھاٹی کی طرف روانہ ہو گئے جہاں آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن عوام، حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کا اُبی بن خلف کو قتل کرنا، اللہ اسے بدترین سزا دے

امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے، وہ اپنے والد سے ایک حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے دن اُبی بن خلف رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا، اس کا ارادہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا تھا۔ چند مؤمنین نے اس کا راستہ روک لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اس کا راستہ چھوڑ دیں۔ پھر بنو عبد الدار سے تعلق رکھنے والے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُبی بن خلف کی ہنسلی (ترقوۃ) (2) کو زرہ اور خود کے درمیان موجود ایک شگاف سے دیکھا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی برچھی

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 93۔

2- تَرْقُوَہ وہ ہڈی ہے جو گلے کے نچلے حصے اور کندھے کے درمیان ہوتی ہے، اور دونوں جانب دو ترقوے ہوتے ہیں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد اول، صفحہ 183۔

سے اسے وار کیا۔ اُبی اپنے گھوڑے سے گر پڑا، لیکن اس زخم سے خون نہیں نکلا۔ اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ اس کے ساتھی اس کے پاس پہنچے، اس وقت وہ بیل کی طرح ڈکاریں مار رہا تھا۔ انہوں نے اس سے کہا: تم اتنے بے بس کیوں ہو گئے ہو؟ یہ تو محض ایک خراش ہے۔ اس پر اس نے انہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد دلایا: بلکہ میں اُبی کو قتل کروں گا۔ پھر اس نے کہا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر یہ زخم ذوالمجاز کے تمام لوگوں کو بھی لگتا تو وہ سب مر جاتے۔ چنانچہ اُبی مکہ پہنچنے سے پہلے ہی جہنم کی طرف روانہ ہو گیا، پس دوزخ والوں کے لیے ہلاکت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعے کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ﴾ ''اور جب آپ نے پھینکا تو حقیقت میں آپ نے نہیں پھینکا۔'' (سورۃ الأنفال: 17)[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان دونوں ائمہ[2] کا یہ قول بہت ہی عجیب ہے۔ ممکن ہے کہ ان دونوں کی مراد یہ ہو کہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے اس واقعے کو بھی شامل ہے، نہ یہ کہ یہ آیت خاص طور پر اسی واقعے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ ورنہ سورۃ الأنفال میں آیت کا سیاق و سباق لازماً غزوۂ بدر کے واقعے کے بارے میں ہے، اور یہ بات ائمہ علم سے مخفی نہیں۔ واللہ اعلم۔[3]

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 3302 کے تحت روایت کیا ہے، اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد چہارم، صفحہ 32 میں اسے ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- ان دونوں سے مراد امام سعید بن مسیب اور امام زہری رحمہما اللہ ہیں۔

3- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم، صفحہ 32۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا غضب اس شخص پر بہت شدید ہے جسے نبی ﷺ اللہ کی راہ میں قتل کرے۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے فرمان «في سبيل الله» میں اس شخص کو خارج کرنا مقصود ہے جسے کسی شرعی حد یا قصاص کے تحت قتل کیا جائے، کیونکہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی راہ میں قتل کیا، وہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ پہاڑ کی طرف لے جانا

شیطان، اللہ تعالیٰ اسے لعنت کرے، نے رسول اللہ ﷺ کے شہید کیے جانے کی آواز لگائی، جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوصلے متاثر ہوئے۔ لیکن جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو صحیح سالم دیکھا تو ان میں دوبارہ جان آگئی اور رسول اللہ ﷺ انہیں اپنے ساتھ اُحد پہاڑ کی طرف لے گئے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: شیطان نے آواز لگائی: محمد ﷺ قتل کر دیے گئے۔ ہمیں اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ حقیقت ہے۔ ہم اسی حالت میں

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4074 کے تحت روایت کیا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1793 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد دوازدہم، صفحہ 127۔

رہے اور ہمیں یقین تھا کہ آپ ﷺ شہید ہو چکے ہیں، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ دونوں سعد[1] کے درمیان نمودار ہوئے۔ ہم نے آپ ﷺ کو آپ کے چلنے کے انداز[2] سے پہچان لیا۔ اس وقت ہمیں ایسی خوشی ہوئی گویا ہم پر جو مصیبت گزری تھی، وہ ہمیں پہنچی ہی نہ تھی۔ پھر آپ ﷺ ہماری طرف چڑھتے ہوئے آئے اور فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ کا غضب ان لوگوں پر بہت شدید ہے جنہوں نے اپنے رسول ﷺ کے چہرے کو خون آلود کیا[3]۔ اور آپ ﷺ ایک مرتبہ یہ بھی فرما رہے تھے: اے اللہ! انہیں ہم پر غالب آنے کا کوئی حق نہیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ہمارے پاس پہنچ گئے۔[4]

رسول اللہ ﷺ کا پہاڑ میں موجود چٹان پر چڑھنا

رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ پہاڑ میں جو چٹان آپ ﷺ کے سامنے آئی تھی، اس پر چڑھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی طرف اٹھے تاکہ اس پر چڑھ جائیں، لیکن آپ ﷺ اس پر چڑھ نہ سکے؛ کیونکہ آپ ﷺ کو زخموں سے کثرت سے خون

1-ان دونوں سے مراد حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما ہیں، جیسا کہ مغازی واقدی میں مذکور ہے۔

2-رسول اللہ ﷺ کے چلنے کے انداز کی صفت کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حدیث نمبر 2330 اور 82: رسول اللہ ﷺ کا رنگ نہایت روشن تھا، گویا آپ ﷺ کا پسینہ موتی ہو۔ جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف جھک کر چلتے تھے۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 158 میں فرمایا ہے: یعنی آپ ﷺ چلتے ہوئے آگے کی طرف مائل ہوتے تھے۔

3-امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں یہی الفاظ حدیث نمبر 4074 اور 4076 کے تحت روایت کیے ہیں۔

4-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2609 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 3201 کے تحت روایت کیا ہے۔

بہنے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو چکی تھی، اور آپ ﷺ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں، اور آپ ﷺ کا بدن بھی بھاری تھا[1]۔ چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے نیچے بیٹھ گئے، تو رسول اللہ ﷺ ان کی پشت پر چڑھ گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ اس پر چڑھ کر برابر ہو گئے۔

امام احمد، امام ترمذی اور امام حاکم رحمہم اللہ نے حسن سند کے ساتھ، اور الفاظ امام ترمذی کے ہیں، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے دن نبی کریم ﷺ نے دو زرہیں پہن رکھی تھیں۔ آپ ﷺ چٹان کی طرف اٹھے، لیکن اس پر چڑھ نہ سکے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو اپنے نیچے بٹھایا، پھر نبی کریم ﷺ چڑھے یہاں تک کہ چٹان پر سیدھے ہو گئے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔[2]

مشرکین کا آخری حملہ

جب رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ گھاٹی میں ٹھہر گئے تو مشرکین نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں آخری حملہ کیا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ جب اپنے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

1-ابن الاثیر رحمہ اللہ نے النہایہ، جلد اول، صفحہ 107 میں فرمایا ہے: بدن، بدانت سے ہے، اور اس کے معنی گوشت کی کثرت کے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ موٹے نہیں تھے، کیونکہ حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ ﷺ کی صفت بیان کرتے ہوئے آیا ہے: بادن متماسک۔ اور بادن سے مراد وہ شخص ہے جو بڑا جسم والا ہو اور اس کے جسم کے بعض اعضاء بعض کو تھامے ہوئے ہوں، یعنی آپ ﷺ معتدل ساخت کے تھے۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1417، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1707 اور 41071، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 43058 کے تحت روایت کیا ہے۔

کے ساتھ گھاٹی میں تھے، اسی دوران قریش کا ایک دستہ پہاڑ پر چڑھ آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! انہیں ہم پر غالب نہیں آنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ مہاجرین کی ایک جماعت نے ان سے قتال کیا، یہاں تک کہ انہیں پہاڑ سے نیچے اتار دیا۔[1]

مسلمانوں پر نیند کا طاری ہونا جب یہ عظیم معرکہ اختتام پذیر ہوا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر نیند طاری فرمائی، تاکہ ان زخموں اور قتل و شہادت کے بعد ان کے دلوں کو سکون حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ﴾ ”پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر اطمینان کے لیے نیند طاری کر دی، جو تم میں سے ایک جماعت کو ڈھانپ رہی تھی۔“ (سورۃ آل عمران: 154)

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر یقین رکھنے والوں پر اطمینان کے طور پر نیند طاری فرمادی، پس وہ سو رہے تھے اور انہیں کوئی خوف نہیں تھا۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہیں غزوۂ اُحد کے دن نیند نے ڈھانپ لیا تھا، یہاں تک کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے گر گئی۔ وہ گرتی اور میں اسے اٹھالیتا، پھر وہ گرتی اور میں اسے اٹھالیتا۔[3]

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 96۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 127۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4068 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ترمذی اور امام حاکم رحمہا اللہ نے حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے غزوۂ اُحد کے دن اپنا سر اٹھایا اور دیکھنے لگا، تو ان میں سے کوئی شخص ایسا نہ تھا جو نیند کی وجہ سے اپنی ڈھال کے نیچے جھک نہ رہا ہو۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان اسی واقعے کے بارے میں ہے: ﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِنْكُمْ﴾ ''پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر اطمینان کے لیے نیند طاری کر دی، جو تم میں سے ایک جماعت کو ڈھانپ رہی تھی۔'' (سورۃ آل عمران: 154)[1]

معرکے کے اختتام پر ابو سفیان کا خوشی کا اظہار

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے رہے، پھر اچانک ابو سفیان پہاڑ کے دامن میں بلند آواز سے پکارنے لگا: ہبل[2]

1-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3252 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 3202 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

2-ہُبَل، باء کے ضمہ کے ساتھ، مشرکین کے ایک معروف بت کا نام ہے، جس کی وہ عبادت کرتے تھے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 209۔

کی شان بلند ہو، ہبل کی شان بلند ہو۔ یعنی اپنی معبود کی شان بیان کرتے ہوئے کہنے لگا: ابن ابی کبشہ[1] کہاں ہے؟ ابن ابی قحافہ کہاں ہے؟ ابن خطاب کہاں ہے؟[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں اسے جواب نہ دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ سب سے بلند اور سب سے عظیم ہے۔ ابو سفیان نے کہا: اے ابن خطاب! یہ خاموشی کا دن ہے۔ پھر اس نے دوبارہ پکارا: ابن ابی کبشہ کہاں ہے؟ ابن ابی قحافہ کہاں ہے؟ ابن خطاب کہاں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، یہ ابو بکر ہیں اور یہ میں عمر ہوں۔ ابو سفیان نے کہا: آج کا دن بدر کے دن کے بدلے ہے، اور زمانے کے دن گردش میں رہتے ہیں، اور جنگ کبھی کسی کے حق میں اور کبھی کسی کے حق میں ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دونوں برابر نہیں ہیں؛ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں ہیں۔ ابو سفیان نے کہا: تم یہی گمان کرتے ہو، اگر ایسا ہے تو ہم تو ناکام اور خسارے میں رہے۔ پھر ابو سفیان نے کہا: خبردار! تم اپنے مقتولین میں مثلہ پاؤ گے۔ یہ ہمارے سرداروں کی رائے سے

1-امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد اول، صفحہ 182 میں فرمایا: مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ابو کبشہ وہ پہلا شخص تھا جس نے شعریٰ کی عبادت کی اور اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ نے قریش کے دین کی مخالفت کی اور دین حنیف لے کر آئے تو قریش نے آپ ﷺ کو ابو کبشہ سے تشبیہ دی اور آپ ﷺ کو اسی کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا: ابن ابی کبشہ۔ مجھے یہ بھی بات پہنچی ہے کہ وہ اپنی قوم، یعنی خزاعہ میں ایک سردار تھا۔

2-امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 235 میں فرمایا: اور اس نے صرف انہی تین کے بارے میں پوچھا، کیونکہ اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام کا قیام انہی تینوں کے ذریعے ہے۔

نہیں تھا۔ پھر اسے جاہلیت کی حمیت نے آ لیا اور کہا: بہر حال، اگر ایسا کیا گیا تو ہم اسے ناپسند نہیں کریں گے۔ (1)

مشرکین کا آئندہ سال بدر میں ملاقات کا وعدہ کرنا

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ابو سفیان اور اس کے ساتھی واپس چلے گئے تو اس نے پکار کر کہا: آئندہ سال بدر میں تم سے ملاقات ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: کہو، ہاں! ہمارے اور تمہارے درمیان یہی وعدہ ہے۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کے زخموں کا علاج جب معرکے کا معاملہ ختم ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے زخموں کا علاج کرنے لگے۔ چنانچہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں قوی سند کے ساتھ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، چنانچہ وہ مہراس (3) گئے اور اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے پانی پینا چاہا، لیکن اس میں بو محسوس ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے اسی پانی سے اپنے چہرے پر لگے ہوئے خون کو

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2609، امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 3201، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے مختصراً اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3939 اور 4043 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 105۔

3-مہراس، جبلِ اُحد میں موجود ایک چشمے کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 224۔

دھویا اور فرمایا: ''جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو خون آلود کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب بہت شدید ہوا''۔ (1)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ شخص ہے جس نے براہِ راست (2) یہ کام کیا تھا۔ ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ یہاں مراد براہِ راست اس کام میں ملوث شخص ہے، کیونکہ غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والے بہت سے لوگ بعد میں اسلام لائے اور ان کا اسلام بھی بہت اچھا رہا۔ (3)

دونوں شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان سے غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کے زخمی ہونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا چہرہ زخمی ہو گیا، آپ ﷺ کی ایک رباعی دانت ٹوٹ گئی اور آپ ﷺ کے سر پر موجود خود ٹوٹ ہو گئی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے خون دھو رہی تھیں، جبکہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ڈھال کے ذریعے ان پر پانی ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ پانی خون کو مزید بہانے کے سوا کچھ نہیں کر رہا تو انہوں

1- اسے ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 6979 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- یعنی وہ شخص جس نے رسول اللہ ﷺ پر وار کیا اور آپ ﷺ کو خون آلود کر دیا۔

3- دیکھیں: تفسیر القرطبیؒ، جلد پنجم، صفحہ 308۔

نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لیا، اسے جلا دیا، یہاں تک کہ وہ راکھ بن گیا، پھر اسے زخم پر رکھ دیا، جس سے خون رک گیا۔ (1)

مسلمانوں کا اپنے شہداء کا معائنہ اور تدفین

پھر رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ اپنے مقتولین کا معائنہ کرنے کے لیے تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ شہدائے اُحد کو جمع کیا جائے اور جہاں وہ شہید ہوئے ہیں، وہیں دفن کیا جائے، انہیں مدینہ منورہ لے جا کر دفن نہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم غزوۂ اُحد کے مقتولین کو دفنانے کے لیے لے جا رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے منادی نے آ کر اعلان کیا: رسول اللہ ﷺ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ مقتولین کو انہی جگہوں پر دفن کرو جہاں وہ شہید ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم انہیں واپس لے آئے۔ (2)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے دن میری پھوپھی میرے والد کو ہمارے قبرستان میں دفن کرنے کے لیے لے کر آئیں۔ اسی دوران رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کیا: ''مقتولین کو ان کی شہادت کی جگہ واپس لے جاؤ''۔ (3)

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2911 اور 4075 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1790 اور 101 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3165 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1814 کے تحت روایت کیا ہے اور فرمایا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی حکم دیا کہ ایک قبر میں دو یا تین افراد کو دفن کیا جائے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے زخموں کی شدت کے باعث قبریں کھودنے سے عاجز ہو گئے تھے۔ چنانچہ حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے، جس کے الفاظ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے ہیں: غزوۂ اُحد کے دن انصار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ہمیں شدید زخم پہنچے ہیں اور ہم سخت مشقت میں مبتلا ہیں، آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قبریں کھودو، انہیں کشادہ رکھو اور ایک قبر میں دو یا تین افراد کو دفن کرو۔ عرض کیا گیا: ان میں سے کس کو پہلے قبر میں اتارا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔ حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس دن میرے والد حضرت عامر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے اور انہیں دو یا، ان کے بقول، ایک شخص کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے، حضرت ہشام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے والد کا انتقال ہوا تو انہیں دو آدمیوں سے پہلے قبر میں اتارا گیا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ غزوۂ اُحد کے شہداء میں سے دو آدمیوں کو ایک ہی کپڑے میں جمع کرتے، پھر فرماتے: ''ان دونوں میں سے قرآن زیادہ

1-اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3215 کے تحت، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1810 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

کس نے حاصل کیا ہے؟'' جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ ﷺ اسے پہلے لحد میں اتارتے۔[1]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شہداء کے بارے میں سنت یہ ہے کہ انہیں اسی جگہ دفن کیا جائے جہاں وہ شہید ہوئے ہوں اور انہیں کسی دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے۔[2]

شہدائے اُحد کی فضیلت

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں ان شہداء کے بارے میں گواہ ہوں۔[3]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جب شہدائے اُحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کی قسم! میری خواہش ہوتی ہے کہ کاش میں بھی ان ساتھیوں کے ساتھ پہاڑ کے دامن میں رہ گیا ہوتا۔ یعنی پہاڑ کے نچلے حصے میں۔[4]

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 343 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 249۔

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1343 کے تحت روایت کیا ہے۔

4-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15025 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اُحد کے دن تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے جسموں میں رکھ دیا۔ وہ جنت کی نہروں پر آتے جاتے، اس کے پھل کھاتے اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں ٹھہرتے تھے۔ جب انہوں نے اپنے کھانے، پینے اور آرام کی اس بہترین حالت کو دیکھا تو کہنے لگے: کون ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے یہ خبر پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق دیا جارہا ہے، تاکہ وہ جہاد سے بے رغبت نہ ہوں اور جنگ کے وقت کمزوری نہ دکھائیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تمہاری طرف سے انہیں یہ خبر پہنچاؤں گا۔ راوی کہتے ہیں: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ''اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں، انہیں ہر گز مردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔''(آل عمران: 169)[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رہے شہداء کی روحیں، تو وہ سبز پرندوں کے سینوں میں ہوتی ہیں۔ عام مؤمنین کی روحوں کے مقابلے میں ان کی حیثیت ایسی ہے جیسے ستاروں کی دیگر اجرام کے مقابلے میں ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنی روحوں کے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2388، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2520، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 2475 اور 3203 کے تحت روایت کیا ہے۔

ساتھ خود اڑتی پھرتی ہیں۔ پس ہم اللہ کریم و منان سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے۔[1]

غزوۂ اُحد کے شہداء کی تعداد

غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ستر تھی، جن میں سے اکثر انصار میں سے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ غزوۂ اُحد کے دن ان میں[2] سے ستر افراد شہید ہوئے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کلام سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تمام شہداء انصار میں سے تھے، اور حقیقت بھی یہی ہے، سوائے چند ایک کے۔[4]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے دن انصار میں سے چونسٹھ افراد اور مہاجرین میں سے چھ افراد شہید ہوئے۔[5]

1-دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ 164۔

2-یعنی انصار میں سے، کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ انصار میں سے تھے۔

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4078 کے تحت روایت کیا ہے۔

4-دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 126۔

5-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3395 کے تحت، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 21229 کے تحت روایت کیا ہے۔

مشرکین کے مقتولین کی تعداد

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین میں سے کل بائیس افراد کو ہلاک کیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا اپنے رب عزوجل کی حمد وثنا بیان کرنا

جب اس عظیم غزوے کا معاملہ اختتام کو پہنچا اور رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے جانے والے تھے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صفیں درست کر کے کھڑے ہونے کا حکم دیا، تاکہ آپ ﷺ اپنے رب جل وعلا کی حمد وثنا بیان کریں۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت رفاعہ بن رافع زُرَقی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب غزوۂ اُحد کا دن تھا اور مشرکین پیٹھ پھیر کر واپس ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صفیں درست کرلو، تاکہ میں اپنے رب عزوجل کی حمد وثنا بیان کروں۔'' چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللهم لك الحمد كله، اللهم لا قابض لما بسطت، ولا باسط لما قبضت، ولا هادي لمن أضللت، ولا مضل لمن هديت، ولا معطي لما منعت، ولا مانع لما أعطيت، ولا مقرب لما باعدت، ولا مباعد لما قربت. اللهم ابسط علينا من بركاتك ورحمتك وفضلك ورزقك، اللهم إني أسألك النعيم المقيم الذي لا يحول ولا يزول، اللهم إني أسألك الأمن يوم الخوف، اللهم عائذ من شر ما أعطيتنا وشر ما منعتنا، اللهم حبب إلينا الإيمان وزينه في قلوبنا، وكره إلينا الكفر والفسوق والعصيان، واجعلنا من الراشدين، اللهم توفنا

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 144۔

مسلمين وأحينا مسلمين وألحقنا بالصالحين غير خزايا ولا مفتونين، اللهم قاتل الكفرة الذين يكذبون رسلك ويصدون عن سبيلك واجعل عليهم رجزك وعذابك إله الحق. آمين.

ترجمہ: "اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ اے اللہ! جس چیز کو تو نے کشادہ کیا ہے اسے کوئی سمیٹنے والا نہیں، اور جسے تو نے سمیٹ دیا ہے اسے کوئی کشادہ کرنے والا نہیں۔ جسے تو نے گمراہ کر دیا ہے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں، اور جسے تو نے ہدایت دے دی ہے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ جسے تو نے روک دیا ہے اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں، اور جسے تو نے عطا کر دیا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ جسے تو نے دور کر دیا ہے اسے کوئی قریب کرنے والا نہیں، اور جسے تو نے قریب کر دیا ہے اسے کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اے اللہ! ہم پر اپنی برکتوں، اپنی رحمت، اپنے فضل اور اپنے رزق کو کشادہ فرما۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسی دائمی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو نہ بدلنے والی ہو اور نہ ختم ہونے والی۔ اے اللہ! میں خوف کے دن تجھ سے امن کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں اس شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو تو نے ہمیں عطا کیا ہے اور اس شر سے بھی جو تو نے ہم سے روک لیا ہے۔ اے اللہ! ہمارے لیے ایمان کو محبوب بنا دے اور اسے ہمارے دلوں میں مزین فرما، اور ہمارے لیے کفر، فسق اور نافرمانی کو ناپسندیدہ بنا دے، اور ہمیں ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل فرما۔ اے اللہ! ہمیں اسلام کی حالت میں وفات دے، اسلام ہی کی حالت میں زندہ رکھ اور صالحین کے ساتھ ملا دے، اس حال میں کہ نہ ہم رسوا ہوں اور نہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوں۔ اے اللہ! ان کافروں

کو ہلاک فرما جو تیرے رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور تیری راہ سے روکتے ہیں، اور ان پر اپنا عذاب اور اپنی سزا نازل فرما، اے برحق معبود! آمین"۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی

پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کی طرف واپس روانہ ہوئے اور ہجرت کے تیسرے سال ماہِ شوال کی پندرہویں تاریخ، ہفتہ کی شام مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس عظیم غزوے کے واقعات کے بارے میں سورۂ آل عمران کی بہت سی آیات نازل فرمائیں، جن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ "اور جب آپ صبح سویرے اپنے گھر والوں کے پاس سے نکلے اور اہلِ ایمان کو جنگ کے لیے مورچوں پر مقرر کر رہے تھے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔" (آل عمران: 121)

ایک نہایت مفید نکتہ :

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں غزوۂ اُحد کے واقعات سے متعلق آیات کے ضمن میں سود سے ممانعت کی آیت بھی ذکر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ "اے ایمان والو! سود کو کئی گنا بڑھا چڑھا کر نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" مجھے کسی ایسی کتاب میں یہ بات نہیں ملی کہ غزوۂ اُحد کے واقعات سے متعلق آیات کے درمیان اس آیت کے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15492 کے تحت، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 1889 اور 4354 کے تحت روایت کیا ہے۔

ذکر کی کیا مناسبت ہے، یہاں تک کہ میں نے امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات دیکھی، جس میں انہوں نے اس آیت کے ذکر کی مناسبت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں مسلسل اس بات پر غور کرتا رہا کہ غزوۂ اُحد کے واقعے کے درمیان سود کی آیت ذکر کرنے کی کیا مناسبت ہے، یہاں تک کہ میری نظر اس حدیث[1] پر پڑی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت اسی واقعے کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ یعنی اس شخص نے سود چھوڑ دیا اور جہاد کے لیے نکلا اور شہید ہو گیا، یا پھر اس کے ورثاء نے اس کے سود میں سے اپنے حق کا مطالبہ کیا تو مذکورہ آیت کے ذریعے انہیں اس سے روک دیا گیا''۔[2]

غزوۂ حمراء الأسد

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے اگلے دن، یعنی ماہِ شوال کی سولہویں تاریخ کو، رسول اللہ ﷺ کے منادی نے لوگوں میں اعلان کیا کہ دشمن کا تعاقب کرنے کے لیے نکلو، اور ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ نکلیں جو غزوۂ اُحد میں

1- یہ حدیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2537 کے تحت حسن سند کے ساتھ حضرت عمرو بن ثابت بن اقیس انصاری، جو اصیرم کے نام سے معروف تھے، رضی اللہ عنہ کے واقعے میں روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، وہ فرماتے ہیں: حضرت عمرو بن اقیس رضی اللہ عنہ کا زمانۂ جاہلیت کا کچھ سود کسی کے ذمے تھا۔ وہ اسے وصول کیے بغیر اسلام قبول کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ پھر غزوۂ اُحد کا دن آیا تو انہوں نے پوچھا: میرے چچازاد بھائی کہاں ہیں؟ لوگوں نے کہا: اُحد میں ہیں۔ پھر پوچھا: فلاں کہاں ہے؟ کہا گیا: اُحد میں ہے۔ پھر پوچھا: فلاں کہاں ہے؟ کہا گیا: اُحد میں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنا جنگی لباس پہنا، گھوڑے پر سوار ہوئے اور ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب مسلمانوں نے انہیں دیکھا تو کہا: اے عمرو! ہم سے دور رہو۔ انہوں نے کہا: میں ایمان لے آیا ہوں۔ پھر وہ دشمن سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ زخمی ہو گئے۔ انہیں زخمی حالت میں اٹھا کر ان کے گھر والوں کے پاس لے جایا گیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان کی بہن سے فرمایا: ان سے پوچھو کہ کیا انہوں نے اپنی قوم کی حمایت کے جوش میں یا ان کے لیے غصے کی وجہ سے جنگ کی ہے، یا اللہ کے لیے غصے میں؟ انہوں نے جواب دیا: بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے غصے میں۔ چنانچہ وہ وفات پا گئے اور جنت میں داخل ہو گئے، حالانکہ انہوں نے اللہ کے لیے ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔

2- دیکھیں: العجاب فی بیان الاسباب، جلد دوم، صفحہ 753۔

شریک ہوئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت جابر [1] رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلا جو غزوۂ اُحد میں شریک نہ ہوا ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے انہیں اپنی بہنوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، اور ان کے والد حضرت جابر رضی اللہ عنہما غزوۂ اُحد کے دن شہید ہو گئے تھے۔ اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے حمراء الاسد جانے کے لیے ساتھ چلنے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔ [2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک نہیں ہو سکا، کیونکہ میرے والد نے مجھے اجازت نہیں دی تھی۔ پھر جب غزوۂ اُحد کے دن میرے والد عبداللہ [3] شہید ہو گئے تو اس کے بعد میں کسی بھی غزوے میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہیں رہا۔ [4]

اس غزوے کا سبب

رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی کہ ابوسفیان مدینہ منورہ واپس آ کر باقی رہ جانے والے مسلمانوں کا بھی مکمل صفایا کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے

1- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 363 میں فرماتے ہیں: ان کتابوں میں جب مطلقاً جابر کا ذکر ہو تو اس سے مراد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہوتے ہیں، اور جب جابر بن سمرہ مراد ہوں تو ابن سمرہ کی قید کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 112۔

3- وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہما ہیں، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد تھے۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1813 کے تحت روایت کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کفار کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب مشرکین غزوۂ اُحد سے واپس ہوئے اور روحاء[1] کے مقام تک پہنچے تو انہوں نے آپس میں کہا: نہ تم نے محمد ﷺ کو قتل کیا اور نہ ہی تم نے پردہ نشین عورتوں کو گرفتار کیا، تم نے بہت برا کام کیا ہے، واپس چلو۔جب یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے لوگوں کو نکلنے کی ترغیب دی، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نکل پڑے اور حمراء الاسد تک پہنچ گئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا حمراء الاسد پہنچنا

رسول اللہ ﷺ چہرے پر زخم، پیشانی پر چوٹ اور رباعی دانت زخمی ہونے کے باوجود روانہ ہوئے۔آپ ﷺ کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شریک ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے، جو زخموں کی شدت سے نڈھال تھے۔اس حالت میں آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ حمراء الاسد پہنچ گئے۔

1-ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الاصول، جلد نہم، صفحہ 379 میں فرماتے ہیں: روحاء ایک مقام ہے جو مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

2-اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں حدیث نمبر 11017 کے تحت روایت کیا ہے۔امام سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور، جلد دوم، صفحہ 178 میں، اور امام شوکانی رحمہ اللہ نے فتح القدیر، جلد اول، صفحہ 651 میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 96 میں اسے ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: اسے امام نسائی اور ابن مردویہ نے روایت کیا ہے، اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، البتہ محفوظ بات یہ ہے کہ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بغیر عکرمہ رحمہ اللہ سے مرسلاً مروی ہے۔اسی مرسل طریق سے اسے ابن ابی حاتم وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ''جن لوگوں نے زخم پہنچنے کے باوجود اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔'' (آل عمران: 172) کے بارے میں روایت کیا ہے۔ (1)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ سے فرمایا: اے میرے بھانجے! تمہارے والدین میں سے حضرت زبیر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما بھی ان لوگوں میں شامل تھے۔ جب غزوۂ اُحد کے دن رسول اللہ ﷺ کو وہ تکلیف پہنچی جو پہنچی اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ دوبارہ واپس نہ آ جائیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو ان کے پیچھے جائے گا؟ اس پر ان میں سے ستر افراد (2) نکلنے کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ان میں حضرت ابو بکر اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ (3)

رسول اللہ ﷺ حمراء الاسد کی طرف روانہ ہوئے، وہاں پڑاؤ ڈالا اور تین راتیں قیام فرمایا۔ جب مشرکین کو اس کی خبر ہوئی تو وہ خوف زدہ ہو گئے اور مکہ مکرمہ کی

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد دوم، صفحہ 165 میں فرماتے ہیں: یہ واقعہ حمراء الاسد کے دن پیش آیا تھا۔

2- علامہ شامی رحمہ اللہ سبل الہدیٰ والرشاد، جلد چہارم، صفحہ 314 میں فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور اصحابِ مغازی کی بیان کردہ روایت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ستر افراد دوسروں سے پہلے روانہ ہو گئے ہوں اور بعد میں باقی لوگ بھی ان کے ساتھ آ ملے ہوں۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4077 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے مختصراً اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2418 کے تحت روایت کیا ہے۔

طرف واپس روانہ ہو گئے۔ پھر بدھ کے روز رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنی وہ ہیبت اور وقار بڑی حد تک دوبارہ حاصل کر لیا جو غزوۂ اُحد کی وجہ سے تقریباً متزلزل ہو گیا تھا۔

حمراء الاسد کے بارے میں آیات کا نزول

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس غزوے کے موقع پر یہ آیات نازل فرمائیں: الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ''جن لوگوں نے زخم پہنچنے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہا، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے لوگوں نے کہا: تمہارے مقابلے کے لیے لوگوں نے بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، لہٰذا ان سے ڈرو۔ تو اس بات نے ان کے ایمان کو اور بڑھا دیا اور انہوں نے کہا: ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس لوٹے، انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور انہوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' (آل عمران: 172-174)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ اس واپسی کے ذریعے ان کے لیے عظیم اجر حاصل ہو گیا[1]۔

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد پنجم، صفحہ 421۔

ہجری کا چوتھا سال

غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے درمیان اہم سرایا اور مہمات

غزوۂ اُحد کا مسلمانوں کی ساکھ پر برا اثر پڑا تھا۔ لوگوں کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت ختم ہو گئی تھی، قبائل نے ان پر حملے کی طمع باندھ لی تھی، جبکہ یہود اور منافقین نے بھی اپنی وہ دشمنی اور بغض ظاہر کر دیا تھا جسے وہ دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ غزوۂ اُحد کو ابھی چند ہی ماہ گزرے تھے کہ بعض قبائل نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ بنو نضیر کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ رسول اللہ ﷺ اس تمام صورتِ حال سے غافل نہیں تھے، بلکہ آپ ﷺ اپنی حکمت وتدبیر کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی ہیبت دوبارہ بحال کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا بنو اسد کی طرف سریہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو سلمہ عبد اللہ بن عبد الاسد مخزومی رضی اللہ عنہ کو ایک سو پچاس مہاجرین وانصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ قطن کی طرف روانہ فرمایا۔ قطن، فَید کے اطراف میں واقع ایک پہاڑ ہے، جہاں بنو اسد بن خزیمہ کے لیے پانی کا ایک چشمہ تھا۔ یہ واقعہ ہجری کے چوتھے سال محرم کا چاند نظر آنے کے وقت پیش آیا۔ اس سریہ کو روانہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ طلیحہ اور سلمہ، جو خویلد کے بیٹے تھے، اپنی قوم میں جا پہنچے ہیں اور جو لوگ ان کی بات مانتے ہیں، انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور ان کے مویشیوں پر اچانک حملہ کیا۔ ان کے تین غلام چرواہوں کو گرفتار کر لیا گیا، جبکہ باقی لوگ وہاں سے نکل گئے۔ پھر وہ اپنی قوم کے پاس پہنچے اور انہیں اس حملے سے خبر دار کیا، چنانچہ وہ لوگ ہر طرف منتشر ہو گئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی مزاحمت کا سامنا کیے بغیر مالِ غنیمت کے ساتھ بحفاظت مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ (1)

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات

جب حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو غزوۂ اُحد کے دن لگنے والا ان کا زخم دوبارہ پھٹ گیا، جس کے باعث آپ رضی اللہ عنہ وفات پا گئے۔ یہ واقعہ ہجری کے چوتھے سال جمادی الآخرہ کی ستائیسویں تاریخ کو پیش آیا۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے، اس وقت ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کی آنکھیں بند کر دیں، پھر فرمایا: ''جب روح قبض کی جاتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے چلتی ہے۔'' اس پر ان کے اہلِ خانہ کے کچھ لوگ بلند آواز سے رونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے لیے خیر ہی کی دعا کرو، کیونکہ فرشتے تمہاری باتوں پر آمین کہتے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ابو سلمہ کی مغفرت فرما، ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کے

1- دیکھیں: اس سریہ کی تفصیلات، الطبقات الکبریٰ، ابن سعد، جلد دوم، صفحہ 274، اور البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 442۔

درجات بلند فرما، ان کے پیچھے ان کے اہل و عیال کی نگہبانی فرما، اور اے تمام جہانوں کے پروردگار! ہماری اور ان کی مغفرت فرما، ان کی قبر کو کشادہ فرما اور اس میں ان کے لیے نور عطا فرما"۔ (1)

حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا سریہ

ہجرت کے چوتھے سال پانچ محرم کو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو خالد بن سفیان ہذلی کو قتل کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا: "مجھے اطلاع ملی ہے کہ خالد بن سفیان بن نبیح ہذلی میرے خلاف لوگوں کو جمع کر رہا ہے تاکہ مجھ پر حملہ کرے، اور وہ عُرَنہ (2) کے مقام پر ہے۔ تم اس کے پاس جاؤ اور اسے قتل کر دو۔" میں نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا حلیہ بیان فرما دیجیے تاکہ میں اسے پہچان سکوں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اسے دیکھو گے تو تم پر کپکپی طاری ہو جائے گی۔" حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ میں اپنی تلوار کمر سے باندھ کر روانہ ہوا، یہاں تک کہ عُرَنہ کے مقام پر اس کے پاس پہنچ گیا۔ وہ وہاں کچھ عورتوں کے ساتھ تھا اور ان کے لیے قیام کی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ جب عصر کا وقت ہوا اور میں نے اسے دیکھا تو مجھ پر

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 929 اور 7 کے تحت، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3118 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- عُرَنہ، عین کے ضمہ کے ساتھ، عرفات میں موقف کے قریب ایک مقام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 202۔

وہی کپکپی طاری ہو گئی جس کا رسول اللہ ﷺ نے ذکر فرمایا تھا۔ میں اس کی طرف بڑھا، لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میرے اور اس کے درمیان کوئی ایسی کشمکش نہ ہو جائے جو مجھے نماز سے مشغول کر دے۔ چنانچہ میں چلتے ہوئے نماز پڑھنے لگا اور رکوع و سجود کے لیے اپنے سر سے اشارہ کرتا رہا۔ جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' میں نے کہا: ''عرب کا ایک شخص ہوں، جس نے آپ کے بارے میں اور اس شخص[1] کے خلاف لوگوں کو جمع کرنے کے متعلق سنا ہے، چنانچہ اسی مقصد سے آپ کے پاس آیا ہوں۔'' اس نے کہا: ''ہاں، میں اسی کام میں لگا ہوا ہوں۔'' حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں کچھ دیر اس کے ساتھ چلتا رہا، یہاں تک کہ جب مجھے اس پر حملہ کرنے کا مناسب موقع مل گیا تو میں نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اسے قتل کر دیا۔ پھر وہاں سے نکل آیا اور ان عورتوں کو اس کی لاش پر جھکے ہوئے چھوڑ دیا۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: ''چہرہ کامیاب ہو گیا۔'' میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ کھڑے ہوئے اور مجھے اپنے گھر لے گئے، جہاں آپ ﷺ نے مجھے ایک لاٹھی عطا فرمائی اور فرمایا: ''اے عبداللہ بن انیس! اسے اپنے پاس رکھو۔'' حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں وہ لاٹھی لے کر لوگوں کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا: ''یہ لاٹھی کیسی ہے؟'' میں نے کہا: ''یہ مجھے رسول اللہ ﷺ

1- یعنی رسول اللہ ﷺ۔

نے عطا فرمائی ہے اور اسے اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا ہے۔'' انہوں نے کہا: ''کیا تم رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس جا کر اس کے بارے میں پوچھ نہیں لیتے؟'' چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آیا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے مجھے یہ لاٹھی کیوں عطا فرمائی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ قیامت کے دن میرے اور تمہارے درمیان ایک نشانی ہو گی، کیونکہ اس دن لاٹھی ہاتھ میں رکھنے والے لوگ بہت کم ہوں گے۔'' حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے اس لاٹھی کو اپنی تلوار کے ساتھ باندھ لیا۔ وہ لاٹھی ہمیشہ ان کے پاس رہی، یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوئی تو انہوں نے وصیت کی کہ اسے ان کے کفن میں ان کے ساتھ رکھ دیا جائے۔ چنانچہ انہیں اور اس لاٹھی کو ایک ساتھ دفن کیا گیا۔[1]

سریۂ رجیع[2]

یہ سریہ ہجرت کے چوتھے سال ماہِ صفر میں پیش آیا۔[3]

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 16047 کے تحت، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7160 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اسے مختصراً حدیث نمبر 1249 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے اپنی تفسیر، جلد اول، صفحہ 656 میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد سوم، صفحہ 110 اور جلد ہشتم، صفحہ 133 میں اسے ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

2- رجیع، قبیلہ ہذیل کے ایک چشمے کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 186۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 131 میں فرماتے ہیں: ''رجیع، قبیلہ ہذیل کے علاقے میں ایک مقام ہے۔ یہ واقعہ اس کے قریب پیش آیا تھا، اسی لیے اسے اسی نام سے موسوم کیا گیا۔''

3- امام واقدی رحمہ اللہ نے اپنی مغازی، جلد اول، صفحہ 354 میں اس بات کی قطعیت کے ساتھ تصریح کی ہے۔ ان کے شاگرد ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی اپنی طبقات، جلد دوم، صفحہ 277 میں اسی کی پیروی کی ہے، اور اکثر اہلِ سیرت کا بھی یہی قول ہے۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سیرت، جلد سوم، صفحہ 187 میں اسے غزوۂ اُحد کے فوراً بعد ذکر کیا ہے، تاہم انہوں نے اس کے وقوع کے مہینے کی تعیین نہیں کی، بلکہ صرف اتنا کہا ہے: ''سنہ تین ہجری میں واقعۂ رجیع کا ذکر۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے دس[1] افراد کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا[2] اور حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر[3] مقرر کیا، جو حضرت عاصم بن عمر بن خطاب کے دادا تھے۔ جب یہ لوگ عسفان اور مکہ مکرمہ کے درمیان ہدْاَہ کے مقام پر پہنچے تو بنو لحیان نامی قبیلہ ہُذیل کے ایک گروہ کو ان کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ وہ تقریباً سو تیر اندازوں کو لے کر ان کے تعاقب میں نکلے اور ان کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے جہاں ان لوگوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ وہاں انہیں کھجوریں کھانے کے نشانات ملے تو انہوں نے کہا: ''یہ یثرب کی کھجوریں ہیں۔'' پھر وہ ان کے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے ان کے پیچھے روانہ

1-ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں، سیرت، جلد سوم، صفحہ 188 پر ان کی تعداد **چھ** بیان کی گئی ہے۔ امام سہیل رحمہ اللہ نے الروض الأنف، جلد سوم، صفحہ 361 میں فرمایا ہے کہ صحیح بخاری میں ان کی تعداد **دس** بیان ہوئی ہے، اور **یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔**

2-اس سریہ کو روانہ کرنے کے سبب کے بارے میں درج ذیل دو اقوال ہیں: اولاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نمبر 3929 کے تحت روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دس افراد کو جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا۔ امام واقدی رحمہ اللہ نے اپنی مغازی، جلد اول، صفحہ 354 میں ابوالاسود سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اصحابِ رجیع کو مکہ مکرمہ کی طرف جاسوس بنا کر روانہ فرمایا تھا، تاکہ وہ آپ ﷺ کو قریش کے حالات سے آگاہ کریں۔ چنانچہ وہ نجد کی جانب جانے والے راستے پر چلتے ہوئے رجیع کے مقام پر پہنچے، جہاں بنو لحیان نے ان کا راستہ روک لیا۔ ثانیاً: ابن اسحاق رحمہ اللہ اپنی سیرت، جلد سوم، صفحہ 188 میں فرماتے ہیں: غزوۂ اُحد کے بعد عضل اور قارہ قبائل کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہماری قوم میں اسلام آ چکا ہے، لہٰذا آپ اپنے صحابہ میں سے چند افراد ہمارے ساتھ بھیج دیجیے، جو ہمیں دین کی سمجھ عطا کریں، قرآن مجید پڑھ کر سنائیں اور اسلام کے احکام و شرائع کی تعلیم دیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ اپنے چھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا۔

3-ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں، سیرت، جلد سوم، صفحہ 188 پر حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 133 میں فرمایا ہے کہ صحیح بخاری میں مذکور روایت زیادہ صحیح ہے۔

ہو گئے۔ جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو ان کے آنے کا احساس ہوا تو انہوں نے ایک محفوظ مقام پر پناہ لے لی۔ تعاقب کرنے والوں نے انہیں گھیر لیا اور کہا: ''نیچے اتر آؤ اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم تمہیں عہد و پیمان دیتے ہیں کہ تم میں سے کسی کو قتل نہیں کریں گے۔'' حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے لوگو! جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کسی کافر کی امان میں نہیں اتروں گا۔'' پھر دعا کی: ''اے اللہ! ہمارے بارے میں اپنے نبی ﷺ کو خبر پہنچا دے۔'' چنانچہ ان لوگوں نے تیر برسائے اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا[1]۔ پھر تین افراد عہد و پیمان کے تحت نیچے اتر آئے، جن میں حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ[2] رضی اللہ عنہما اور ایک تیسرا شخص[3] شامل تھا۔ جب حملہ آوروں نے ان تینوں کو اپنے قابو میں کر لیا تو انہوں نے اپنی کمانوں کی تانتیں کھول کر ان کے ذریعے ان تینوں کو باندھ دیا۔ اس پر تیسرے شخص نے کہا: ''یہ تو عہد شکنی کی پہلی علامت ہے۔ اللہ کی قسم! میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ ان مقتولین میں میرے لیے نمونہ موجود ہے۔'' اس کی مراد وہ شہداء تھے جو قتل کیے جا چکے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں نے اسے گھسیٹا اور

1- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 4086 میں ہے کہ ان لوگوں نے ان سے جنگ کی، یہاں تک کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سمیت سات افراد کو تیروں سے شہید کر دیا، جبکہ حضرت خبیب، حضرت زید اور ایک تیسرا شخص باقی رہ گئے۔

2- ابن الاثیر رحمہ اللہ جامع الاصول، جلد اول، صفحہ 410، قسم التراجم میں فرماتے ہیں: حضرت زید بن دثنہ انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے تھے اور سریۂ رجیع کے دن قیدی بنا لیے گئے تھے۔ دثنۃ، دال کے فتحہ اور ثاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

3- وہ حضرت عبداللہ بن طارق بلوی رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں سیرت، جلد سوم، صفحہ 190 پر مذکور ہے۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ الاستیعاب، جلد سوم، صفحہ 61 میں فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن طارق بلوی رضی اللہ عنہ انصار کے قبیلہ بنو ظفر کے حلیف تھے اور غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک ہوئے تھے۔

زبردستی ساتھ لے جانے کی کوشش کی، لیکن اس نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا[1]۔ پھر وہ حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کو لے کر روانہ ہوئے اور غزوۂ بدر کے بعد انہیں فروخت کر دیا۔ بنو حارث بن عامر بن نوفل نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خرید لیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے غزوۂ بدر کے دن حارث بن عامر کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ ان کے ہاں قیدی رہے، یہاں تک کہ انہوں نے انہیں قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دوران حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے حارث کی ایک بیٹی سے بال صاف کرنے کے لیے استرا مانگا تو اس نے انہیں استرا دے دیا۔ پھر اس عورت کا ایک چھوٹا بچہ، جبکہ وہ اس سے غافل تھی، چلتا ہوا حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ اس بچے کو اپنی ران پر بٹھائے ہوئے ہیں اور استرا ان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ عورت یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس کی گھبراہٹ کو محسوس کر لیا اور فرمایا: ''کیا تمہیں یہ خوف ہے کہ میں اسے قتل کر دوں گا؟ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔'' اس عورت نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے خبیب سے بہتر کوئی قیدی نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! ایک دن میں نے انہیں اس حال میں انگوروں کا ایک خوشہ کھاتے ہوئے دیکھا کہ وہ لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، حالانکہ مکہ مکرمہ میں اس وقت کوئی پھل موجود نہیں تھا۔'' وہ عورت کہا کرتی تھی کہ یہ وہ رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا تھا۔ جب وہ

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 4086 میں مزید ذکر کیا ہے: ''پس انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا۔''

لوگ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو حرم کی حدود سے باہر، حِل کے مقام پر قتل کرنے کے لیے لے گئے تو انہوں نے کہا: ''مجھے چھوڑ دو تاکہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔'' چنانچہ انہوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر تم یہ نہ سمجھتے کہ میں موت کی گھبراہٹ سے نماز لمبی کر رہا ہوں تو میں مزید نماز پڑھتا۔'' اس کے بعد انہوں نے دعا کی: ''اے اللہ! ان سب کو شمار کر لے، انہیں ایک ایک کر کے قتل فرما اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔'' پھر انہوں نے یہ اشعار کہے:

فلَستُ أُبالي حينَ أُقتَلُ مُسلِمًا ... على أيِّ جنب كان للهِ مَصرَعي
وذلك في ذاتِ الإلَهِ وإن يَشَأْ ... يُبارِكْ على أوصالِ شِلوٍ مُمَزَّعِ

ترجمہ: "جب میں مسلمان ہونے کی حالت میں قتل کیا جاؤں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں میری لاش کس پہلو پر گرے گی۔ یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لیے ہے، اور اگر وہ چاہے تو میرے ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے جسم کے حصوں میں بھی برکت عطا فرما دے"۔

پھر ابو سروعہ [1] عقبہ بن حارث اس کی طرف بڑھا اور اسے قتل کر دیا [2]۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہر اس مسلمان کے لیے، جسے قید کر کے قتل کیا جائے، قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنے کی سنت جاری کی۔

1- ابن الاثیر رحمہ اللہ جامع الاصول، جلد دوم، صفحہ 604، قسم التراجم میں فرماتے ہیں: سَرْوَعَہ، سین کے کسرہ، راء کے سکون، واو کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

2- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 192 میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عقبہ بن حارث سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو قتل نہیں کیا تھا، کیونکہ میں اس وقت اس کام کے لیے بہت کم عمر تھا۔ البتہ بنو عبد الدار

جب قریش کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر ہوئی، تو انہوں نے کچھ لوگوں کو ان کے پاس بھیجا تاکہ ان کے جسم کا کوئی حصہ حاصل کر کے لے آئیں، جس سے انہیں پہچانا جا سکے، کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے قریش کے ایک بڑے سردار[1] کو قتل کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے بھڑ کی مکھیوں کا ایک غول بادل کی مانند بھیج دیا، جس نے انہیں قریش کے بھیجے ہوئے لوگوں سے محفوظ رکھا، اور وہ ان کے جسم سے کوئی چیز کاٹنے پر قادر نہ ہو سکے۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے مزید ذکر کیا ہے: ''جب بھڑ کی مکھیوں کے غول نے ان لوگوں اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کے درمیان رکاوٹ پیدا کر دی تو انہوں نے کہا: اسے چھوڑ دو، یہاں تک کہ شام ہو جائے اور یہ بھڑ کی مکھیاں اس سے دور ہو جائیں، پھر ہم اسے حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سیلاب بھیجا، جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو بہا لے گیا"۔[3]

کے ایک شخص ابو میسرہ نے نیزہ اٹھایا، اسے اپنے ہاتھ میں لیا، پھر میرا ہاتھ اور نیزہ پکڑ کر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو نیزہ مارا، یہاں تک کہ انہیں قتل کر دیا۔

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 138 میں فرماتے ہیں: ''ممکن ہے کہ یہاں جس بڑے سردار کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہو، کیونکہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے غزوۂ بدر سے واپسی کے بعد اسے قید کر کے قتل کیا تھا۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3989 اور 4086 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 190۔

بئرِ معونہ[1] کا المناک واقعہ یا سریۂ قراء[2]

یہ المناک واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ماہِ صفر میں پیش آیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے اس سریہ کو روانہ کرنے کے سبب کے بارے میں درج ذیل اقوال ہیں:

اولاً: دشمن کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ سے مدد طلب کرنا: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رعل، ذکوان، عُصَیَّہ اور بنو لحیان[4] نے اپنے دشمن کے مقابلے میں رسول

1- بئرِ معونہ، میم کے فتحہ اور عین کے ضمہ کے ساتھ، بنو سلیم کے علاقے میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 293۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 15، صفحہ 184 میں فرماتے ہیں: قراء، قاف کے ضمہ اور راء کی تشدید و ہمزہ کے ساتھ، قاری کی جمع ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قرآن و سنت کے علم رکھنے والے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، جلد دہم، صفحہ 56 میں ''اصحابِ نبی ﷺ میں سے قراء'' کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد دہم، صفحہ 57 میں فرماتے ہیں: یعنی وہ لوگ جو حفظِ قرآن اور اس کی تعلیم دینے کے حوالے سے مشہور تھے۔ سلف کے عرف میں یہ لفظ ان لوگوں کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا جو قرآن کے فہم و فقہ میں مہارت رکھتے تھے۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 204، اور الطبقات الکبریٰ از ابن سعد، جلد دوم، صفحہ 275۔

4- ابن سید الناس رحمہ اللہ عیون الاثر، جلد دوم، صفحہ 72 میں فرماتے ہیں: ''اس روایت میں اسی طرح مذکور ہے، جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ بنو لحیان بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے بئرِ معونہ کے دن قراء کو شہید کیا تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ان لوگوں کو رعل، ذکوان اور عُصَیَّہ اور ان کے ساتھ سلیم کے جو لوگ تھے، انہوں نے شہید کیا تھا۔ رہے بنو لحیان، تو انہوں نے سریۂ رجیع کے افراد کو شہید کیا تھا۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کو ان تمام لوگوں کے بارے میں ایک ہی وقت میں خبر پہنچی تھی، اسی لیے آپ ﷺ نے دونوں مقامات پر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کرنے والوں کے خلاف ایک ہی دعا فرمائی۔''

اللہ ﷺ سے مدد طلب کی، تو آپ ﷺ نے ان کی مدد کے لیے انصار میں سے ستر [1] افراد بھیجے۔ ہم ان لوگوں کو ان کے زمانے میں قراء کہا کرتے تھے۔ وہ دن کے وقت لکڑیاں جمع کرتے اور رات کو نماز پڑھتے تھے۔ [2]

ثانیاً: قرآن و سنت کی تعلیم دینے کی درخواست: امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''آپ ہمارے ساتھ کچھ ایسے افراد بھیج دیجیے جو ہمیں قرآن و سنت کی تعلیم دیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے پاس انصار میں سے ستر افراد بھیجے، جنہیں قراء کہا جاتا تھا۔ [3]

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو براء عامر بن مالک بن جعفر، جو **"ملاعب الاسنہ"** کے لقب سے مشہور تھے، مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا اور انہیں اس کی دعوت دی، لیکن انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا، البتہ اسلام سے دوری بھی اختیار نہیں کی۔ انہوں نے عرض کیا: ''اے محمد ﷺ! اگر آپ اپنے صحابہ میں سے کچھ افراد اہلِ نجد کی طرف بھیج دیں، جو انہیں آپ کے دین کی دعوت دیں، تو مجھے امید ہے کہ وہ آپ کی

1- ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں، جلد سوم، صفحہ 204 پر ان کی تعداد 40 بیان ہوئی ہے۔ امام سہیل رحمہ اللہ نے الروض الأنف، جلد سوم، صفحہ 379 میں فرمایا ہے: "صحیح بات یہ ہے کہ ان کی تعداد ستر تھی، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی یہی تعداد مذکور ہے"۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4090 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 677 کے تحت روایت کیا ہے۔

دعوت قبول کرلیں گے"۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے اہلِ نجد کی طرف سے ان کے بارے میں اندیشہ ہے"۔ ابو براء نے کہا: "میں انہیں اپنی پناہ میں لیتا ہوں، لہٰذا آپ انہیں بھیج دیجیے تاکہ وہ لوگوں کو آپ کے دین کی دعوت دیں"۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کو اپنے چالیس بہترین مسلمان صحابہ کے ساتھ روانہ فرمایا۔[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بئرِ معونہ پہنچنا

نبی کریم ﷺ کے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت منذر بن عمرو عقبہ بدری رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب وہ بئرِ معونہ پہنچے تو بنو سلیم کے دو قبیلے رعل اور ذکوان ان کے سامنے آگئے۔ انہوں نے عہد شکنی کرتے ہوئے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "بئرِ معونہ نامی ایک کنویں کے پاس بنو سلیم کے دو قبیلے، رعل اور ذکوان، ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے آگئے۔ ان صحابہ نے کہا: اللہ کی قسم! ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں، بلکہ ہم نبی کریم ﷺ کے ایک کام سے گزر رہے ہیں۔ لیکن ان لوگوں نے انہیں قتل کر دیا۔[2]

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 204۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4088 کے تحت روایت کیا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''وہ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ بئرِ معونہ پہنچ گئے، تو ان لوگوں نے عہد شکنی کی اور انہیں قتل کر دیا"۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''وہ لوگ بنو سلیم کے ایک قبیلے کے پاس پہنچے، جن میں میرے ماموں حضرت حرام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے ان کے سردار سے کہا: مجھے اجازت دو کہ میں ان لوگوں کو بتادوں کہ ہمارا تم سے کوئی ارادہ نہیں، تاکہ وہ ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کہا: ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں، ہم تمہارے لیے نہیں آئے ہیں۔ اسی دوران ایک شخص نے ان کے سامنے آکر نیزہ مارا، جو ان کے جسم کے آر پار نکل گیا۔ جب حضرت حرام رضی اللہ عنہ نے محسوس کیا کہ نیزہ ان کے جسم میں پوری طرح اتر چکا ہے تو انہوں نے کہا: ''اللہ اکبر! ربِ کعبہ کی قسم! میں کامیاب ہو گیا"۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر وہ لوگ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ٹوٹ پڑے اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا۔ (2)

جب ان قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا گیا تو انہوں نے اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ سے عرض کیا: ''اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی ﷺ کو یہ پیغام

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3064 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12402 کے تحت روایت کیا ہے۔

پہنچادے۔'' امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ ان لوگوں نے انہیں منزل[1] پر پہنچنے سے پہلے ہی شہید کر دیا۔ اس وقت انہوں نے کہا: اے اللہ! ہماری طرف سے ہمارے نبی ﷺ کو یہ پیغام پہنچادے کہ ہم تجھ سے جاملے ہیں، ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو بھی ہم سے راضی ہو گیا ہے''۔[2]

اس قتلِ عام سے صرف دو افراد زندہ بچ سکے، جن کا ذکر درج ذیل ہے:

اولاً: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''انہوں نے سب کو قتل کر دیا، سوائے ایک لنگڑے شخص کے، جو پہاڑ پر چڑھ گیا تھا''۔[3]

ثانیاً: دوسرا شخص حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے، جنہیں قیدی بنالیا گیا تھا، پھر رہا کر دیا گیا، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بھی بئرِ معونہ کے المناک واقعے میں شہید ہونے والوں میں شامل تھے۔ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام

1- یعنی بنو عامر کے علاقے، جو "ملاعب الاسنہ" کی قوم تھی۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 677 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2801 کے تحت روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 205 میں اس لنگڑے شخص کا نام ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''انہوں نے آخری شخص تک سب کو قتل کر دیا، سوائے حضرت کعب بن زید، جو بنو دینار بن نجار کے بھائی تھے۔ ان لوگوں نے انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ ان میں ابھی کچھ جان باقی تھی۔ چنانچہ وہ مقتولین کے درمیان سے زخمی حالت میں زندہ رہے، یہاں تک کہ غزوۂ خندق کے دن شہید ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔''

تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب بئرِ معونہ کے مقام پر موجود افراد کو شہید کر دیا گیا اور حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو قیدی بنالیا گیا تو عامر بن طفیل [1] نے ان سے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' پھر اس نے ایک مقتول کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''یہ عامر بن فہیرہ ہیں۔'' عامر و بن طفیل نے کہا: ''میں نے انہیں قتل کیے جانے کے بعد آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ میں ان کے اور زمین کے درمیان آسمان کو دیکھ رہا تھا، پھر انہیں نیچے رکھ دیا گیا''۔ [2]

بئرِ معونہ کے شہداء پر نبی کریم ﷺ کا غم رسول اللہ ﷺ کو بئرِ معونہ کے المناک واقعے اور سریۂ رجیع کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر ایک ہی دن پہنچی۔ آپ ﷺ کو ان کی شہادت پر بہت زیادہ غم ہوا اور آپ ﷺ نے پورے ایک ماہ تک ہر نماز میں ان لوگوں کے خلاف بددعا فرمائی جنہوں نے آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے

1- میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ اس شخص کو رسوا کرے! یہ بنو سلیم کے سرداروں میں سے ایک تھا، جنہوں نے قراء رضی اللہ عنہم کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4091 کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماموں، حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی، کو ستر سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ مشرکین کا سردار عامر بن طفیل تھا۔

علامہ سندھی رحمہ اللہ اپنی شرحِ مسند، جلد بیستم، صفحہ 421 میں فرماتے ہیں: ''حدیث کے الفاظ 'عامر بن طفیل' سے مراد عامری شخص ہے، جو کفر کی حالت میں مرا۔ یہ صحابی عامر بن طفیل اسلمی نہیں ہیں۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4093 کے تحت روایت کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''تمہارے بھائی شہید کر دیے گئے ہیں، اور انہوں نے یہ دعا کی تھی: اے اللہ! ہمارے نبی کو ہماری طرف سے یہ پیغام پہنچادے کہ ہم تجھ سے جا ملے ہیں، ہم تجھ سے راضی ہیں اور تو ہم سے راضی ہے۔ (1)

اور شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں، نیز امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی بھی معاملے پر اتنا غمگیں نہیں دیکھا جتنا آپ ﷺ بئرِ معونہ کے شہداء، یعنی حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ کی سریہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت پر غمگیں ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک ماہ تک نمازِ فجر کے قنوت میں ان لوگوں کے خلاف بددعا فرمائی جنہوں نے ان صحابہ کو شہید کیا تھا۔ آپ ﷺ رعل، ذکوان، عصیہ اور لحیان کے خلاف بددعا فرماتے تھے، جو بنو سلیم کے قبائل تھے''۔ (2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مسلسل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی ہر نماز کے آخری رکعت میں رکوع سے اٹھنے کے بعد، یعنی «سَمِعَ

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 677 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1300 اور 6394، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 677 اور 302، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 13027 کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ لِمَنْ حَمِدَہُ» کہنے کے بعد، قنوت فرمایا۔ آپ ﷺ بنو سلیم کے ایک قبیلے، رعل، ذکوان اور عصیہ کے خلاف بددعا فرماتے تھے اور آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے والے صحابہ آمین کہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان لوگوں کے پاس انہیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا تھا، لیکن انہوں نے ان صحابہ کو شہید کر دیا۔[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: اللہ عزوجل نے بئرِ معونہ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں قرآن نازل فرمایا، جسے ہم پڑھتے رہے، پھر بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ اس میں یہ الفاظ تھے: ((أن بلغوا قومنا أن قد لقينا ربنا فرضي عنا ورضينا عنه)) ”ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے جا ملے ہیں، وہ ہم سے راضی ہو گیا ہے اور ہم اس سے راضی ہو گئے ہیں"۔[2]

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ واپسی

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو قیدی بنا لیا گیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے تو ایک عجیب سبب کی بنا پر انہیں رہا کر دیا گیا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: ”انہوں نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو قیدی بنا لیا۔

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 22746، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1443 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3915 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2814 اور 4095، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 677 اور 297 کے تحت روایت کیا ہے۔

جب انہوں نے بتایا کہ ان کا تعلق قبیلہ مضر سے ہے تو عامر بن طفیل نے انہیں آزاد کر دیا، ان کی پیشانی کے بال کاٹ دیے اور انہیں اس غلام کے بدلے آزاد کیا جسے وہ اپنی ماں کے ذمے واجب سمجھتا تھا"۔ (1)

بنو عامر کے دو آدمیوں کا قتل

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ واپس روانہ ہوئے۔ جب وہ قرقرہ کے مقام پر پہنچے تو بنو عامر (2) کے دو آدمی وہاں آئے اور اسی سائے میں ان کے ساتھ ٹھہر گئے جس میں حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں عامریوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد اور امان تھی، لیکن حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ اس سے بے خبر تھے۔ جب وہ دونوں ان کے پاس آکر بیٹھے تو حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ''تم دونوں کس قبیلے سے تعلق رکھتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ''ہم بنو عامر سے ہیں۔'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں مہلت دی، یہاں تک کہ جب وہ سو گئے تو آپ نے انہیں قتل کر دیا۔ آپ کا خیال تھا کہ اس طرح انہوں نے بنو عامر سے اپنے ساتھیوں کے قتل کا بدلہ لے لیا ہے۔ جب حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ کو اپنے ساتھیوں کی شہادت کی خبر دی اور بنو عامر کے ان دو آدمیوں کے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 206۔

2- یہ وہی قبیلہ تھا جس نے صحابہ کرام قراء رضی اللہ عنہم کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔

قتل کا واقعہ بھی بیان کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے دو ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جن کی دیت مجھے ادا کرنی ہو گی''۔ (1)

حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ان دونوں آدمیوں کو قتل کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ان کی دیت جمع کرنے کا واقعہ غزوۂ بنو نضیر کا سبب بنا، جیسا کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

غزوۂ بنو نضیر

یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے سال ماہِ ربیع الاول میں پیش آیا۔ (2)

اس غزوے کے سبب کے بارے میں درج ذیل مختلف روایات بیان کی گئی ہیں:

پہلا سبب: مقتولین کی دیت جمع کرنا ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ ﷺ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے تاکہ ان دو مقتولین کی دیت کے سلسلے میں ان سے مدد طلب کریں جنہیں حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے قتل کیا

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 206۔

2- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے جلد سوم، صفحہ 210، اور ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں جلد دوم، صفحہ 278 پر اس غزوے کی تاریخ یہی بیان کی ہے، اور یہی عام اہلِ مغازی کا قول ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ غزوۂ بدر کے واقعے کے چھ ماہ بعد اور غزوۂ اُحد سے پہلے پیش آیا تھا''۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 291 میں اس قول کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ ان کی طرف سے وہم یا ان پر نقل کرنے میں غلطی ہے۔ بلکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ غزوہ غزوۂ اُحد کے بعد پیش آیا تھا۔ اور جو غزوہ غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا تھا، وہ غزوۂ بنو قینقاع تھا، جبکہ غزوۂ بنو قریظہ غزوۂ خندق کے بعد اور غزوۂ خیبر صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا۔''

تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو عہد اور امان دے رکھی تھی۔ جیسا کہ یزید بن رومان نے مجھے بیان کیا، بنو نضیر اور بنو عامر کے درمیان عہد و حلف کا معاہدہ تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان دونوں مقتولین کی دیت کے سلسلے میں ان سے مدد طلب کرنے کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے کہا: ''اے ابوالقاسم! جی ہاں، آپ نے ہم سے جس معاملے میں مدد طلب کی ہے، ہم اس میں آپ کی مدد کریں گے۔'' پھر وہ آپس میں تنہائی میں مشورہ کرنے لگے اور کہنے لگے: ''تمہیں اس شخص کو اس جیسی حالت میں پانے کا اس سے بہتر موقع دوبارہ نہیں ملے گا۔'' اس وقت رسول اللہ ﷺ ان کے گھروں میں سے ایک گھر کی دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا: ''کون ہے جو اس گھر کی چھت پر چڑھے اور ان پر ایک چٹان گرادے اور ہمیں اس سے نجات دلادے؟'' اس کام کے لیے ان ہی میں سے عمرو بن جحاش بن کعب آگے بڑھا اور کہنے لگا: ''میں یہ کام کرتا ہوں۔'' چنانچہ وہ اس مقصد سے اوپر چڑھ گیا کہ جیسا انہوں نے کہا تھا، ایک چٹان رسول اللہ ﷺ پر گرادے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے، جن میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کے ارادے کی خبر دے دی گئی۔ آپ ﷺ فوراً اٹھے اور مدینہ منورہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی واپسی میں کچھ دیر ہوئی تو آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی تلاش میں نکلے۔ راستے میں انہیں مدینہ منورہ سے آنے والا ایک شخص ملا۔ انہوں نے اس سے رسول اللہ ﷺ

کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا: ''میں نے انہیں مدینہ منورہ میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے انہیں یہ واقعہ بتایا کہ یہود نے آپ ﷺ کے ساتھ غدر کرنے کا ارادہ کیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں ان سے جنگ کی تیاری کرنے اور ان کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا۔ (1)

دوسرا سبب: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غدر اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور الفاظ عبدالرزاق رحمہ اللہ کے ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: قریش کے کافروں نے عبداللہ بن اُبی بن سلول اور اس کے ساتھ اوس و خزرج کے بت پرست لوگوں کو خط لکھا، جبکہ اس وقت رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تھے اور غزوۂ بدر ابھی پیش نہیں آیا تھا۔ انہوں نے لکھا: ''تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے اور تم مدینہ والوں میں تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہو۔ ہم اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یا تو تم اسے قتل کر دو گے یا اسے مدینہ سے نکال دو گے، ورنہ ہم عرب قبائل کو تمہارے خلاف مدد کے لیے بلائیں گے، پھر ہم سب مل کر تم پر چڑھائی کریں گے، تمہارے جنگجوؤں کو قتل کریں

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحات 210-211۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے بھی اپنی طبقات، جلد دوم، صفحہ 277 میں اسی مفہوم کا واقعہ بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الضعیفۃ، جلد دہم، حصہ دوم، صفحہ 469 میں اسے ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''ان تمام راویوں کا اس حدیث کو بغیر سند کے بیان کرنے اور اسی طرح نقل کرنے پر اتفاق اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس کی سند معروف نہیں ہے، ورنہ وہ اس کی سند ضرور بیان کرتے۔''

گے اور تمہاری عورتوں کو قید کرلیں گے۔'' جب یہ خط عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھ بت پرست لوگوں کو پہنچا تو انہوں نے آپس میں خط و کتابت کی، جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ ایک جماعت کے ساتھ ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: ''قریش کی دھمکی تم پر اس حد تک اثر انداز ہو گئی ہے کہ وہ تمہیں اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا تم خود اپنے آپ کو نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ تم تو اپنے ہی بیٹوں اور اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرنا چاہتے ہو۔'' جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سنی تو وہ منتشر ہو گئے۔ اس واقعے کی اطلاع قریش کو پہنچی، پھر غزوۂ بدر پیش آیا۔ غزوۂ بدر کے بعد قریش کے کافروں نے یہودیوں کو خط لکھا: ''تم ہتھیاروں اور مضبوط قلعوں کے مالک ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھی (محمد ﷺ) کے خلاف ضرور جنگ کرنی ہو گی، ورنہ ہم ایسا اور ایسا کریں گے، اور ہمارے اور تمہاری عورتوں کی عصمت دری کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں ہو گی۔'' جب یہ خط یہودیوں کو پہنچا تو بنو نضیر نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غدر کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا: ''آپ اپنے تیس صحابہ کے ساتھ ہمارے پاس تشریف لائیں، اور ہم بھی اپنے تیس علماء کے ساتھ آئیں گے۔ ہم فلاں مقام پر، جو ہمارے اور آپ کے درمیان نصف فاصلے پر ہو گا، ایک دوسرے سے ملیں گے تاکہ وہ آپ کی بات سنیں۔ اگر وہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ پر ایمان لے آئیں تو ہم سب بھی ایمان لے آئیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ اپنے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

ساتھ روانہ ہوئے اور تیس یہودی علماء بھی آپ ﷺ کے مقابلے میں آئے۔ جب دونوں جماعتیں کھلے میدان میں پہنچیں تو بعض یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہا: ''ہم ان تک کیسے پہنچ سکتے ہیں، جبکہ ان کے ساتھ تیس صحابہ ہیں اور ان میں سے ہر شخص اپنے نبی کی خاطر جان دینے کو تیار ہے؟'' چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا: ''ہم کس طرح سمجھیں اور آپ کس طرح سمجھائیں، جبکہ ہم ساٹھ افراد ہیں؟ آپ اپنے تین صحابہ کے ساتھ تشریف لائیں اور ہمارے تین علماء آپ کے پاس آئیں۔ وہ آپ کی بات سنیں گے، اگر وہ آپ پر ایمان لے آئے تو ہم سب بھی ایمان لے آئیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے۔'' رسول اللہ ﷺ اپنے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے، جبکہ یہودیوں نے اپنے کپڑوں میں خنجر چھپا رکھے تھے اور ان کا ارادہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غدر کرکے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا تھا۔ اسی دوران بنو نضیر کی ایک خیر خواہ عورت نے اپنے بھتیجے، جو انصار میں سے ایک مسلمان شخص تھا، کو یہ خبر دے دی کہ بنو نضیر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غدر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کا بھائی فوراً روانہ ہوا اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کے ان کے پاس پہنچنے سے پہلے اس نے آپ ﷺ کو ان کی سازش سے آگاہ

کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ لشکر لے کر بنو نضیر کے پاس پہنچے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''یہ روایت ابن اسحاق رحمہ اللہ کی بیان کردہ اس روایت سے زیادہ قوی ہے جس میں انہوں نے غزوۂ بنو نضیر کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان دو مقتولین کی دیت میں مدد طلب کی تھی۔ تاہم ابن اسحاق رحمہ اللہ کے اس قول سے اکثر اہلِ مغازی بھی متفق ہیں۔ واللہ اعلم''۔[2]

بنو نضیر کا محاصرہ اور ان کا ہتھیار ڈال دینا

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے اور حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ جب بنو نضیر کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو آتے دیکھا تو اپنے قلعوں میں پناہ لے لی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کا چھ راتوں[3] تک محاصرہ جاری رکھا اور ان کے کھجور کے درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام

1- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3004 اور عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر 9733 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 70 میں اسے ذکر کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 70۔

3- یہی بات ابن ہشام رحمہ اللہ نے اپنی سیرت، جلد 3، صفحہ 211 میں ذکر کی ہے، جبکہ امام واقدی رحمہ اللہ نے المغازی، جلد 1، صفحہ 374 میں اور ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات، جلد 2، صفحہ 278 میں اس کی مدت پندرہ دن بیان کی ہے۔

مسلم رحمہااللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا دیا اور ان میں سے بعض کو کاٹ دیا۔ یہ درخت مقام بویرہ [1] میں تھے۔ اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ ''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے یا انہیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا، یہ سب اللہ کے حکم سے تھا، تاکہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے''۔ [2]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اللہ عزوجل کے اس فرمان: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا﴾ کے بارے میں فرمایا: ''لِینَہ سے مراد کھجور کا درخت ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اترنے پر مجبور کر دیا اور کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا''۔ [3]

1- امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد 2، صفحہ 45 میں فرماتے ہیں: ''بُوَیرَہ'' باء موحدہ کے ضمہ اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے، اور یہ بنو نضیر کے دو مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4031، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1746 اور 29 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3588 کے تحت روایت کیا ہے۔

بنو نضیر کے یہودیوں کا محاصرہ سخت ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب [1] ڈال دیا۔ اس موقع پر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ مدینہ منورہ سے جلاوطن [2] ہو جائیں گے اور وہ اپنے اموال و سامان میں سے اتنا ساتھ لے جا سکیں گے جتنا اونٹ اٹھا سکیں، البتہ ہتھیار ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''غزوۂ بنو نضیر، جو یہود کا ایک گروہ تھا، غزوۂ بدر کے واقعے کے چھ ماہ بعد پیش آیا [3]۔ ان کے گھر اور کھجوروں کے باغ مدینہ منورہ کے اطراف میں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ وہ جلاوطنی پر

1- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 20، صفحہ 336 میں فرماتے ہیں: ''صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 'ایک ماہ کی مسافت تک دشمن پر رعب طاری کر کے میری مدد کی گئی ہے۔' تو پھر مدینہ منورہ سے بنو نضیر کی آبادی تک، جو تقریباً ایک میل کی مسافت پر تھی، اس کے ذریعے آپ ﷺ کی مدد کیوں نہ کی جاتی؟ یہ خصوصیت صرف محمد ﷺ کے لیے ہے، آپ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں۔''

2- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 20، صفحہ 339 میں فرماتے ہیں: ''جِلاء'' کے معنی وطن چھوڑ کر چلے جانے کے ہیں۔ اگرچہ جِلاء اور اِخراج کے معنی ایک پہلو سے یکساں ہیں، لیکن ان دونوں میں دو اعتبار سے فرق ہے: اول: جِلاء اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنے اہل و عیال اور اولاد سمیت وطن چھوڑے، جبکہ اِخراج میں یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی کو نکال دیا جائے اور اس کے اہل و عیال اور اولاد وہیں رہ جائیں۔ دوم: جِلاء صرف کسی جماعت کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ اِخراج ایک فرد یا جماعت، دونوں کے لیے ہو سکتا ہے۔

3- پہلے گزر چکا ہے کہ یہ بھی عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کا قول ہے، جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ان سے معلقاً نقل کیا ہے۔ بظاہر عروہ نے یہ بات اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اخذ کی ہے۔ جبکہ اہلِ مغازی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ واقعہ ہجری کے چوتھے سال ماہِ ربیع الاول میں پیش آیا۔

آمادہ ہو گئے، اور اس بات پر بھی کہ وہ اپنے اموال و سامان میں سے اتنا ساتھ لے جائیں گے جتنا اونٹ اٹھا سکتے ہوں، البتہ ہتھیار ساتھ نہیں لے جا سکیں گے"۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے جنگ کی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا، جبکہ بنو قریظہ کو ان کے گھروں میں رہنے دیا اور ان پر احسان فرمایا، یہاں تک کہ بعد میں بنو قریظہ نے بھی جنگ کی۔ پھر ان کے مردوں کو قتل کیا گیا اور ان کی عورتوں، بچوں اور اموال کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا"۔ (2)

اسلام میں سب سے پہلا مالِ فَے (3)

رسول اللہ ﷺ نے بنو نضیر کے یہودیوں کے چھوڑے ہوئے اموال اور ہتھیار اپنے قبضے میں لے لیے۔ یہ مال خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں تھا۔ آپ ﷺ نے اس غزوے میں حاصل ہونے والے مالِ فَے کا ایک حصہ مہاجرین کے لیے خاص فرمایا، کیونکہ وہ مالی تنگی کا شکار تھے، جبکہ باقی مال رسول اللہ ﷺ ہی کے لیے مخصوص رکھا گیا۔

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3839 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4028 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1766 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- فَے اس مال کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کو کفار سے بغیر جنگ اور جہاد کے حاصل ہو۔ دیکھیں: النہایہ، جلد 3، صفحہ 434۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بنو نضیر کا مال رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھا، تاکہ آپ ﷺ اسے اپنی ضروریات اور مسلمانوں کے مصالح میں خرچ کریں۔ آپ ﷺ نے اس مال میں خمس مقرر نہیں کیا، کیونکہ اللہ عزوجل نے اسے آپ ﷺ کے اختیار میں دیا تھا اور مسلمانوں نے اس کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ"۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''بنو نضیر کے اموال ان اموال میں سے تھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بطورِ فَے عطا فرمائے تھے۔ مسلمانوں نے انہیں حاصل کرنے کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، اس لیے یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص تھے"۔ (2)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''لوگوں میں سے کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کو اپنی کھجور کے چند درخت بطورِ ہدیہ دے دیتا تھا۔ یہاں تک کہ

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 152۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2904، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1757 اور 48 کے تحت روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے دیے ہوئے کھجور کے درخت انہیں واپس کر دیا کرتے تھے"۔ (1)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: بنو نضیر کے کھجور کے درخت خاص طور پر رسول اللہ ﷺ کے لیے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ ﷺ کے اختیار میں دے کر آپ ﷺ کے لیے مخصوص فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ﴾ یعنی مسلمانوں نے اس مال کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے تھے اور نہ اونٹ، بلکہ یہ بغیر جنگ کے حاصل ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مال کا بیشتر حصہ مہاجرین کے درمیان تقسیم فرمایا اور ان کے درمیان اسے تقسیم کر دیا۔ اس میں سے دو انصاری (2) صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو بھی دیا، کیونکہ وہ دونوں محتاج تھے۔ ان دو کے علاوہ کسی اور انصاری کو اس مال میں سے حصہ نہیں دیا گیا۔ اس مال میں سے کچھ حصہ رسول اللہ ﷺ کی صدقہ کی ہوئی جائیداد کی صورت میں باقی رہ گیا، جو بنو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ (3)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4030، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1771 اور 71 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 213 میں ان دونوں انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے نام ذکر کیے ہیں۔ وہ حضرت سہل بن حنیف اور حضرت ابو دجانہ سماک بن خرشہ رضی اللہ عنہما تھے۔

3- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3004 کے تحت روایت کیا ہے۔

سورۃ الحشر کا نزول[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''بنو نضیر کے واقعے کے بارے میں مکمل سورۃ الحشر نازل ہوئی"۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: یہ بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔[3]

صحیح بخاری میں ایک دوسرے لفظ کے ساتھ سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۃ الحشر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: اسے سورۃ النضیر کہو"۔[4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے 'سورۃ الحشر' کہنے کو اس لیے ناپسند فرمایا کہ کہیں یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس سے قیامت کا دن مراد ہے، جبکہ یہاں 'حشر' سے مراد بنو نضیر کو جلاوطن کرنا ہے"۔[5]

1- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 20، صفحہ 333 میں فرماتے ہیں: ''تمام مفسرین کے قول کے مطابق یہ سورت مدنی ہے اور اس کی آیات کی تعداد چوبیس ہے۔''

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 214۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4882 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4883 کے تحت روایت کیا ہے۔

5- دیکھیں: فتح الباری، جلد 9، صفحہ 618۔

غزوۂ بدر الآخرہ[1]

غزوۂ بدر الآخرہ ہجری کے چوتھے سال ماہِ شعبان میں پیش آیا[2]۔

غزوۂ اُحد سے واپسی کے وقت ابو سفیان نے رسول اللہ ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ سال غزوۂ اُحد کے مقام پر ہونے والے مقابلے کے بجائے بدر میں دوبارہ جنگ ہوگی۔ چنانچہ اگلے سال، یعنی ہجری کے چوتھے سال ماہِ شعبان میں رسول اللہ ﷺ اپنے اس وعدے کے مطابق روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ پندرہ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بدر کے مقام پر پہنچے اور وہاں آٹھ دن تک مشرکین کا انتظار کرتے رہے۔ ادھر ابو سفیان دو ہزار افراد کے ساتھ مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ جب وہ مرُّ الظَّہران کے مقام پر پہنچا تو اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ''یہ سال قحط اور خشک سالی کا سال ہے، اور میری رائے ہے کہ میں تمہیں واپس لے چلوں۔'' چنانچہ وہ سب واپس لوٹ گئے اور طے شدہ وعدے کے مطابق بدر نہ پہنچ سکے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ

1- اس غزوے کو ''بدرِ صغریٰ'' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اس میں باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی۔ اسے ''بدرُ الموعد'' بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ غزوۂ اُحد کے موقع پر ابو سفیان نے آئندہ سال بدر کے مقام پر دوبارہ مقابلے کی ملاقات طے کی تھی۔ اسے ''بدرِ ثالثہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

2- امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کے نزدیک اس غزوے کی تاریخ ہجری کے چوتھے سال ماہِ شعبان ہے۔ دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 231۔ جبکہ ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں، جلد 2، صفحہ 279 پر ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ اسی سال ماہِ ذوالقعدہ میں پیش آیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 471 میں فرماتے ہیں: ''صحیح قول ابن اسحاق رحمہ اللہ کا ہے کہ یہ واقعہ اسی چوتھے سال ماہِ شعبان میں پیش آیا۔ موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ یہ غزوہ ماہِ شعبان میں پیش آیا، البتہ انہوں نے اسے ہجری کے تیسرے سال قرار دیا ہے، اور یہ وہم ہے؛ کیونکہ اس غزوے کا وعدہ غزوۂ اُحد کے موقع پر ہوا تھا، جبکہ غزوۂ اُحد ہجری کے تیسرے سال ماہِ شوال میں پیش آیا تھا۔''

واپس تشریف لے آئے، جبکہ لوگوں کو آپ ﷺ کے سفر پر روانہ ہونے کی خبر پہنچ چکی تھی۔ (1)

ہجری کا پانچواں سال

غزوۂ خندق (2) یا غزوۂ اَحزاب (3)

غزوۂ خندق ہجری کے پانچویں سال ماہِ شوال میں پیش آیا۔ (4)

غزوۂ خندق کا سبب

اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ یہودِ بنو نضیر کے چند سر کردہ سردار، جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تھا اور وہ خیبر میں آباد ہو گئے تھے،

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، صفحہ 231؛ طبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 2، صفحہ 279۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 148 میں فرماتے ہیں: ''اس غزوے کو غزوۂ خندق اس لیے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودی گئی تھی۔ اہلِ مغازی کے بیان کے مطابق حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا۔'' امام سہیلی رحمہ اللہ الروض الأنف، جلد 3، صفحہ 416 میں فرماتے ہیں: ''خندق کھودنا عربوں کی عادت نہیں تھی، بلکہ یہ فارسیوں کی جنگی چالوں اور حربی تدبیروں میں سے ایک تھی۔''

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 148 میں فرماتے ہیں: ''اس غزوے کو غزوۂ احزاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ مشرکین کے کئی گروہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع ہو گئے تھے، جن میں قریش، غطفان، یہود اور ان کے پیروکار شامل تھے۔''

4- یہ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے، جیسا کہ سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 236 میں مذکور ہے، اور جمہور اہلِ علم نے بھی اسی قول کی پیروی کی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ الفصول، صفحہ 154 میں فرماتے ہیں: ''اہلِ مغازی کے صحیح قول کے مطابق غزوۂ خندق ہجری کے پانچویں سال ماہِ شوال میں پیش آیا۔'' اور البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 476 میں فرماتے ہیں: ''صحیح قول جمہور کا ہے کہ غزوۂ خندق ہجری کے پانچویں سال ماہِ شوال میں پیش آیا۔ واللہ اعلم۔'' امام ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 315 میں فرماتے ہیں: ''غزوۂ خندق کا بیان: یہ غزوہ ہجری کے پانچویں سال ماہِ شوال میں پیش آیا، اور یہی دونوں اقوال میں سے زیادہ صحیح قول ہے۔''

مثلاً سلام بن ابی الحقیق نضری، حیی بن اخطب، کنانہ بن ابی الحقیق نضری، سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع، مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ وہاں انہوں نے قریش کے سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے پر اُکسایا، نیز اپنی طرف سے فتح اور مدد کا وعدہ کیا۔ قریش نے ان کی دعوت قبول کرلی۔ پھر یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے تو انہوں نے بھی ان کی دعوت قبول کرلی۔ چنانچہ قریش اپنے حلیف قبائل اور اپنے پیروکاروں کے ساتھ روانہ ہوئے، جبکہ بنو سلیم مرُّ الظَّہران کے مقام پر ان سے آملے۔ اسی طرح بنو اسد، فزارہ، اشجع اور بنو مرّہ بھی جنگ کے لیے نکل پڑے۔ (1)

احزاب کے لشکر کی تعداد اور ان کی روانگی

احزاب کے دس ہزار افراد جمع ہوئے، جن کی قیادت ابو سفیان صخر بن حرب کر رہا تھا۔ وہ کسی طے شدہ وقت کے بغیر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور خندق کھودنا

جب رسول اللہ ﷺ کو احزاب کے لشکر کی مدینہ منورہ کی طرف روانگی کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو مشورہ دیا کہ احزاب کے لشکر اور مدینہ منورہ کے درمیان خندق کھودی جائے، تاکہ وہ مدینہ منورہ تک نہ پہنچ سکیں۔ غزوۂ خندق

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 237؛ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 3، صفحہ 398 اور اس کے بعد کے صفحات۔ ہے۔"

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 238۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی پہلی جنگی شرکت تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو مسلمان فوراً اس کام میں لگ گئے، اور خود رسول اللہ ﷺ نے بھی خندق کھودنے میں حصہ لیا۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خندق کی کھدائی کے دوران متعدد ایسے واقعات پیش آئے جن کی تفصیل بیان کرنے میں کافی وقت لگے گا، اور نبوت کی ایسی نشانیاں ظاہر ہوئیں جن کی خبریں تواتر کے ساتھ منقول ہیں"۔ (2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ خندق کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ مہاجرین اور انصار ایک سرد صبح میں خندق کھود رہے ہیں۔ ان کے پاس ایسے غلام بھی نہیں تھے جو ان کی طرف سے یہ کام کرتے۔ جب آپ ﷺ نے انہیں مشقت اور بھوک کی حالت میں دیکھا تو فرمایا:

اللهم إن العيش عيش الآخرة
فاغفر للأنصار والمهاجرة

ترجمہ: ''اے اللہ! حقیقی زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، پس انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرما۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے جواب میں کہا:

نحن الذين بايعوا محمدا على الجهاد ما بقينا أبدا.

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 238۔

2- دیکھیں: الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 156۔

ترجمہ: ''ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہے، جب تک ہم زندہ رہیں گے''۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: غزوۂ احزاب کے دن، جب رسول اللہ ﷺ خندق کھود رہے تھے، میں نے آپ ﷺ کو خندق کی مٹی اٹھا کر لے جاتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ مٹی نے آپ ﷺ کے پیٹ کی جلد کو مجھ سے چھپا دیا۔ آپ ﷺ کے جسم پر بال بھی بہت تھے۔ میں نے آپ ﷺ کو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار پڑھتے ہوئے سنا، جبکہ آپ ﷺ مٹی اٹھا رہے تھے۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

اللهم لولا أنت ما اهتدينا
ولا تصدقنا ولا صلينا
فأنزلن سكينة علينا
وثبت الأقدام إن لاقينا
إن الألى قد بغوا علينا
وإن أرادوا فتنة أبينا.

ترجمہ: ''اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ پس ہم پر سکینت نازل فرما اور جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو تو ہمارے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4099 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مختصراً حدیث نمبر 1805 اور 130 کے تحت روایت کیا ہے۔

قدموں کو ثابت رکھ۔ بے شک ان لوگوں نے ہم پر زیادتی کی ہے، اور اگر وہ ہمیں فتنے میں ڈالنا چاہیں تو ہم ہر گز ایسا نہیں کریں گے"۔ (1)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں نے خندق کھودنے میں پوری محنت اور جانفشانی سے کام کیا، جبکہ منافقین پیچھے ہٹ گئے اور چپکے چپکے کھسکنے لگے۔ ان کے بارے میں قرآنِ کریم کی متعدد آیات نازل ہوئیں، جنہیں ابن اسحاق (2) رحمہ اللہ اور دیگر اہلِ علم نے ذکر کیا ہے۔ مسلمانوں میں سے جو شخص اپنے حصے کا کام مکمل کر لیتا، وہ دوسرے کے کام میں ہاتھ بٹانے لگتا، یہاں تک کہ خندق مکمل ہو گئی۔ اس خندق کی کھدائی کے دوران واضح نشانیاں اور نبوت کی متعدد علامات ظاہر ہوئیں"۔ (3)

خندق کھودنے کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک اور سردی کا سامنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھودنے کا کام مسلسل جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس دوران انہیں شدید بھوک اور سخت مشقت برداشت کرنا پڑ رہی تھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خندق کھود رہے تھے تو انہیں سخت مشقت اور بھوک کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4106 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1803 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 270 اور اس کے بعد کے صفحات۔

3- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 72۔

کہ نبی کریم ﷺ نے بھوک کی شدت کے باعث اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''غزوۂ خندق کے دن ہم خندق کھود رہے تھے کہ راستے میں ایک سخت چٹان آڑے آگئی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان سامنے آگئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں خود نیچے اترتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ اٹھے، جبکہ آپ کے پیٹ پر ایک پتھر بندھا ہوا تھا[2]۔ ہم نے تین دن تک کوئی چیز نہیں چکھی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے کدال لے کر اس چٹان پر ضرب لگائی تو وہ ریزہ ریزہ ہو کر نرم ریت کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئی۔[3]

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14220 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام ابن قیم رحمہ اللہ عدۃ الصابرین، صفحہ 379 میں فرماتے ہیں: ''کیا یہ آپ ﷺ کی صداقت کی عظیم ترین دلیلوں میں سے نہیں ہے؟ اگر آپ ﷺ ویسے ہی ہوتے جیسا کہ آپ کے دشمن اور اللہ کے دشمن کہتے ہیں کہ آپ ایک بادشاہ ہیں جو بادشاہت اور دنیا کے طالب ہیں، تو آپ کی زندگی بادشاہوں جیسی ہوتی اور آپ کا طرزِ زندگی بھی انہی جیسا ہوتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس حال میں وفات دی کہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس اس کھانے کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی جو آپ نے اپنے اہلِ خانہ کے لیے لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے عرب کے علاقے فتح فرما دیے تھے اور آپ کے پاس مال و دولت جمع ہو چکی تھی، اس کے باوجود جب آپ ﷺ کی وفات ہوئی تو آپ نے نہ ایک درہم چھوڑا، نہ ایک دینار، نہ کوئی بکری، نہ اونٹ، نہ غلام اور نہ کوئی لونڈی۔''

3- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 72۔

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''غزوۂ خندق کی ایک رات، سخت سردی اور تیز ہوا کے دوران، میرے ماموں حضرت عثمان بن مظعون[1] رضی اللہ عنہ نے مجھے مدینہ منورہ بھیجا اور فرمایا: ہمارے لیے کھانا اور ایک لحاف لے آؤ۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی"۔[2]

خندق کی کھدائی کی تکمیل

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے احزاب کے لشکر کے مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے خندق کھودنے کا کام مکمل کر لیا تھا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خندق سَلع پہاڑ کے سامنے کھودی گئی تھی، جبکہ سَلع پہاڑ مسلمانوں کے پیچھے تھا اور خندق مسلمانوں اور کفار کے درمیان حائل تھی۔[3]

رسول اللہ ﷺ تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں اپنا لشکر ٹھہرایا۔ آپ ﷺ نے اپنے پیچھے پہاڑ اور سامنے خندق کو حفاظتی حصار کے طور پر

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 72۔

2- اسے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 10، صفحہ 263 میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 6، صفحہ 385 میں، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 161 میں بھی اسے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، تاہم ان میں سے کسی نے بھی اس اشکال کی طرف توجہ نہیں دلائی۔

3- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 3، فصل، صفحہ 317۔

رکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو مدینہ منورہ کے قلعوں میں منتقل کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا شعار ''حم لا یُنصرون'' تھا۔ امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ، جبکہ الفاظ امام ابوداؤد کے ہیں، مہلب بن ابی صفرہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''مجھے اس شخص نے بتایا جس نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب رات کے وقت تم پر حملہ کیا جائے تو تمہارا شعار 'حم لا یُنصرون' ہونا چاہیے۔[1]''

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: "خندق کے دن رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بنو قریظہ کا شعار "حم لا یُنصرون" تھا۔[2]

احزاب کا مدینہ منورہ پہنچنا اور خندق دیکھ کر حیران ہونا

احزاب کا لشکر مدینہ منورہ کے اطراف تک پہنچا تو اچانک ان کے سامنے خندق آ گئی، جسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ قریش نے رُومہ کے مقام پر مَجْمَعُ الْاَسْیال میں، جو جُرُف اور زَغابہ کے درمیان واقع تھا، پڑاؤ ڈالا۔ جبکہ غطفان آگے بڑھ کر جبلِ اُحد کے قریب ذَنَبِ نَقْمٰی کے مقام پر جا ٹھہرے۔ جب مؤمنین نے احزاب کے لشکر کو دیکھا تو

1- سندی رحمہ اللہ اپنی شرحِ مسند، جلد 9، صفحہ 434 میں نبی کریم ﷺ کے فرمان ''حم لا یُنصرون'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس میں دشمنوں کے خلاف بددعا ہونے کے ساتھ ساتھ یہ مسلمانوں کی شناخت اور شعار بھی ہے۔'' اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1777، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2596 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 7، صفحہ 127 میں اسے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''اس کی سند صحیح ہے۔''

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 249۔

انہوں نے کہا: ﴿هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ ''یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا۔'' اور اس واقعے نے ان کے ایمان اور تسلیم و رضا میں مزید اضافہ ہی کیا۔ (سورۃ الأحزاب: 22)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یعنی یہ وہی آزمائش، امتحان اور ابتلا ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، جس کے بعد عنقریب فتح و نصرت حاصل ہونے والی ہے۔ اسی لیے انہوں نے کہا: ﴿وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۖ﴾ ''اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا تھا''۔ (1)

بنو قریظہ کا عہد توڑ دینا

بنو قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا، جو مدینہ منورہ کے مشرقی جانب اپنے قلعوں میں آباد تھا۔ ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان اور امان کا معاہدہ تھا۔ ان کے جنگجوؤں کی تعداد تقریباً چار سو بیان کی گئی ہے، جبکہ ایک قول کے مطابق سات سو تھی۔ اللہ کا دشمن حیی بن اخطب نضری ان کے پاس پہنچا۔

حیی بن اخطب بنو قریظہ کی بستی میں پہنچا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے دروازے پر دستک دی، لیکن کعب نے اسے اندر آنے کی اجازت نہ دی اور اس سے ملنے سے بھی انکار کر دیا۔ حیی نے اسے پکار کر کہا: ''اے کعب! تمہارا برا ہو، میرے لیے دروازہ کھولو۔'' کعب نے کہا: ''اے حیی! تمہارا برا ہو، تم منحوس آدمی ہو۔ میں نے محمد

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 6، صفحہ 390۔

ﷺ سے عہد کر رکھا ہے، اس لیے میں اپنے اور ان کے درمیان ہونے والے عہد کو نہیں توڑ سکتا۔ میں نے محمد ﷺ کی طرف سے وفاداری اور سچائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔'' حییٰ مسلسل اسے باتوں میں لگاتا رہا، یہاں تک کہ کعب نے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔ حیی نے کہا: ''میں تمہارے پاس زمانے کی سب سے بڑی عزت اور ایک موجزن سمندر لے کر آیا ہوں۔ میں قریش کو ان کے سرداروں اور قائدین سمیت تمہارے پاس لایا ہوں؛ میں نے انہیں رُومہ کے مَجْمَعُ الْاَسْیال میں ٹھہرایا ہے، اور غطفان کو بھی ان کے سرداروں اور قائدین سمیت لایا ہوں؛ انہیں ذَنَبِ نُقْمٰی سے اُحد کے قریب ٹھہرایا ہے۔ انہوں نے میرے ساتھ عہد و پیمان کیا ہے کہ وہ یہاں سے اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا مکمل خاتمہ نہ کر دیں۔

کعب نے کہا: ''اللہ کی قسم! تم میرے پاس زمانے کی ذلت اور ایسے بادل لے کر آئے ہو جس کا پانی برس چکا ہے، اب صرف گرج چمک باقی ہے اور اس میں کچھ نہیں۔ اے حیی! تمہارا برا ہو، مجھے میرے حال پر چھوڑ دو، میں نے محمد ﷺ کی طرف سے سچائی اور وفاداری کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔''

لیکن حیی بن اخطب کعب کو مسلسل اپنی باتوں میں الجھاتا اور اصرار کرتا رہا، یہاں تک کہ کعب اس کی بات ماننے پر آمادہ ہو گیا۔ البتہ اس نے حیی سے اللہ کا عہد اور پکا وعدہ لیا کہ اگر قریش اور غطفان واپس چلے گئے اور محمد ﷺ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے تو حیی بن اخطب کے ساتھ وہ بھی قلعے میں داخل ہو جائے گا اور اس کا انجام بھی وہی ہو گا جو

حیی کا ہو گا۔ چنانچہ کعب بن اسد نے اپنا عہد توڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے معاہدے سے دست بردار ہو گیا۔[1]

نبی کریم ﷺ کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کے پاس بھیجنا

رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کی سرگرمیوں سے غافل نہیں تھے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کے حالات کی تحقیق اور ان کی خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''غزوۂ احزاب[2] کے دن مجھے اور حضرت عمر بن ابی سلمہ[3] رضی اللہ عنہ کو عورتوں کے ساتھ رکھا گیا تھا[4]۔ اچانک میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دو یا تین مرتبہ بنو قریظہ کی طرف آ جا رہے ہیں۔ جب وہ واپس آئے تو میں نے عرض کیا: ابا جان! میں نے آپ کو آتے جاتے دیکھا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 244۔

2- امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں خندق کا ذکر ہے۔

3- حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ربیب اور آپ ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کا ہاتھ کھانے کے پیالے میں ادھر اُدھر گھوم رہا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''اے بچے! اللہ کا نام لے کر کھاؤ، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ'' اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5336 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2022 اور 108 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- غزوۂ خندق کے وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ سال تھی، کیونکہ آپ ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے تھے۔

کیا تم نے واقعی مجھے دیکھا تھا، بیٹے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: کون ہے جو بنو قریظہ کے پاس جائے اور ان کی خبر میرے پاس لے کر آئے؟ چنانچہ میں روانہ ہوا، اور جب واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے میرے والدین کو میرے لیے جمع کرتے ہوئے فرمایا: ''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں''۔[1]

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب[2] کے دن فرمایا: ''کون ہے جو ہمارے پاس اس قوم کی خبر لے کر آئے؟''

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: ''کون ہے جو ہمارے پاس اس قوم کی خبر لے کر آئے؟'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر عرض کیا: ''میں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: ''کون ہے جو ہمارے پاس اس قوم کی خبر لے کر آئے؟'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3720 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2416 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں خندق کا ذکر ہے۔

پھر عرض کیا: ''میں۔''اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کا ایک حواری[1] ہوتا ہے،اور میرے حواری زبیر ہیں۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 166 میں فرماتے ہیں: ''حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ بنو قریظہ کے حالات معلوم کرنے کے لیے تھا کہ آیا انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ اپنا عہد توڑ دیا ہے اور قریش کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر اتفاق کر لیا ہے یا نہیں۔''[3]

سعدین رضی اللہ عنہما کو بنو قریظہ کے پاس بھیجنا

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ، حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہم کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا،تاکہ وہ اس بات کی تحقیق کریں کہ آیا بنو قریظہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے عہد پر قائم ہیں یا انہوں نے عہد توڑ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''جاؤ اور دیکھو کہ جو خبر ہمیں ان لوگوں کے بارے میں پہنچی ہے، وہ درست ہے یا نہیں۔ اگر وہ درست ہو تو مجھے ایسے اشارے میں خبر دینا[4] جسے میں سمجھ سکوں، اور لوگوں کے

1- حواری سے مراد میرے خاص ساتھی اور مددگار ہیں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد اول، صفحہ 440۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر 2846، 2847 اور 4113 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2415 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 166۔

4- یعنی مجھے اشارے سے بتانا اور بلند آواز سے نہ کہنا، بلکہ جو کچھ تم دونوں نے دیکھا ہے، اسے اشارے اور کنایے سے بیان کرنا۔ آپ ﷺ نے انہیں اس لیے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا کہ ممکن ہے وہ دشمن کی قوت اور شدت کے بارے میں ایسی خبر دیں جس

حوصلے پست نہ کرنا۔ اور اگر وہ ہمارے اور ان کے درمیان عہد و پیمان پر قائم ہوں تو لوگوں کے سامنے کھل کر اس کا اعلان کرنا۔'' چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور بنو قریظہ کے پاس پہنچے تو انہیں اس سے بھی بدترین حالت میں پایا جس کی خبر انہیں پہنچی تھی۔ بنو قریظہ نے کھلم کھلا گالم گلوچ اور بد عہدی کا مظاہرہ کیا، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہے اور کہا: ''ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان نہ کوئی عہد ہے اور نہ کوئی معاہدہ۔'' وہ وہاں سے واپس ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''عضل اور قارہ[1] !'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اکبر! اے مسلمانوں کی جماعت! خوش ہو جاؤ''۔[2]

خوف کی شدت اور نفاق کا ظاہر ہونا

اگرچہ بنو قریظہ کے عہد توڑنے کی حقیقت کو چھپایا گیا تھا، لیکن یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ معاملہ سنگین ہو گیا، حالات تنگ ہو گئے، خوف شدید ہو گیا اور عورتوں اور بچوں کے بارے میں بھی اندیشہ پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں اور بنو قریظہ کے درمیان ایسی کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی جو انہیں مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے سے روک سکے، جبکہ دوسری طرف احزاب کا بہت بڑا لشکر بھی ان کے سامنے موجود تھا۔ اس وقت مسلمانوں کی حالت ایسی ہو گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ

سے مسلمان باخبر ہو جائیں، اس لیے آپ ﷺ نے پسند فرمایا کہ مسلمان اس سے آگاہ نہ ہوں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 208۔

1- یعنی عضل اور قارہ نے اصحابِ رجیع کے ساتھ جو بد عہدی کی تھی، اسی طرح کی بد عہدی۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 245۔

زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ۝ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا﴾ ''اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل حلق تک پہنچ گئے، اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس موقع پر مؤمنوں کی آزمائش کی گئی اور انہیں سخت جھنجھوڑ دیا گیا۔'' (سورۃ الأحزاب: 10-11) امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت میں حسن سند کے ساتھ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے ہمیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خندق کے موقع پر دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کون شخص کھڑا ہو کر ہمارے لیے معلوم کرے گا کہ دشمنوں نے کیا کیا ہے، پھر واپس آ کر ہمیں خبر دے؟ آپ ﷺ نے اس کے لیے واپسی کی ضمانت دی اور فرمایا: میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اسے جنت میں میرا ساتھی بنائے۔ لیکن لوگوں میں سے کوئی شخص بھی کھڑا نہ ہوا، کیونکہ خوف، بھوک اور تیز ہوا کی شدت بہت زیادہ تھی۔ (1)

اسی دوران نفاق ظاہر ہونے لگا اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا، وہ اپنے دل کی باتیں زبان پر لانے لگے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُورًا ۝ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا﴾ ''اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض تھا، کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکا تھا۔ اور جب ان میں سے ایک

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23334 کے تحت، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 255 میں روایت کیا ہے۔

گروہ نے کہا: اے یثرب والو! یہاں تمہارے لیے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں، واپس چلو۔ اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اجازت مانگنے لگا، کہتے تھے: ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے؛ وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔" (سورۃ الأحزاب:12-13)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "منافق کا نفاق ظاہر ہو گیا، اور جس کے دل میں کوئی شبہ یا کھوٹ تھا، اس کا ضعف نمایاں ہو گیا۔ چنانچہ کمزور ایمان اور شدید تنگی کی وجہ سے اس کے دل میں جو وسوسے تھے، وہ زبان پر لے آیا"۔ [1]

نبی ﷺ کا غطفان سے مصالحت کی کوشش کرنا

جب مسلمانوں پر آزمائش سخت ہو گئی اور یہ صورتِ حال طویل ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے غطفان کے دونوں سرداروں، عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف المری، کی طرف پیغام بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان دونوں سے اس بات پر صلح کی پیش کش کی کہ وہ اپنے ساتھیوں سمیت مسلمانوں کے خلاف جنگ سے باز آ جائیں اور مدینہ منورہ کی ایک تہائی پیداوار انہیں دے دی جائے۔ انہوں نے یہ پیش کش قبول کر لی اور اس معاملے پر گفت و شنید شروع ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سلسلے میں دونوں سعد، یعنی حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ [2] رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا۔

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحات 388-389۔

2- رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ اس لیے فرمایا کہ وہ انصار، یعنی اوس اور خزرج، کے سردار تھے، اور مدینہ منورہ میں کھیتوں اور جائیدادوں کے مالک بھی تھے۔

انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے تو ہم سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں، اور اگر یہ آپ کی طرف سے ہماری خاطر کیا جانے والا معاملہ ہے تو ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم اور یہ لوگ زمانۂ جاہلیت میں اللہ کے ساتھ شرک اور بتوں کی عبادت پر تھے، اور اس وقت یہ لوگ ہم سے اس بات کے بغیر کوئی پھل کھانے کی توقع نہیں رکھتے تھے کہ یا تو ہم انہیں بطور مہمانی کھلائیں یا اسے خریدیں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت بخشی، ہمیں ہدایت عطا فرمائی اور آپ ﷺ کے ذریعے ہمیں سربلندی دی، تو کیا ہم انہیں اپنے مال دیں گے؟ اللہ کی قسم! ہم انہیں تلوار کے سوا کچھ نہیں دیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمادے۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر یہی ہوگا۔'' چنانچہ یہ معاملہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے مشورے کو درست قرار دیا اور اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کیا''۔[2]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا

مسلمانوں اور کفار کے درمیان جھڑپیں جاری رہیں۔ اسی دوران حبان بن عرقہ نے ایک تیر پھینکا جو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے اکحل[3] پر لگا۔

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 246۔

2- دیکھیں: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 159۔

3- دیکھیں: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 159۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''غزوۂ خندق کے دن میں لوگوں کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے ہوئے نکلی۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے زمین کے ہلنے کی آواز سنائی دی، یعنی قدموں کی آہٹ۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے حارث بن اوس کے ساتھ تشریف لا رہے تھے، جو ایک ڈھال اٹھائے ہوئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں زمین پر بیٹھ گئی۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے، انہوں نے لوہے کی زرہ پہن رکھی تھی جس سے ان کے بازوؤں کے سرے باہر نکلے ہوئے تھے۔ مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بازوؤں کے سروں کے بارے میں اندیشہ ہونے لگا، کیونکہ وہ بڑے قد آور اور جسامت کے اعتبار سے لوگوں میں نمایاں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مشرکین میں سے ایک شخص، جسے ابن عرقہ کہا جاتا تھا، نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر مارا اور کہا: ''یہ تیر لے لو، میں ابن عرقہ ہوں۔'' وہ تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اکحل پر لگا اور اسے کاٹ گیا۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ احزاب کے دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر لگا، جس سے ان کا

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 25097 کے تحت، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7028 کے تحت روایت کیا ہے۔

اکحل کٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے آگ سے داغ کر اس کا خون روکنے کا علاج فرمایا، تو ان کا ہاتھ سوج گیا۔ آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تو خون بہنے لگا۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ آگ سے داغ کر علاج فرمایا، تو ان کا ہاتھ پھر سوج گیا۔ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھی تو دعا کی: ''اے اللہ! میری روح اس وقت تک قبض نہ فرمانا جب تک بنو قریظہ کے معاملے میں میری آنکھیں ٹھنڈی نہ ہو جائیں۔'' چنانچہ ان کی رگ سے خون بہنا رک گیا اور خون کا ایک قطرہ بھی نہ ٹپکا، یہاں تک کہ بنو قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے قلعوں سے باہر آ گئے۔''(1)

پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو مسجد میں منتقل کر دیا جائے، تاکہ وہاں ان کا علاج کیا جا سکے اور آپ ﷺ قریب ہی رہ کر ان کی عیادت فرما سکیں۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''غزوۂ خندق کے دن حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے۔ انہیں قریش کے ایک شخص حبان بن عرقہ نے تیر مارا تھا، جو ان کے اکحل پر لگا۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14773، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1673 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسے نہایت اختصار کے ساتھ حدیث نمبر 2208 کے تحت روایت کیا ہے۔

چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مسجد میں ان کے لیے ایک خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، تاکہ آپ ﷺ قریب ہی رہ کر ان کی عیادت فرما سکیں۔"[1]

جھڑپوں کا جاری رہنا اور نماز کا وقت نکل جانا

جب مشرکین کا قیام طویل ہو گیا تو انہوں نے اگلے دن صبح سویرے حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے رات بھر اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کیا اور خندق کے ہر جانب اپنے دستوں کو تقسیم کر کے تعینات کر دیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خیمے کی طرف ایک بھاری لشکر بھی روانہ کیا، جس میں خالد بن ولید بھی شامل تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کا مقابلہ کیا اور اس دن رات کے ایک حصے تک ان سے لڑتے رہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹنے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عصر کی نماز ادا نہ کر سکے۔ بعض روایات میں ہے کہ ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں بھی اپنے مقررہ وقت پر ادا نہ ہو سکیں۔ پھر مشرکین اپنے ٹھکانوں اور لشکر گاہوں کی طرف واپس لوٹ گئے۔ اس دن کے بعد مشرکین کی واپسی تک کوئی باقاعدہ جنگ نہیں ہوئی، البتہ وہ رات کے وقت اپنے دستے گشت کے لیے بھیجتے رہتے تھے، اس امید پر کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کرنے کا موقع مل جائے۔[2]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 422 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1769 اور 65 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- الطبقات الکبری از ابن سعد (283/2)۔"

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور قریش کے کافروں کو برا بھلا کہنے لگے۔ پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں عصر کی نماز ادا نہ کر سکا، یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے بھی ابھی عصر کی نماز ادا نہیں کی۔ چنانچہ ہم بُطحان[1] کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے نماز کے لیے وضو فرمایا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ پھر آپ ﷺ نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز ادا فرمائی، اس کے بعد مغرب کی نماز ادا کی"۔[2]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ احزاب[3] کے دن فرمایا: ''انہوں نے ہمیں درمیانی نماز، یعنی عصر[4] کی نماز سے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد دوم، صفحہ 267 میں فرماتے ہیں: ''بُطحان، باء کے ضمہ اور طاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 596 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 631 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں ''غزوۂ خندق کے دن'' کے الفاظ ہیں۔

4- میں کہتا ہوں: عصر کی نماز ہی صلاۃِ وسطیٰ ہے، یہی صحیح قول ہے اور اکثر اہلِ علم کا یہی موقف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع، جلد اول، صفحہ 229 میں فرماتے ہیں: ''یہی نبی کریم ﷺ کے صحابہ اور ان کے علاوہ اکثر اہلِ علم کا قول ہے"۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 55 میں فرماتے ہیں: ''صلاۃِ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہونا ہی قابلِ اعتماد قول ہے۔ یہی حضرت ابن مسعود اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کا قول ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کا صحیح قول بھی یہی ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ حدیث کے صحیح ہونے کی وجہ سے اکثر شافعیہ بھی اسی کے قائل ہوئے ہیں۔''

مشغول رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھر دے۔'' پھر آپ ﷺ نے عصر کی نماز مغرب اور عشاء کے درمیان ادا فرمائی۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں مسلم کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ خندق کے دن ہمیں نماز سے روک دیا گیا، یہاں تک کہ مغرب کے بعد رات کا خاصا حصہ گزر گیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں کفار کے مقابلے سے فارغ کر دیا۔ یہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مفہوم ہے: ﴿وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا﴾ ''اور اللہ نے اہلِ ایمان کو لڑائی سے کافی کر دیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے۔'' (سورۃ الأحزاب: 25)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا، انہوں نے نماز کے لیے اقامت کہی، تو آپ ﷺ نے ظہر کی نماز ادا فرمائی اور اسے خوب اچھی طرح ادا کیا، جیسے آپ ﷺ اپنے مقررہ وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، انہوں نے عصر کی نماز کے لیے اقامت کہی، تو آپ ﷺ نے عصر کی نماز ادا فرمائی اور اسے بھی اسی طرح خوب اچھی طرح ادا کیا، جیسے آپ ﷺ اپنے وقت میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا، انہوں نے مغرب کی نماز کے لیے اقامت کہی اور آپ ﷺ نے مغرب کی نماز بھی اسی طرح ادا فرمائی۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر 2931، 4111 اور 4533 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر 627 اور 205 کے تحت روایت کیا ہے۔

واقعہ اس وقت کا ہے جب اللہ تعالیٰ نے نمازِ خوف کے بارے میں یہ حکم نازل نہیں فرمایا تھا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا﴾ ''پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر نماز پڑھ لو۔''(سورۃ البقرۃ:239)[1]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جان لو کہ یہاں اس حدیث میں اور صحیح بخاری میں یہ ذکر ہے کہ جو نماز رہ گئی تھی، وہ عصر کی نماز تھی، اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور نماز نہیں چھوٹی۔ جبکہ مؤطا میں ہے کہ ظہر اور عصر کی نمازیں رہ گئی تھیں، اور دیگر روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے چار نمازیں، یعنی ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کو رات کا خاصا حصہ گزر جانے تک مؤخر فرمایا۔ ان تمام روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ غزوۂ خندق کا واقعہ کئی دنوں تک جاری رہا تھا، لہٰذا بعض دنوں میں یہ واقعہ پیش آیا اور بعض دنوں میں وہ واقعہ۔''[2]

احزاب کی شکست پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دعا، ہوا اور فرشتوں کے ذریعے اپنے رسول ﷺ اور اپنے مؤمن بندوں کی مدد فرمائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا[3] وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ ''اے ایمان والو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو،

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 11465 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد پنجم، صفحہ 111۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری، جلد دوم، صفحہ 267 میں اسی موقف کی طرف میلان ظاہر کیا ہے جسے امام نووی رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

3-امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 17، صفحہ 70 میں فرماتے ہیں: "اس سے مراد غزوۂ خندق، غزوۂ احزاب اور بنو قریظہ کا واقعہ ہے۔ یہ ایک نہایت سخت اور دشوار مرحلہ تھا، جس کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمت، آسودگی اور خوش حالی نصیب ہوئی۔ اس واقعے میں بہت سے احکام اور عظیم الشان روشن نشانیاں بھی شامل ہیں"۔

جب تمہارے پاس لشکر آئے تو ہم نے ان پر ایک ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھی بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔" (سورۃ الأحزاب: 9)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "پھر اللہ تعالیٰ نے احزاب کے لشکروں پر نہایت تیز اور شدید آندھی بھیجی، یہاں تک کہ ان کا کوئی خیمہ باقی نہ رہا اور نہ ہی کوئی چیز اپنی جگہ پر قائم رہ سکی، حتیٰ کہ وہ آگ بھی نہ جلا سکے۔ وہ اس قدر بے چین ہو گئے کہ انہیں کہیں قرار نہ آیا، یہاں تک کہ ناکام و نامراد اور خسارے میں مبتلا ہو کر واپس لوٹ گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ (اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا) سے مراد فرشتے ہیں۔ انہوں نے دشمنوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا۔ یہاں تک کہ ہر قبیلے کا سردار پکارنے لگا: اے فلاں قبیلے کے لوگو! میرے پاس آ جاؤ۔ جب وہ اس کے پاس جمع ہو جاتے تو وہ کہتا: بھاگو، بھاگو! یہ سب اس خوف و رعب کی وجہ سے تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "اللہ عزوجل نے مشرکین پر ہوا بھیجی، چنانچہ اللہ عزوجل نے اہلِ ایمان کو جنگ سے کافی ہو گیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے۔"[2]

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ششم، صفحہ 384۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 25097 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، سفر نمبر 508 میں نقل کیا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صبا[1] ہوا کے ذریعے میری مدد کی گئی، جبکہ قومِ عاد کو دبور ہوا کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔''[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''اس سے معلوم ہو گیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو یہاں[3] ذکر کرنے کی کیا مناسبت بیان کی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق میں ہوا کے ذریعے اپنے نبی ﷺ کی مدد فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا﴾ ''پس ہم نے ان پر ایک ہوا بھیجی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا۔''[4]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ احزاب کے دن رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے خلاف دعا فرمائی اور عرض کیا: اللهم منزل الكتاب سريع الحساب اهزم الأحزاب، اللهم اهزمهم وزلزلهم. ''اے اللہ! کتاب نازل فرمانے والے، جلد حساب لینے والے! احزاب

1- امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد ششم، صفحہ 175 میں فرماتے ہیں: ''صبا، صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور اس سے مراد مشرقی ہوا ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3205 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 900 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اپنی صحیح کے بابِ غزوۂ خندق میں۔

4- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 160۔

کے لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ! انہیں شکست دے اور انہیں ہلا کر رکھ دے۔"[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ضعیف سند کے ساتھ، لیکن ایسی شواہد کے ساتھ روایت کیا ہے جو اسے تقویت دیتے ہیں، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: "غزوۂ خندق کے دن ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسی دعا ہے جو ہم پڑھیں؟ کیونکہ خوف کی شدت سے ہمارے دل حلق تک پہنچ گئے[2] ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، یہ دعا پڑھو: "اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن میں بدل دے۔" حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر اللہ عزوجل نے ہوا کے ذریعے ہمارے دشمنوں کے چہروں کو پھیر دیا، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہوا کے ذریعے انہیں شکست دے دی۔"[3]

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2933 اور 4115 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1742 اور 21 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-امام سندی رحمہ اللہ مسند احمد کی شرح، جلد ششم، صفحہ 334 میں فرماتے ہیں: "یعنی خوف کی شدت سے دل قریب تھا کہ جسم سے باہر نکل آئیں اور پھٹ جائیں۔"

3-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 10996 کے تحت روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے فقہ السیرۃ للغزالی پر اپنی تحقیق، صفحہ 304، اور السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 2018 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو احزاب کے لشکر کی خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجنا

جب ہوا نے احزاب کے لشکر کو آلیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو ان کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا، تاکہ وہ آکر آپ ﷺ کو دشمن کی خبر دیں۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ احزاب کی رات میں نے دیکھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اس رات ہم پر سخت تیز ہوا چل رہی تھی اور شدید سردی بھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص ہے جو دشمن کے لشکر کی خبر میرے پاس لے آئے، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے؟ ہم خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کو جواب نہ دیا۔ پھر آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: کیا کوئی ایسا شخص ہے جو دشمن کے لشکر کی خبر میرے پاس لے آئے، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے؟ ہم پھر خاموش رہے اور کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ یہی ارشاد فرمایا، لیکن ہم میں سے کسی نے جواب نہ دیا۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے حذیفہ! اٹھو اور دشمن کے لشکر کی خبر لے کر آؤ۔ جب آپ ﷺ نے مجھے میرے نام سے پکارا تو میرے لیے اٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ، دشمن کے لشکر کی خبر لے کر آؤ، لیکن انہیں میری

طرف سے خبر دار نہ کرنا[1]۔ جب میں آپ ﷺ کے پاس سے روانہ ہوا تو ایسا محسوس ہونے لگا گویا میں گرم حمام[2] میں چل رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میں دشمن کے لشکر میں پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ابو سفیان کو دیکھا کہ وہ آگ کے سامنے اپنی پیٹھ سینک رہا تھا۔ میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور ارادہ کیا کہ اسے نشانہ بناؤں، لیکن مجھے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ ''انہیں میری طرف سے خبر دار نہ کرنا۔'' اگر میں تیر چلاتا تو یقیناً اسے نشانہ بنا لیتا۔ پھر میں واپس روانہ ہوا تو واپسی میں بھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا میں گرم حمام میں چل رہا ہوں۔ جب میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور دشمن کے لشکر کی خبر آپ ﷺ کو دے دی تو میرا جسم سردی سے کانپ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس چادر کا کچھ حصہ مجھے اوڑھا دیا جسے آپ ﷺ نماز پڑھتے وقت استعمال فرماتے

1-امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد 12، صفحہ 123 میں فرماتے ہیں: ''تُئَذِّعزِهُمْ'' تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے: انہیں میری وجہ سے خوف زدہ نہ کرنا اور نہ ہی انہیں میرے خلاف بھڑکانا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں اپنے خلاف مشتعل نہ کرنا، کیونکہ اگر وہ تمہیں گرفتار کر لیں گے تو اس سے مجھے نقصان پہنچے گا، اس لیے کہ تم میرے قاصد اور ساتھی ہو۔

2-امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد 12، صفحہ 123 میں فرماتے ہیں: ''یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو وہ سردی محسوس نہیں ہوئی جو عام طور پر لوگوں کو محسوس ہوتی ہے، اور نہ ہی اس شدید ہوا سے انہیں کوئی تکلیف پہنچی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے، آپ ﷺ کے حکم کے مطابق روانہ ہونے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے انہیں سردی سے محفوظ رکھا۔ یہ لطف و کرم اور سردی سے حفاظت مسلسل ان کے ساتھ رہی، یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس پہنچ گئے۔ جب وہ واپس آ کر آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو انہیں بھی وہی سردی محسوس ہونے لگی جو عام لوگوں کو ہوتی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ لفظ ''حمام'' عربی زبان کا لفظ ہے اور مذکر ہے، یہ ''حمیم'' سے مشتق ہے، جس کے معنی گرم پانی کے ہیں"۔

تھے۔ پھر میں صبح تک سوتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھو، اے بہت سونے والے!"[1]

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنے گھروں کو واپسی

احزاب کے لشکر اپنے علاقوں کی طرف واپس چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے گھروں کو واپس تشریف لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ﴿وَرَدَّ اللَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا﴾ "اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے سمیت واپس لوٹا دیا، وہ کوئی بھلائی حاصل نہ کر سکے، اور اللہ نے اہلِ ایمان کو جنگ سے کافی کر دیا، اور اللہ بڑی قوت والا، زبردست ہے۔" (سورۃ الأحزاب: 25)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر نہ بھیجا ہوتا تو یہ ہوا ان پر قومِ عاد کی بانجھ اور تباہ کن آندھی سے بھی زیادہ سخت ہوتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ "اور اللہ ایسا نہیں کہ انہیں عذاب دے، جبکہ آپ ان میں موجود ہوں۔" (سورۃ الأنفال: 33) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسی ہوا مسلط فرمائی جس نے ان کے اجتماع کو منتشر کر دیا، جس طرح ان کے جمع ہونے کا سبب ان کی خواہشات تھیں۔ وہ مختلف قبائل کے لوگ تھے، جن کے گروہ اور آرا بھی الگ الگ تھیں۔ لہٰذا ان پر ایسی ہوا بھیجنا مناسب تھا جو ان کی جماعت کو منتشر کر دے اور انہیں ناکام و نامراد، غصے اور رنج و غم

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1788 کے تحت روایت کیا ہے۔

سے بھرے ہوئے واپس لوٹا دے۔ وہ نہ دنیا میں کوئی کامیابی حاصل کر سکے، جس کی انہیں فتح اور مالِ غنیمت کی صورت میں امید تھی، اور نہ آخرت میں کوئی بھلائی پانے والے تھے، کیونکہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دشمنی کر کے، آپ ﷺ سے مقابلہ کر کے، آپ ﷺ کو قتل کرنے اور آپ کے لشکر کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا ارادہ کر کے گناہوں کا بوجھ اٹھایا تھا۔ پس جو شخص کسی کام کا پختہ ارادہ کرے اور اپنے ارادے کے مطابق اسے انجام دینے کی کوشش کرے، تو حقیقت میں وہ اس کام کو انجام دینے والے کی طرح ہے۔"(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے نبی کریم ﷺ کو اس وقت فرماتے ہوئے سنا جب احزاب کے لشکر آپ ﷺ کے پاس سے واپس چلے گئے: اب ہم ان پر چڑھائی کریں گے، وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے، بلکہ اب ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔"(2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "اس حدیث میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی موجود ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اگلے سال عمرہ ادا فرمایا، لیکن قریش نے آپ ﷺ کو بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیا۔ پھر ان کے درمیان ایک معاہدۂ صلح ہوا، جو اس وقت تک برقرار رہا جب تک قریش نے اسے توڑ نہ

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ششم، صفحہ 395۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4110 کے تحت روایت کیا ہے۔

دیا۔ یہی معاہدہ بعد میں فتح مکہ کا سبب بنا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا، وہ بالکل اسی طرح واقع ہوا۔''[1]

غزوۂ بنو قریظہ[2]

یہ غزوہ ہجرت کے پانچویں سال، ذوالقعدہ کی سات راتیں باقی رہنے پر، بروز بدھ پیش آیا[3]۔

ہم غزوۂ خندق کے واقعے میں ذکر کر چکے ہیں کہ بنو قریظہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا ہوا عہد توڑ دیا تھا اور احزاب کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ کی سازش کی تھی۔ چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو بنو قریظہ کے یہودیوں سے قتال کرنے کا حکم دیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ بنو قریظہ اور ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی سخت گرفت کے بیان کا یہ باب ہے، نیز آخرت میں ان کے لیے تیار کیے گئے دردناک عذاب کا ذکر بھی ہے۔ یہ سب کچھ ان کے کفر، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے اور آپ ﷺ کے خلاف احزاب کا

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 164۔

2- امام ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 153 میں فرماتے ہیں: ''رہے بنو قریظہ، تو وہ یہودیوں میں رسول اللہ ﷺ کے سب سے زیادہ دشمن اور کفر کے اعتبار سے سب سے زیادہ سخت تھے، اسی لیے ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جو ان کے دوسرے یہودی بھائیوں کے ساتھ پیش نہیں آیا۔''

3- یہی بات ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات، جلد دوم، صفحہ 287 میں ذکر کی ہے، جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 257 میں صرف اتنا ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا، اس سے زیادہ کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔

ساتھ دینے کی وجہ سے ہوا۔ لیکن ان کی یہ سازش انہیں کچھ فائدہ نہ دے سکی، بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب کے مستحق ٹھہرے اور دنیا و آخرت میں گھاٹے کا سودا کیا۔"(1)

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "جب نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق سے واپس تشریف لائے، ہتھیار رکھ دیے اور غسل فرمایا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا: کیا آپ نے ہتھیار رکھ دیے ہیں؟ اللہ کی قسم! ہم نے ابھی ہتھیار نہیں رکھے۔ لہٰذا آپ ان کی طرف روانہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر کہاں کی طرف؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: ادھر، اور انہوں نے بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ ان کی طرف روانہ ہو گئے۔"(2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب سے فارغ ہوئے تو غسل کرنے کے لیے غسل خانے میں داخل ہوئے۔ اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا: کیا آپ لوگوں نے ہتھیار رکھ دیے ہیں؟ ہم نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں رکھے، لہٰذا بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 499۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4117 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1769 اور 65 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہیں: گویا میں اب بھی دیکھ رہی ہوں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام دروازے کی درز سے نظر آرہے ہیں اور گرد و غبار کی وجہ سے ان کے سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔"(1)

حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے، جبکہ ہم گھر میں تھے، ہمیں سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے نکلی تو دیکھا کہ وہ دحیہ کلبی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں، جو مجھے بنو قریظہ کی طرف جانے کا حکم دے رہے ہیں۔"(2)

بنو قریظہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی روانگی

رسول اللہ ﷺ اپنے تین ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا جھنڈا عطا فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ لوگوں میں اعلان کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم عصر کی نماز بنو قریظہ کے مقام پر پہنچنے کے بعد ہی ادا کرنا۔ چنانچہ حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2493 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4379 کے تحت روایت کیا ہے۔

کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم عصر کی نماز اس وقت تک ادا نہ کرنا جب تک بنو قریظہ کے پاس نہ پہنچ جاؤ"۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ احزاب سے واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز بنو قریظہ کے علاوہ کسی جگہ نہ پڑھے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو راستے ہی میں عصر کا وقت آ گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا: ہم عصر کی نماز اس وقت تک نہیں پڑھیں گے جب تک بنو قریظہ کے پاس نہ پہنچ جائیں۔ جبکہ بعض دوسرے صحابہ نے کہا: ہم نماز پڑھیں گے، رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں۔ پھر اس معاملے کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے کسی کو بھی ملامت نہیں کی"۔ (2)

اور حاکم رحمہ اللہ کی مستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: "بنو قریظہ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی سورج غروب ہو گیا۔ مسلمانوں کے ایک گروہ نے کہا: نبی کریم ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تم نماز ہی چھوڑ دو، چنانچہ انہوں نے نماز پڑھ لی۔ جبکہ دوسرے گروہ نے کہا: ہم نبی کریم ﷺ کے حکم کی پابندی میں ہیں اور ہمیں اس میں کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ چنانچہ ایک گروہ نے

1-اسے حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4379 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 946 اور 4119 کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے نماز پڑھ لی، جبکہ دوسرے گروہ نے بھی اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہوئے نماز مؤخر کر دی۔ اور نبی کریم ﷺ نے دونوں میں سے کسی ایک گروہ پر بھی نکیر نہیں فرمائی"۔ (1)

امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اگر ہم وہاں موجود ہوتے تو اس دن عصر کی نماز بنو قریظہ کے مقام پر ہی ادا کرتے، خواہ ہمیں وہاں پہنچنے میں کئی دن ہی کیوں نہ لگ جاتے"۔ (2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن لوگوں نے عصر کی نماز اس کے مقررہ وقت میں ادا کی، وہ فی نفس الأمر حق بات تک پہنچنے کے زیادہ قریب تھے، اگرچہ دوسرے لوگ بھی معذور تھے۔ یہاں ان کے عذر کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے جہاد اور عہد توڑنے والے اس ملعون گروہ کے محاصرے کی طرف جلدی کرنے کی وجہ سے نماز مؤخر کی"۔ (3)

بنو قریظہ کا محاصرہ

اللہ عزوجل نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ انہیں ہلا کر رکھ دیں اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈال دیں۔ چنانچہ حاکم رحمہ

1- اسے حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4379 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: جوامع السیرۃ، امام ابن حزم رحمہ اللہ، صفحہ 115۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ میں ابن حزم رحمہ اللہ کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: "ان کا یہ قول ان کے اس بنیادی اصول کے مطابق ہے کہ نص کے ظاہری مفہوم ہی کو اختیار کیا جائے"۔

3- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ 399۔

اللہ نے مستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''نبی کریم ﷺ روانہ ہوئے اور بنو قریظہ کی طرف جاتے ہوئے راستے میں کچھ مجلسوں کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس سے کوئی شخص گزرا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: ہمارے پاس دحیہ کلبی گزرے ہیں، وہ ایک سفید و سیاہ رنگ کی خچر پر سوار تھے اور اس کے اوپر ریشمی کپڑے کی چادر پڑی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ دحیہ نہیں تھے، بلکہ وہ جبرئیل علیہ السلام تھے، جنہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا گیا تھا تاکہ وہ انہیں ہلا کر رکھ دیں اور ان کے دلوں میں رعب و دہشت ڈال دیں۔''(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''گویا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ بنو غنم(2) کی گلی میں گرد و غبار بلند ہو رہا ہے، جب حضرت جبرئیل علیہ السلام کا لشکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہوا تھا۔''(3)

رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی میں بنو قریظہ کی بستیوں تک پہنچ گئے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو اپنے قلعوں میں پناہ لے لی۔

1- اسے حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4379 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الاصول، جلد دوم، صفحہ 764، قسم التراجم میں فرماتے ہیں: "بنو غَنم، غین کے فتحہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے"۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ششم، صفحہ 455 میں فرماتے ہیں: "یہ خزرج کا ایک خاندان ہے، اور یہ بنو غنم بن مالک بن نجار ہیں۔ انہی میں سے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی ہیں"۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3214 اور 4118 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں پکار کر فرمایا: ''اے بندر اور خنزیر کے بھائیو![1]'' پھر آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ پچیس راتوں تک جاری رہا، یہاں تک کہ ان کے لیے حالات نہایت سخت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ وہ اطاعت پر آمادہ ہو گئے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے قلعوں سے اتر آئے، کیونکہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔[2]

اور ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ بنو قریظہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے قلعوں سے اتر آئے۔ اس پر قبیلہ اوس کے لوگ آگے بڑھے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ لوگ خزرج کے بجائے ہمارے حلیف ہیں، اور آپ ﷺ نے کل ہمارے بھائیوں کے حلیفوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا تھا، وہ آپ کے علم میں ہے[3]۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے جماعتِ اوس! کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ ان کے بارے میں تم ہی میں سے کوئی شخص فیصلہ کرے؟''

1- اسے حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسی قدر مستدرک میں حدیث نمبر 4379 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

2- اس واقعے کو اس حد تک امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 25097، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7028 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 508 میں اسے نقل کیا ہے اور اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

3- اس سے مراد بنو قینقاع کے یہودی ہیں، جو خزرج کے حلیف تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بنو قینقاع کے موقع پر ان کے معاملے کا فیصلہ حضرت عبداللہ بن ابی بن سلول کے سپرد کر دیا تھا، جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر یہ سعد بن معاذ ہیں۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب بنو قریظہ کا محاصرہ سخت ہو گیا اور ان پر مصیبت بڑھ گئی تو ان سے کہا گیا: رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے قلعوں سے اتر آؤ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ سے مشورہ کیا۔ انہوں نے انہیں اشارہ کیا کہ ان کا فیصلہ قتل ہے۔ اس پر انہوں نے کہا: ہم سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے قلعوں سے اتر آؤ۔''(2)

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی آمد اور بنو قریظہ کے بارے میں ان کا فیصلہ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ انہیں ایک گدھے پر سوار کر کے لایا گیا، جس پر کھجور کی چھال کا بنایا ہوا پالان رکھا ہوا تھا۔ ان کے قبیلے کے لوگ انہیں گھیرے ہوئے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: ''اے ابو عمرو! یہ آپ کے حلیف، آپ کے زیرِ عہد اور جنگ میں آپ کے ساتھ

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 263۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 25097 کے تحت، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7028 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 508 میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

کھڑے ہونے والے لوگ ہیں، اور آپ ان کا حال خوب جانتے ہیں۔'' لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور نہ ان کی بات کا کوئی جواب دیا۔ یہاں تک کہ جب وہ بنو قریظہ کے گھروں کے قریب پہنچے تو اپنے قبیلے کے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ''اب سعد کے لیے اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرنے کا وقت آگیا ہے۔'' جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے سردار کی طرف اٹھو[1] اور انہیں اتارو۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان کے بارے میں فیصلہ کرو۔'' حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا جائے، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے اور ان کے مال تقسیم کر دیے جائیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ان کے بارے

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ششم، صفحہ 398 میں فرماتے ہیں: ''مسلمان حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور انہیں نیچے اتارا، یہ ان کی تعظیم، اکرام اور احترام کے طور پر تھا، کیونکہ وہ اس وقت منصبِ فیصلہ پر فائز تھے، تاکہ بنو قریظہ کے بارے میں ان کا فیصلہ زیادہ مؤثر اور نافذ ہو۔''

اور امام نووی رحمہ اللہ الاذکار، صفحہ 437 میں فرماتے ہیں: ''رہا کسی آنے والے کی تعظیم کے لیے اس کے احترام میں کھڑا ہونا، تو میرا پسندیدہ موقف یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے جس میں علم، نیکی، شرافت، یا ایسا منصب ہو جس کے ساتھ دینی وقار بھی ہو، یا وہ کسی کا والد، رشتہ دار، ہم عمر یا اس جیسی کوئی خصوصیت رکھنے والا ہو۔ یہ قیام نیکی، اکرام اور احترام کی غرض سے ہو، نہ کہ دکھاوے اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کے لیے۔ اور ہمارے اختیار کردہ اس موقف کے مطابق سلف اور خلف کا

میں اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق اور اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔"[1]

اور امام احمد رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے مردوں کو قتل کیا جائے، اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا جائے تاکہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق درست فیصلہ کیا ہے۔"[2]

اور حاکم رحمہ اللہ کی روایت میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: گویا

1-اسے اس حد تک امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 25097 کے تحت، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7028 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 12، صفحہ 319 میں اسے ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ششم، صفحہ 398 میں فرماتے ہیں: "مسلمان حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھے اور انہیں نیچے اتارا، یہ ان کی تعظیم، اکرام اور احترام کے طور پر تھا، کیونکہ وہ اس وقت منصبِ فیصلہ پر فائز تھے، تاکہ بنو قریظہ کے بارے میں ان کا فیصلہ زیادہ مؤثر اور نافذ ہو۔" اور امام نووی رحمہ اللہ الاذکار، صفحہ 437 میں فرماتے ہیں: "رہا کسی آنے والے کی تعظیم کے لیے اس کے احترام میں کھڑا ہونا، تو میرا پسندیدہ موقف یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے کھڑا ہونا مستحب ہے جس میں علم، نیکی، شرافت، یا ایسا منصب ہو جس کے ساتھ دینی وقار بھی ہو، یا وہ کسی کا والد، رشتہ دار، ہم عمر یا اس جیسی کوئی خصوصیت رکھنے والا ہو۔ یہ قیام نیکی، اکرام اور احترام کی غرض سے ہو، نہ کہ دکھاوے اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کے لیے۔ اور ہمارے اختیار کردہ اس موقف کے مطابق سلف اور خلف کا عمل بھی اسی پر جاری رہا ہے۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14773 کے تحت، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1673 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

آج اس نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔"[1]۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ﴿وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ[2] مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ[3] مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ۝ وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَئُوهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ "اور اہلِ کتاب میں سے جن لوگوں نے ان کی مدد کی تھی، اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ تم ایک گروہ کو قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قیدی بناتے ہو۔ اور اس نے تمہیں ان کی زمین، ان کے گھروں اور ان کے مال کا وارث بنا دیا، اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا تھا، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔" (سورۃ الأحزاب: 26-27)

بنو قریظہ کے بارے میں فیصلے کا نفاذ

رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو بنو قریظہ کے یہودیوں پر نافذ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان میں سے جو بالغ ہو چکے تھے، انہیں قتل

1- اسے حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 2602 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ششم، صفحہ 398 میں فرماتے ہیں: "یعنی انہوں نے احزاب کے لشکروں کا ساتھ دیا اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ میں ان کی مدد کی۔"

3- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ششم، صفحہ 398 میں فرماتے ہیں: "یعنی یہود میں سے بنو قریظہ مراد ہیں۔"

کر دیا گیا، جبکہ جو بالغ نہیں ہوئے تھے، انہیں چھوڑ دیا گیا۔ ان کی گردنیں مدینہ منورہ کے بازار میں کھودی گئی خندقوں میں مار دی گئیں۔ ان کی تعداد چار سو[1] افراد تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سندِ صحیح کے ساتھ عطیہ قرظی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ بنو قریظہ کے دن ہمیں نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ چنانچہ جس کے زیرِ ناف بال اگ آئے تھے، اسے قتل کر دیا گیا، اور جس کے زیرِ ناف بال نہیں اگے تھے، اسے چھوڑ دیا گیا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جن کے زیرِ ناف بال نہیں اگے تھے، چنانچہ مجھے بھی چھوڑ دیا گیا۔''[2]

اور ابن حبان کی صحیح میں سندِ صحیح کے ساتھ عطیہ قرظی رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں ان لوگوں میں سب سے پہلے تھا جن کے بارے میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا۔ مجھے لایا گیا تو مجھے گمان تھا کہ وہ مجھے بھی قتل کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے میرے زیرِ ناف حصہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے زیرِ ناف بال نہیں اگے تھے، اس لیے مجھے قیدیوں میں شامل کر لیا گیا۔''[3]

1- یہ روایت امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14773، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 673 کے تحت بیان کی ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔ اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 265 میں ذکر کیا ہے کہ ان کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی، جبکہ ان کی تعداد زیادہ بیان کرنے والے کا کہنا ہے کہ وہ آٹھ سو سے نو سو کے درمیان تھے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18776 کے تحت، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1675 کے تحت، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 4404 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4783 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی جامع میں فرماتے ہیں: ''بعض اہلِ علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے کہ اگر کسی شخص کے احتلام کا علم نہ ہو اور نہ ہی اس کی عمر معلوم ہو تو زیرِ ناف بالوں کا اگ آنا اس کے بالغ ہونے کی علامت سمجھا جائے گا۔ یہی امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ کا قول ہے۔''(1)

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''بنو نضیر اور بنو قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا، جبکہ بنو قریظہ کو ان کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی وجہ سے برقرار رکھا اور ان پر احسان فرمایا۔ یہاں تک کہ بعد میں بنو قریظہ نے بھی جنگ کی، تو ان کے مردوں کو قتل کر دیا گیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔''(2)

بنو قریظہ کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت قتل کی گئی

بنو قریظہ کے یہودیوں کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا گیا۔ چنانچہ امام احمد، امام ابوداؤد اور حاکم رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام حاکم رحمہ اللہ کے ہیں، سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے بنو قریظہ کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت کو قتل کیا

1- دیکھیں: جامع ترمذی، جلد سوم، صفحہ 410۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4028 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1766 کے تحت روایت کیا ہے۔

تھا۔اللہ کی قسم! وہ عورت میرے پاس تھی اور پیٹ کے بل لیٹ کر ہنس رہی تھی، جبکہ رسول اللہ ﷺ ان کے مردوں کو تلواروں سے قتل کر رہے تھے۔ اتنے میں کسی پکارنے والے نے اس عورت کا نام لے کر آواز دی: فلاں عورت کہاں ہے؟اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں حاضر ہوں۔ میں نے اس سے کہا: تمہارا برا ہو، تمہیں کیا ہوا ہے؟ اس نے کہا: مجھے قتل کیا جائے گا، اللہ کی قسم! میں نے پوچھا: کیوں؟اس نے کہا: مجھ سے ایک ایسا کام سرزد ہوا ہے[1] جس کی وجہ سے مجھے قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ اسے لے جایا گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔ میں اس کی خوش دلی اور کثرتِ ہنسی کو کبھی نہیں بھول سکتی، حالانکہ اسے معلوم تھا کہ اسے قتل کیا جانے والا ہے۔"[2]

عظیم سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات

اللہ جل جلالہ نے اپنے نیک بندے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی، ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور بنو قریظہ کے یہودیوں سے ان کا سینہ ٹھنڈا فرمایا۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے مردوں کو قتل کرنے سے فارغ ہوئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا زخم دوبارہ پھٹ گیا اور وہ وفات پا گئے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے

1-ابن ہشام رحمہ اللہ سیرت، جلد سوم، صفحہ 266 میں فرماتے ہیں: "یہ وہی عورت تھی جس نے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی کا پاٹ پھینکا تھا، جس سے وہ شہید ہو گئے تھے۔"

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 26364 کے تحت، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2671 کے تحت، اور حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4381 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ ان [1] کے قتل سے فارغ ہوئے تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی رگ پھٹ گئی اور وہ وفات پا گئے۔''[2]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی[3]: اے اللہ! تو جانتا ہے کہ مجھے کسی ایسی قوم سے تیرے راستے میں جہاد کرنے سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں، جنہوں نے تیرے رسول ﷺ کو جھٹلایا اور انہیں ان کے وطن سے نکال دیا۔ اے اللہ! میرا گمان ہے[4] کہ تو نے ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کو ختم کر دیا ہے۔ پس اگر قریش کے

1- یعنی بنو قریظہ کے یہودی۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14773 کے تحت، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1673 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بنو قریظہ کے یہودیوں کے بارے میں فیصلہ فرما چکے تھے۔

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 176 میں فرماتے ہیں: ''میرے نزدیک بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا گمان درست تھا اور اس واقعے میں ان کی دعا قبول ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزوۂ خندق کے بعد مسلمانوں اور قریش کے درمیان ایسی کوئی جنگ نہیں ہوئی جس میں مشرکین کی طرف سے ابتدا ہوئی ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کرنے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو قریش نے آپ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ قریب تھا کہ ان کے درمیان جنگ ہو جاتی، لیکن جنگ نہ ہوئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ عطا کر دیا تھا۔'' (سورۃ الفتح: 24) پھر مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح ہو گئی، اور رسول اللہ ﷺ نے اگلے سال عمرہ ادا فرمایا۔ یہ صورتِ حال اس وقت تک برقرار رہی جب تک قریش نے معاہدہ توڑ نہ دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف جنگ کے ارادے سے روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ لہٰذا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اس قول ''میرا گمان ہے کہ تو نے جنگ کو ختم کر دیا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ابتدا کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔''

ساتھ جنگ میں سے ابھی کچھ باقی ہے تو مجھے اس کے لیے زندہ رکھ، تاکہ میں تیرے راستے میں ان سے جہاد کروں۔ اور اگر تو نے جنگ ختم کر دی ہے تو میرے زخم کو پھاڑ دے اور میری موت اسی میں قرار دے۔ چنانچہ ان کے گلے (سینے)[1] کی طرف سے زخم پھٹ گیا اور خون بہنے لگا، لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کا احساس نہ ہوا۔ مسجد میں بنو غفار کا ایک خیمہ تھا، اور خون بہہ کر ان کی طرف آنے لگا۔ انہوں نے کہا: اے خیمے والو! یہ خون کہاں سے ہماری طرف آ رہا ہے؟ پھر معلوم ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون تیزی سے بہہ رہا تھا، چنانچہ وہ اسی زخم کی وجہ سے وفات پا گئے۔"[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ فرشتوں نے بھی لوگوں کے ساتھ مل کر ان کا جنازہ اٹھایا، اس لیے فرشتوں کے اٹھانے کی وجہ سے ان کا جنازہ ہلکا محسوس ہوتا تھا۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور حاکم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھایا گیا تو منافقین کہنے لگے: ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے! یہ تو صرف اس فیصلے کی وجہ سے ہے جو انہوں نے بنو قریظہ کے بارے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 176 میں فرماتے ہیں: "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زخم کی جگہ پر ورم ہو گیا تھا، یہاں تک کہ یہ ورم ان کے سینے تک پہنچ گیا، پھر وہیں سے پھٹ گیا۔"

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4122 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1769 اور 67 کے تحت روایت کیا ہے۔

میں کیا تھا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، بلکہ فرشتے ان کا جنازہ اٹھا رہے تھے۔"[1]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا[2]: "سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر عرشِ الٰہی لرز اٹھا۔"[3]

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عرش اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایک مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ حرکت کرے تو وہ اس کی مشیت سے حرکت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے محبت کی ایک کیفیت بھی پیدا فرمائی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے جبلِ اُحد میں اپنے نبی ﷺ سے محبت کی ایک کیفیت پیدا فرمائی ہے[4]۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ﴾ "اے پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح کرو۔" (سورۃ سبأ: 10) اور فرمایا: ﴿تُسَبِّحُ لَهُ

1-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4181 کے تحت، اور حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 4990 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مزید یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: "اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ ان کے سامنے تھا۔"

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3803 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2466 اور 123 کے تحت روایت کیا ہے۔

4-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4083 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1393 کے تحت روایت کیا ہے۔

السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ﴾ ''ساتوں آسمان اور زمین اس کی تسبیح کرتے ہیں۔''(سورۃ الإسراء:44) پھر عمومی طور پر فرمایا: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾ ''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو۔''(سورۃ الإسراء: 44) اور یہ بات حق ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ہم کھانے کو سنتے تھے جبکہ اسے کھایا جارہا ہوتا تھا[1]۔ یہ ایک وسیع باب ہے اور اس کا راستہ ایمان ہی ہے۔[2]

سورۃ الأحزاب کا نزول

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کے معاملے کے بارے میں قرآن مجید میں سورۃ الاحزاب نازل فرمائی، جس میں اس آزمائش اور مصیبت کا ذکر ہے جو مسلمانوں پر آئی، نیز ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کی طرف سے ان کی کفایت کا بھی بیان ہے، جب منافقین میں سے بعض لوگوں کی باتوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو ان سے دور فرمایا۔[3]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3579 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: سیر اعلام النبلاء، جلد اول، صفحہ 297۔

3- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، فصل نمبر 270۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا، اور آپ ﷺ کے ان کے ساتھ خلوت اختیار کرنے کی صبح ہی آیتِ حجاب نازل ہوئی۔ یہ واقعہ ہجرت کے پانچویں سال ماہِ ذوالقعدہ میں پیش آیا۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس زمانے میں رائج منہ بولے بیٹے بنانے کی رسم کا خاتمہ کیا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا﴾ ”تاکہ مؤمنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے، جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکیں، اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہنے والا تھا۔“ (سورۃ الاحزاب: 37)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یعنی ہم نے آپ ﷺ کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کو جائز قرار دیا اور ایسا اس لیے کیا تاکہ مؤمنوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے۔ اس کی

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 310 میں فرماتے ہیں: ”تاریخ و سیرت کی کتابوں کے مؤلفین نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہجرت کے پانچویں سال ماہِ ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 399 میں فرماتے ہیں: ”اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ آیتِ حجاب رسول اللہ ﷺ کے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ خلوت اختیار کرنے کے وقت نازل ہوئی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حجاب کا حکم واقعۂ افک سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ میں نے کتاب الوضوء کے ابتدائی حصے میں یہ لکھوایا تھا کہ واقعۂ افک حجاب کے حکم کے نزول سے پہلے پیش آیا تھا، لیکن یہ سہو تھا۔ صحیح بات یہ ہے کہ واقعۂ افک حجاب کے حکم کے نزول کے بعد پیش آیا، لہٰذا وہاں اس کی اصلاح کر دی جائے۔“

وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے پہلے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا تھا، چنانچہ انہیں زید بن محمد [1] کہا جانے لگا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس نسبت کو اپنے اس فرمان کے ذریعے ختم فرمادیا: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَكُمُ اللَّائِي تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ۝ ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ''اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، اور نہ اس نے تمہاری ان بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو، تمہاری مائیں بنایا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے بنایا ہے۔ یہ تو تمہارے اپنے منہ کی باتیں ہیں، اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔'' (سورۃ الاحزاب: 4-5) پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو مزید واضح اور مؤکد فرمایا، اور اس کی عملی مثال رسول اللہ ﷺ کا

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4702 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2425 کے تحت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کے علاوہ کسی اور نام سے نہیں پکارتے تھے، یہاں تک کہ قرآن مجید میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ''انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔'' (سورۃ الاحزاب: 5)۔

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5888 کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بناتا تو لوگ اسے اسی کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے اور وہ اس کی میراث میں سے حصہ بھی پاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: 'انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو، یہی اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے۔' چنانچہ انہیں ان کے حقیقی باپوں کی طرف لوٹا دیا گیا، اور جس کے باپ کا علم نہ ہو، وہ دینی اعتبار سے ان کا مولیٰ اور بھائی ہے۔''

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح بن گیا، جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حرمتِ نکاح کے بیان میں فرمایا: ﴿وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ﴾ ”اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں بھی (تم پر حرام ہیں) جو تمہاری صلب سے ہوں۔“ (سورۃ النساء: 23) یہ حکم اس لیے بیان فرمایا تاکہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کے معاملے میں اشتباہ نہ رہے، کیونکہ اس زمانے میں یہ رسم بہت عام تھی۔ (1)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے انکار کر دیا۔ چنانچہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں قتادہ رحمہ اللہ سے سندِ صحیح کے ساتھ مرسل روایت نقل کی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ ”اور کسی مؤمن مرد اور مؤمن عورت کے لیے یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو انہیں اپنے معاملے میں کوئی اختیار باقی رہے۔“ (سورۃ الاحزاب: 36) قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی، جو رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ششم، صفحہ 426۔

تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نکاح کا پیغام دیا تو وہ راضی ہو گئیں، کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ خود ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے انکار کر دیا اور اسے ناپسند کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو قبول کر لیا اور راضی ہو گئیں۔ (1)

حضرت زینب رضی اللہ عنہا تقریباً ایک سال تک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رہیں۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ان کی شکایت کرنے لگے۔ چنانچہ امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ﴾ ''اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا۔'' (سورۃ الاحزاب: 37) تو حضرت زید رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی شکایت کی۔ وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ رکھتے تھے، چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مشورہ طلب کیا۔

1- اسے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد دہم، صفحہ 301 میں روایت کیا ہے۔

اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ﴿أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ﴾ ”اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں رکھو اور اللہ سے ڈرو۔“ (سورۃ الاحزاب: 37)[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس بات کو اپنے دل میں چھپائے ہوئے تھے، وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دے دی تھی کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں گی۔ اور آپ ﷺ کو اس بات کے اظہار سے جو چیز روک رہی تھی، وہ لوگوں کی اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ منہ بولے بیٹے کے بارے میں زمانۂ جاہلیت کے رائج احکام کو ایسے طریقے سے ختم کیا جائے جس سے بڑھ کر اس رسم کے خاتمے کی کوئی مؤثر صورت نہ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے نکاح فرمایا جسے آپ ﷺ کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ یہ عمل مسلمانوں کے امام اور پیشوا کی جانب سے ہوا، تاکہ لوگ اس حکم کو قبول کرنے کے لیے زیادہ آمادہ ہوں۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جاؤ اور ان کے سامنے میرا

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4787 اور 7420 کے تحت، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3491 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 479۔

نکاح کا پیغام پیش کرو۔ چنانچہ حضرت زید رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ اس وقت وہ آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں نے انہیں دیکھا تو میرے دل میں ان کی عظمت اس قدر بڑھ گئی کہ میں ان کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا[1]۔ چنانچہ میں نے ان کی طرف پیٹھ پھیر لی اور پیچھے ہٹتے ہوئے کہا: اے زینب! آپ کو خوش خبری ہو، رسول اللہ ﷺ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ آپ سے آپ کے نکاح کا پیغام بیان کروں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا: میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کروں گی جب تک اپنے رب عزوجل سے مشورہ نہ کر لوں۔ پھر وہ اپنی نماز کی جگہ[2] کھڑی ہو گئیں، اور قرآن نازل ہوا[3]۔ اس

1- امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ 194 میں فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہیبت محسوس کی اور رسول اللہ ﷺ کے ان سے نکاح کے ارادے کی وجہ سے ان کی عظمت و جلالت کے قائل ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جیسے رسول اللہ ﷺ ان سے نکاح فرما چکے ہوں، یعنی ان کی تعظیم، احترام اور ہیبت کو ملحوظ رکھا۔

2- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد نہم، صفحہ 195 میں فرماتے ہیں: یعنی ان کے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ۔

3- اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا﴾ ”پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے آپ کا نکاح اس سے کر دیا۔“ (سورۃ الاحزاب: 37) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: یعنی جب حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے اپنی حاجت پوری کر لی اور انہیں طلاق دے کر ان سے علیحدگی اختیار کر لی تو ہم نے آپ ﷺ کا نکاح ان سے کر دیا۔ اس نکاح کا انتظام اللہ عزوجل نے خود فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طرف وحی فرمائی کہ آپ ان کے پاس داخل ہو جائیں، اس کے لیے نہ کسی ولی کی ضرورت تھی، نہ مہر، نہ عقد اور نہ ہی کسی انسانی گواہ کی۔

کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور بغیر اجازت لیے ان کے پاس داخل ہو گئے۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا﴾ "پھر جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے آپ کا نکاح اس سے کر دیا۔" (سورۃ الاحزاب: 37) تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے سامنے فخر سے فرمایا کرتی تھیں: تمہارا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا[2]، جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے فرمایا۔"[3]

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1428 اور 89 کے تحت، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 13025 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد پانزدہم، صفحہ 371 میں فرماتے ہیں: اس اطلاق سے بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن مراد ہیں، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ ان میں سے صرف حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہی وہ ہیں جن کا نکاح ان کے والدوں نے کیا تھا۔ جبکہ حضرت سودہ، حضرت زینب بنت خزیمہ اور حضرت جویریہ رضی اللہ عنہن کے بارے میں بھی احتمال ہے۔ البتہ حضرت ام سلمہ، حضرت ام حبیبہ، حضرت صفیہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن میں سے کسی کا نکاح ان کے والد نے نہیں کیا تھا۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7420 کے تحت، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3492 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر ولیمہ [1]

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر ولیمہ کیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی تو ولیمہ کیا اور لوگوں کو خوب سیر کر کے روٹی اور گوشت کھلایا۔''[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے نکاح پر اتنا زیادہ یا عمدہ ولیمہ نہیں کیا جتنا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح پر کیا تھا۔''[3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرنے کے لیے تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا، کسی ولی اور گواہوں کے ذریعے نہیں، جبکہ دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے معاملے میں ایسا نہیں تھا۔ ہمارے اصحاب کے نزدیک مشہور اور صحیح موقف یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح ولی اور گواہوں کے بغیر بھی صحیح تھا، کیونکہ آپ ﷺ کے حق میں ان کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ اختلاف

1- ولیمہ اس کھانے کو کہتے ہیں جو شادی کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 196۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4793 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1428 اور 91 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے بارے میں ہے، جبکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں نص موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ (1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی تو روٹی اور گوشت کا ولیمہ کیا گیا۔ میں کھانے پر لوگوں کو دعوت دیتا رہا۔ ایک گروہ آتا، کھانا کھاتا اور چلا جاتا، پھر دوسرا گروہ آتا، کھانا کھاتا اور چلا جاتا۔ یہاں تک کہ میں نے سب لوگوں کو دعوت دے دی اور آخر کار کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جسے میں دعوت دیتا۔''(2)

نزولِ حجاب

جب لوگوں نے کھانا کھا لیا تو ان میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ان میں سے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی بیٹھے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ اپنا چہرہ دیوار کی طرف کیے ہوئے تھیں۔ ان لوگوں کا دیر تک بیٹھے رہنا رسول اللہ ﷺ پر گراں گزرا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد نہم، صفحہ 196۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4793 کے تحت روایت کیا ہے۔

گئے، اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو سلام کیا اور پھر واپس تشریف لے آئے۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے ہیں تو انہیں خیال ہوا کہ شاید ان کا زیادہ دیر تک بیٹھنا آپ ﷺ پر گراں گزرا ہے۔ چنانچہ وہ دروازے کی طرف لپکے اور سب کے سب باہر نکل گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، پردہ گرا دیا اور اندر داخل ہو گئے۔ آپ ﷺ تھوڑی دیر ہی ٹھہرے تھے کہ میرے پاس تشریف لائے، اور یہ آیت نازل ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور لوگوں کے سامنے اسے پڑھ کر سنایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ﴾ ”اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، مگر یہ کہ تمہیں کھانے کے لیے اجازت دی جائے، اس طرح کہ کھانا تیار ہونے کا انتظار نہ کرتے رہو۔ ہاں، جب تمہیں بلایا جائے تو داخل ہو جاؤ، پھر جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ اور باتیں کرنے کے لیے بیٹھے نہ رہو۔ بے شک یہ بات نبی کو اذیت دیتی تھی۔“ (سورۃ الاحزاب: 53)[1]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد صبح بطور دولہا گزاری۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ان سے نکاح فرمایا تھا۔ دن چڑھنے کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو کھانے کے لیے بلایا۔ رسول اللہ

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1428 اور 94 کے تحت روایت کیا ہے۔

ﷺ بیٹھ گئے اور کچھ لوگ بھی، لوگوں کے اٹھ جانے کے بعد، آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور چل پڑے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل دیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے تک پہنچے۔ پھر آپ ﷺ نے گمان کیا کہ شاید وہ لوگ جا چکے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ واپس آگیا۔ دیکھا تو وہ لوگ ابھی بھی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ دوبارہ واپس تشریف لے گئے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑا، یہاں تک کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے دروازے تک پہنچے۔ پھر آپ ﷺ واپس تشریف لائے اور میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ واپس آگیا۔ اس مرتبہ دیکھا تو وہ لوگ اٹھ چکے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ لٹکا دیا اور حجاب کا حکم نازل ہو گیا۔"[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں ان آیات کے نزول کے وقت لوگوں میں سب سے زیادہ قریب اور حاضر تھا، اور نبی کریم ﷺ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے پردے کا حکم دے دیا گیا۔"[2]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5406 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1428 اور 93 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1428 اور 49 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کی یہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن صرف حرمت اور نکاح کی ممانعت کے اعتبار سے مؤمنوں کی مائیں ہیں، محرمیت کے اعتبار سے نہیں۔ لہٰذا کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان کے ساتھ تنہائی میں ہو یا انہیں دیکھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان تمام غیر رشتہ دار لوگوں سے پردہ کرنے کا حکم دیا ہے جن کے لیے ان سے نکاح کرنا حرام ہے، اور جن کے درمیان اور ان کے درمیان رضاعت کا رشتہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ ''اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔'' (سورۃ الاحزاب: 53)[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چنانچہ اس نکاح کے موقع پر حجاب کا حکم نازل ہونا مناسب تھا، تاکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور نبی کریم ﷺ کی دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی حفاظت اور پردے کا اہتمام ہو۔ یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق تھا۔[2]

ہجرت کا چھٹا سال

دعوتِ اسلامی کا ایک نیا مرحلہ

غزوۂ خندق کے بعد کے دور کو ہم غلبے اور فتوحات کا مرحلہ کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس دور کی نہایت جامع اور دقیق تعبیر ان الفاظ میں فرمائی: ''اب

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد ششم، صفحہ 166۔

2- دیکھیں: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی گفتگو، البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 533۔

ہم ان سے جنگ کریں گے، وہ ہم سے جنگ نہیں کریں گے، بلکہ ہم ان کی طرف پیش قدمی کریں گے۔‘‘[1] جب رسول اللہ ﷺ احزاب اور بنو قریظہ کے یہودیوں کے معاملے سے فارغ ہوگئے اور مدینہ منورہ کے حالات پُر سکون ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان تمام گروہوں کے خلاف تادیبی مہمات روانہ کرنا شروع کردیں جنہوں نے سابقہ واقعات میں مسلمانوں کے ساتھ غداری کی تھی، تاکہ اسلامی ریاست کی قوت کو مزید مستحکم کیا جائے اور جزیرۂ عرب میں اس کی ہیبت ودبدبہ قائم ہو۔

حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا سریہ، سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے لیے

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کا معاملہ ختم ہو گیا تو سلام بن ابی الحقیق، جو ابو رافع کے نام سے بھی مشہور تھا، ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے احزاب کو رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر ابھارا تھا۔ اس سے پہلے غزوۂ اُحد کے موقع پر قبیلہ اوس کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دشمنی رکھنے اور آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کو اکسانے کی وجہ سے کعب بن اشرف کو قتل کردیا تھا۔ چنانچہ قبیلہ خزرج کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ وہ خیبر میں موجود سلام بن ابی الحقیق کو قتل کردیں، تو آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی۔[2]

1- اس حدیث کی تخریج کچھ پہلے گزر چکی ہے۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 300۔

حضرت سلام بن ابی الحقیق کے قتل کا واقعہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے یہودی ابو رافع کے پاس انصار کے چند آدمیوں [1] کو بھیجا اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ ابو رافع رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچاتا تھا اور آپ ﷺ کے خلاف لوگوں کی مدد کرتا تھا۔ وہ حجاز کی سرزمین میں اپنے ایک قلعے میں رہتا تھا۔ جب حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اس قلعے کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور لوگ اپنے

1- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3022 میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انصار کے ایک گروہ کو ابو رافع کے پاس اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا۔ اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 4040 میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عتیک اور حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہما کو اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ابو رافع کے پاس بھیجا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 84 میں فرماتے ہیں: اس باب میں ان افراد کے نام حضرت عبداللہ بن عتیک اور حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہما ذکر کیے گئے ہیں۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت، جلد سوم، صفحہ 301 میں ان کے نام حضرت عبداللہ بن عتیک، مسعود بن سنان، عبداللہ بن انیس، ابو قتادہ حارث بن ربعی اور خزاعی بن اسود رضی اللہ عنہم ذکر کیے ہیں۔ اگر حضرت عبداللہ بن عتبہ کا نام محفوظ ہے تو ان کی تعداد چھ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ ابن اثیر رحمہ اللہ سے جامع الاصول، جلد دوم، صفحہ 581، قسم التراجم میں حضرت عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کے نام کے تحت وہم ہوا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ان کا نام عبداللہ بن عنبہ ہے، کنیت ابو عتبہ ہے، اور وہ عبداللہ بن عنبہ خولانی ہیں، جن کا ذکر ابو رافع بن ابی الحقیق کے قتل کے واقعے میں ملتا ہے۔ عنبہ میں عین مہملہ کے کسرہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الاصول، جلد ہشتم، صفحہ 230، کتاب الغزوات میں ان کا صحیح نام عبداللہ بن عتبہ ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 84 میں فرماتے ہیں: ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الاصول میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ان کا نام ابن عنبہ ہے، عین کے کسرہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ، لیکن یہ ان کی غلطی ہے؛ کیونکہ وہ خولانی تھے، انصاری نہیں، اور انہوں نے اسلام بھی بعد کے زمانے میں قبول کیا تھا، جبکہ یہ واقعہ اس سے پہلے پیش آ چکا تھا۔ صحیح روایت میں ان کا نام عین کے ضمہ اور تاء کے سکون کے ساتھ ہے، نہ کہ نون کے ساتھ۔ واللہ اعلم۔

مویشیوں کو چراگاہوں سے واپس لے آئے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم یہیں بیٹھو، میں جاکر نرمی اور تدبیر سے دربان کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہوں، شاید اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو جاؤں۔ چنانچہ وہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ دروازے کے قریب پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا، گویا وہ کوئی ضرورت پوری کرنے جارہے ہوں۔ اس وقت لوگ قلعے میں داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے انہیں آواز دی: اے عبداللہ! اگر تم اندر آنا چاہتے ہو تو آجاؤ، کیونکہ میں دروازہ بند کرنے والا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ میں اندر داخل ہو گیا اور چھپ کر بیٹھ گیا۔ جب لوگ اندر داخل ہو چکے تو دربان نے دروازہ بند کر دیا اور اس کی کنڈیاں ایک کھونٹی پر لٹکا دیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اٹھا، کنڈیاں لے کر دروازہ کھول دیا۔ ابورافع کے ہاں رات کو مجلس جمتی تھی اور وہ اپنے بالاخانے میں رہتا تھا۔ جب اس کے مجلس کے ساتھی چلے گئے تو میں چپکے سے اس کی طرف بڑھا۔ میں جب بھی کوئی دروازہ کھولتا تو اندر سے اسے اپنے پیچھے بند کر لیتا۔ میں نے سوچا کہ اگر لوگوں کو میرے آنے کا علم ہو گیا تو وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، یہاں تک کہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ چنانچہ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے اہلِ خانہ کے درمیان تھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کمرے میں کہاں ہے۔ میں نے آواز دی: اے ابورافع! اس نے پوچھا: کون ہے؟ میں آواز کی سمت بڑھا اور گھبراہٹ کی حالت میں تلوار سے اس پر ایک وار کیا، لیکن وہ وار کارگر نہ ہوا۔ وہ چیخ اٹھا تو میں کمرے سے باہر نکل آیا اور کچھ دیر وہیں ٹھہرا رہا۔ پھر دوبارہ اندر داخل ہوا

اور پوچھا:[1] اے ابو رافع! یہ کیسی آواز تھی؟ اس نے اپنی بیوی سے کہا: تمہاری ماں تمہیں روئے! ابھی ابھی ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا تھا اور اس نے مجھ پر تلوار سے وار کیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس پر دوسرا وار کیا، جس سے وہ شدید زخمی ہو گیا، لیکن ابھی مرا نہیں تھا۔ پھر میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ میں گھونپ دی، یہاں تک کہ وہ اس کی پشت تک جا پہنچی۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ اس کے بعد میں ایک ایک کر کے دروازے کھولتا ہوا آگے بڑھا، یہاں تک کہ ایک سیڑھی تک پہنچ گیا۔ میں نے اپنا پاؤں رکھا، یہ سمجھتے ہوئے کہ اب زمین پر پہنچ گیا ہوں، لیکن چاندنی رات ہونے کے باوجود میں نیچے گر پڑا اور میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنے عمامے سے اسے باندھ لیا، پھر وہاں سے چل کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا اور اپنے آپ سے کہا: آج رات میں یہاں سے نہیں نکلوں گا، یہاں تک کہ مجھے یقین ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ جب صبح مرغ نے بانگ دی تو قلعے کی فصیل پر ایک اعلان کرنے والا کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میں ابو رافع، حجاز کے تاجر کی موت کی خبر دیتا ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ سن کر میں اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہا: جلدی نکلو! اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا ہے۔ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ کو سارا واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا ہے: "اور میں نے اپنی آواز بدل لی"۔

اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ ﷺ نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیرا، جس کے بعد میرا پاؤں ایسا ہو گیا گویا مجھے کبھی کوئی تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔ (1)

ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ تمام افراد ابو رافع کے پاس داخل ہوئے اور اس کے قتل میں شریک ہوئے، جبکہ تلوار سے اس پر کاری وار کرنے والے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ تھے۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب انہوں نے رات کے وقت ابو رافع کو قتل کر دیا اور حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو ان کے ساتھی انہیں اٹھا کر یہودیوں کے ایک چشمے کے نالے میں لے گئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ یہودیوں نے آگ جلائی اور ہر طرف ان کی تلاش میں نکل پڑے۔ جب وہ مایوس ہو گئے تو واپس اپنے مقتول ساتھی کے پاس لوٹ آئے۔ پھر جب وہ واپس ہوئے تو حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ (2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3022، 4039 اور 4040 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحات 301-302۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا سریہ عیص[1] کی طرف

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ایک سو ستر سواروں کے ساتھ روانہ فرمایا۔ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے سال[2] ماہِ جمادی الاولیٰ میں پیش آیا۔ اس مہم کا مقصد قریش کے اس تجارتی قافلے کو روکنا تھا جو شام سے آرہا تھا اور جس کی قیادت حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے شوہر ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس وقت وہ ابھی مشرک تھے۔ مسلمانوں نے اس قافلے کو جالیا اور اس میں موجود تمام سامان پر قبضہ کر لیا، نیز قافلے کے بعض افراد کو گرفتار کر لیا، جن میں ابو العاص بن ربیع[3] رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ پھر وہ سب کو لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔[4]

چنانچہ حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں موجود حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ، جو ہجرت کر کے مدینہ آچکی تھیں، کے پاس پیغام

1- عیص: عین کے زیر کے ساتھ، مدینہ منورہ کے قریب سمندر کے ساحل پر واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 297۔

2- یہی بات امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ، جلد دوم، صفحہ 293 میں ذکر کی ہے۔ جبکہ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد دوم، صفحہ 269 میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ سریہ فتح مکہ سے کچھ پہلے روانہ فرمایا تھا، البتہ انہوں نے اس کی کوئی متعین تاریخ بیان نہیں کی۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''یہاں تک کہ جب فتح مکہ کا وقت قریب آیا تو ابو العاص تجارت کی غرض سے روانہ ہوئے۔۔۔'' پھر انہوں نے اس سریہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔

3- یہی بات امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الطبقات الکبریٰ، جلد دوم، صفحہ 293 میں ذکر کی ہے، جبکہ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد دوم، صفحہ 269 میں ذکر کیا ہے کہ ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ فرار ہونے میں ان سب سے آگے نکل گئے اور گرفتار نہیں ہوئے۔

4- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 269؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 293۔

بھیجا اور ان سے پناہ طلب کی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی۔ امام حاکم رحمہ اللہ اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: حضرت زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے پاس ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا کہ آپ اپنے والد سے میرے لیے امان طلب کریں۔ چنانچہ وہ باہر نکلیں اور اپنے حجرے کے دروازے سے سر نکالا، جبکہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز میں لوگوں کی امامت فرما رہے تھے۔ انہوں نے کہا: اے لوگو! میں زینب بنت رسول اللہ ﷺ ہوں اور میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: اے لوگو! مجھے اس معاملے کا علم نہیں تھا، یہاں تک کہ تم نے اسے سن لیا۔ خبردار! مسلمانوں میں سے کوئی ادنی شخص بھی کسی کو پناہ دے تو اس کی پناہ معتبر ہے۔ (1)

رسول اللہ ﷺ نے سریہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ وہ ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے قافلے سے جو مالِ غنیمت حاصل کر کے لائے ہیں، اسے واپس کر دیں، تاہم آپ ﷺ نے انہیں اس پر مجبور نہیں کیا۔ چنانچہ انہوں نے قافلے سے حاصل کیا ہوا تمام سامان واپس کر دیا۔ یہاں تک کہ کوئی شخص ڈول، کوئی مشکیزہ، کوئی چھوٹی پانی کی بوتل، حتیٰ کہ رسی کا حلقہ بھی لے کر آتا اور واپس کر دیتا۔ اس

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 7015 کے تحت، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر 1244 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد پنجم، صفحہ 129 میں اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص بن ربیع کو پناہ دی تو آپ ﷺ نے بھی انہیں امان دے دی۔''

طرح انہوں نے ابو العاص رضی اللہ عنہ کا پورا مال واپس کر دیا اور اس میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ چھوڑی۔ (1)

حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی مکہ واپسی اور اسلام قبول کرنا

پھر حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے گئے اور قریش کے ہر اس شخص کو اس کا مال واپس کر دیا جس کا مال ان کے پاس تھا، نیز ان لوگوں کو بھی جنہوں نے اپنا مال تجارت کے لیے ان کے حوالے کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا: اے قریش کے لوگو! کیا تم میں سے کسی کا کوئی مال میرے ذمے باقی ہے جو اسے ابھی تک نہیں ملا؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، ہم نے آپ کو وفادار اور سخی پایا ہے۔ اس پر حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ کی قسم! آپ ﷺ کے پاس رہتے ہوئے مجھے اسلام قبول کرنے سے صرف اس بات کا خوف مانع تھا کہ کہیں تم یہ گمان نہ کرو کہ میں نے تمہارے مال ہڑپ کرنے کے لیے اسلام قبول کیا ہے۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال تمہیں واپس پہنچا دیے اور میں ان سے فارغ ہو گیا تو میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ پھر حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (2)

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 269۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ 270۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انہوں نے صلح حدیبیہ سے پندرہ ماہ پہلے اسلام قبول کیا تھا۔''(1)

کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نئے عقد کے ساتھ واپس کیا؟

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پہلے نکاح ہی پر واپس کر دیا، اور نہ ہی نئے گواہ مقرر کیے اور نہ نیا مہر مقرر فرمایا؛ کیونکہ اس وقت حرمتِ نکاح سے متعلق وہ آیت نازل نہیں ہوئی تھی جس میں مسلمان عورتوں کے کافروں کے نکاح میں رہنے کی ممانعت بیان ہوئی ہے۔ امام ترمذی، امام ابو داود اور امام ابن ماجہ رحمہم اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اپنی

1- دیکھیں: سیر أعلام النبلاء، جلد اول، صفحہ 331۔

صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال [1] بعد پہلے نکاح ہی پر حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس واپس کر دیا اور نیا نکاح نہیں کیا۔ [2]

امام سندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال بعد حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں واپس کیا، حالانکہ عموماً اتنی طویل مدت تک عدت باقی نہیں رہتی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے اسلام قبول کرنے اور حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے کفر پر باقی رہنے سے پہلے نکاح کا ختم ہونا اس وقت تک مؤثر نہیں ہوا تھا، جب تک سورۂ ممتحنہ کی آیت نازل نہیں ہوئی۔ یہ آیت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ لہٰذا آیت کے نزول کے بعد سے عدت پوری ہونے تک ان کا نکاح

1- امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کی روایت میں دو سال کا ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد دہم، صفحہ 530 میں فرماتے ہیں: امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال، یا دو سال، یا تین سال بعد حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں واپس کرنا محلِ اشکال ہے؛ کیونکہ یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ وہ اتنی طویل مدت تک پہلے نکاح ہی میں باقی رہی ہوں۔ اس مسئلے میں کسی نے بھی اس بات کے جواز کا قائل نہیں ہوا کہ اگر شوہر کے اسلام قبول کرنے میں تاخیر ہو اور بیوی پہلے مسلمان ہو جائے، یہاں تک کہ اس کی عدت بھی گزر جائے، تو مسلمان عورت کو مشرک شوہر کے نکاح میں برقرار رکھا جائے۔ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں اجماع نقل کیا ہے اور اشارہ کیا ہے کہ بعض اہلِ ظاہر اس کے جواز کے قائل ہیں، لیکن انہوں نے مذکورہ اجماع کی بنیاد پر اس قول کو رد کیا ہے۔ تاہم اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس مسئلے میں قدیم زمانے سے اختلاف ثابت ہے، اور یہ اختلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ان دونوں سے مضبوط سندوں کے ساتھ یہ قول روایت کیا ہے۔ اسی قول کے مطابق امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے استاد حماد نے بھی فتویٰ دیا تھا۔

2- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1175، امام ابو داود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2240، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2009 کے تحت روایت کیا ہے۔

موقوف رہا۔ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے صلح حدیبیہ کے کچھ ہی عرصے [1] بعد اسلام قبول کیا، اس طرح غالب امکان ہے کہ اس وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت ابھی پوری نہ ہوئی ہو۔ اسی بنا پر حدیث میں ''پہلے نکاح'' سے مراد یہی ہو سکتی ہے۔ [2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احادیث میں کہیں بھی عدت کا اعتبار کرنے کا ذکر نہیں ملتا، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ عورت سے یہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے یا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام قبول کرنے سے نکاح خود بخود ختم ہو جاتا تھا، لیکن یہ علیحدگی رجعی نہیں بلکہ بائن ہوتی تھی۔ لہٰذا نکاح کے باقی رہنے میں عدت کا کوئی اثر نہیں تھا، البتہ عدت کا اثر اس بات میں تھا کہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی تھی۔ اگر اسلام قبول کرنے سے ان دونوں کے درمیان علیحدگی قطعی طور پر واقع ہو جاتی تو شوہر عدت کے دوران اس عورت کا زیادہ حق دار نہ رہتا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے فیصلے سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ نکاح موقوف رہتا تھا؛ چنانچہ اگر شوہر عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لیتا تو وہ اس کی بیوی رہتی، اور اگر عدت پوری ہو جاتی تو عورت کو اختیار ہوتا کہ جس سے چاہے نکاح کر لے، یا اگر چاہے تو شوہر کے انتظار میں رہے۔ پھر اگر

1- حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک انہوں نے صلح حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا، جبکہ بعض کے نزدیک اس کے کچھ ہی عرصے بعد اسلام لائے۔

2- دیکھیں: شرح السندی للمسند، جلد دوم، صفحہ 276۔

شوہر اسلام قبول کر لیتا تو وہ بغیر نئے نکاح کے اس کی بیوی بن جاتی۔ ہمیں کسی ایسے شخص کا علم نہیں جس نے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اپنا نکاح نئے سرے سے کیا ہو۔ بلکہ اس وقت دو ہی صورتیں پیش آتی تھیں: یا تو دونوں کے درمیان جدائی ہو جاتی اور عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیتی، یا پھر عورت اپنے شوہر کے نکاح میں باقی رہتی، خواہ عورت کے اسلام قبول کرنے میں تاخیر ہو یا شوہر کے اسلام قبول کرنے میں۔[1]

اہم تنبیہ:

امام موسیٰ بن عقبہ[2] رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کا واقعہ، ان کی گرفتاری اور قافلے کا معاملہ صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا تھا۔ ان کے مطابق حضرت ابو بصیر، حضرت ابو جندل اور ان کے ساتھیوں نے صلح حدیبیہ کے زمانے میں حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے قافلے کا راستہ روکا تھا۔ یہ کارروائی رسول اللہ ﷺ کے حکم سے نہیں ہوئی تھی، کیونکہ یہ لوگ سمندر کے ساحل کے قریب آپ ﷺ سے الگ ہو کر مقیم تھے۔ قریش کا جو تجارتی قافلہ بھی ان کے پاس سے گزرتا، وہ اسے اپنے قبضے میں لے لیتے تھے۔ یہ امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے[3]، اس

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد پنجم، صفحات 188–189۔

2- اسی طرح دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد چہارم، صفحہ 174۔

3- اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد چہارم، صفحات 172 اور 175 میں بھی ان سے یہ بات نقل کی ہے۔

کے بر خلاف امام واقدی[1]، امام ابن سعد رحمہما اللہ نے اپنی الطبقات[2] میں اور دیگر اہلِ مغازی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے سریے نے حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے قافلے کا راستہ روکا تھا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے امام موسیٰ بن عقبہ کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''امام موسیٰ بن عقبہ کا قول زیادہ درست ہے، کیونکہ ابو العاص نے صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا، اور قریش نے بھی اپنے تجارتی قافلوں کو اسی صلح کے زمانے میں شام کی طرف روانہ کرنا شروع کیا تھا۔ امام زہری رحمہ اللہ نے جس ترتیب سے یہ واقعہ بیان کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں پیش آیا تھا۔''[3]

سریۂ خبط[4]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں روانہ فرمایا اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر کیا، تاکہ ہم قریش کے ایک

1- امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد چہارم، صفحہ 485 میں بھی ان سے یہ بات نقل کی ہے۔

2- دیکھیں: الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 593۔

3- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 334۔

4- خبط: سے مراد وہ پتے ہیں جو درخت کو جھاڑنے یا ہلانے سے گرتے ہیں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 8۔

تجارتی قافلے [1] کی تلاش میں جائیں۔ آپ ﷺ نے ہمیں کھجوروں کا ایک تھیلا زادِ راہ کے طور پر دیا، کیونکہ اس کے علاوہ آپ ﷺ کو ہمارے لیے کچھ میسر نہ تھا۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ہمیں ایک ایک کھجور دیا کرتے تھے۔ راوی کہتے ہیں: میں نے پوچھا: تم اس ایک کھجور کے ساتھ کیا کرتے تھے؟

انہوں نے فرمایا: ہم اسے اس طرح چوستے تھے جیسے بچہ چوستا ہے، پھر اس کے بعد پانی پی لیتے تھے، اور یہ ہمیں رات تک کے لیے کافی ہو جاتی تھی۔ ہم اپنی

1- امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الطبقات، جلد دوم، صفحہ 315 میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قبیلہ جہینہ کی ایک آبادی کی طرف روانہ فرمایا، جو ساحلِ سمندر کے قریب قبلیہ کے علاقے میں واقع تھی۔ قبلیہ، قاف اور باء دونوں کے فتحہ کے ساتھ، ساحلِ سمندر کے ایک علاقے کا نام ہے، جو مدینہ منورہ سے پانچ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 9۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 408 میں فرماتے ہیں: یہ روایت صحیحین کی روایت کے ظاہری مفہوم کے منافی نہیں، کیونکہ ان دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قریش کے تجارتی قافلے کی تلاش میں بھی تھے اور قبیلہ جہینہ کی ایک آبادی کی طرف بھی جا رہے تھے۔ اس تطبیق کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عبید اللہ بن مقسم کے طریق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جہینہ کی سرزمین کی طرف ایک لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا، پھر انہوں نے یہی واقعہ بیان کیا۔ البتہ قریش کے تجارتی قافلے کی تلاش کا واقعہ اس وقت پیش آنا بعید معلوم ہوتا ہے جس کا ذکر امام ابن سعد رحمہ اللہ نے رجب سنہ 8 ہجری میں کیا ہے، کیونکہ اس وقت مسلمان صلح کی حالت میں تھے۔ بلکہ صحیحین کی روایات کے تقاضے کے مطابق یہ سریہ سنہ 6 ہجری یا اس سے پہلے، صلح حدیبیہ سے قبل پیش آیا ہوگا۔ ہاں، یہ احتمال بھی ہے کہ قریش کے قافلے کی تلاش کا مقصد ان سے جنگ کرنا نہیں، بلکہ قبیلہ جہینہ کے حملے سے ان کی حفاظت کرنا ہو۔ اسی وجہ سے اس واقعے کی کسی بھی روایت میں یہ ذکر نہیں ملتا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی سے جنگ کی ہو، بلکہ بعض روایات میں ہے کہ وہ آدھے مہینے یا اس سے زیادہ مدت تک ایک ہی مقام پر ٹھہرے رہے۔ واللہ اعلم۔

لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے[1]، پھر انہیں پانی سے تر کر کے کھاتے تھے۔ پھر ہم سمندر کے ساحل کے ساتھ آگے بڑھے تو ساحل پر ایک بہت بڑے ٹیلے جیسی چیز دکھائی دی۔ ہم اس کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ایک سمندری جانور تھا جسے عنبر[2] کہا جاتا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ مردار ہے! پھر کچھ دیر بعد فرمایا: نہیں، بلکہ ہم رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے ہیں اور اللہ کے راستے میں ہیں، اور تم سخت ضرورت میں مبتلا ہو، لہٰذا اسے کھاؤ۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم تین سو افراد اس کے پاس ایک ماہ[3] تک ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ ہمارے جسم موٹے ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ ہم اس کی آنکھ کے گڑھے سے بڑے بڑے برتنوں

1- صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے: ''ہمیں سخت بھوک لاحق ہوئی، یہاں تک کہ ہم نے درختوں کے جھڑے ہوئے پتے کھائے۔''

2- عنبر: ایک بڑی سمندری مچھلی ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 276۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 5493 میں ہے: ''سمندر نے ایک مردہ مچھلی باہر پھینکی، جس جیسی مچھلی پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی تھی۔''

صحیح بخاری کی ایک اور روایت، حدیث نمبر 4360 میں ہے: ''اچانک ایک مچھلی نمودار ہوئی، جو ایک بڑے ٹیلے کی مانند تھی۔''

3- صحیحین کی ایک دوسری روایت میں آدھے مہینے کا ذکر ہے، جبکہ ایک اور روایت میں اٹھارہ راتوں کا ذکر آیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد 13، صفحہ 75 میں فرماتے ہیں: ان مختلف روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جس راوی نے ایک ماہ کا ذکر کیا ہے، اس کی روایت اصل ہے اور اس کے پاس زائد علم ہے، جبکہ جن راویوں نے اس سے کم مدت بیان کی ہے، انہوں نے زیادہ مدت کی نفی نہیں کی۔ اور اگر وہ اس کی نفی بھی کرتے تو زیادہ مدت ثابت کرنے والے راوی کی روایت کو ترجیح دی جاتی؛ کیونکہ ہم پہلے بھی کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ اصولیین کے نزدیک مشہور قول یہ ہے کہ عدد کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ لہٰذا محض کم مدت بیان کرنے سے زیادہ مدت کی نفی لازم نہیں آتی، خصوصاً جب زیادہ مدت کے اثبات میں دوسری روایت موجود ہو۔ چنانچہ زیادہ مدت کے اثبات والی روایت کو قبول کرنا ضروری ہے۔

میں چربی نکالتے تھے، اور اس کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے کاٹتے تھے، جو بیل کے برابر یا بیل جتنے بڑے ہوتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے ہم میں سے تیرہ آدمیوں کو لے کر اس کی آنکھ کے گڑھے میں بٹھایا، پھر اس کی ایک پسلی اٹھا کر کھڑی کر دی۔ اس کے بعد ہمارے ساتھ موجود سب سے بڑے اونٹ کو لے کر اس کے نیچے سے گزارا[1]۔ ہم نے اس کے گوشت میں سے توشہ بھی ساتھ لیا اور اسے خشک کر کے محفوظ کر لیا۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو اس واقعے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ وہ رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا تھا۔ کیا تمہارے پاس اس کے گوشت میں سے کچھ باقی ہے کہ ہمیں بھی کھلاؤ؟

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ ہم نے اس میں سے کچھ گوشت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جسے آپ ﷺ نے تناول فرمایا[2]۔

1- صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے: ''حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جسم کی ایک پسلی لی اور اسے کھڑا کر دیا۔ پھر لشکر کے سب سے لمبے آدمی اور سب سے لمبے اونٹ کو دیکھا، اس آدمی کو اونٹ پر سوار کیا تو وہ اس پسلی کے نیچے سے گزر گیا۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حدیث نمبر 14086 میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''اور اس آدمی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر 4360، 4361 اور 4362 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر 1935، 17 اور 18 کے تحت روایت کیا ہے۔

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم میں ایک شخص[1] تھا، جب بھوک بہت زیادہ بڑھ گئی تو اس نے تین اونٹنیاں ذبح کر دیں، پھر مزید تین اونٹنیاں ذبح کر دیں، تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا[2]۔

سریۂ خبط سے حاصل ہونے والے فوائد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے سمندر کے مردار جانور کے حلال ہونے کا حکم مستفاد ہوتا ہے، خواہ وہ خود مر جائے یا شکار کے ذریعے مارا جائے۔ یہی جمہور علماء کا قول ہے۔''[3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس واقعے[4] سے یہ دلیل ملتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آنے والے واقعات میں اجتہاد کرنا جائز ہے، اور آپ ﷺ نے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تائید بھی فرمائی۔ تاہم یہ اس وقت تھا جب اجتہاد کی ضرورت پیش آتی اور نص کی طرف رجوع کرنا ممکن نہ ہوتا۔ حضرت ابو

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد یازدہم، صفحہ 43 میں فرماتے ہیں: ''یہ شخص حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے ایک جہنی بدوی سے اونٹنیاں خریدی تھیں۔ ہر اونٹنی کے بدلے ایک وسق کھجور مقرر کیا تھا، جو وہ مدینہ منورہ میں ادا کرتے تھے۔'' **وسق**، واو کے فتحہ اور سین کے سکون کے ساتھ، ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 161۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5494 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1935 اور 19 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد یازدہم، صفحہ 43۔

4- دیکھیں: فتح الباری، جلد یازدہم، صفحہ 43۔

بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے بھی رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں متعدد واقعات میں اجتہاد کیا، اور آپ ﷺ نے ان کی تائید فرمائی۔ البتہ یہ اجتہادات مخصوص اور جزوی مسائل میں تھے، عمومی احکام اور کلی شرعی قوانین میں نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی سے اس نوعیت کا اجتہاد قطعاً ثابت نہیں۔ (1)

اس سریے کی تاریخ کے بارے میں اہلِ مغازی کا وہم

اکثر اہلِ مغازی کے نزدیک سریۂ خبط ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ رجب میں پیش آیا، جو کہ محل نظر ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان روایات کے بیشتر سیاق و سباق کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سریہ صلح حدیبیہ سے پہلے پیش آیا تھا"۔ (2)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ اور عمرۂ حدیبیہ سے پہلے پیش آیا تھا؛ کیونکہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر اہلِ مکہ سے صلح فرمائی، اس وقت سے آپ ﷺ ان کے تجارتی قافلوں کی نگرانی نہیں کرتے تھے، بلکہ فتح مکہ تک امن اور صلح کا زمانہ رہا۔ اور یہ بات بعید ہے کہ سریۂ خبط اسی تفصیل کے ساتھ دو مرتبہ پیش آیا ہو: ایک مرتبہ صلح سے پہلے اور دوسری مرتبہ اس کے بعد۔ واللہ اعلم۔" (3)

1- یعنی سریہ خبط کا واقعہ۔

2- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 670۔

3- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 472۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: اس واقعے سے مستنبط فقہی مسائل؛ اس واقعے سے ماہِ حرام میں جنگ کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، بشرطیکہ اس میں ماہِ رجب کی تعیین محفوظ اور ثابت ہو۔ تاہم بظاہر، واللہ اعلم، یہ تاریخ بیان کرنے میں راوی کو وہم ہوا ہے اور یہ بات محفوظ نہیں؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کسی ماہِ حرام میں غزوہ کیا ہو، یا اس میں کسی پر حملہ کیا ہو، یا کوئی سریہ روانہ فرمایا ہو۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''قریش کے تجارتی قافلے کی تلاش کا واقعہ اس وقت پیش آنا ممکن نہیں جس کا ذکر امام ابن سعد رحمہ اللہ نے ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ رجب میں کیا ہے، کیونکہ اس وقت مسلمان صلح کی حالت میں تھے۔ بلکہ صحیح بخاری و مسلم کی روایات کا تقاضا یہ ہے کہ یہ سریہ ہجرت کے چھٹے سال یا اس سے پہلے، صلح حدیبیہ سے قبل پیش آیا ہو۔'' (2)

اہم تنبیہ:

میں کہتا ہوں کہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ کے ایک ایسے غزوے کا ذکر بھی موجود ہے جس کے واقعات سریۂ خبط کے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یہ روایت بھی حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے، جنہوں نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہما کے ساتھ سریۂ خبط کا واقعہ بیان کیا تھا۔

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 473۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 408۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ بطنِ بواط میں روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ مجدی بن عمرو جہنی کی تلاش میں تھے۔ ہمارا پانی لادنے والا اونٹ ہم میں سے پانچ، چھ یا سات آدمیوں کی باری کے مطابق چلتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم میں سے ہر شخص کی روزانہ خوراک ایک کھجور ہوتی تھی۔ وہ اسے چوستا، پھر اپنے کپڑے میں باندھ کر رکھ لیتا۔ ہم اپنی لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑتے اور انہیں کھاتے، یہاں تک کہ ہمارے منہ کے دونوں کنارے زخمی ہوگئے۔ پھر فرماتے ہیں: لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کھانا عطا فرمائے گا۔'' چنانچہ ہم سمندر کے ساحل پر پہنچے تو سمندر میں ایک زبردست موج اٹھی اور اس نے ایک سمندری جانور باہر پھینک دیا۔ ہم نے اس کے ایک پہلو پر آگ روشن کی، پھر اسے پکایا، بھونا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ میں اور فلاں فلاں شخص، یہاں تک کہ ہم پانچ آدمی ہوگئے، اس کی آنکھ کے گڑھے میں داخل ہوئے، جہاں ہمیں کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر ہم باہر نکلے اور اس کی ایک پسلی لے کر اسے کمان کی طرح خم دیا۔ اس کے بعد ہم نے قافلے کے سب سے بڑے آدمی، سب سے بڑے اونٹ اور سب سے بڑے پالان کو بلایا۔ وہ شخص اس پسلی کے نیچے سے اس طرح گزر گیا کہ اسے اپنا سر بھی جھکانا نہیں پڑا۔ (1)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں کتاب الزہد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصۃ أبي الیسر کے تحت احادیث نمبر 3009، 3011 اور 3014 میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ سریۂ خبط کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''صحیح مسلم کی بعض روایات میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ مچھلی ملی تو وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ ایک الگ واقعہ تھا، جبکہ بعض کے نزدیک یہ ایک ہی واقعہ ہے؛ تاہم پہلے وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، پھر آپ ﷺ نے انہیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں ایک سریے پر روانہ فرمایا، اور انہوں نے اسی سریے کے دوران حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ مچھلی پائی۔ واللہ اعلم۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس واقعے[2] کے سیاق و سباق کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ یہ اس واقعے سے مختلف ہو جس کا ذکر اس باب[3] میں کیا گیا ہے، اور وہ بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے۔ یہاں تک کہ علامہ عبد الحق نے الجمع بین الصحیحین میں کہا ہے کہ یہ اس سے الگ واقعہ ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں پیش آیا تھا۔ تاہم ان کا بیان اس بات پر صریح دلیل نہیں، کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے قول ''پھر ہم سمندر کے ساحل پر پہنچے'' میں حرفِ فاء کا استعمال محذوف واقعے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں عبارت کی تقدیر یہ ہو گی: ''پھر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، صفحہ 198۔

2- یعنی وہ غزوہ جس میں رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے گئے تھے اور جس کے واقعات حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آنے والے سریۂ خبط کے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں۔

3- یہ سریۂ خبط ہے۔

روانہ فرمایا، چنانچہ ہم سمندر کے ساحل پر پہنچے۔'' اس طرح دونوں واقعات ایک ہی واقعہ قرار پائیں گے۔ میرے نزدیک یہی قول راجح ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ واقعات متعدد نہ ہوں، جب تک ان کے متعدد ہونے کی دلیل نہ مل جائے۔ یہاں ایک اور قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ امام واقدی رحمہ اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی امارت میں لشکر روانہ کرنے کا واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ رجب میں پیش آیا تھا۔ میرے نزدیک یہ بات غلط ہے، کیونکہ اسی صحیح روایت میں موجود ہے کہ وہ قریش کے تجارتی قافلے کی نگرانی کے لیے روانہ ہوئے تھے، جبکہ آٹھویں سال قریش رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح کی حالت میں تھے۔ میں نے اس بات کی طرف کتاب المغازی میں بھی توجہ دلائی ہے اور یہ احتمال ظاہر کیا تھا کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ سے پہلے، یعنی ہجرت کے چھٹے سال یا اس سے بھی پہلے پیش آیا ہو۔ اب میرے نزدیک اس بات کی مزید تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس قول سے ہوتی ہے جو صحیح مسلم کی اس روایت میں ہے کہ وہ غزوۂ بطنِ بواط میں روانہ ہوئے تھے۔ غزوۂ بطنِ بواط ہجرت کے دوسرے سال، غزوۂ بدر سے پہلے پیش آیا تھا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ اپنے دو سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش کے ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لیے روانہ ہوئے تھے، جس میں امیہ بن خلف بھی تھا۔ آپ ﷺ بواط تک پہنچے، لیکن وہاں کسی سے ملاقات نہ ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ گویا آپ ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھیوں سمیت الگ روانہ فرمایا تھا، تاکہ وہ مذکورہ قافلے کی نگرانی کریں۔ اس واقعے کے پہلے پیش آنے کی تائید اس بات

سے بھی ہوتی ہے کہ اس روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قلتِ خوراک اور شدید مشقت کا ذکر ہے۔ حالانکہ ہجرت کے آٹھویں سال خیبر کی فتح اور دیگر فتوحات کے بعد مسلمانوں کے حالات کافی بہتر ہو چکے تھے۔ لہٰذا اس واقعے میں مذکور تنگی اور مشقت ابتدائی دورِ اسلام کے حالات سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ اس بنا پر میرا بیان کردہ قول راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (1)

غزوۂ مرَیسیع (2) یا غزوۂ بنو مصطلق (3)

غزوۂ مرَیسیع یا غزوۂ بنو مصطلق ماہِ شعبان میں پیش آیا۔ اس غزوے کے سالِ وقوع کے بارے میں درج ذیل اختلاف ہے:

پہلا قول: یہ غزوہ ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا (4)۔

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد یازدہم، صفحات 45–46۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 195 میں فرماتے ہیں: ''مرَیسیع'' میم پر ضمہ اور راء پر فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ بنو خزاعہ کا ایک کنواں ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 195 میں فرماتے ہیں: ''مُصْطَلِق'' میم پر ضمہ، صاد پر سکون، طاء پر فتحہ اور لام پر کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ ایک لقب ہے، جبکہ اس کا اصل نام جُذَیمہ بن سعد بن عمرو بن ربیعہ بن حارثہ ہے۔ یہ بنو خزاعہ کا ایک قبیلہ ہے۔

4- اس قول کے قائلین میں نمایاں شخصیات امام موسیٰ بن عقبہ ہیں، جیسا کہ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد چہارم، صفحہ 45 میں مذکور ہے۔ اسی طرح محمد بن عمر واقدی نے اپنی کتاب المغازی میں، ابن سعد نے الطبقات، جلد دوم، صفحہ 281 میں، امام ذہبی نے سیر أعلام النبلاء، جلد دوم، صفحہ 261 میں، السیرۃ النبویۃ، جلد اول، صفحہ 468 میں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 196 میں، اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 299 میں یہی قول اختیار کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس قول پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اکثر اہلِ علم کے قول کے مطابق ہجرت کے پانچویں سال ذوالقعدہ میں پردے کا حکم فرض ہوا، اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ آیتِ حجاب اس وقت نازل ہوئی جب نبی کریم ﷺ نے حضرت زینب

دوسرا قول: یہ غزوہ ہجرت کے چھٹے سال پیش آیا[1]۔

بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ان کے ساتھ خلوت اختیار فرمائی۔ نیز واقعۂ افک، جو اسی غزوے میں پیش آیا، اس کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ واقعۂ افک سے پہلے ہی پردے کا حکم فرض ہو چکا تھا۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 310 میں فرماتے ہیں: ''تاریخ نویسوں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح ہجرت کے پانچویں سال ماہِ ذوالقعدہ میں ہوا تھا۔ اس بنا پر امام موسیٰ بن عقبہ کا قول درست نہیں، یعنی ان کا یہ کہنا کہ غزوۂ مُرَیسیع یا غزوۂ بنو مصطلق ہجرت کے پانچویں سال ماہِ شعبان میں پیش آیا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 196 میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ پردے کا حکم ہجرت کے چوتھے سال ماہِ ذوالقعدہ میں فرض ہوا تھا۔ اس صورت میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''بعض اہلِ علم کے نزدیک پردے کا حکم ہجرت کے چوتھے سال ماہِ ذوالقعدہ میں فرض ہوا تھا، لہٰذا غزوۂ مُرَیسیع اس کے بعد پیش آیا ہوگا، اور اسی بنا پر راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا۔''

1- اس قول کے قائلین میں نمایاں شخصیات امام اہلِ مغازی محمد بن اسحاق ہیں، جیسا کہ السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 317 میں مذکور ہے۔ اسی طرح حافظ ابن عبد البر نے الدرر في اختصار المغازي والسير، صفحہ 200 میں، امام ابن حزم نے جوامع السیرۃ، صفحہ 121 میں، امام ابن الاثیر نے أسد الغابۃ، جلد پنجم، صفحہ 447 میں، اور حافظ ابن کثیر نے الفصول في سيرة الرسول، صفحہ 178 میں یہی قول اختیار کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس قول کے قائلین پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ صحیحین کی روایت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ انہوں نے واقعۂ افک کے بارے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بحث و تکرار کی تھی۔ اس بنا پر اس قول کے قائلین نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے ذکر کو راوی کی وہم قرار دیا ہے؛ کیونکہ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بنو قریظہ کے بعد وفات پا گئے تھے، اور غزوۂ بنو قریظہ غزوۂ خندق کے بعد ہجرت کے پانچویں سال پیش آیا تھا۔ حافظ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 328 میں ذکر کیا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جس صحابی نے بحث و تکرار کی تھی، وہ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح یہ اشکال دور ہو جاتا ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ جوامع السیرۃ، صفحہ 123 میں فرماتے ہیں: ''ہم نے صحیح سندوں کے ساتھ متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا اس معاملے میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ گفتگو اور بحث و تکرار ہوئی تھی۔ ہمارے نزدیک یہ راوی کا وہم ہے؛ کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بنو قریظہ کی فتح کے بعد وفات پا گئے تھے۔ اور ابن اسحاق نے زہری سے، انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ وغیرہ سے روایت کیا ہے

کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے بحث و تکرار کرنے والے دراصل حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ تھے۔ یہی صحیح بات ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جسے محفوظ رکھا، اس کے علاوہ بنی آدم میں سے کوئی بھی وہم و خطا سے محفوظ نہیں۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 186 میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''ان شاء اللہ معاملہ اسی طرح ہے، جیسا کہ انہوں نے کہا ہے۔''

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے الدرر في اختصار المغازي والسیر، صفحہ 202 میں بھی وہی قول اختیار کیا ہے جو امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔

اہم تنبیہ:

ابن سید الناس رحمہ اللہ عیون الأثر، جلد دوم، صفحہ 146 میں فرماتے ہیں: ''اس حدیث، یعنی اس واقعۂ افک کی حدیث جو غزوۂ مرَیسیع میں پیش آیا، میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اس کی طرف سے آپ کو جواب دوں گا۔ جبکہ ابن اسحاق کے ہاں اسی واقعے کی روایت میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا نام مذکور ہے۔ چنانچہ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ اس روایت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ذکر راوی کا وہم ہے، کیونکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ بنو قریظہ کا معاملہ ختم ہونے کے بعد وفات پا گئے تھے۔ ان کے نزدیک درست بات وہی ہے جو ابن اسحاق نے ذکر کی ہے کہ یہاں حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ اگر تمام اہلِ مغازی کا اس بات پر اتفاق ہوتا کہ غزوۂ خندق اور غزوۂ بنو قریظہ، غزوۂ بنو مصطلق سے پہلے پیش آئے تھے، تو جس شخص نے اس ترتیب کو تسلیم کیا ہے، اس کے لیے یہ وہم لازم قرار پاتا۔ لیکن اہلِ مغازی ان غزوات کی ترتیب کے بارے میں مختلف ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس اور دیگر غزوات کے ضمن میں گزر چکا ہے۔ میں نے حاکم ابو عبداللہ رحمہ اللہ کے ہاں دیکھا ہے کہ اس اختلاف کا سبب دراصل تاریخ کے تعین میں اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ تشریف آوری کا وقت ہے، جو بعض لوگوں کے نزدیک ربیع الاول میں تھا، یا اس سے مراد وہ سال ہے جس میں آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے، جیسا کہ دوسرے لوگوں کے نزدیک ہے۔ لیکن یہ بات دو وجوہ سے درست نہیں ہو سکتی:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ جس مدت میں اختلاف ہے، وہ صرف تقریباً تین ماہ کی ہے، یعنی سال کے آغاز سے ربیع الاول تک، جبکہ اختلاف کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ ہے؛ کیونکہ امام موسیٰ بن عقبہ کے نزدیک یہ غزوہ ہجرت کے چوتھے سال میں ہوا، جبکہ دوسرے اہلِ علم کے نزدیک ہجرت کے چھٹے سال ماہِ شعبان میں پیش آیا۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ اہلِ مغازی کے ہاں ان واقعات کی باہمی ترتیب بھی مختلف ہے؛ چنانچہ ابن سعد اور ایک جماعت کے نزدیک یہ غزوہ غزوۂ خندق سے پہلے ہوا، جبکہ ابن اسحاق اور دوسرے اہلِ علم کے نزدیک غزوۂ خندق کے بعد ہوا۔

اس غزوے کا سبب

رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچی کہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ابی ضرار نے اپنی قوم اور عرب کے ان لوگوں کو، جنہیں وہ جمع کر سکتا تھا، رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے جمع کر لیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ کو حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ وہ ان کے پاس گئے، حارث بن ابی ضرار سے ملاقات کی اور اس سے گفتگو کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ ﷺ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ (1)

نبی کریم ﷺ کا ان کی طرف روانہ ہونا

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اس غزوے کے لیے نکلنے کی ترغیب دی تو وہ فوراً روانہ ہونے لگے۔ آپ ﷺ کے ساتھ منافقین کی ایک بڑی تعداد بھی نکلی، جو اس سے پہلے کسی غزوے میں اس قدر تعداد میں شریک نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ ماہِ شعبان کی دو راتیں گزرنے کے بعد بروز پیر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جب حارث بن ابی ضرار اور اس کے ساتھیوں کو رسول اللہ ﷺ کے اپنی طرف روانہ

اور یہ اختلاف پہلے بیان کیے گئے اختلاف سے الگ ہے۔ رہا ابن سعد کا معاملہ، تو وہ ان واقعات کی تاریخیں سالوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ مہینوں کے اعتبار سے بیان کرتے ہیں۔

1- دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 281۔

ہونے کی خبر پہنچی تو وہ سخت خوف زدہ ہو گئے، اور عرب کے جو لوگ ان کے ساتھ جمع ہوئے تھے، وہ سب ان سے الگ ہو گئے۔[1]

کیا اس غزوے میں جنگ ہوئی تھی؟

رسول اللہ ﷺ مریسیع پہنچے۔ اس بات میں اختلاف ہے کہ آیا نبی کریم ﷺ نے اچانک حملہ کرنے سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی تھی یا نہیں۔

بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں دعوت نہیں دی؛ کیونکہ اسلام کی دعوت پہلے ہی ان تک پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت ابن عون رحمہ اللہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: میں نے حضرت نافع رحمہ اللہ کو خط لکھ کر ان سے جنگ سے پہلے دعوت[2] دینے کے بارے میں دریافت کیا[3]۔

انہوں نے فرمایا: نافع رحمہ اللہ نے مجھے لکھا کہ یہ حکم صرف اسلام کے ابتدائی دور میں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق پر اس وقت اچانک حملہ کیا جب وہ غافل تھے اور ان کے مویشی پانی پر پانی پلائے جا رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 317؛ الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 281۔

2- سندی رحمہ اللہ نے مسند کی شرح، جلد چہارم، صفحہ 71 میں فرمایا: ''یعنی اسلام کی دعوت کی طرف۔''

3- سندی رحمہ اللہ نے مسند کی شرح، جلد چہارم، صفحہ 71 میں فرمایا: ''یعنی جنگ سے پہلے دعوت دینا واجب ہے، اس طرح کہ دعوت دیے بغیر ان کے لیے جنگ کرنا جائز نہیں۔''

جنگجوؤں کو قتل کیا، ان کے اہل و عیال کو قیدی بنایا، اور اسی موقع پر حضرت جویریہ[1] بنت حارث رضی اللہ عنہا بھی قید ہوئیں۔ یہ حدیث مجھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کی تھی، اور وہ اس لشکر میں شامل تھے۔[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جن کافروں تک اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہو، ان پر پیشگی اطلاع دیے بغیر حملہ کرنا جائز ہے۔''[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے[4]۔ ایک جماعت، جن میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، اس بات کی قائل ہے کہ جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینا شرط ہے۔ جبکہ اکثر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم اسلام کی دعوت کے عام ہونے سے پہلے ابتدائی دور کے ساتھ خاص تھا۔ لہٰذا اگر ایسے لوگ ملیں جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی، تو انہیں دعوت دیے بغیر ان سے جنگ نہیں کی جائے گی۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اسی بات کی صراحت کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جس کی آبادی قریب ہو، اس پر اسلام کے مشہور

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 478 میں فرماتے ہیں: ''جُوَيْرِيَة'' تصغیر کے صیغے پر ہے۔ آپ حضرت حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ ''ضِرَار'' میں ضاد پر کسرہ اور راء پر تشدید نہیں بلکہ تخفیف ہے۔ آپ کے والد اپنی قوم کے سردار تھے، اور بعد میں اسلام لے آئے تھے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2541، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1730، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4857 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد دوازدہم، صفحہ 33۔

4- یعنی جنگ سے پہلے اسلام کی دعوت دینے کو شرط قرار دینا۔

ہونے کی وجہ سے دعوت دیے بغیر حملہ کیا جا سکتا ہے، اور جس کی آبادی دور ہو، تو اسے دعوت دینا شک وشبہ کو دور کرنے کا زیادہ مؤثر ذریعہ ہے۔"[1]

واقدی، ابن سعد اور ابن اسحاق رحمہم اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کو اسلام کی دعوت دی تھی اور دونوں فریقوں کے درمیان جنگ بھی ہوئی تھی۔ چنانچہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ مریسیع پہنچے، جہاں پانی کا چشمہ تھا۔ آپ ﷺ نے وہاں پڑاؤ ڈالا اور چمڑے کا ایک خیمہ نصب کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما بھی تھیں۔ بنو مصطلق پانی کے مقام پر جمع ہو چکے تھے اور انہوں نے جنگ کی تیاری کر رکھی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں درست فرمائیں، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کریں: 'لا إله إلا الله' کہو، اس کے ذریعے اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لو۔ لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ ان میں سے سب سے پہلے ایک شخص نے تیر چلایا، تو مسلمانوں نے بھی کچھ دیر تیروں سے مقابلہ کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے یکبارگی ایک شخص کی طرح حملہ کیا، جس کے نتیجے میں ان میں سے کوئی بھی بچ کر نہ نکل سکا۔ ان کے دس

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد ششم، صفحہ 209۔

آدمی قتل ہوئے اور باقی قیدی بنا لیے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مردوں، عورتوں، بچوں، اونٹوں اور بکریوں کو قیدی بنالیا۔"(1)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عبدالمؤمن بن خلف نے اپنی سیرت اور دیگر اہلِ علم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے، لیکن یہ وہم ہے؛ کیونکہ ان کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ان پر پانی کے مقام پر اچانک حملہ کیا اور ان کے بچوں اور اموال کو قیدی بنالیا، جیسا کہ صحیح حدیث میں مذکور ہے۔"(2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ان دونوں اقوال کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرمایا: "ممکن ہے کہ جب ان پر حملہ کیا گیا تو انہوں نے کچھ دیر تک مقابلہ کیا، لیکن جب ان میں قتل کی تعداد بڑھ گئی تو وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ان پر اس وقت اچانک حملہ کیا جب وہ پانی کے مقام پر موجود تھے، تو انہوں نے ثابت قدم رہتے ہوئے صف بندی کی اور دونوں گروہوں کے درمیان جنگ ہوئی، پھر اس کے بعد مسلمانوں کو ان پر غلبہ حاصل ہو گیا۔"(3)

میں کہتا ہوں: ابن سعد رحمہ اللہ کی یہ بات تعجب کے قابل ہے کہ انہوں نے اہلِ مغازی کی مرسل روایت کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی روایت پر ترجیح دی۔

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد چہارم، صفحات 47، 48؛ الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 281؛ سیرۃ ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 318۔

2- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 300۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 196۔

چنانچہ انہوں نے اہلِ مغازی کی وہ روایت ذکر کرنے کے بعد، جسے میں نے کچھ دیر پہلے بیان کیا ہے، فرمایا: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے تھے کہ نبی کریم ﷺ نے ان پر اس وقت اچانک حملہ کیا جب وہ غافل تھے اور ان کے مویشی پانی پر پانی پلائے جا رہے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا۔ اور پہلی روایت زیادہ ثابت اور مضبوط ہے۔''(1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں ابن سعد رحمہ اللہ کی اس بات پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ کہنا کہ سیرت و مغازی کی روایت، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مذکور روایت سے زیادہ ثابت ہے، قابلِ قبول نہیں، خصوصاً جبکہ دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے۔ واللہ اعلم۔''(2)

رسول اللہ ﷺ کا حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنے کے بعد ان سے نکاح فرمایا۔ ان کا واقعہ امام احمد نے اپنی مسند اور امام ابو داود نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے بنو مصطلق کے قیدیوں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ یا ان کے کسی چچازاد بھائی کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے ان سے مکاتبت کر

1- دیکھیں: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 281۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 197۔

لی۔ وہ نہایت خوب صورت اور حسین عورت تھیں، انہیں دیکھنے والا ہر شخص ان کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ وہ اپنی مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں مدد طلب کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! جب میں نے انہیں اپنے حجرے کے دروازے پر دیکھا تو مجھے ان کا آنا ناگوار گزرا، کیونکہ میں جان گئی تھی کہ رسول اللہ ﷺ بھی ان میں وہی حسن و جمال دیکھیں گے جو میں نے دیکھا ہے۔ پھر حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں جویریہ بنت حارث بن ابی ضرار ہوں، جو میری قوم کے سردار ہیں۔ مجھ پر ایسی مصیبت آئی ہے جس سے آپ بے خبر نہیں۔ میں ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی ہوں اور میں نے ان سے اپنے آپ کو آزاد کرانے کے لیے مکاتبت[1] کر لی ہے۔ اب میں اپنی مکاتبت کی رقم کی ادائیگی میں آپ سے مدد طلب کرنے کے لیے حاضر ہوئی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس سے بہتر چیز چاہتی ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہاری مکاتبت کی رقم ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں، اے اللہ کے رسول! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایسا ہی کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ

1- مکاتبت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام سے اس مال کے بدلے مکاتبت کرے جو وہ اسے قسطوں میں، یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرے، پھر جب وہ مقررہ مال ادا کر دے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ دیکھیں: النہایۃ، جلد چہارم، صفحہ 129۔

عنہا سے نکاح کر لیا ہے تو لوگوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قبضے میں موجود تمام قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے نکاح کی برکت سے بنو مصطلق کے ایک سو گھرانے آزاد ہوئے۔ میرے علم میں کوئی ایسی عورت نہیں جو اپنی قوم کے لیے حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ بابرکت ثابت ہوئی ہو۔[1]

منافقین کی جانب سے فتنہ برپا کرنے کی کوشش

پہلے گزر چکا ہے کہ اس غزوے میں منافقین کی ایک بڑی تعداد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلی تھی، جن میں منافقین کا سردار عبد اللہ بن اُبی بن سلول بھی شامل تھا۔ اس غزوے میں ان کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلنے کا مقصد مسلمانوں کے درمیان فتنہ وفساد برپا کرنا ہی تھا، اور ان کی وجہ سے کئی بڑے واقعات پیش آئے۔

اول: جاہلیت کی عصبیت کو ہوا دینا:

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوے[2] میں تھے

1- اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 26065، امام ابوداود نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3901 کے تحت روایت کیا ہے، اور امام حاکم نے المستدرک میں مختصراً حدیث نمبر 6902 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام احمد اور امام ترمذی کی روایت میں ہے کہ یہ غزوۂ بنو مصطلق کا واقعہ تھا۔

کہ ایک مہاجر [1] نے ایک انصاری [2] کو پیچھے سے لات ماردی۔ انصاری نے پکار کر کہا: اے انصار! اور مہاجر نے پکار کر کہا: اے مہاجرو! رسول اللہ ﷺ نے یہ آواز سنی تو فرمایا: یہ جاہلیت کے دور کی پکار کیسی ہے [3]؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات ماری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، کیونکہ یہ گندی اور بدبودار چیز ہے۔"[4]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی ایک دوسری روایت میں مزید یہ الفاظ ذکر کیے ہیں: "آدمی کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ اگر وہ ظالم ہو تو اسے ظلم سے روک دے، یہی اس کی مدد ہے، اور اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔"[5]

1- ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 318 میں اس شخص کا نام جہجاہ بن سعید ذکر کیا ہے۔ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اجیر تھے اور ان کا گھوڑا ہانکا کرتے تھے۔

2- ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 318 میں اس شخص کا نام سنان بن وَبَرہ جہنی ذکر کیا ہے۔

3- امام ابن القیم رحمہ اللہ مدارج السالکین، جلد سوم، صفحہ 131 میں فرماتے ہیں: "یہ دونوں نہایت معزز نام ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں انہیں موسوم فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی پکار سے منع فرمایا اور اس بات کی رہنمائی فرمائی کہ وہ مسلمانوں، مؤمنوں اور اللہ کے بندوں کے نام سے ایک دوسرے کو پکاریں۔ یہی ایک جامع پکار ہے، برخلاف ان پکاروں کے جو لوگوں کے درمیان تفریق پیدا کرتی ہیں، جیسے فلاں گروہ اور فلاں گروہ۔ پس اللہ ہی مددگار ہے۔"

4- حدیث کا معنی یہ ہے کہ جاہلیت کے دور کے نعرے اور پکار شرعاً مذموم، قابل اجتناب اور ناپسندیدہ ہیں، جیسے کسی بدبودار چیز سے بچا جاتا ہے۔ دیکھیں: لسان العرب، جلد چودہ، صفحہ 36؛ النہایۃ، جلد پنجم، صفحہ 12۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4905، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2584، 63 اور 6، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15223، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3602 کے تحت روایت کیا ہے۔

5- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2584 اور 62 کے تحت روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن اُبی بن سلول کا اس واقعے پر موقف:

جب عبداللہ بن اُبی بن سلول کو اس واقعے کی خبر پہنچی تو وہ غصے میں آ گیا اور ایک نہایت نامناسب بات کہی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے السیرۃ میں اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''عبداللہ بن اُبی بن سلول غصے میں آ گیا، اس وقت اس کی قوم کے کچھ لوگ اس کے پاس موجود تھے، جن میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اس وقت نو عمر نوجوان تھے۔ اس نے کہا: کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے؟ انہوں نے ہمارے مقابلے میں اپنی تعداد بڑھائی اور ہمارے ہی شہر میں ہم پر سبقت لے گئے۔ اللہ کی قسم! ہماری اور قریش کے ان لوگوں کی مثال تو بالکل اسی طرح ہے جیسے پہلے کسی شخص نے کہا تھا: 'اپنے کتے کو کھلا پلا کر پال پوس، وہی تمہیں کھا جائے گا۔' خبردار! اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو جو زیادہ عزت والا ہے، وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال باہر کرے گا۔ پھر وہ اپنی قوم کے جو لوگ اس کے پاس موجود تھے، ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا: یہ سب تم ہی نے اپنے ساتھ کیا ہے؛ تم نے انہیں اپنے ملک میں جگہ دی، اپنے مال میں انہیں شریک کیا۔ اللہ کی قسم! اگر تم ان کے ہاتھ میں موجود چیزیں روک لیتے تو وہ تمہارے علاوہ کسی دوسرے ٹھکانے کی طرف منتقل ہو جاتے۔''(1)

امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ

1- دیکھیں: سیرۃ ابن ہشام، جلد سوم، صفحات 318، 319۔

فرماتے ہیں: ''عبد اللہ بن اُبی بن سلول نے یہ بات سنی تو کہا: کیا واقعی انہوں نے ایسا کیا ہے[1]؟ اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ واپس پہنچے تو جو زیادہ عزت والا ہے، وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو، ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ باتیں کرنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں۔''[2]

حضرت زید بن ارقم[3] رضی اللہ عنہ کا اس سے متعلق خبر دینا

جب حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس منافق سے یہ بات سنی تو اپنے چچا[4] کے پاس گئے اور انہیں اس کی خبر دی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح

1- یعنی: کیا انہوں نے ایسا کیا ہے؟ مراد ہے: ایثار۔
یعنی: ہم نے انہیں ان چیزوں میں اپنے ساتھ شریک کیا جن میں ہم تھے، پھر انہوں نے چاہا کہ ان چیزوں پر ہم ہی کے مقابلے میں خود قابض ہو جائیں۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4905، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2584 اور 63، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3602 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 478 میں فرماتے ہیں: ''حضرت زید بن ارقم انصاری خزرجی رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سترہ غزوات میں شرکت کی۔ غزوۂ اُحد کے دن انہیں کم عمر ہونے کی وجہ سے چھوٹا سمجھا گیا اور انہیں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں ایک یتیم کی حیثیت سے رکھا گیا تھا۔ وہ غزوۂ مؤتہ میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ ان کے فضائل و مناقب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں منافقین کی بات کی اطلاع دینے کا واقعہ روایت کیا ہے۔''

4- امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر 5885 کے تحت حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور انہیں اس بات کی خبر دی۔

میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں ایک غزوے[1] میں موجود تھا۔ میں نے عبداللہ بن اُبی کو یہ کہتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ کے پاس جو لوگ ہیں، ان پر خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ آپ کے ارد گرد سے منتشر ہو جائیں۔ اور اگر ہم ان کے پاس سے واپس مدینہ پہنچے تو جو زیادہ عزت والا ہے، وہ ذلیل کو وہاں سے ضرور نکال دے گا۔ میں نے یہ بات اپنے چچا کو، یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو

پھر وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 639 میں فرماتے ہیں: ''حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ حقیقت میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے چچا نہیں تھے، بلکہ وہ ان کی قوم، یعنی خزرج کے سردار تھے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے حقیقی چچا حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ تھے، جو صحابی تھے، جبکہ ان کے والدہ کے شوہر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی قبیلۂ خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔''

1- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3601 کے تحت غزوۂ تبوک کا ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ہشتم، صفحہ 127 میں فرماتے ہیں: ''اس روایت میں غزوۂ تبوک کا ذکر محلِ نظر ہے، بلکہ یہ بات درست نہیں؛ کیونکہ عبداللہ بن اُبی بن سلول غزوۂ تبوک میں شریک ہونے والوں میں سے نہیں تھا، بلکہ وہ لشکر کے ایک گروہ کے ساتھ واپس لوٹ آیا تھا۔ اہلِ مغازی اور سیرت نگاروں کے نزدیک مشہور بات یہی ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ مریسیع میں پیش آیا تھا، جو غزوۂ بنو مصطلق ہی ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ **فتح الباری**، جلد ششم، صفحہ 638 میں فرماتے ہیں: ''اہلِ مغازی کے نزدیک یہی بات معروف ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ بنو مصطلق میں پیش آیا تھا۔'' اور صحیح بخاری، حدیث نمبر 4905 میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی واقعے کے ضمن میں روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب مہاجرین مدینہ منورہ آئے تو انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی، پھر بعد میں مہاجرین کی تعداد بڑھ گئی۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ **فتح الباری**، جلد نہم، صفحہ 645 میں فرماتے ہیں: ''یہ بات اس واقعے کے پہلے پیش آنے کی تائید کرتی ہے اور ان لوگوں کی غلط فہمی کو واضح کرتی ہے جن کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا؛ کیونکہ اس وقت مہاجرین کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی تھی، اور غزوۂ تبوک میں فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے افراد بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، اس طرح اس وقت مہاجرین کی تعداد انصار سے زیادہ تھی۔ واللہ اعلم۔''

بتائی [1]۔ انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ تک پہنچادی۔ آپ ﷺ نے مجھے بلایا، تو میں نے آپ ﷺ کو یہ واقعہ بیان کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن اُبی اور اس کے ساتھیوں کو بلا بھیجا۔ انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے میری بات کو جھوٹا سمجھا۔"[2]

اور صحیحین کی ایک دوسری روایت میں ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن اُبی کو بلایا اور اس سے پوچھا، تو اس نے پوری شدت کے ساتھ قسم کھائی کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ اور کہا: زید نے رسول اللہ ﷺ سے جھوٹ کہا ہے۔"[3]

اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ بات مجھے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے اس لڑکے نے ہی بتائی ہے۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے کر چل پڑے، پھر فرمایا: اس

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ **فتح الباری**، جلد نہم، صفحہ 639 میں فرماتے ہیں: "یہاں شک کے ساتھ یہ الفاظ ہیں، جبکہ آگے آنے والی دیگر تمام روایات میں بغیر کسی شک کے "میرے چچا سے" کے الفاظ ہیں۔"

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4899 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3599 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4903 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2772 کے تحت روایت کیا ہے۔

نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ عبد اللہ بن اُبی نے اسے ڈانٹا تھا۔ چنانچہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور رونے لگا، پھر میں نے عرض کیا: اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ پر نبوت نازل فرمائی! اس نے واقعی یہ بات کہی ہے۔"(1)

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مجھے ایسا غم لاحق ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میرے چچا نے مجھ سے کہا: تم نے ایسا کیوں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمہیں جھٹلا دیا اور تم سے ناراض ہو گئے؟"(2)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں وحی کا نزول

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہا تھا اور غم کی شدت سے میرا سر جھک رہا تھا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ نے میرے کان کو ملتے ہوئے میرے چہرے پر مسکراہٹ بکھیری۔ اس وقت مجھے اس کے بدلے دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا بھی ملتا تو وہ مجھے اتنا خوش کن نہ ہوتا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور پوچھا: رسول اللہ ﷺ نے تم سے کیا فرمایا؟ میں نے عرض کیا: آپ ﷺ نے مجھ سے کچھ نہیں فرمایا، سوائے اس کے کہ آپ ﷺ نے میرے کان کو ملا اور میرے چہرے پر مسکرائے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ! پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ میں نے ان سے بھی وہی بات کہی جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ

1- اسے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر 5805 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4900 اور 4904 کے تحت روایت کیا ہے۔

سے کہی تھی۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے سورۃ المنافقون کی تلاوت فرمائی۔"[1]

امام بخاری اور امام احمد رحمہما اللہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے مجھے بلوا بھیجا، یا میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل نے تمہاری معذرت نازل فرمادی ہے اور تمہاری بات کی تصدیق کر دی ہے۔" حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا﴾ سے لے کر ﴿لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ تک۔ (سورۃ المنافقون: 7-8)[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس کے کانوں کی بات کو سچ ثابت کر دیا۔"[3]

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3600 کے تحت روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4902 اور 4904، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 19120 اور 1995 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4986 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''یعنی اللہ تعالیٰ نے اس بات میں اس کی سچائی ظاہر فرمادی جس کے بارے میں انھوں نے خبر دی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سچائی کو واضح کر دیا''۔ (1)

واقعۂ اِفک

اسی غزوے کے دوران واقعۂ اِفک پیش آیا، جس کا بہتان ابنِ سلول، اللہ اسے رسوا کرے، اور اس کے ساتھ منافقین کے ایک گروہ نے ام المؤمنین، پاک دامن حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما پر لگایا تھا۔ اس واقعے کے بارے میں اللہ عزوجل نے سورۃ النور کی دس آیات نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ''بے شک جو لوگ یہ بہتان گھڑ کر لائے ہیں، وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہیں۔ تم اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر شخص کے لیے اتنا ہی گناہ ہے جتنا اس نے کمایا، اور ان میں سے جس نے اس بہتان کا بڑا حصہ اپنے ذمے لیا، اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔'' (سورۃ النور: 11، اور اس کے بعد کی آیات)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان آیات کے نزول کا سبب وہ طویل حدیثِ اِفک ہے جسے ائمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعے کے ضمن میں

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 646۔

روایت کیا ہے۔ یہ ایک صحیح اور مشہور روایت ہے، جس کی شہرت اسے ذکر کرنے سے مستغنی کر دیتی ہے"۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ تمام دس آیات (2) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی تھیں، جب منافقین میں سے بہتان اور افتراء کرنے والوں نے ان پر سراسر جھوٹ اور بہتان باندھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی خاطر اس معاملے میں غیرت فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِنْكُمْ﴾ یعنی ''بے شک جو لوگ یہ بہتان گھڑ کر لائے ہیں، وہ تم ہی میں سے ایک گروہ ہیں۔'' اس سے مراد ایک جماعت ہے، یعنی وہ ایک یا دو افراد نہیں، بلکہ ایک گروہ تھا۔ اس لعنت کا سرغنہ عبداللہ بن اُبی بن سلول تھا، جو منافقین کا سردار تھا۔ وہ اس بہتان کو پھیلاتا اور اسے خوب اچھالتا رہا، یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی یہ بات گھر کر گئی۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کا چرچا کیا اور بعض دوسروں نے اسے ممکن سمجھ لیا۔ تقریباً ایک ماہ تک معاملہ اسی طرح چلتا رہا، یہاں تک کہ قرآن نازل ہوا۔ اس واقعے کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے"۔ (3)

1- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد پانزدہم، صفحہ 161۔

2- سورۃ النور: (آیات 11 تا 22)۔

3- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ششم، صفحہ 19۔

وفد عرینہ کی آمد

قبیلہ عُکل [1] اور عُرَینہ [2] کے چند افراد مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ واقعہ ہجرت کے چھٹے سال [3] ماہِ شوال میں پیش آیا۔ انہوں نے اسلام کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، لیکن مدینہ منورہ کی آب وہوا انہیں موافق نہ آئی [4]، جس کی وجہ سے ان کے جسم بیمار ہو گئے، ان کے پیٹ پھول گئے اور ان کے اعضا میں سوزش اور تکلیف (کمزوری) پیدا ہو گئی۔ [5]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''ظاہر یہی ہے کہ وہ بیمار ہو کر مدینہ منورہ آئے تھے۔ پھر جب بیماری سے صحت یاب ہوئے تو مدینہ منورہ کی آب و ہوا کی ناموافقت کی وجہ سے وہاں قیام کرنا ناپسند کیا۔ جہاں تک اس بیماری کا تعلق ہے جس میں وہ مبتلا تھے، تو اس سے مراد شدید کمزوری اور بھوک کی شدت سے پیدا ہونے والی نڈھال پن کی کیفیت تھی۔ ابو عوانہ میں غیلان کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ **فتح الباری**، جلد اول، صفحہ 449 میں فرماتے ہیں: ''عُکل، عین پر پیش اور کاف ساکن کے ساتھ، قبیلۂ تیم الرباب کی ایک شاخ ہے۔''

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ **فتح الباری**، جلد اول، صفحہ 449 میں فرماتے ہیں: ''عُرَینہ، عین پر پیش کے ساتھ اور تصغیر کے صیغے پر، قبیلہ بجیلہ کا ایک قبیلہ ہے۔''

3- یہ ان کی آمد کی تاریخ ہے جو امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی **طبقات**، جلد دوم، صفحہ 296 میں ذکر کی ہے۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ان کی آمد غزوۂ ذی قَرَد کے بعد ہوئی تھی، اور ان کے نزدیک غزوۂ ذی قَرَد ہجری کے چھٹے سال جمادی الآخرہ میں پیش آیا تھا۔

4- یعنی انہیں **جَوَی** لاحق ہوا، اور اس سے مراد بیماری اور پیٹ کی وہ بیماری ہے جو طویل عرصے تک جاری رہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کسی جگہ کی آب وہوا انسان کو موافق نہ آئے۔ دیکھیں: **النہایہ**، جلد اول، صفحہ 307۔

5- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14086 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

روایت کے مطابق ان میں شدید کمزوری تھی، اور ابن سعد کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "عُکل اور عُرَینہ کے کچھ لوگ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام کا اظہار کیا[2]۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم مویشی پالنے والے لوگ ہیں، ہم شہری لوگ نہیں ہیں[3]۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی آب و ہوا انہیں موافق نہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے چند اونٹ اور ایک چرواہا مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کے ساتھ باہر چلے جائیں اور ان کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ وہ روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ جب وہ حرّہ[4] کے ایک علاقے میں پہنچے تو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گئے، نبی کریم ﷺ کے چرواہے[5] کو قتل کر دیا اور

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد اول، صفحہ 450۔

2- صحیح بخاری، حدیث نمبر 6899، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 1671 اور 10 کی ایک دوسری روایت میں ہے: "پس انہوں نے آپ ﷺ سے اسلام پر بیعت کی۔" اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 1671 اور 13 کی ایک دوسری روایت میں ہے: "پس وہ اسلام لے آئے اور آپ ﷺ سے بیعت کی۔"

3- امام ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول، جلد سوم، صفحہ 490 میں فرماتے ہیں: "ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم مویشی پالنے والے اور بدوی لوگ ہیں، ہم شہروں اور آبادیوں میں رہنے والے نہیں ہیں، بلکہ ہماری گزر بسر دودھ سے ہوتی ہے۔"

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 453 میں فرماتے ہیں: "حرّہ ایسے علاقے کو کہتے ہیں جہاں سیاہ پتھروں والی زمین ہو، اور یہ مدینہ منورہ میں ایک معروف مقام ہے۔"

5- نبی کریم ﷺ کے مقتول چرواہے کا نام یسار تھا، جیسا کہ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 297 میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 452 میں فرماتے ہیں: "بخاری کی روایات میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ مقتول نبی کریم ﷺ کا چرواہا تھا اور اس کا ذکر واحد کے صیغے کے ساتھ آیا ہے۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں

اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے تعاقب میں ایک دستہ [1] روانہ فرمایا۔ جب انہیں گرفتار کر کے لایا گیا تو آپ ﷺ کے حکم سے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیر دی گئیں [2]، ان کے

بھی یہی ہے۔ البتہ ان کے ہاں عبدالعزیز بن صہیب کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے: ''پھر وہ چرواہوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں قتل کر دیا''، یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح ابن حبان کی حضرت یحییٰ بن سعید کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت میں بھی یہی مفہوم ہے۔ اس کی ایک توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ صدقے کے اونٹوں کے کئی چرواہے تھے، چنانچہ انہوں نے ان میں سے بعض کو، نبی کریم ﷺ کے اونٹوں کے چرواہے کے ساتھ، قتل کر دیا ہو۔ اس بنا پر بعض راویوں نے صرف نبی کریم ﷺ کے چرواہے کا ذکر کیا، جبکہ بعض نے اس کے ساتھ دوسرے چرواہوں کا بھی ذکر کیا۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ بعض راویوں نے واقعے کو معنی کے اعتبار سے بیان کیا ہو اور جمع کا صیغہ استعمال کرنے میں توسع سے کام لیا ہو۔ یہی احتمال زیادہ راجح ہے؛ کیونکہ اہلِ مغازی میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے یسار کے علاوہ کسی اور کو قتل کیا تھا۔ واللہ اعلم۔''

1- صحیح مسلم، حدیث نمبر 1671 اور 13 کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس انصار کے تقریباً تیس نوجوان موجود تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں روانہ فرمایا اور ان کے ساتھ ایک ماہر تعاقب شخص بھی بھیجا جو ان لوگوں کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتا تھا۔'' میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ نے ان پر حضرت کُرز بن جابر الفہری رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا تھا۔ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 297 میں، اور اکثر سیرت نگاروں نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 452 میں فرماتے ہیں: ''کُرز، کاف پر پیش، راء ساکن اور اس کے بعد زاء کے ساتھ ہے۔'' امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 11، صفحہ 130 میں فرماتے ہیں: ''قائف وہ شخص ہے جو قدموں کے نشانات وغیرہ کا پیچھا کرتا ہے۔''

2- امام ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول، جلد سوم، صفحہ 491 میں فرماتے ہیں: ''اس سے مراد یہ ہے کہ لوہے کی کیلوں کو گرم کیا جائے اور ان کے ذریعے آنکھوں میں سرمہ لگایا جائے تاکہ ان کی بینائی جاتی رہے۔ جب کسی کی آنکھ کو گرم لوہے سے پھوڑ دیا جائے تو کہا جاتا ہے: ''سُمِلَتْ عَيْنُهُ''۔ اور صحیح بخاری، حدیث نمبر 3018 کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر آپ ﷺ نے کیلیں منگوائیں، انہیں گرم کیا گیا اور ان کے ذریعے ان کی آنکھوں میں پھیر دیا گیا۔''

ہاتھ کاٹ دیے گئے اور انہیں حرّہ کے ایک جانب چھوڑ دیا گیا، یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر گئے۔"(1)

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"چنانچہ وہ روانہ ہوئے اور ان اونٹوں کے پیشاب اور دودھ پیا تو صحت یاب ہو گئے۔ پھر انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹوں کو ہانک کر لے گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے ان کے تعاقب میں لوگ روانہ فرمائے۔ چنانچہ انہیں جا لیا گیا اور پکڑ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ کے حکم سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں، پھر انہیں دھوپ میں ڈال دیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔"(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کی آنکھیں اسی لیے پھوڑوائی تھیں کہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھیں پھوڑ دی تھیں۔"(3)

ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان لوگوں نے چوری کی، قتل کیا، ایمان لانے کے بعد کفر کیا، اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کی۔"(4)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4192 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 6899، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1671 اور 10 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1601 اور 14 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو قلابہ رحمہ اللہ سے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 233 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پس ان کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا، وہ قصاص کے طور پر تھا۔ واللہ اعلم۔''(1)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ اس واقعے کے بارے میں اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے۔''(سورۃ المائدہ: 33)(2)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگوں نے اس آیت کے سببِ نزول کے بارے میں اختلاف کیا ہے، تاہم جمہور کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت عُرَنیین کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔''(3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین اور ان کے علاوہ ان تمام لوگوں کے لیے عام ہے جو ان صفات کا ارتکاب کریں۔''(4)

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، صفحہ 97۔

2- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 4366، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر 1810 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: تفسیر قرطبیؒ، جلد ہفتم، صفحہ 431۔

4- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، صفحہ 95۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس واقعے میں فقہی مسائل میں سے یہ امور ہیں:

اولاً: اونٹ کے پیشاب کو پینے کا جواز۔

ثانیاً: جن جانوروں کا گوشت کھانا جائز ہے، ان کے پیشاب کی طہارت۔

ثالثاً: محارب کے لیے، -جب وہ مال بھی لے اور قتل بھی کرے-، ہاتھ اور پاؤں کاٹنے اور اسے قتل کرنے، دونوں سزاؤں کو جمع کرنا۔ اور یہ کہ مجرم کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کیا جائے جیسا اس نے کیا تھا؛ کیونکہ جب انہوں نے چرواہے کی آنکھیں پھوڑ دی تھیں تو ان کی آنکھیں بھی پھوڑ دی گئیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ یہ واقعہ اپنے حکم کے اعتبار سے برقرار ہے، منسوخ نہیں ہوا، اگرچہ یہ حدود کے نازل ہونے سے پہلے پیش آیا تھا۔ حدود کا نزول بھی اس واقعے کے حکم کو برقرار رکھتے ہوئے ہوا، اسے منسوخ کرنے کے لیے نہیں۔ واللہ اعلم۔''(1)

غزوۂ حدیبیہ (2)

غزوۂ حدیبیہ ہجرت کے چھٹے سال ماہِ ذوالقعدہ میں، بالاتفاق پیش آیا۔

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 33۔

2- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 144 میں فرماتے ہیں: ''حدیبیہ، حاء پر پیش، دال پر زبر اور یاء کو مخفف پڑھنے کے ساتھ ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ، اہلِ لغت اور بعض محدثین نے اسی طرح کہا ہے، جبکہ اکثر محدثین یاء کو مشدد پڑھتے ہیں۔ یہ دونوں معروف وجوہ ہیں۔''

امام ابن اثیر رحمہ اللہ النہایہ، جلد اول، صفحہ 337 میں فرماتے ہیں: ''حدیبیہ ایک کنواں تھا، پھر بعد میں اس پورے مقام کو اسی نام سے پہچانا جانے لگا۔''

میں کہتا ہوں: اس واقعے کے نام کے بارے میں درج ذیل اختلاف پایا جاتا ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کے لیے غزوۂ حدیبیہ کا عنوان قائم کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 552، اور الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 186 میں اسے غزوۂ حدیبیہ کا عنوان دیا ہے۔ جبکہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 336 میں اسے امرِ حدیبیہ، امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے تاریخ الطبری، جلد دوم، صفحہ 115، اور امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 338 میں قصۂ حدیبیہ کا عنوان دیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے الدرر فی اختصار المغازی والسیر، صفحہ 204، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد چہارم، صفحہ 90 میں اسے عمرۂ حدیبیہ کا نام دیا ہے۔

شیخ حافظ حکمی رحمہ اللہ اپنی کتاب مرویات غزوۃ الحدیبیہ، صفحات 14-15 میں ان تمام عنوانات کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''ان عنوانات کے تفصیلی مطالعے اور غور و فکر کے بعد میری رائے میں اس واقعے کے لیے موزوں عنوان غزوۂ حدیبیہ ہے، اور اس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

اول: یہ عنوان اہلِ سیرت اور محدثین کی اصطلاح کے مطابق ہے۔ امام زرقانی رحمہ اللہ شرح المواہب، جلد دوم، صفحہ 220 میں فرماتے ہیں: ''محدثین اور اہلِ سیرت کی عادت اور اصطلاح عموماً یہ ہے کہ جس لشکر میں نبی کریم ﷺ بنفسِ نفیس تشریف لے گئے ہوں، اسے غزوہ کہتے ہیں، اور جس میں آپ ﷺ خود شریک نہ ہوئے ہوں، بلکہ اپنے بعض صحابہ کو دشمن کی طرف روانہ فرمایا ہو، اسے سریہ یا بعث کہتے ہیں۔''

دوم: لفظ ''غزوہ'' میں گہرے مفاہیم اور لطیف اشارے پائے جاتے ہیں، جو ایک مسلمان کے احساسات میں اس واقعے کو خاص اہمیت دیتے ہیں، جبکہ ''قصہ'' اور ''امر'' کے الفاظ میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی۔ مزید یہ کہ لفظ ''غزوہ'' رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے ساتھ خاص طور پر وابستہ ہو چکا ہے۔ جب کوئی شخص یہ لفظ سنتا ہے تو اس کا تصور ان پے در پے آنے والی نسلوں سے آگے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے نیک صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان سرگرمیوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جن کے ذریعے وہ ظالموں اور ان کے پیروکاروں کو لرزا دیتے تھے۔

سوم: یہ عنوان اس واقعے میں رسول اللہ ﷺ کی تمام سرگرمیوں کو شامل ہے، جو آپ ﷺ کے عمرے کے احرام باندھنے سے شروع ہوئیں، پھر بیعت اور صلح کے مراحل سے گزرتی ہوئی مدینہ منورہ واپسی پر مکمل ہوئیں۔

چہارم: متعدد احادیث میں صراحت موجود ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس واقعے کو ''غزوہ'' کہا کرتے تھے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نافع سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حدیبیہ کا واقعہ ہجرت کے چھٹے سال، ماہِ ذوالقعدہ میں، رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کے بعد پیش آیا۔''(1)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہی صحیح قول ہے، اور اسی کو امام زہری، امام قتادہ، موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق بن یسار رحمہم اللہ اور دیگر اہلِ علم نے اختیار کیا ہے۔''(2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ حدیبیہ ہجرت کے چھٹے سال ماہِ ذوالقعدہ میں بالاتفاق پیش آیا۔''(3)

غزوۂ حدیبیہ کا سبب

رسول اللہ ﷺ نے خواب(4) میں دیکھا کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ امن وامان کی حالت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں، اس

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد چہارم، صفحہ 91۔

2- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد چہارم، صفحہ 91۔

3- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 552۔

4- انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں؛ امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 3655 کے تحت حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔''

امام ابن قیم رحمہ اللہ مدارج السالکین، جلد اول، صفحہ 83 میں فرماتے ہیں: ''انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں، کیونکہ وہ شیطان کے دخل سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اس بات پر امت کا اتفاق ہے۔ اسی لیے حضرت خلیل علیہ السلام نے خواب کی بنا پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا اقدام کیا تھا۔''

حال میں کہ بعض نے اپنے سر منڈوائے ہوئے ہیں اور بعض نے بال ترشوائے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خواب سنایا تو وہ اس سے بہت خوش ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہونے کی دعوت دی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ کریم میں اس خواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ ''یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا، ان شاء اللہ تم ضرور مسجدِ حرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوگے، اپنے سر منڈوائے ہوئے اور بال ترشوائے ہوئے، تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ پس اللہ نے وہ کچھ جان لیا جو تم نہیں جانتے تھے، چنانچہ اس نے اس سے پہلے ایک قریب کی فتح عطا فرمادی۔'' (سورۃ الفتح: 27)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿لَا تَخَافُونَ﴾ میں معنوی اعتبار سے تاکید پائی جاتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام میں داخل ہوتے وقت ان کے لیے امن وامان ثابت فرمایا، اور اس شہر میں قیام کے دوران کسی سے خوف نہ ہونے کی نفی فرمائی، یعنی وہ وہاں کسی سے خوف زدہ نہیں ہوں گے۔ یہ واقعہ عمرۃ القضاء کا ہے، جو ہجرت کے ساتویں سال ماہِ ذوالقعدہ میں پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ ذوالقعدہ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ پہنچ کر ذوالحجہ اور محرم کے مہینے وہاں قیام فرمایا۔ پھر جب ساتویں سال ذوالقعدہ کا مہینہ آیا تو

آپ ﷺ اہلِ حدیبیہ کے ساتھ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا اور اپنے ساتھ قربانی کے جانور بھی لے گئے۔"(1)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہونے والوں کی تعداد

رسول اللہ ﷺ ہجرت کے چھٹے سال ماہِ ذوالقعدہ کے آغاز میں پیر کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ مہاجرین اور انصار میں سے اکثر کے قول کے مطابق آپ ﷺ کے ساتھ ایک ہزار چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ شیخین نے اپنی صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حدیبیہ کے دن ہماری تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔"(2)

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد ہفتم، صفحہ 356۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4840، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3806 اور 67 کے تحت روایت کیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: حدیبیہ کے دن ہماری تعداد ایک ہزار پانچ سو تھی۔ اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3576 اور 4152، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1856، 72 اور 73 کے تحت روایت کیا ہے۔ ایک اور روایت میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک ہزار تین سو تھی۔ اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4155، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1857 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ **دلائل النبوۃ**، جلد چہارم، صفحہ 240 میں فرماتے ہیں: "اکثر حفاظِ حدیث و راویوں کا قول یہ ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔" امام نووی رحمہ اللہ **تہذیب الاسماء واللغات**، جلد سوم، صفحہ 145 میں فرماتے ہیں: "اور اکثر روایات کے مطابق اہلِ حدیبیہ کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی، اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو۔" امام ابن قیم رحمہ اللہ

رسول اللہ ﷺ کا میقات سے احرام باندھنا

رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ صرف مسافروں کا ہتھیار لے کر روانہ ہوئے، جو نیاموں میں رکھی ہوئی تلواریں تھیں۔ آپ ﷺ اپنے ساتھ ستر قربانی کے اونٹ بھی لے گئے، جن میں ابو جہل کا اونٹ بھی شامل تھا، جس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا، تاکہ اس کے ذریعے مشرکین کو غصہ دلائیں۔ آپ ﷺ نے یہ قربانی کے اونٹ حضرت ناجیہ بن جندب خزاعی اسلمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجے۔ جب رسول اللہ ﷺ ذوالحلیفہ [1] کے میقات پر پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے، پھر ان کے کوہان پر نشان لگایا اور عمرے کا احرام باندھ لیا۔

زادالمعاد، جلد سوم، صفحہ 339 میں فرماتے ہیں: ''اور دل اسی قول کی طرف زیادہ مائل ہے، یعنی ان کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ یہی حضرت براء بن عازب، حضرت معقل بن یسار اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی دونوں روایات میں سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔''

میں کہتا ہوں: مسند امام احمد، حدیث نمبر 18910، اور السیرۃ النبویۃ لابن اسحاق، جلد سوم، صفحہ 337 میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے سندِ حسن کے ساتھ روایت ہے کہ انہوں نے کہا: ''لوگوں کی تعداد سات سو آدمیوں کی تھی۔''

امام ابن حزم رحمہ اللہ جوامع السیرۃ، صفحہ 123 میں فرماتے ہیں: ''یہ یقیناً بہت بڑی غلطی ہے، اور بلاشک صحیح بات یہ ہے کہ ان کی تعداد ایک ہزار تین سو سے ایک ہزار پانچ سو کے درمیان تھی۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد ہفتم، صفحہ 331 میں فرماتے ہیں: ''ابن اسحاق نے اسی طرح کہا ہے، اور یہ ان کی غلطیوں میں شمار ہوتا ہے؛ کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں محفوظ روایت یہ ہے کہ ان کی تعداد بارہ سو سے کچھ زیادہ تھی۔''

1- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 203 میں فرماتے ہیں: ''ذوالحلیفہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے، اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کی عزت و شرف میں اضافہ فرمائے۔ ذوالحلیفہ میں حاء مہملہ پر ضمہ، لام پر فتحہ اور یاء ساکن ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مسور بن مخرمہ اور مروان سے روایت کیا ہے، دونوں نے بیان کیا: ''نبی کریم ﷺ حدیبیہ کے زمانے میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بارہ سو سے کچھ زیادہ افراد کے ساتھ روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ ذوالحلیفہ پہنچے تو نبی کریم ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنائے، ان کے کوہان پر نشان لگایا اور عمرے کا احرام باندھ لیا۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے سال ابوجہل کے اس اونٹ کو بھی قربانی کے جانوروں میں شامل کیا تھا جو غزوۂ بدر کے موقع پر حاصل ہوا تھا۔ اس کی ناک میں چاندی کا ایک حلقہ تھا۔ آپ ﷺ نے اسے قربانی کے جانوروں میں اس لیے شامل کیا تھا تاکہ اس کے ذریعے مشرکین کو غصہ دلائیں۔''(2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1694 اور 659 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2362، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1749، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 1733 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کی خبر معلوم کرنے کے لیے حضرت بُسر[1] بن سفیان خزاعی رضی اللہ عنہ کو اپنے آگے جاسوس کے طور پر بھیجا، تاکہ وہ قریش کے حالات کی خبر لا کر آپ ﷺ کو آگاہ کریں۔[2]

قریش کے لشکر کا مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے جمع ہونا

رسول اللہ ﷺ سفر کرتے ہوئے آگے بڑھے، یہاں تک کہ غدیر الاشطاط کے مقام پر پہنچے۔ وہاں آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے خزاعی جاسوس آپ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا: ''قریش نے آپ کے مقابلے کے لیے بہت سے لشکر جمع کر لیے ہیں، اور انہوں نے احابیش[3] کو بھی جمع کر لیا ہے۔ وہ آپ سے جنگ کریں گے، آپ کو بیت اللہ سے روکیں گے اور آپ کو وہاں جانے سے باز رکھیں گے۔''[4]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، دونوں نے بیان کیا: ''جب رسول اللہ ﷺ عسفان[5]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 680 میں فرماتے ہیں: ''بُسر، باء پر ضمہ اور سین ساکن کے ساتھ، صحیح قول کے مطابق ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4178 اور 4179 کے تحت روایت کیا ہے۔ تاہم صحیح بخاری میں اس جاسوس کا نام مذکور نہیں ہے، جبکہ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 337 میں ان کا نام ذکر کیا ہے۔

3- احابیش سے مراد وہ قبائل اور گروہ ہیں جو باہم مل کر ایک دوسرے کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، اسی وجہ سے انہیں احابیش کہا گیا۔ اور تَحَبُّش کے معنی جمع ہونے اور باہم اکٹھا ہونے کے ہیں۔ دیکھیں: النہایۃ، جلد اول، صفحہ 319۔

4- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4178 اور 4179، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18928 کے تحت روایت کیا ہے۔

5- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4178 اور 4179، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18928 کے تحت روایت کیا ہے۔

کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ کی ملاقات بُسر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قریش کو آپ کے سفر کی خبر ہوگئی ہے، چنانچہ وہ اپنے ساتھ دودھاری اونٹنیوں[1] کو بھی لے کر نکلے ہیں۔ انہوں نے چیتوں کی کھالیں پہن رکھی ہیں اور اللہ سے عہد کیا ہے کہ وہ آپ کو کبھی بھی بزورِ شمشیر مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اور یہ خالد بن ولید ہے جو اپنے سواروں کے ساتھ ان کے لشکر میں ہے اور وہ سب سے آگے کراع الغمیم[2] تک پہنچ چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قریش پر افسوس ہے! جنگ نے انہیں کھا لیا ہے۔ ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ میرے اور باقی لوگوں کے درمیان راستہ چھوڑ دیتے؟ اگر وہ مجھے قتل کر دیتے تو ان کی خواہش پوری ہو جاتی، اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے ان پر غلبہ عطا فرماتا تو وہ اسلام میں داخل ہو جاتے، جبکہ ان کی قوت بھی برقرار رہتی۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اپنی قوت کے ساتھ جنگ کرتے۔ آخر قریش کیا سمجھتے ہیں؟ اللہ کی قسم! میں اس مقصد کے لیے ان سے مسلسل جہاد کرتا رہوں گا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا یہ گردن تن سے جدا ہو جائے۔"[3]

1- اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ دودھ دینے والی اونٹنیاں لے کر نکلے تھے، تاکہ ان کے دودھ سے زادِ سفر حاصل کرتے رہیں اور جب تک رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک نہ دیں، واپس نہ لوٹیں۔ دیکھیں: فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 686۔

2- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 460 میں فرماتے ہیں: کُراع، کاف پر ضمہ کے ساتھ، اور غمیم، غین پر فتحہ اور میم پر کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی ہے، اور مکہ مکرمہ سے تقریباً دو منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔ کیا تمہاری رائے ہے کہ ہم ان لوگوں کے اہل و عیال اور بچوں کی طرف چلیں جو ہمیں بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں؟ اگر وہ ہمارے مقابلے میں آئیں گے تو اللہ عزوجل مشرکین کے ایک اہم گروہ کو ختم کر دے گا، اور اگر وہ نہ آئے تو ہم انہیں اس حال میں چھوڑ دیں گے کہ وہ شکست خوردہ اور بے بس ہوں گے۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت میں، جو سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے مشورہ دو، کیا تمہاری رائے ہے کہ ہم ان لوگوں کے اہل و عیال کی طرف چلیں جنہوں نے ان کی مدد کی ہے اور انہیں نقصان پہنچائیں؟ اگر وہ بیٹھے رہیں تو وہ شکست خوردہ اور بے بس ہو کر بیٹھیں گے، اور اگر وہ ہمارے مقابلے میں آئیں گے تو یہ ایک ایسی جماعت ہو گی جسے اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا۔ یا تمہاری رائے یہ ہے کہ ہم بیت اللہ کی طرف چلیں، پھر جو شخص ہمیں وہاں جانے سے روکے، ہم اس سے جنگ کریں؟''(2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کیا وہ ان لوگوں کے خلاف کارروائی کریں جنہوں نے قریش کی مدد کی تھی، اور ان کے ٹھکانوں کی طرف جا کر ان کے اہل و

1- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4178 اور 4079 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18928 کے تحت روایت کیا ہے۔

عیال کو قیدی بنالیں۔ اگر وہ اپنے لوگوں کی مدد کے لیے آتے تو وہ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ قریش سے نمٹنے کے لیے الگ ہو جاتے۔ اور یہی آپ ﷺ کے اس فرمان کا مطلب ہے: ''یہ ایک ایسی جماعت ہو گی جسے اللہ تعالیٰ ختم کر دے گا۔''(1)

چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اس گھر کا قصد کر کے نکلے ہیں، آپ کا ارادہ کسی کو قتل کرنا اور نہ کسی سے جنگ کرنا ہے۔ لہٰذا آپ بیت اللہ ہی کی طرف متوجہ ہوں، پھر جو شخص ہمیں اس سے روکے گا، ہم اس سے جنگ کریں گے۔''(2)

امام احمد رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت میں، جو سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! ہم تو صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں، ہم کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے۔ البتہ جو شخص ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گا، ہم اس سے جنگ کریں گے۔''(3)

حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ہم بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی طرح نہیں ہوں گے جنھوں نے اپنے نبی سے کہا تھا: آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ

1- فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 681۔

2- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4177 اور 4179 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18928 کے تحت روایت کیا ہے۔

فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾(المائدہ:24)اس کے بر خلاف حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ کریں، ہم آپ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے والے ہیں۔''(1)

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو۔(2)

رسول اللہ ﷺ کا حدیبیہ میں قیام

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ دائیں جانب کا راستہ اختیار کریں، جو حمض کے درمیان سے گزرتا تھا اور ثنیۃ المرار(3) کے راستے سے ہوتا ہوا حدیبیہ کے نچلے حصے اور مکہ مکرمہ کی طرف نکلتا تھا۔ چنانچہ لشکر نے اسی راستے کو اختیار کیا۔ جب قریش کے گھڑ سواروں نے لشکر کی گرد و غبار دیکھی اور محسوس کیا کہ مسلمان ان کے راستے سے ہٹ کر دوسرے راستے پر جا رہے ہیں تو وہ واپس قریش کے پاس لوٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ آگے بڑھتے رہے، یہاں تک کہ ثنیۃ المرار کے راستے پر پہنچ

1- اسے ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد چہارم، صفحہ 521 میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلۃ الصحیحہ، جلد ہفتم، حصہ دوم، صفحات 1021 اور 1022 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: ''یہ سندِ مرسل صحیح ہے۔'' حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد سوم، صفحہ 79 میں فرماتے ہیں: ''اگر یہ روایت محفوظ ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے دن پیش آیا تھا تو اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بھی یہی بات دہرائی ہو، جیسے انہوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر یہ بات کہی تھی۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4178 اور 4179 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- ثنیہ پہاڑ میں موجود بلند راستے کو کہتے ہیں۔ دیکھیں: النہایۃ، جلد اول، صفحہ 220۔

مرار، میم پر کسرہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان، حدیبیہ کے راستے میں واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیں: النہایۃ، جلد اول، صفحہ 220۔

گئے[1]۔اس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''جو شخص اس گھاٹی، یعنی ثنیۃ المرار پر چڑھے گا، اس سے وہ بوجھ اتار دیا جائے گا جو بنی اسرائیل سے اتارا گیا تھا[2]۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سب سے پہلے ہمارے گھوڑے، یعنی بنو خزرج کے گھوڑے، اس پر چڑھے، پھر دوسرے لوگ بھی یکے بعد دیگرے چڑھ گئے[3]۔

جب رسول اللہ ﷺ ثنیۃ المرار پر پہنچے، جو وہ گھاٹی تھی جہاں سے نیچے اتر کر حدیبیہ کی طرف جایا جاتا تھا، تو آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا: ''حل، حل![4]'' یعنی اسے اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ اپنی جگہ سے نہ اٹھی۔ لوگوں نے کہا: ''قصواء تو اڑیل ہو گئی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قصواء اڑیل نہیں ہوئی، اور نہ ہی یہ اس کی عادت ہے، بلکہ اسے اسی ذات نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک

1- اس واقعے کو اس قدر تک امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

2- ابن اثیر رحمہ اللہ النہایۃ، جلد اول، صفحہ 220 میں فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس گھاٹی پر چڑھنے کی ترغیب اس لیے دی کہ یہ ایک دشوار گزار چڑھائی تھی اور وہ رات کے وقت وہاں پہنچے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اس پر چڑھنے کی ترغیب دلائی۔ بنی اسرائیل سے جو چیز اتاری گئی تھی، اس سے مراد ان کے گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ﴾ اور کہو: ہمارے گناہ معاف فرما، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ (البقرہ: 58)

3- اس واقعے کو اس قدر تک امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2888 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 682 میں فرماتے ہیں: ''حل حل، حاء پر فتحہ اور لام ساکن کے ساتھ ہے۔ یہ وہ کلمہ ہے جو اونٹنی کو چلنے سے رک جانے کی صورت میں اسے چلانے کے لیے کہا جاتا ہے۔''

دیا تھا[1]۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریش مجھ سے جو ایسی تجویز پیش کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی تعظیم ہو گی[2]، میں اسے ضرور قبول کر لوں گا۔''[3]

ایک دوسری روایت میں، جو مسند میں سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! آج قریش مجھ سے ایسا کوئی معاملہ پیش نہیں کریں گے جس میں وہ مجھ سے صلہ رحمی کا مطالبہ کریں، مگر میں اسے ضرور قبول کروں گا۔''[4]

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو جھڑکا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ آپ ﷺ نے راستہ بدل کر ان سے الگ رخ اختیار کیا اور حدیبیہ کے آخری حصے میں ایک معمولی سے پانی کے ذخیرے کے پاس اترے، جس سے لوگ تھوڑا تھوڑا پانی حاصل کر رہے تھے۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ لوگوں نے اس کا سارا پانی نکال لیا۔ رسول اللہ ﷺ سے پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ اسے اس پانی میں ڈال دیں۔ چنانچہ اس کے بعد

1- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 18910 میں سندِ حسن کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں: ''عن مکۃ''، یعنی ''مکہ کی طرف جانے سے''۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 684 میں فرماتے ہیں: ''یعنی حرم میں قتال سے باز رہنے کے بارے میں۔'' ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ اس معاملے میں صلہ رحمی کا مطالبہ کریں گے، اور صلہ رحمی بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حرمتوں میں سے ایک ہے۔''

3- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2731 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

پانی مسلسل ابلتا رہا اور لوگوں کو سیراب کرتا رہا، یہاں تک کہ وہ وہاں سے سیراب ہو کر روانہ ہو گئے۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، دونوں بیان کرتے ہیں: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس وادی میں پانی نہیں ہے، حالاں کہ لوگ یہاں اتر رہے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اپنے ایک صحابی کو دے دیا۔ وہ صحابی ایک کنویں میں اترے اور اس تیر کو اس میں گاڑ دیا۔ تو پانی جوش مار کر خوب ابلنے لگا، یہاں تک کہ لوگ سیراب ہو گئے اور اپنے اونٹوں کو بھی پانی پلا کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ (2)

بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کی وساطت

جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں اپنی قیام گاہ پر اطمینان سے ٹھہر گئے تو بدیل بن ورقاء خزاعی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس آئے۔ اس وقت وہ ابھی مشرک تھے اور قبیلہ خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: میں کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی کو حدیبیہ کے پانی کے ذخائر کے پاس اترے ہوئے چھوڑ کر آیا ہوں۔ ان کے ساتھ عورتیں اور بچے بھی ہیں، اور وہ آپ سے جنگ کرنے اور آپ کو بیت اللہ سے روکنے کے لیے تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے

1- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2731 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔
2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

فرمایا: ہم کسی سے جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم تو عمرہ ادا کرنے کے لیے آئے ہیں۔ قریش کو جنگ نے تھکا دیا ہے اور انہیں اس سے بہت نقصان پہنچا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں ان کے ساتھ ایک مدت کے لیے صلح کر لوں اور وہ میرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان راستہ چھوڑ دیں۔ اگر میں غالب آ گیا تو اگر وہ چاہیں تو اس دین میں داخل ہو جائیں جس میں دوسرے لوگ داخل ہوئے ہیں، اور اگر وہ ایسا نہ چاہیں تو کچھ مدت تک جنگ سے آرام حاصل کر لیں۔ لیکن اگر وہ انکار کریں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں اپنے اس معاملے کے لیے ان سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں گا جب تک میری گردن تن سے جدا نہ ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو ضرور نافذ فرمائے گا۔ بدیل رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں آپ کی یہ بات ان تک پہنچا دوں گا۔

چنانچہ بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت قریش کے پاس پہنچے اور کہا: ہم اس شخص، یعنی رسول اللہ ﷺ، کے پاس سے تمہارے پاس آئے ہیں۔ ہم نے انہیں ایک بات کہتے ہوئے سنا ہے۔ اگر تم چاہو تو ہم وہ بات تمہیں بتا دیں۔ قریش کے نادان لوگوں نے کہا: ہمیں ان کی بات سننے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن ان میں سے سمجھ دار لوگوں نے کہا: جو کچھ تم نے سنا ہے، وہ ہمیں بتاؤ۔ بدیل رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے انہیں یہ یہ کہتے ہوئے سنا ہے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا پورا پیغام قریش کے سامنے بیان کر دیا۔[1]

1- اس واقعے کو اس قدر تک امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2737 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، دونوں بیان کرتے ہیں: بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی قریش کے پاس واپس آئے اور کہا: اے گروہِ قریش! تم محمد ﷺ کے معاملے میں جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔ محمد ﷺ تم سے جنگ کرنے نہیں آئے، بلکہ وہ اس گھر کی زیارت اور اس کی حرمت کا احترام کرنے کے لیے آئے ہیں۔

قریش نے بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو جھٹلایا اور کہا: اگرچہ وہ اسی مقصد سے آئے ہیں، لیکن اللہ کی قسم! وہ ہرگز بزورِ شمشیر ہمارے ہوتے ہوئے مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، ورنہ عرب میں اس کا چرچا ہو جائے گا۔[1]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجنا

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا، تاکہ وہ اہلِ مکہ کے سرداروں تک آپ ﷺ کا پیغام پہنچائیں اور انہیں بتائیں کہ آپ ﷺ صرف عمرہ ادا کرنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا، تاکہ انہیں مکہ مکرمہ بھیجیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اپنی جان کے بارے میں قریش سے خطرہ ہے، اور مکہ میں بنو عدی بن کعب کا کوئی شخص موجود نہیں جو میری حفاظت

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

کر سکے۔ قریش میری دشمنی اور ان کے ساتھ میرے سخت رویے سے بخوبی واقف ہیں۔ البتہ میں آپ ﷺ کو ایک ایسے شخص کا مشورہ دیتا ہوں جو مکہ میں مجھ سے زیادہ بااثر اور محفوظ ہے، یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں قریش کے پاس روانہ فرمایا، تاکہ وہ انہیں بتائیں کہ آپ ﷺ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، بلکہ اس گھر کی زیارت اور اس کی حرمت کی تعظیم کے لیے تشریف لائے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور مکہ مکرمہ پہنچے۔ وہاں ان کی ملاقات ابان بن سعید بن عاص[1] سے ہوئی۔ ابان اپنی سواری سے اترے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری پر بٹھایا، انہیں اپنے پیچھے سوار کیا اور اپنی پناہ میں لے لیا، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچا سکیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ ابوسفیان اور قریش کے دیگر سرداروں کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام انہیں پہنچا دیا۔ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: اگر آپ چاہیں تو بیت اللہ کا طواف کر لیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا، جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کر لیں۔ اس کے بعد قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس روک

1- ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول، جلد اول، قسم التراجم، صفحہ 135 میں ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے ہیں: وہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام لائے تھے، اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے بعض لشکروں کا امیر مقرر فرمایا تھا۔

لیا۔ادھر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں تک یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں۔(1)

بیعتِ رضوان

پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیعت کرنے کا حکم دیا۔ اس بیعت کو بیعتِ رضوان اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس میں شریک ہونے والوں سے اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا تھا۔اس وقت رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے۔امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے بیعتِ شجرہ کے دن دیکھا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے، جبکہ میں آپ ﷺ کے سرِ مبارک سے درخت کی ایک شاخ ہٹا رہا تھا۔اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔''(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حدیبیہ کے دن ہماری تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، اس وقت آپ ﷺ درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا دستِ مبارک تھامے ہوئے تھے۔''(3)

1- اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر 5771 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1858 اور 76 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1856 اور 67 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت فرمائی، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رہی بات حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعتِ رضوان میں عدم موجودگی کی، تو اگر مکہ کے اندر کوئی شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ان کی جگہ بھیجتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ بیعتِ رضوان اس وقت ہوئی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ جا چکے تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کر کے فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسے اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا: ''یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے۔''(1)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ نے بیعتِ رضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مکہ والوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے ایلچی بن کر گئے ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے بیعت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور اس طرح

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3699 کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت فرمائی۔ پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ان کے اپنے ہاتھوں سے زیادہ بہتر تھا۔"[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "پس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے یہ فضیلت اس بیعت میں حاضر ہونے سے بھی بڑھ کر تھی"۔[2]

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ "یقیناً اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے"۔(سورۃ الفتح:18)

بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت

بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں سب سے عظیم دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ "یقیناً اللہ مؤمنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔"(سورۃ الفتح:18)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4035 کے تحت روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے: "یہ حدیث حسن، صحیح اور غریب ہے۔"

2- دیکھیں: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 191۔

ہم سے فرمایا: ''تم زمین پر رہنے والوں میں سب سے بہتر ہو۔'' اس وقت ہماری تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''یہ حدیث اصحابِ شجرہ کی فضیلت پر صریح دلیل ہے، کیونکہ اس وقت مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر مقامات میں بھی بہت سے مسلمان موجود تھے۔''[2]

امام احمد، امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی بھی شخص جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔''[3]

مشرکین کی ایک جماعت کا گرفتار کیا جانا[4]

جب قریش کو بیعتِ رضوان کی خبر پہنچی تو انہوں نے رات کے وقت مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کرنے کے لیے ایک دستہ بھیجا، لیکن وہ سب کے سب گرفتار

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4154 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1856 اور 71 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 211۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14778، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4197 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 4653 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے: 1. صحیح مسلم، حدیث نمبر 1807 میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق، ان کی تعداد ستر مشرکین تھی۔ 2. صحیح مسلم، حدیث نمبر 1808 میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق، ان کی تعداد اسی افراد تھی۔ 3. امام احمد کی مسند، حدیث نمبر 16800 میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق، ان کی تعداد تیس نوجوان تھی۔ 4. سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 343 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق، ان کی تعداد چالیس یا پچاس افراد تھی۔

کر لیے گئے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں یہ روایت نقل کی ہے، اور الفاظ امام احمد کے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''حدیبیہ کے دن مکہ کے اسی مسلح افراد جبلِ تنعیم[1] کی جانب سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ آور ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے خلاف دعا فرمائی تو وہ گرفتار کر لیے گئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ عطا فرما دیا تھا، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔''[2]

مسند احمد اور مستدرک حاکم کی ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم اسی حالت میں تھے کہ اچانک تیس مسلح نوجوان ہمارے سامنے نکل آئے اور ہمارے مقابل آ کھڑے ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کے خلاف دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی سلب کر لی۔ ہم ان کی طرف بڑھے اور انہیں گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان

1- امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''وہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غفلت میں پا کر اچانک حملہ کرنا چاہتے تھے۔'' لفظ ''غِرَّة'' غین کے کسرہ کے ساتھ ہے، جس کے معنی غفلت کے ہیں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد 3، صفحہ 318۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے ایک دوسری روایت میں ''تنعیم'' کے بعد یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''فجر کی نماز کے وقت۔''

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1808، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12227 اور 14090، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2688 کے تحت روایت کیا ہے۔

سے پوچھا: ''کیا تم کسی کے عہد وپیمان کے تحت آئے ہو، یا کسی نے تمہیں امان دی ہے؟'' انہوں نے کہا: ''اے اللہ! نہیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا[1] اور اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ مَا أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 1، صفحہ 527 میں اس بات کو اختیار کیا ہے کہ غزوۂ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ کے جنگ نہ کرنے کی وجہ حرمت والا مہینہ تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾ ''حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے ہے، اور تمام حرمتوں کا بدلہ برابر ہے۔ پس جو تم پر زیادتی کرے، تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی اس نے تم پر کی ہے۔'' (سورۃ البقرۃ: 194) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اسی وجہ سے جب نبی کریم ﷺ کو، جبکہ آپ ﷺ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے، یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ نے انہیں مشرکین کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا تھا، تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشرکین کے خلاف جنگ کرنے کی بیعت لی۔ ان کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی اور انہوں نے درخت کے نیچے بیعت کی۔ پھر جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید نہیں ہوئے تو آپ ﷺ نے جنگ کا ارادہ ترک کر دیا اور صلح و مصالحت کی طرف مائل ہو گئے، پھر جو کچھ ہوا، وہ سب معلوم ہے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ غزوۂ حنین میں ہوازن سے جنگ کر کے فارغ ہوئے اور ان کے باقی ماندہ افراد نے طائف کے قلعے میں پناہ لے لی تو آپ ﷺ نے طائف کا رخ کیا، اس کا محاصرہ کیا اور منجنیق کے ذریعے اس پر حملہ کیا۔ محاصرے کے دوران ذوالقعدہ کا مہینہ شروع ہو گیا، اور آپ ﷺ نے اس کا محاصرہ چالیس دن مکمل ہونے تک جاری رکھا، جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ جب آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑی تعداد میں شہادتیں ہونے لگیں تو آپ ﷺ نے محاصرہ ختم کر کے واپسی اختیار فرمائی، اور طائف فتح نہ ہوا۔ پھر آپ ﷺ مکہ مکرمہ واپس تشریف لائے اور جعرانہ سے عمرہ ادا کیا، جہاں آپ ﷺ نے حنین کے غنائم تقسیم فرمائے تھے۔ یہ عمرہ بھی ذوالقعدہ ہی میں، آٹھ ہجری میں ادا کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلامتی نازل ہوں۔''

اس نے تمہیں ان پر غلبہ عطا فرما دیا تھا، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔"[1]

ان کی گرفتاری کب عمل میں آئی؟

میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ صلح کے بعد یا صلح سے کچھ ہی پہلے پیش آیا، کیونکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "پھر مشرکین نے ہم سے صلح کے لیے پیغام رسانی شروع کی، یہاں تک کہ ہم میں سے بعض لوگ ایک دوسرے کے درمیان آنے جانے لگے اور ہمارا باہمی معاہدۂ صلح ہو گیا۔ میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ کفالت تھا۔ ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا، اسے صاف کرتا، ان کی خدمت کرتا اور ان کے کھانے میں سے کھاتا تھا۔ میں اپنا گھر بار اور مال و دولت چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے آیا تھا[2]۔ جب ہماری اور اہلِ مکہ کی صلح ہو گئی اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ گھل مل گئے تو میں ایک درخت کے پاس آیا، اس کے کانٹے صاف کیے اور اس کی جڑ کے پاس لیٹ گیا۔ اچانک مکہ کے چار مشرک میرے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نازیبا باتیں کرنے لگے۔ مجھے ان کی یہ باتیں سخت ناگوار گزریں، چنانچہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 16800 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3758 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 5، صفحہ 704 میں اسے ذکر کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابۃ، جلد 3، صفحہ 127 میں فرمایا ہے: "حضرت سلمہ بن عمرو بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پہلی شرکت غزوۂ حدیبیہ میں ہوئی۔ وہ بہادر صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔"

میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے درخت کے پاس چلا گیا۔ وہ مشرک بھی اپنے ہتھیار لٹکا کر لیٹ گئے۔ اسی دوران وادی کے نچلے حصے سے کسی پکارنے والے نے آواز دی: ''اے مہاجرو! ابن زنیم[1] قتل کر دیا گیا ہے۔'' حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے فوراً اپنی تلوار میان سے نکالی اور ان چاروں سوئے ہوئے مشرکوں پر جھپٹ پڑا، ان کے ہتھیار قبضے میں لے لیے اور انہیں اپنے ہاتھ میں ایک گٹھڑی کی طرح جمع کر لیا۔ پھر میں نے کہا: ''اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کے چہرے کو عزت بخشی ہے! تم میں سے جو بھی اپنا سر اٹھائے گا، میں اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان وار کروں گا۔'' پھر میں انہیں ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ عنہ بھی ''عبلات[2]'' کے ایک شخص، جس کا نام مکرز[3] تھا، کو گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے۔ وہ اسے ایک مضبوط گھوڑے پر سوار کر کے لا رہے تھے، جبکہ اس کے ساتھ مشرکین کے ستر افراد تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انہیں دیکھا تو فرمایا: ''انہیں چھوڑ دو، تاکہ ان کے لیے بدعہدی اور اس کا انجام دونوں ثابت ہوں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں معاف

1- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 148 میں فرمایا ہے: ''زَنِیم'' زاء کے ضمہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

2- ''العبلات'' عین اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ قریش کا ایک خاندان تھا، جس کی نسبت ''عَبْلِی'' کہلاتی ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد 3، صفحہ 158۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 148 میں فرمایا ہے: ''مکرز'' میم کے کسرہ، پھر کاف، اور راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

کر دیا۔اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا﴾ ''اور وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے، اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان پر غلبہ عطا فرما دیا تھا، اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔''(سورۃ الفتح:24)[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مؤمن بندوں پر احسان اور انعام کا ذکر ہے کہ اس نے مشرکین کے ہاتھوں کو ان سے روک دیا، چنانچہ ان کی طرف سے مؤمنین کو کوئی نقصان نہ پہنچ سکا، اور مؤمنین کے ہاتھوں کو بھی مشرکین سے روک دیا، اس طرح انہوں نے مسجدِ حرام کے پاس ان سے جنگ نہیں کی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے محفوظ رکھا اور ان کے درمیان صلح قائم کر دی، جس میں مؤمنین کے لیے دنیا و آخرت میں بھلائی اور ان کے حق میں اچھا انجام تھا۔''[2]

صلح حدیبیہ

جب رسول اللہ ﷺ نے ان ستر مشرکین کو رہا کر دیا تو قریش نے سہیل بن عمرو کو حویطب بن عبد العزیٰ اور مکرز بن حفص کے ساتھ روانہ کیا، تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلح کی جائے کہ آپ ﷺ اس سال مکہ مکرمہ سے واپس تشریف لے

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1807 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 342۔

جائیں اور آئندہ سال عمرہ کے لیے تشریف لائیں۔اس کے علاوہ بھی چند دیگر امور پر اتفاق ہوا۔امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''قریش نے سہیل بن عمرو اور بنو عامر بن لؤی کے ایک شخص کو بھیجا اور ان سے کہا: محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کر لو، لیکن صلح کی شرط یہ ہونی چاہیے کہ وہ اس سال ہمارے یہاں سے واپس چلے جائیں۔اللہ کی قسم! عرب میں یہ بات کبھی نہیں پھیلنی چاہیے کہ وہ ہم پر زبردستی غالب آ کر مکہ میں داخل ہو گئے۔'' چنانچہ سہیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔جب نبی کریم ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''جب ان لوگوں نے اس شخص کو بھیجا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ صلح کا ارادہ رکھتے ہیں"۔[1] جب سہیل بن عمرو رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو دونوں نے گفتگو کی اور کافی دیر تک ایک دوسرے سے بات چیت کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے درمیان صلح طے پا گئی۔[2]

دونوں فریقوں کے درمیان چند اہم امور پر اتفاق ہوا، جن میں سے اہم ترین یہ ہیں:

اولاً: امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ دونوں فرماتے ہیں: ''یہ وہ

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2731 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو آتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''تمہارے معاملے میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔''

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

معاہدہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو کے درمیان صلح ہوئی کہ محمد ﷺ اس سال ہمارے یہاں سے واپس چلے جائیں گے اور مکہ میں داخل نہیں ہوں گے۔ اور جب آئندہ سال ہوگا تو ہم آپ ﷺ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے، چنانچہ آپ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام کریں گے۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف مسافر کا ہتھیار ہوگا اور تلواریں میانوں میں ہوں گی، اس کے علاوہ کوئی ہتھیار ساتھ نہیں ہوگا۔"(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس شرط پر کہ تم ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان راستہ چھوڑ دو، تاکہ ہم اس کا طواف کر سکیں۔" سہیل نے کہا: "اللہ کی قسم! عرب یہ بات نہیں کریں گے کہ ہم دباؤ میں آکر مغلوب ہو گئے۔ البتہ یہ اگلے سال ہوگا۔"(2)

ثانیاً: امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ دونوں فرماتے ہیں: "دونوں فریقوں کے درمیان اس بات پر صلح ہوئی کہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2731 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔

دس سال[1] تک جنگ بند رہے گی، اس عرصے میں لوگ امن وامان سے رہیں گے اور دونوں ایک دوسرے سے تعرض نہیں کریں گے"۔[2]

ثالثاً: امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ دونوں فرماتے ہیں:

"معاہدے کی شرائط میں یہ بھی طے ہوا کہ جو شخص محمد ﷺ کے عہد وپیمان میں شامل ہونا چاہے، وہ اس میں شامل ہو سکتا ہے، اور جو قریش کے عہد وپیمان میں شامل ہونا چاہے، وہ ان کے ساتھ شامل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ بنو خزاعہ فوراً آگے بڑھے اور کہا: ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد وپیمان میں شامل ہیں۔ اور بنو بکر بھی آگے بڑھے اور کہا: ہم قریش کے عہد وپیمان میں شامل ہیں۔"[3]

رابعاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے، وہ دونوں فرماتے ہیں: "سہیل بن عمرو نے کہا: یہ بھی معاہدے کی شرط ہو گی کہ ہماری طرف سے اگر کوئی شخص تمہارے پاس آئے، خواہ وہ تمہارے دین ہی پر ہو، تم اسے ہمارے حوالے کر دو گے۔"[4]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 5، صفحہ 693 میں فرمایا ہے: "ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد 3، صفحہ 346 میں صلح کی جو مدت بیان کی ہے، وہی معتبر ہے۔"

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2766 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2701 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''قریش نے نبی کریم ﷺ پر یہ شرط عائد کی کہ تمہاری طرف سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا، ہم اسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے، اور ہماری طرف سے جو شخص تمہارے پاس آئے گا، تم اسے ہمارے حوالے کرو گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا ہم یہ شرط بھی تحریر کریں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہاں، کیونکہ ہم میں سے جو شخص ان کی طرف چلا جائے، اللہ اسے ہم سے دور کر دے، اور ان میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے ضرور کوئی راستہ اور کشادگی پیدا فرمائے گا۔''(1)

خامساً: امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم کے ہیں، حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''جب نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ کے پاس روک دیا گیا تو اہلِ مکہ نے آپ ﷺ سے صلح کر لی کہ آپ ﷺ آئندہ سال(2) مکہ میں داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام کریں گے۔ آپ ﷺ صرف مسافر کے ہتھیار، یعنی تلوار اور اس کی میان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوں گے۔ آپ ﷺ مکہ کے کسی باشندے کو اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے اور نہ ہی

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1784 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- یعنی یہ اگلے سال (عمرۃ القضاء کے موقع پر)۔

اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایسے شخص کو مکہ میں رہنے سے روکیں گے جو وہاں قیام کرنا چاہے۔"[1]

نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احرام کھولنے کا حکم دینا

جب رسول اللہ ﷺ صلحِ حدیبیہ سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: "اٹھو، اپنی قربانیاں ذبح کرو، پھر سر منڈوالو۔" لیکن ان میں سے کوئی شخص بھی نہ اٹھا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی حکم دہرایا۔ جب پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کی طرف سے پیش آنے والی کیفیت کا ذکر فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ ایسا ہی کریں؟ آپ باہر تشریف لے جائیں، ان میں سے کسی سے ایک لفظ بھی نہ کہیں، یہاں تک کہ اپنی قربانی ذبح کر دیں اور حجام کو بلا کر اپنا سر منڈوالیں۔" چنانچہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لے گئے اور ان میں سے کسی سے کوئی بات کیے بغیر اپنی قربانی ذبح کی اور حجام[2] کو بلا کر اپنا سر منڈوالیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ دیکھا تو وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے، اپنی قربانیاں ذبح کیں اور ایک دوسرے کے سر منڈوانے لگے،

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2698، 2699، 4251، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1783 اور 92 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 1، صفحہ 368 میں فرمایا ہے: "صحیح بات یہ ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کا سر مونڈنے والے حجام حضرت خراش بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔"

یہاں تک کہ غم وافسوس کی شدت میں بعض لوگ ایک دوسرے کو زخمی کرنے کے قریب ہو گئے۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انہوں نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ وہ حکم کے منسوخ ہونے کے امکان کے منتظر تھے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور آپ ﷺ نے اپنا سر منڈوایا، تو لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔'' (2)

رسول اللہ ﷺ نے سر منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ اور بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے ایک مرتبہ دعا فرمائی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حدیبیہ کے موقع پر کچھ لوگوں نے اپنے سر منڈوائے اور بعض نے بال چھوٹے کروائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اور بال چھوٹے کروانے والوں پر؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔'' انہوں نے پھر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اور بال چھوٹے کروانے والوں پر؟'' آپ ﷺ نے تیسری مرتبہ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سر منڈوانے والوں پر رحم فرمائے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اور بال چھوٹے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2731 اور 2732 کے تحت اس قدر روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 1، صفحہ 533۔

کروانے والوں پر؟'' تب آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور بال چھوٹے کروانے والوں پر بھی۔''(1)

پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی قربانی کے جانور ذبح کیے(2)۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال سات سات افراد کی طرف سے ایک اونٹ اور ایک گائے قربان کی۔''(3)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 3311 کے تحت روایت کیا ہے۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1727 اور 1728، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1301، 317، 318، 1302 اور 322 کے تحت روایت کیا ہے۔ تاہم امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی روایات میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 9، صفحہ 43 میں فرمایا ہے: ''سر منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ اور بال چھوٹے کروانے والوں کے لیے ایک مرتبہ دعا کرنے کا یہ واقعہ حجۃ الوداع میں پیش آیا تھا۔ یہی صحیح اور مشہور قول ہے۔ البتہ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے بعض اہلِ علم سے نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر پیش آیا تھا۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 4، صفحہ 389 میں فرمایا ہے: ''بلکہ یہی بات متعین ہے، کیونکہ دونوں مواقع کے بارے میں متعدد روایات اس کی تائید کرتی ہیں، البتہ دونوں مواقع میں اس کا سبب مختلف تھا۔ حدیبیہ کے موقع پر یہ اس وجہ سے ہوا کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احرام کھولنے میں اس غم کی وجہ سے متردد رہے جو انہیں بیت اللہ تک پہنچنے سے روک دیے جانے کے سبب لاحق ہوا تھا۔ جبکہ حجۃ الوداع میں سر منڈوانے والوں کے لیے خصوصی دعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ عربوں میں بال بڑھا کر انہیں سنوارنا اور زینت دینا پسندیدہ سمجھا جاتا تھا، جبکہ سر منڈوانا ان میں بہت کم رائج تھا۔ بلکہ بعض اوقات وہ اسے خلافِ معمول اور عجمیوں کے طرزِ عمل میں شمار کرتے تھے۔ اسی لیے وہ سر منڈوانے کو ناپسند کرتے اور صرف بال چھوٹے کروانے پر اکتفا کرتے تھے۔''

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 2، صفحہ 95 میں فرمایا ہے: ''ان میں سے کسی نے بھی یہ نقل نہیں کیا کہ احرام سے حلال ہوتے وقت انہوں نے بکری ذبح کی ہو، بلکہ انہوں نے اونٹ اور گائے ہی ذبح کیے تھے۔''

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1318 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نے حدیبیہ کے دن ستر اونٹ نحر کیے، ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چند افراد ایک قربانی میں شریک ہو سکتے ہیں۔''(1)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ اہلِ علم کا اسی پر عمل ہے کہ ایک اونٹ سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے بھی سات افراد کی طرف سے کافی ہے۔ یہی قول سفیان ثوری، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا ہے۔''(2)

فدیہ کی آیت کا نزول

فدیہ کی آیت حضرت کعب بن عجرہ(3) رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ﴾ ''اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو، پھر اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو، وہ کرو، اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ

1- اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4004 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: جامع امام ترمذی، جلد دوم، صفحہ 411۔

3- امام ابن اثیر رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع الاصول، جلد دوم، صفحہ 812، قسم التراجم میں فرماتے ہیں: ''عجرہ: عین پر ضمہ، جیم ساکن اور راء پر فتحہ کے ساتھ ہے۔'' اور امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد دوم، صفحات 142، 143 میں فرماتے ہیں: ''حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ انصار کے حلیف تھے۔ ان کا اسلام لانا قدرے متأخر ہوا اور انہوں نے بیعتِ رضوان کے علاوہ دیگر مواقع میں بھی شرکت کی۔''

نہ پہنچ جائے۔ پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزے، صدقے یا قربانی میں سے کسی ایک کے ذریعے فدیہ دے۔" (سورۃ البقرۃ: 196)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے سر سے جوئیں گر رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سر کی جوئیں تکلیف دے رہی ہیں؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر اپنا سر منڈوالو۔" حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میرے ہی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ﴾ (البقرۃ: 196) اور اس کے آخر تک۔" پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تین دن کے روزے رکھو، یا چھ مسکینوں کو ایک فَرَق[1] کھانا کھلا دو، یا جو قربانی میسر ہو وہ کر دو۔"[2]

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "مجھے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، جبکہ میرے چہرے پر جوئیں گر رہی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے نہیں سمجھا تھا کہ تمہاری تکلیف اس حد

1- فَرَق: راء پر زبر کے ساتھ، ایک پیمانہ ہے جس میں سولہ رطل کی گنجائش ہوتی ہے۔ اہلِ حجاز کے نزدیک یہ بارہ مد یا تین صاع کے برابر ہوتا ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 391۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1815 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1201، 83 کے تحت روایت کیا ہے۔

تک پہنچ چکی ہے۔ کیا تمہارے پاس ایک بکری نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین دن کے روزے رکھو، یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، ہر مسکین کو نصف صاع کھانا دو، اور اپنا سر منڈوالو۔"(1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ائمہ اربعہ اور عام اہلِ علم کا موقف یہ ہے کہ اس معاملے میں اسے اختیار ہے؛ چاہے تو روزے رکھے، چاہے فرق کے ذریعے صدقہ کرے، یعنی تین صاع، ہر مسکین کے لیے نصف صاع، جو دو مُد کے برابر ہے، اور چاہے تو ایک بکری ذبح کر کے اسے فقراء میں تقسیم کر دے۔ ان میں سے جو بھی صورت اختیار کرے، اس کا فدیہ ادا ہو جائے گا۔"(2)

عمرۂ حدیبیہ میں احصار

قریش کی طرف سے روک دیے جانے کے باعث رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عمرہ ادا نہ کر سکے۔ اسی صورتِ حال کو عمرے میں احصار کہا جاتا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ کے پاس روک دیا گیا تو اہلِ مکہ نے آپ ﷺ سے صلح کر لی کہ آپ اگلے سال مکہ میں داخل ہوں گے اور وہاں تین دن قیام کریں گے۔"(3)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4517 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1201 اور 85 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ 97۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1783 اور 92 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کو روک دیا گیا، تو آپ ﷺ نے اپنا سر منڈوالیا، اپنی ازواجِ مطہرات سے ازدواجی تعلق قائم کیا اور قربانی کا جانور نحر کیا، یہاں تک کہ اگلے سال عمرہ ادا کیا۔“(1)

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۚ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۖ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور اللہ کے لیے حج اور عمرہ مکمل کرو۔ پھر اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو، وہ کرو، اور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزے، صدقے یا قربانی میں سے کسی ایک کے ذریعے فدیہ دے۔ پھر جب تمہیں امن حاصل ہو جائے تو جو شخص عمرے کو حج کے ساتھ ملا کر فائدہ اٹھائے، وہ جو قربانی میسر ہو، کرے۔ پھر جسے قربانی میسر نہ ہو تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے اور جب تم واپس جاؤ تو سات روزے رکھے۔ یہ پورے دس روزے ہیں۔ یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے گھر والے مسجدِ حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔“(سورۃ البقرۃ:196)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1809 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام سہیلی رحمہ اللہ حدیبیہ کے ایک سال بعد ہونے والے عمرۂ قضا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اسے عمرۂ قضا اس لیے کہا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قریش کے ساتھ اس کے بارے میں معاہدہ کیا تھا[1]، نہ کہ اس لیے کہ آپ ﷺ نے اس عمرے کی قضا کی ہو جس سے آپ ﷺ کو بیت اللہ سے روک دیا گیا تھا؛ کیونکہ وہ عمرہ باطل نہیں ہوا تھا کہ قریش کے روکنے کی وجہ سے اس کی قضا ضروری ہوتی، بلکہ وہ ایک مکمل اور مقبول عمرہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے عمرہ جات چار تھے: عمرۂ حدیبیہ، عمرۂ قضا، عمرۂ جعرانہ، اور وہ عمرہ جسے آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں اپنے حج کے ساتھ ملایا تھا۔''[2]

اس صلح پر مسلمانوں کا غم

حضرت مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس یقین کے ساتھ روانہ ہوئے تھے کہ فتح ضرور حاصل ہو گی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ لیکن جب انہوں نے صلح، واپسی اور ان شرائط کو دیکھا جنہیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے قبول فرمایا تھا تو اس صورتِ حال سے لوگوں پر شدید غم طاری ہو گیا، یہاں تک کہ وہ ہلاکت کے قریب پہنچ گئے۔''[3]

1- حدیبیہ میں۔

2- دیکھیں: الروض الأنف، جلد چہارم، صفحہ 514۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' انہوں نے عرض کیا: ''کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہوں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' انہوں نے عرض کیا: ''پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ کمزوری کیوں قبول کریں اور واپس کیوں جائیں، حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں فرمایا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے واپس ہوئے، لیکن غصے کی شدت کی وجہ سے خود پر قابو نہ رکھ سکے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور عرض کیا: ''اے ابو بکر! کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟'' انہوں نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول جہنم میں نہیں ہوں گے؟'' انہوں نے فرمایا: ''کیوں نہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''پھر ہم اپنے دین کے معاملے میں یہ کمزوری کیوں قبول کریں اور واپس کیوں جائیں، حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور

ان کے درمیان فیصلہ نہیں فرمایا؟'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ابن خطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''(1)

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''کیا آپ ﷺ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے تمہیں یہ بتایا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو تم بیت اللہ ضرور جاؤ گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔''(2)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اس دن جو بات میں نے کہی تھی، اس کے خوف سے میں مسلسل روزے رکھتا، صدقہ کرتا، نماز پڑھتا اور غلام آزاد کرتا رہا، یہاں تک کہ مجھے امید ہونے لگی کہ شاید میرے لیے وہی بہتر ثابت ہو۔''(3)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال اور مذکورہ گفتگو شک کی وجہ سے نہیں تھی، بلکہ اس مقصد سے تھی کہ جو بات ان پر مخفی تھی وہ واضح ہو جائے، اور کفار کی ذلت اور اسلام کے غلبے کی کوشش کی

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3182 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1785 اور 94 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2731، 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18910 کے تحت سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جائے۔ یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج اور دین کی نصرت اور باطل کے پیروکاروں کو ذلیل کرنے میں ان کی قوت سے بھی معلوم ہوتی ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی اور سورۂ فتح کا نزول[2]

رسول اللہ ﷺ حدیبیہ میں بیس دن قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی کے سفر کے دوران آپ ﷺ پر مکمل سورۂ فتح نازل ہوئی۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "سورۂ فتح مکہ اور مدینہ کے درمیان حدیبیہ کے واقعے کے بارے میں، شروع سے آخر تک نازل ہوئی۔"[3]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب یہ آیات نازل ہوئیں: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ ۗ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ (سورۃ الفتح: 1-5) یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لا رہے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل غم و

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 12، صفحہ 120۔

2- امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد 19، صفحہ 294 میں فرماتے ہیں: "سورۂ فتح مدنی سورت ہے، اس پر اہلِ علم کا اجماع ہے۔ اس کی 29 آیات ہیں، اور یہ رات کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان حدیبیہ کے واقعے کے بارے میں نازل ہوئی۔"

3- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 3752 کے تحت روایت کیا ہے۔

افسوس سے بوجھل تھے، جبکہ وہ حدیبیہ میں قربانی کے جانور ذبح کر چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو میرے لیے پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہے۔''(1)

جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں یہ سورت پڑھ کر سنائی۔ چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، الفاظ امام بخاری کے ہیں: ''جب سورۂ فتح نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں پوری سورت پڑھ کر سنائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا یہ فتح ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔''

امام مسلم کی روایت میں مزید ہے: ''اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔''(2)

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان آیات میں رسول اللہ ﷺ کے فضائل، آپ ﷺ کی مدح و ثنا، اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ ﷺ کے بلند مقام اور آپ ﷺ پر اس کی نعمتوں کا ایسا بیان ہے جس کی پوری تفصیل بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کا آغاز اس بات سے فرمایا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1786 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3182 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1785 اور 94 کے تحت روایت کیا ہے۔

لیے ایسی واضح فتح کا فیصلہ فرما دیا ہے جس میں آپ ﷺ کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہو گا، آپ ﷺ کا کلمہ اور شریعت سربلند ہو گی، اور آپ ﷺ کے لیے مغفرت کا فیصلہ کر دیا گیا ہے؛ لہٰذا آپ ﷺ سے گزشتہ اور آئندہ کسی معاملے پر مؤاخذہ نہیں ہو گا۔"(1)

صلح حدیبیہ: عظیم ترین فتح

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ جنگ بندی مسلمانوں کے لیے عظیم ترین فتوحات میں سے ایک تھی۔"(2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾ (سورۃ الفتح: 1) کے بارے میں انہوں نے فرمایا: "اس سے مراد حدیبیہ ہے۔"(3)

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "تم لوگ فتح سے مراد فتحِ مکہ لیتے ہو، حالانکہ فتحِ مکہ بھی ایک فتح تھی، لیکن ہم فتح سے مراد حدیبیہ کے موقع پر ہونے والی بیعتِ رضوان کو سمجھتے ہیں۔"(4)

1- دیکھیں: الشفاء، جلد اول، صفحہ 52۔

2- دیکھیں: الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 189۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4172 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4150 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علماء فرماتے ہیں کہ اس صلح کو مکمل کرنے میں جو مصلحت پوشیدہ تھی، اس کے روشن نتائج اور نمایاں فوائد بعد میں ظاہر ہوئے، جن کا انجام فتح مکہ، اہلِ مکہ کے مکمل طور پر اسلام قبول کرنے اور لوگوں کے جوق در جوق دینِ الٰہی میں داخل ہونے کی صورت میں نکلا۔ صلح سے پہلے اہلِ مکہ مسلمانوں کے ساتھ زیادہ میل جول نہیں رکھتے تھے، اس لیے انہیں رسول اللہ ﷺ کے حالات و معاملات کی حقیقت پوری طرح معلوم نہیں ہو پاتی تھی، نہ ہی وہ ایسے لوگوں کے ساتھ آزادانہ طور پر بیٹھ سکتے تھے جو انہیں یہ معلومات تفصیل سے بتاتے۔ لیکن جب صلحِ حدیبیہ ہو گئی تو مسلمانوں اور اہلِ مکہ کے درمیان میل جول بڑھ گیا۔ اہلِ مکہ مدینہ منورہ آنے لگے اور مسلمان مکہ مکرمہ جانے لگے۔ وہاں وہ اپنے اہلِ خانہ، دوستوں اور دوسرے قابلِ اعتماد لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اور ان سے رسول اللہ ﷺ کے حالات و اوصاف تفصیل سے سنتے۔ انہیں آپ ﷺ کے معجزات، نبوت کی واضح نشانیاں، آپ ﷺ کا حسنِ سیرت اور عمدہ طریقۂ زندگی معلوم ہوا، بلکہ انہوں نے خود بھی ان میں سے بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کیا۔ اس کے نتیجے میں ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہونے لگے، یہاں تک کہ صلحِ حدیبیہ اور فتحِ مکہ کے درمیان ہی بہت سے لوگوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا، جبکہ دوسرے لوگوں کا میلان بھی اسلام کی طرف مزید بڑھ گیا۔ چنانچہ جب فتحِ مکہ کا موقع آیا تو وہ سب بھی اسلام میں داخل ہو گئے، کیونکہ ان کے دل پہلے ہی اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ اسی طرح قریش کے علاوہ عرب کے دیگر قبائل، جو دیہات

اور صحرائی علاقوں میں رہتے تھے، قریش کے اسلام قبول کرنے کے منتظر تھے۔ جب قریش مسلمان ہو گئے تو ان قبائل نے بھی اسلام قبول کر لیا"۔ (1)

ہجرت کا ساتواں سال

بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام رسول اللہ ﷺ کے دعوتی خطوط

ہجرت کے ساتویں سال ماہِ محرم (2) میں رسول اللہ ﷺ نے عرب و عجم کے بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرف اپنے قاصد روانہ کیے اور انہیں خطوط لکھے، جن میں

1-دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 12، صفحہ 120۔

2-رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط کس وقت ارسال فرمائے، اس بارے میں اہلِ سیرت کے درمیان اختلاف ہے۔

ابن سعد رحمہ اللہ اپنی طبقات، جلد اول، صفحہ 125 میں فرماتے ہیں: "اہلِ علم نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سنہ 6 ہجری کے ماہِ ذوالحجہ میں حدیبیہ سے واپسی کے بعد بادشاہوں کی طرف اپنے قاصد روانہ کیے اور انہیں اسلام کی دعوت دینے کے لیے خطوط لکھے۔"

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 262 میں ان خطوط کی روانگی کی کوئی تاریخ متعین نہیں کی۔ تاہم ابن ہشام رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 262 میں اس پر استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ خطوط اس عمرے کے بعد بھیجے گئے جس سے رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے موقع پر روک دیا گیا تھا۔

امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ، جلد چہارم، صفحہ 376 میں اس بات کے قائل ہیں کہ یہ خطوط غزوۂ مؤتہ کے بعد، یعنی ہجری کے آٹھویں سال میں بھیجے گئے۔

جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، جلد ہشتم، صفحہ 469 میں کسریٰ اور قیصر کی طرف خطوط بھیجنے کا ذکر غزوۂ تبوک کے بعد کیا ہے، جو ہجری کے نویں سال ماہِ رجب میں پیش آیا تھا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 655 میں فرماتے ہیں: "ان تمام اقوال کے درمیان اس بات پر کوئی اختلاف نہیں کہ بادشاہوں کو دعوتی خطوط بھیجنے کا آغاز فتحِ مکہ سے پہلے اور صلحِ حدیبیہ کے بعد ہوا تھا۔"

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 473 میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ذریعے نبی کریم ﷺ کا خط کسریٰ

انہیں اسلام کی دعوت دی گئی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی اللہ ﷺ نے کسریٰ، قیصر،

کے پاس بھیجنے کا ذکر ہے۔ اس باب کے آخر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بادشاہوں کو خطوط بھیجنے کا واقعہ غزوۂ تبوک کے سال پیش آیا تھا۔ تاہم یہ بات اس قول کے منافی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صلح کے زمانے میں قیصر وغیرہ کو خطوط لکھے تھے۔ دونوں اقوال میں تطبیق یہ ہے کہ آپ ﷺ نے قیصر کو دو مرتبہ خط لکھا تھا۔ دوسری مرتبہ خط لکھنے کی صراحت مسند احمد کی حدیث نمبر 15655 میں موجود ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اس نجاشی کو بھی خط لکھا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا اور وفات کے بعد نبی کریم ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی، پھر آپ ﷺ نے اس کے بعد مقرر ہونے والے نجاشی کو بھی خط لکھا، جو کافر تھا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر جابر و سرکش حکمران کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہوئے خط لکھا۔ ان میں کسریٰ، قیصر اور نجاشی کا نام بھی ذکر کیا۔ پھر فرمایا: "یہ وہ نجاشی نہیں ہے جو مسلمان ہو گیا تھا۔"

نجاشی[1] اور ہر سرکش وجابر حکمران کو خطوط لکھے[2] اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مراد اس نجاشی سے نہیں ہے جس کی نمازِ جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی[3]۔

رسول اللہ ﷺ کا اپنے خطوط کے لیے مہر بنوانا

جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ ایسا خط قبول نہیں کرتے جس پر مہر نہ لگی

1-امام احمد رحمہ اللہ کی مسند، حدیث نمبر 12355 کی ایک روایت میں نجاشی کے بجائے اکیدِرِ دُومہ کا ذکر ہے۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 5، صفحہ 552 میں فرماتے ہیں: "اکیدِرِ دُومہ۔ اکیدِر، اَکدر کی تصغیر ہے، جبکہ دُومہ دال پر ضمہ اور واو ساکن کے ساتھ ہے۔ یہ حجاز اور شام کے درمیان واقع ایک علاقہ ہے، جس سے مراد دُومۃ الجندل ہے۔ یہ تبوک کے قریب ایک شہر تھا، جہاں کھجوروں کے باغات، کھیتیاں اور ایک قلعہ تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے دس منزل اور دمشق سے آٹھ منزل کے فاصلے پر واقع تھا اور اکیدِر وہاں کا بادشاہ تھا۔"
میں کہتا ہوں: امام ابن حزم رحمہ اللہ نے جوامع السیرۃ، صفحہ 24، امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد اول، صفحہ 111، اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد سوم، صفحہ 90 میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نجاشی اصحمہ کو خط نہیں بھیجا تھا، کیونکہ وہ آپ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے، انہوں نے حبشہ کے مہاجرین کو پناہ دی تھی اور ان کی وفات پر رسول اللہ ﷺ نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ بھی پڑھائی تھی؛ لہٰذا وہ مسلمان تھے۔
جبکہ امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 115، اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 473 میں اس بات کو اختیار کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں نجاشیوں کو خطوط بھیجے تھے: نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کو بھی اور ان کے بعد حکمران بننے والے دوسرے نجاشی کو بھی۔
میں کہتا ہوں: زیادہ ظاہر بات یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو خطوط بھیجے تھے، جیسا کہ آگے نجاشی اصحمہ کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کے ذکر میں آئے گا۔
2-امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں مزید ذکر کیا ہے کہ: "قبل موته" یعنی یہ خط ان کی وفات سے پہلے بھیجا گیا تھا۔
3-اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1774، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12355، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 2913 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہو۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی اللہ عزوجل نے کچھ عجمی لوگوں [1] کے نام خط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ وہ لوگ ایسا خط قبول نہیں کرتے جس پر مہر نہ لگی ہو۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی، جس پر ''محمد رسول الله'' نقش تھا"۔ [2]

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: "اس انگوٹھی پر تین سطریں نقش تھیں: ایک سطر میں ''محمد''، دوسری سطر میں ''رسول'' اور تیسری سطر میں ''اللہ'' تھا"۔ [3]

1-ایک دوسری روایت میں صحیح مسلم، حدیث نمبر 2092 اور 58 میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے "کسریٰ، قیصر اور نجاشی" کے نام خطوط لکھنے کا ارادہ کیا۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5802 اور 5805، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2092، 56، 57 اور 58 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3106 اور 5878، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 1842 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 11، صفحہ 516 میں فرماتے ہیں: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹھی پر نقش اسی ترتیب سے تھا، لیکن یہ عام تحریری انداز کے مطابق نہیں تھا؛ کیونکہ اس انگوٹھی کو مہر کے طور پر استعمال کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اس پر کندہ حروف الٹے ہوں، تاکہ مہر لگانے کے بعد تحریر سیدھی ظاہر ہو۔ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ اس کی تحریر نیچے سے اوپر کی طرف تھی، یعنی تین سطروں میں سب سے اوپر ''اللہ''، درمیان میں ''رسول'' اور سب سے نیچے ''محمد'' تھا، لیکن مجھے کسی بھی حدیث میں اس کی صراحت نہیں مل سکی۔

رسول اللہ ﷺ کا نجاشی اصحمہ [1] رضی اللہ عنہ کے نام خط

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ آئندہ آنے والی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں مختلف اوقات میں ایک سے زیادہ مرتبہ نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کے نام رسول اللہ ﷺ کے خطوط میں درج ذیل امور شامل تھے:

1۔ انہیں اسلام کی دعوت دینا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد 6، صفحہ 375 میں فرماتے ہیں: اس انگوٹھی کا نگینہ بھی اسی چاندی کا تھا، یعنی وہ اس سے الگ ہونے والا کوئی جداگانہ نگینہ نہیں تھا۔ اور جس شخص نے یہ خیال کیا ہے کہ اس میں کسی شخص کی تصویر بنی ہوئی تھی، اس نے بہت بعید بات کہی اور غلطی کی ہے۔ بلکہ پوری انگوٹھی چاندی کی تھی، اس کا نگینہ بھی اسی کا تھا، اور اس پر ''محمد رسول اللہ'' تین سطروں میں نقش تھا: ایک سطر میں ''محمد''، دوسری سطر میں ''رسول'' اور تیسری سطر میں ''اللہ''۔ یہ تحریر الٹی کندہ کی گئی تھی، تاکہ مہر لگانے پر سیدھی ظاہر ہو، جیسا کہ اس سلسلے میں معمول ہے۔ البتہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تحریر سیدھی تھی اور اسی طرح مہر لگتی تھی، لیکن اس قول کی صحت کے بارے میں مجھے کوئی صحیح یا ضعیف سند معلوم نہیں۔

1- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 7، صفحہ 20 میں فرماتے ہیں: ''اصحمہ'' میں ہمزہ پر فتحہ، صاد پر سکون اور دونوں حاء مہملہ پر فتحہ ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث نمبر 952 اور 64 میں بھی یہی نام اسی طرح منقول ہے، اور معروف و درست تلفظ بھی یہی ہے۔ احادیث، کتبِ مغازی اور دیگر کتب میں بھی یہی صورت ملتی ہے۔ البتہ مسند ابن ابی شیبہ میں اسی حدیث میں اس کا نام ''صَحَمُہ'' منقول ہے، صاد پر فتحہ اور حاء پر سکون کے ساتھ۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں: ''یزید نے ہمیں اسی طرح بتایا'' حالانکہ درست لفظ ''صَحْمَہ'' ہے، یعنی میم کو حاء سے پہلے کر کے۔ یہ دونوں صورتیں شاذ ہیں، جبکہ درست اور معروف نام ''اصحمہ'' ہے، جس کے شروع میں الف ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ''نجاشی'' حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہے، جبکہ ''اصحمہ'' اس نیک بادشاہ کا ذاتی نام ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانے میں حبشہ کا بادشاہ تھا۔

2۔ مہاجرینِ حبشہ کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی نگہداشت کی وصیت کرنا۔

3۔ حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے ان کا نکاح کرانا۔

امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا اور ان کے نام دو خطوط لکھے۔ ایک خط میں انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کریم کی تلاوت کر کے سنائی، جبکہ دوسرے خط میں انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے آپ ﷺ کا نکاح کر دیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس وقت حبشہ ہجرت کر چکی تھیں۔''(1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر نجاشی کے پاس بھیجا، تو وہ ایمان لے آئے۔''(2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت حبیب بن ابی اوس سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: مجھے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے خود اپنی زبان سے بیان کیا: ''جب ہم غزوۂ احزاب کے بعد خندق سے واپس ہوئے تو میں نے قریش کے کچھ ایسے لوگوں کو جمع کیا جو میری بات مانتے اور میری رائے سنتے تھے۔ میں نے ان سے کہا: تم جانتے ہو، اللہ کی قسم! مجھے نظر آ رہا ہے کہ محمد ﷺ کا معاملہ

1- دیکھیں: الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 1، صفحہ 125۔

2- دیکھیں: الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 326۔

بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور ان کا غلبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ میرے ذہن میں ایک رائے آئی ہے، بتاؤ تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا: تمہاری رائے کیا ہے؟ میں نے کہا: میری رائے یہ ہے کہ ہم نجاشی کے پاس حبشہ چلے جائیں اور وہاں قیام کریں۔ اگر محمد ﷺ ہماری قوم پر غالب آ گئے تو ہم نجاشی کے پاس ہوں گے، اور اس کے ماتحت رہنا ہمارے لیے محمد ﷺ کے ماتحت رہنے سے زیادہ پسندیدہ ہو گا۔ اور اگر ہماری قوم غالب آ گئی تو ہم ان کے ہاں معروف لوگ ہیں، وہ ہمارے ساتھ خیر ہی کا معاملہ کریں گے۔ انہوں نے کہا: تمہاری یہ رائے بہت اچھی ہے۔ میں نے کہا: پھر نجاشی کے لیے کوئی ہدیہ بھی جمع کر لو، کیونکہ ہماری سرزمین کی پیداوار میں سے اسے سب سے زیادہ چمڑے پسند ہیں۔ چنانچہ ہم نے بہت سے چمڑے جمع کیے اور روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ہم نجاشی کے پاس پہنچ گئے۔ اللہ کی قسم! ہم ابھی اس کے پاس موجود ہی تھے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے معاملے میں نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔"(1)

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں محمد بن اسحاق سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے معاملے میں نجاشی کے پاس بھیجا اور ان کے ہمراہ ایک خط بھی دیا۔ خط کا مضمون یہ تھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 17777 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحمہ کے نام۔ آپ پر سلامتی ہو۔ میں آپ کے سامنے اس اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جو بادشاہ، پاک، سلامتی عطا کرنے والا اور نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اس نے پاک دامن اور پاکیزہ مریم کی طرف القا کیا۔ پھر مریم عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی روح سے انہیں پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی، جس طرح اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور ان میں اپنی روح پھونکی۔ میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کریں، جس کا کوئی شریک نہیں، اس کی اطاعت میں اس سے وفاداری قائم رکھیں، میری پیروی کریں، مجھ پر اور اس کتاب پر ایمان لائیں جو میرے پاس آئی ہے؛ کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے اپنے چچازاد بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ آپ کی طرف بھیجا ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچیں تو ان کی مہمان نوازی کریں اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئیں، اور تکبر و سرکشی سے باز رہیں[1]۔ میں آپ کو اور آپ کے لشکروں کو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کا حق

1- میں کہتا ہوں: رسول اللہ ﷺ کے اس خط کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کرنے والے مہاجرین کے حبشہ پہنچ جانے کے بعد بھیجا گیا تھا، اور یہ مدینہ منورہ کی ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اسی رائے کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اس خط کا ذکر حبشہ کی دوسری ہجرت کے واقعات کے بعد کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 90 میں اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

ادا کر دیا، لہٰذا میری نصیحت قبول کریں۔ اور سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔[1]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ حضرت عبید اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کے شوہر حبشہ کی سرزمین میں وفات پا گئے تو نجاشی[2] نے ان کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا، آپ ﷺ کی طرف سے ان کا مہر چار ہزار مقرر کیا اور انہیں حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ التلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں: ''سیرت کی کتابوں میں یہ بات مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو نجاشی کے پاس بھیجا، چنانچہ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ نکاح قبول کرنے کے لیے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ ہی وکیل تھے یا خود نجاشی نے یہ ذمہ داری انجام دی تھی۔ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کی روایات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 309۔

2- ابن اسحاق کی روایت میں، جو السیرۃ، جلد 4، صفحہ 302 میں ہے، مذکور ہے کہ نجاشی نے حبشہ ہی میں حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کو وکیل بنا کر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ ﷺ سے کر دیا تھا۔

3- اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2107 اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 2776 کے تحت روایت کیا ہے۔

سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا، جبکہ بخاری کی روایت کے مطابق حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ان کے نکاح کے ولی تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ولی تھے [1]، لیکن یہ بات درست نہیں، بلکہ وہم ہے۔''[2]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کا نکاح ہوا، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان صخر بن حرب قرشیہ امویہ تھا، البتہ بعض کے نزدیک ان کا نام ہند تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس وقت نکاح فرمایا جب وہ ہجرت کر کے حبشہ میں مقیم تھیں۔ نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ان کا مہر چار سو دینار مقرر کیا اور انہیں وہیں سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ ان کا انتقال ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہوا۔ اہلِ سیرت و تاریخ کے نزدیک یہی مشہور اور متواتر روایت ہے۔ ان کے ہاں یہ واقعہ اسی طرح معروف ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مکہ مکرمہ میں، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ منورہ میں اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے غزوۂ خیبر کے بعد نکاح کرنا۔''[3]

1- یہ امام زہری رحمہ اللہ کا قول ہے، جسے امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 6923 کے تحت، امام زہری تک جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

2 دیکھیں: التلخیص الحبیر، جلد 4، صفحہ 1889۔

3- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 99۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ تہذیب سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں: ''نجاشی کا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرانا حقیقتاً اُسی نے انجام دیا تھا، کیونکہ وہ مسلمان تھا اور حبشہ کا حکمران اور بادشاہ تھا۔ بعض متکلفین نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ نجاشی نے اپنی طرف سے مہر ادا کیا تھا، اس لیے نکاح کرانے کی نسبت بھی اسی کی طرف کر دی گئی۔ بعض نے یہ تاویل کی ہے کہ نجاشی ہی نے نکاح کا پیغام دیا تھا، جبکہ نکاح کا عقد حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ نے نکاح پڑھایا تھا۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کے وکیل تھے۔ آپ ﷺ نے انہیں نجاشی کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرائیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا عقد حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، جو ان کے والد ابو سفیان کے چچازاد بھائی تھے۔[1]

نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے نام خط اور ان کا ہدیہ

نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے نام ایک خط لکھا، جس میں آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے، آپ ﷺ کی تصدیق کرنے اور اسلام لانے کا ذکر کیا، نیز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ہدیہ بھی بھیجا۔ امام ترمذی اور امام ابو داؤد رحمہما اللہ نے حضرت ابن بریدہ رحمہ اللہ سے، وہ اپنے والد حضرت بریدہ رضی

1- دیکھیں: تہذیب سنن ابی داؤد، جلد 1، صفحہ 430۔

اللہ عنہ سے، سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سادہ سیاہ رنگ کے دو موزے ہدیہ کیے۔ آپ ﷺ نے انہیں پہن لیا، پھر وضو کیا اور ان پر مسح فرمایا۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں:

''نجاشی کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ زیورات پہنچے، جو اس نے آپ ﷺ کو ہدیہ کیے تھے۔ ان زیورات میں ایک سونے کی انگوٹھی بھی تھی، جس میں حبشی نگینہ لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انگوٹھی کو اپنی ایک انگلی کے ذریعے ایک لکڑی کی مدد سے اٹھایا اور اس سے بے رغبتی کا اظہار فرمایا۔ پھر اپنی نواسی، اپنی بیٹی(2) کی بیٹی، حضرت امامہ بنت ابی العاص رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا: ''بیٹی! اسے پہن لو۔''(3)

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3030 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 155 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے حدیثِ حسن قرار دیا ہے، اور امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ، جلد 12، صفحہ 71 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

2- حضرت زینب رضی اللہ عنہا۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 24880 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 4235 کے تحت روایت کیا ہے۔

نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کی وفات

نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے نویں سال ماہِ رجب میں وفات پاگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی وفات کی خبر دی اور ان کی نمازِ جنازہ غائبانہ ادا فرمائی۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے جس دن نجاشی، بادشاہِ حبشہ، کی وفات ہوئی، اسی دن ہمیں ان کی وفات کی خبر دی اور فرمایا: اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔''(1)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے جس دن نجاشی کی وفات ہوئی، اسی دن لوگوں کو ان کی وفات کی خبر دی، پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر عید گاہ(2) کی طرف تشریف لے گئے اور چار تکبیریں کہیں۔''(3)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب نجاشی کی وفات ہوئی تو نبی کریم

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1327 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 951 اور 63 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 1534 کی ایک روایت میں ''بقیع'' کے لفظ آیا ہے۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 3، صفحہ 543 میں فرماتے ہیں: ''بقیع'' سے مراد بقیعِ بطحان ہے، یا پھر ''مُصَلّٰی'' سے مراد بقیعِ غرقد میں جنازے کے لیے مخصوص جگہ ہو، نہ کہ عیدین کی نماز کے لیے مقررہ عید گاہ۔ **پہلی توجیہ زیادہ ظاہر ہے۔**

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1245 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 951 اور 62 کے تحت روایت کیا ہے۔

ﷺ نے فرمایا: آج ایک نیک آدمی وفات پا گیا ہے، لہٰذا اٹھو اور اپنے بھائی اصحمہ کی نمازِ جنازہ پڑھو۔"(1)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "نجاشی، جن کا نام اصحمہ تھا، حبشہ کے بادشاہ تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا اسلام بہت اچھا تھا، لیکن انہوں نے ہجرت نہیں کی اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ اس اعتبار سے وہ ایک پہلو سے تابعی اور دوسرے پہلو سے صحابی ہیں۔ ان کا انتقال رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی اور غائب شخص کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نجاشی عیسائی قوم کے درمیان وفات پا گئے تھے اور ان کے پاس کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جو ان کی نمازِ جنازہ ادا کرتا، کیونکہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے پاس ہجرت کر کے گئے تھے، وہ خیبر کے سال وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکے تھے۔(2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3877 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 952 اور 65 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: سیر أعلام النبلاء، جلد 1، صفحہ 428۔

رسول اللہ ﷺ کا دوسرے نجاشی کے نام خط

جب نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو حبشہ کی حکومت ایک دوسرے نجاشی کے پاس آگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے نام بھی خط لکھا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی اللہ ﷺ نے کسریٰ، قیصر، نجاشی اور ہر سرکش بادشاہ کے نام خط لکھا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔'' پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وضاحت فرمائی: ''اس سے مراد وہ نجاشی نہیں ہیں جن کی نمازِ جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔''(1)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں ابن اسحاق سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ''یہ محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی کے نام خط ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ خط محمد اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے نجاشی اصحمہ، بادشاہِ حبشہ، کے نام ہے۔ اس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، نہ اس نے کوئی بیوی بنائی ہے اور نہ کوئی بیٹا، اور یہ کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں آپ کو اللہ کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں اسی کا رسول ہوں۔ پس اسلام قبول کر لیجیے، سلامت رہیں گے۔ اے اہلِ کتاب! آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے: یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1774 کے تحت روایت کیا ہے۔

میں سے کوئی دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔(سورۂ آل عمران: 64) اگر آپ نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو آپ کی قوم کے نصاریٰ کے گناہ کا وبال بھی آپ پر ہو گا۔"(1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط اس نجاشی کے نام تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی میزبانی کرنے والے مسلمان نجاشی کے بعد حبشہ کا حکمران بنا تھا۔ یہ وہی زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے فتحِ مکہ سے کچھ عرصہ قبل روئے زمین کے بادشاہوں کو اللہ عزوجل کی طرف دعوت دینے کے لیے خطوط روانہ کیے تھے۔ آپ ﷺ نے ہرقل، بادشاہِ روم، قیصرِ شام، کسریٰ، بادشاہِ فارس، حاکمِ مصر اور نجاشی کے نام بھی خطوط بھیجے تھے۔ ان تمام خطوط میں سورۂ آل عمران کی یہی آیت مذکور تھی، جبکہ سورۂ آل عمران بالاتفاق مدنی سورت ہے۔ لہٰذا یہ خط پہلے نجاشی کے نام نہیں بلکہ دوسرے نجاشی کے نام تھا۔ اور اس خط میں "نجاشی اصحمہ" کے الفاظ ہیں، تو ممکن ہے کہ "اصحمہ" کا لفظ راوی کی طرف سے، اس کے فہم کے مطابق، خط میں شامل ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔"(2)

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، صفحہ 308؛ مستدرک الحاکم، حدیث نمبر 4290۔

2- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد 3، صفحہ 90۔

رسول اللہ ﷺ کا کسریٰ[1] کے نام خط

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر کسریٰ، بادشاہِ فارس، کے پاس بھیجا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنا خط حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ذریعے کسریٰ کے پاس بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ یہ خط حاکمِ بحرین[2] کے حوالے کریں۔ چنانچہ حاکمِ بحرین نے وہ خط کسریٰ تک پہنچا دیا۔ جب کسریٰ نے خط پڑھا تو اسے پھاڑ ڈالا[3]۔ راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ[4] سعید بن مسیب رحمہ اللہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے خلاف دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔''[5]

1- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد 2، صفحہ 144 میں فرماتے ہیں: ''کسریٰ بن ہرمز، کافر، عراق اور اس کے اطراف کا عظیم بادشاہ تھا۔ ''کسریٰ'' میں کاف کے نیچے زیر بھی پڑھی جاتی ہے اور زبر بھی۔ ابن جوالیقی کہتے ہیں: کاف کے نیچے زیر کے ساتھ پڑھنا زیادہ فصیح ہے۔ یہ فارسی لفظ ہے جسے عربی میں معرّب کیا گیا ہے۔ اس کی جمع ''اکاسرہ''، ''کسور'' اور ''اکاسر'' آتی ہے، جبکہ اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''کِسْرَوِیّ'' کہا جاتا ہے، کاف پر زبر کے ساتھ۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 210 میں فرماتے ہیں: ''وہ منذر بن ساویٰ ہیں، جس میں 'ذ' مہملہ ہے اور 'واو' پر فتحہ ہے۔''

3- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں، حدیث نمبر 23939 کے تحت "حرقہ" کا لفظ ہے: یعنی ''اس نے اسے جلا دیا۔''

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 210 میں فرماتے ہیں: ''یہ کہنے والے حدیث کے راوی ابن شہاب ہیں۔''

5- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4424 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام سندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس سے مراد ان کا منتشر ہونا، ان کی سلطنت کا زوال اور ان کی نسل کا خاتمہ ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان میں بادشاہت باقی نہ رہی۔''(1)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں یزید بن حبیب سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن حذافہ سَہمی رضی اللہ عنہ کو فارس کے بادشاہ کسریٰ بن ہرمز کے پاس بھیجا اور ان کے ساتھ یہ خط روانہ فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد اللہ کے رسول کی جانب سے کسریٰ بن ہرمز، عظیمِ فارس کے نام۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہیں اللہ کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، تاکہ جو زندہ ہے اسے خبردار کر دوں اور کافروں پر حجت تمام ہو جائے۔ اسلام قبول کر لو، سلامت رہو گے۔ اگر انکار کرو گے تو مجوسیوں کا گناہ بھی تم پر ہو گا۔

جب کسریٰ نے یہ خط پڑھا تو اسے پھاڑ دیا اور کہا: ''یہ شخص، جو کہ میرا غلام ہے، مجھے خط لکھتا ہے؟!''(2)

1- دیکھیں: شرح السندی للمسند، جلد دوم، صفحہ 394۔

2- اسے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ، جلد دوم، صفحہ 133 میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ کی کتاب فقہ السیرۃ پر اپنے تعلیق، جلد، صفحہ 358 میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

کسریٰ بھی رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں ہلاک ہو گیا، اور اس کے بارے میں کسریٰ کے بھیجے ہوئے قاصد کو آپ ﷺ نے خبر دی تھی۔ چنانچہ امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں سندِ مرسل کے ساتھ، جس کے تمام راوی ثقہ ہیں، عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: کسریٰ نے باذان[1] کو خط لکھا: ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک شخص کوئی ایسی بات کہتا ہے جسے میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے۔ تم اس کے پاس کسی کو بھیجو اور اس سے کہو کہ اپنے گھر میں بیٹھا رہے اور لوگوں سے کوئی تعلق نہ رکھے، ورنہ وہ مجھ سے ملاقات کا کوئی وقت مقرر کرے تاکہ میں اس سے ملوں۔'' راوی کہتے ہیں: چنانچہ باذان نے رسول اللہ ﷺ کے پاس دو آدمیوں کو بھیجا، جنہوں نے اپنی داڑھیاں منڈوا رکھی تھیں اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا[2]؟'' انہوں نے کہا: ''ہمارے ان لوگوں نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جنہیں ہم اپنا رب مانتے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن ہم تمہاری اس سنت کی مخالفت کرتے ہیں؛ ہم اس کو کاٹتے[3] ہیں اور اس کو[4] بڑھاتے ہیں۔'' راوی کہتے ہیں: پھر آپ ﷺ نے انہیں کئی دنوں تک اپنے پاس رکھا۔ اس کے بعد فرمایا: ''تم دونوں اپنے ان لوگوں کے پاس جاؤ

1- باذان، یمن میں کسریٰ کا عامل اور اس کا مقرر کردہ حاکم تھا۔

2- یعنی داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا۔

3- یعنی مونچھیں۔

4- یعنی داڑھی۔

جنہیں تم اپنا رب[1] مانتے ہو، اور انہیں بتاؤ کہ میرے رب نے اس شخص کو ہلاک کر دیا ہے جو خود کو ان کا رب سمجھتا تھا[2]۔'' انہوں نے پوچھا: ''یہ کب ہوا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج۔'' چنانچہ وہ دونوں باذان کے پاس گئے اور اسے یہ خبر دی۔ باذان نے کسریٰ کو خط لکھ کر اس واقعے کی اطلاع دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ وہی دن تھا جس دن کسریٰ قتل ہوا تھا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا قیصر[4] کے نام خط

رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ[5] بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر روم کے بادشاہ قیصر کے پاس بھیجا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے وہ خط بصریٰ کے حاکم کے حوالے کیا، جس نے اسے ہرقل تک پہنچایا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے قیصر کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے خط لکھا اور وہ خط حضرت

1- وہ باذان تھا۔

2- یعنی کسری۔

3- اسے امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف، حدیث نمبر 37781 میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے شیخ محمد غزالی رحمہ اللہ کی کتاب فقہ السیرۃ پر اپنی تحقیق میں اس روایت کے مختلف طرق ذکر کیے ہیں، صفحہ 359، اور اسے حسن قرار دیا ہے۔

4- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ 136 میں فرماتے ہیں: ''قیصر شام میں رومیوں کا عظیم بادشاہ تھا، اور قیصر روم کے ہر بادشاہ کا لقب ہے۔ جس قیصر کو رسول اللہ ﷺ نے خط لکھا تھا اور جو اس وقت شام میں حکمران تھا، اس کا نام ہرقل تھا۔ 'ہرقل' میں 'ہاء' کے نیچے زیر اور 'راء' پر زبر ہے، اور یہی مشہور ہے۔''

5- ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الاصول، جلد اول، صفحہ 365، قسم التراجم میں فرماتے ہیں: ''دحیہ'' میں 'دال' کے نیچے زیر، 'ح' مہملہ پر سکون اور 'ی' کے نیچے دو نقطے ہیں۔ اکثر محدثین اور اہلِ لغت اسی طرح اسے روایت کرتے ہیں۔

دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس کے پاس بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ یہ خط بصریٰ[1] کے حاکم کے حوالے کریں، تاکہ وہ اسے قیصر تک پہنچادے۔[2]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے خود اپنے منہ[3] سے براہِ راست یہ واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا: جس مدت میں میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان صلح کا معاہدہ[4] تھا، میں ایک مرتبہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ میں شام میں موجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہرقل کے نام ایک خط لایا گیا۔ یہ خط حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔ انہوں نے یہ خط بصریٰ کے حاکم کے حوالے کیا، اور بصریٰ کے حاکم نے اسے ہرقل تک پہنچادیا۔ ہرقل نے پوچھا:

1- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 63 میں فرماتے ہیں: ''بُصری'' میں 'باء' پر پیش ہے۔ یہ حوران کا ایک شہر ہے۔ یہ شہر 13 ہجری کے ربیع الاول کی 25 تاریخ کو صلح کے ذریعے فتح ہوا اور یہ شام میں فتح ہونے والا پہلا شہر تھا۔ اور اپنی شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 88 میں فرماتے ہیں: ''عظیم بُصری'' سے مراد اس شہر کا حاکم ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2940 میں روایت کیا ہے۔

3- عربی عبارت: "من فيه إلى في" ہے؛ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 80 میں فرماتے ہیں: ''ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ نہیں کہا کہ 'میرے کان سے'، بلکہ یہ تعبیر اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بات اس قدر توجہ اور قرب سے سن رہے تھے کہ ضرورت پڑنے پر ان کا جواب بھی دے سکتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے روایت کو 'ان کے منہ سے براہِ راست' بیان کرنے سے تعبیر کیا، حالانکہ حقیقت میں یہ بات ان کے کان سے سننے ہی سے متعلق تھی۔''

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد اول، صفحہ 49 میں فرماتے ہیں: ''یعنی اس سے مراد حدیبیہ میں ہونے والی صلح کی مدت ہے۔''

''کیا یہاں اس شخص کی قوم میں سے کوئی موجود ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے؟''
لوگوں نے کہا: ''جی ہاں۔'' چنانچہ مجھے قریش کے چند افراد کے ساتھ بلایا گیا۔ ہم ہرقل کے پاس پہنچے تو اس نے ہمیں اپنے سامنے بٹھایا اور پوچھا: ''تم میں اس شخص سے سب سے زیادہ قریبی نسب والا کون ہے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے؟'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ''میں۔'' چنانچہ مجھے اس کے سامنے بٹھادیا گیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھادیا گیا۔ پھر ہرقل نے اپنے ترجمان[1] کو بلایا اور کہا: ''ان لوگوں سے کہو کہ میں اس شخص سے اس شخص کے بارے میں کچھ سوالات کروں گا جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگر یہ میرے سامنے جھوٹ بولے تو تم اس کی تکذیب کرنا۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ لوگ میرے جھوٹ کو دوسروں تک پہنچادیں گے تو میں ضرور جھوٹ بولتا۔

پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ''اس سے پوچھو کہ اس شخص کا تم لوگوں میں کیا مرتبہ اور نسب ہے؟'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے جواب دیا: ''وہ ہم میں اعلیٰ نسب والا ہے۔'' ہرقل نے پوچھا: ''کیا اس کے آباء واجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے پوچھا: ''کیا اس کے اس دعوائے نبوت سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹ سے متہم کرتے تھے؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے

1- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 88 میں فرماتے ہیں: ''ترجمان'' سے مراد مترجم ہے۔ ''ترجمان'' میں ''تاء'' پر پیش بھی پڑھی جاتی ہے اور زبر بھی، البتہ زبر زیادہ فصیح ہے۔ ترجمان وہ شخص ہوتا ہے جو ایک زبان کی بات کو دوسری زبان میں منتقل کرے۔''

پوچھا: ''اس کی پیروی کرنے والے لوگوں میں بڑے اور معزز لوگ زیادہ ہیں یا کمزور اور عام لوگ؟'' میں نے کہا: ''بلکہ کمزور اور عام لوگ۔'' اس نے پوچھا: ''کیا ان کی تعداد بڑھ رہی ہے یا کم ہو رہی ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں، بلکہ بڑھ رہی ہے۔'' اس نے پوچھا: ''کیا ان میں سے کوئی شخص اس کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے ناراض ہو کر اپنے دین سے پھر جاتا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔'' اس نے پوچھا: ''کیا تم نے اس سے جنگ بھی کی ہے؟'' میں نے کہا: ''ہاں۔'' اس نے پوچھا: ''اس کے ساتھ تمہاری جنگ کا کیا حال رہا؟'' میں نے کہا: ''ہمارے اور اس کے درمیان جنگ کبھی ہمارے حق میں اور کبھی اس کے حق میں ہوتی رہی؛ کبھی وہ ہم پر غالب آتا ہے اور کبھی ہم اس پر غالب آتے ہیں۔'' اس نے پوچھا: ''کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں، البتہ اس مدت میں جو ہمارے اور اس کے درمیان معاہدہ ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ وہ اس کے بارے میں کیا کرے گا۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھے اس کے کسی سوال میں ایسی گنجائش نہیں ملی کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی بات شامل کر سکتا، سوائے اسی آخری بات کے۔ پھر ہرقل نے پوچھا: ''کیا اس سے پہلے بھی کسی نے ایسی بات کہی ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔''

پھر ہرقل نے پوچھا: ''وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟'' میں نے کہا: ''وہ ہمیں نماز قائم کرنے، زکاۃ ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے اور پاک دامنی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔'' اس پر ہرقل نے کہا: ''اگر تم اس کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو، وہ درست ہے تو یقیناً وہ نبی ہے۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے،

لیکن مجھے یہ گمان نہیں تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہو گا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس تک پہنچ سکوں گا تو میں اس سے ملاقات کی ضرور کوشش کرتا[1]، اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے قدم دھوتا۔ اور یقیناً اس کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے قدم پہنچے ہیں۔'' پھر ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا خط منگوایا اور اسے پڑھا۔ اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم محمد اللہ کے رسول کی جانب سے ہرقل، عظیمِ روم کے نام۔ سلامتی ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ امابعد! میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کر لو، سلامتی پاؤ گے، اور اسلام قبول کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا فرمائے گا۔ لیکن اگر تم نے منہ موڑا تو تم پر اَریسیین[2] کا گناہ بھی ہو گا۔ اے اہلِ کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے: ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور

1- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 91 میں فرماتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس تک پہنچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا اور اس مقصد کے لیے مشقت بھی برداشت کرتا، لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس تک پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں روک دیا جاؤں۔ تاہم، اس کے لیے یہ کوئی عذر نہیں تھا، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت کو پہچان چکا تھا۔ لیکن اسے اپنی بادشاہت چھن جانے کا خوف اور اقتدار کی خواہش نے اسلام قبول کرنے سے روک دیا، چنانچہ اس نے اسلام کے مقابلے میں اپنی بادشاہت اور اقتدار کو ترجیح دی۔''

2- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 93 میں فرماتے ہیں: ''یعنی اس سے مراد کاشت کار اور کسان ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری رعایا میں سے جو لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں اور تمہارے تابع ہیں، ان کے گناہ کا وبال بھی تم پر ہو گا۔ ان لوگوں کا خاص طور پر ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ رعایا کی اکثریت پر مشتمل ہوتے ہیں اور دوسروں کی نسبت جلدی تابع ہو جاتے ہیں۔''

ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: ''گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔''(سورۃ آل عمران:64)

جب ہرقل خط پڑھ چکا تو اس کے دربار میں آوازیں بلند ہو گئیں اور بہت شور و غل ہونے لگا۔ پھر اس نے ہمیں وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ہم باہر نکلے تو میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''ابن ابی کبشہ کا معاملہ بہت مضبوط ہو گیا ہے[1]؛ بنی اصفر کا بادشاہ بھی اس سے خوف محسوس کرتا ہے۔'' اس کے بعد سے میں رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں ہمیشہ اس یقین پر قائم رہا کہ آپ ﷺ غالب ہو کر رہیں گے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام داخل کر دیا۔[2]

میں کہتا ہوں کہ ہرقل نے اسلام کے مقابلے میں اپنی بادشاہت اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کو ترجیح دی۔ چنانچہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہرقل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ میں اپنی بادشاہت کے بارے میں کس قدر خوف زدہ ہوں۔'' اور قیصر نے رسول اللہ ﷺ کے نام خط لکھا کہ ''میں مسلمان ہو گیا ہوں'' اور آپ ﷺ کی خدمت میں کچھ دینار بھی بھیجے۔ رسول اللہ

1-ابن اثیر رحمہ اللہ النہایہ، جلد اول، صفحہ 67 میں فرماتے ہیں: ''یعنی رسول اللہ ﷺ کا معاملہ بہت مضبوط ہو گیا اور آپ ﷺ کا اثر و مرتبہ بڑھ گیا۔''

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7 اور 4553، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1773 کے تحت روایت کیا ہے۔

ﷺ نے جب اس کا خط پڑھا تو فرمایا: ''اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا ہے، وہ مسلمان نہیں ہوا؛ وہ ابھی نصرانیت ہی پر قائم ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے وہ دینار تقسیم فرما دیے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''اس بات کی مزید تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ ہرقل نے ایمان کے مقابلے میں اپنی بادشاہت کو ترجیح دی اور گمراہی ہی پر قائم رہا، کیونکہ اس واقعے کو دو سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ 8 ہجری میں غزوۂ مؤتہ کے موقع پر اس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کا مقوقس[3] کے نام خط

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مقوقس کے پاس بھیجا، جو اسکندریہ اور مصر کا حکمران تھا۔ وہ قریب آ گیا، لیکن اس کے اسلام لانے کا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہدایا اور قیمتی تحائف بھی بھیجے۔''[4]

1- اسے ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4504 میں روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد اول، صفحہ 55۔

3- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ 240 میں فرماتے ہیں: ''مقوقس اسکندریہ کا حاکم تھا۔ وہ کافر تھا، اسی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت ماریہ اور ان کی بہن سیرین رضی اللہ عنہما اور خچر ہدیہ کیا تھا۔'' اور ابن اثیر رحمہ اللہ اسد الغابہ میں فرماتے ہیں: ''ابن مندہ اور ابو نعیم نے اس کا ذکر کیا ہے، لیکن اسے صحابہ میں شمار نہیں کیا، کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہوا بلکہ اپنی نصرانیت ہی پر قائم رہا۔ اسی کے دور میں نہیں، بلکہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں مسلمانوں نے مصر فتح کیا۔''

4- دیکھیں: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 327۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں عبدالرحمن بن عبدالقاری سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کو مقوقس، حاکمِ اسکندریہ، کے پاس اپنا خط دے کر بھیجا۔ مقوقس نے آپ ﷺ کا خط قبول کیا، حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم کی اور ان کی اچھی مہمان نوازی کی۔ پھر انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس بھیج دیا۔ اس نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک لباس، ایک سرمئی رنگ کا خچر [1] بمعہ زین اور دو کنیزیں [2] بھی ہدیہ کیں۔ ان میں سے ایک حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ دوسری کنیز اس نے جُہَم بن قیس عبدری کو دے دی تھی۔ وہ حضرت زکریا بن جُہَم کی والدہ تھیں، جو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے زمانۂ حکومت میں مصر میں ان کے نائب تھے۔ [3]

امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”مصر کے حاکم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو قبطی کنیزیں، جو آپس میں بہنیں تھیں، اور ایک خچر ہدیہ کیا۔ خچر کو

1- امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد اول، صفحہ 130 میں فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کے پاس جو خچر تھے، ان میں سے ایک کا نام دُلدُل تھا۔ یہ سرمئی رنگ کا خچر تھا، جو مقوقس نے آپ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔“ امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 137 میں فرماتے ہیں: ”دُلدُل“ میں دونوں ’دال‘ مہملہ پر پیش ہے۔

2- بیہقی کی دلائل النبوۃ، جلد چہارم، صفحہ 396 کی ایک روایت میں ”تین کنیزیں“ کے الفاظ ہیں۔

3- اسے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 4349 میں روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سواری کے لیے استعمال فرماتے تھے۔ان دونوں کنیزوں میں سے ایک کو آپ ﷺ نے اپنی ملکیت میں لے لیا، جس سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جبکہ دوسری کنیز حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔"(1)

امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "مصر کے حاکم مقوقس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں شیشے کا ایک پیالہ ہدیہ کیا، جس میں آپ ﷺ پانی نوش فرماتے تھے۔"(2)

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فارس، روم اور مصر کی فتح کی بشارت

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب کسریٰ ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں ہو گا، اور جب قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں ہو گا۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کیے جائیں گے۔"(3)

1-اسے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 4350 میں روایت کیا ہے۔

2-اسے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 4304 میں روایت کیا ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ 406 میں اسے امام احمد رحمہ اللہ کی مسند کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند میں کلام ہے۔

3-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 3618، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2918 میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس میں ایک عظیم بشارت ہے کہ رومیوں کی بادشاہت دوبارہ کبھی سرزمینِ شام کی طرف واپس نہیں آئے گی۔''(1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر تمام علماء فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عراق میں اس طرح کوئی کسریٰ باقی نہیں رہے گا اور شام میں اس طرح کوئی قیصر باقی نہیں رہے گا، جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خبر دی کہ ان دونوں علاقوں میں ان دونوں کی بادشاہت ختم ہو جائے گی، اور ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ جہاں تک کسریٰ کا تعلق ہے تو اس کی بادشاہت ختم ہو گئی اور پوری زمین سے بالکل مٹ گئی۔ اس کی سلطنت پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی برکت سے بالکل نابود ہو گئی۔ رہا قیصر، تو وہ شام سے شکست کھا کر اپنے ملک کے دور دراز علاقوں میں چلا گیا۔ پھر مسلمانوں نے ان دونوں کے علاقوں کو فتح کر لیا اور وہ علاقے مسلمانوں کے قبضے میں مستحکم ہو گئے، والحمد للہ۔ اور مسلمانوں نے ان دونوں کے خزانے اللہ کی راہ میں اسی طرح خرچ کیے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی۔ یہ سب واضح معجزات میں سے ہیں۔(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

1- دیکھیں: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 665۔

2- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 18، صفحہ 34۔

''مسلمانوں یا مؤمنوں کا ایک گروہ آلِ کسریٰ کے اس خزانے کو ضرور فتح کرے گا جو سفید محل میں ہے۔''(1)

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ سفید محل، یعنی کسریٰ یا آلِ کسریٰ کے محل کو فتح کرے گا۔''(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم لوگ عنقریب مصر فتح کرو گے، اور وہ ایسی سرزمین ہے جہاں قیراط(3) کا ذکر کیا جاتا ہے۔ پس جب تم اسے فتح کرو تو وہاں کے لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، کیونکہ ان کے ساتھ عہد وامان کا تعلق بھی ہے اور قرابت کا بھی، یا فرمایا: عہد وامان اور سسرالی رشتہ ہے۔''(4)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ذِمہ'' سے مراد حرمت اور حق ہے، اور یہاں اس سے مراد ذِمام یعنی عہد وامان ہے۔ رہی قرابت تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2978 میں روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1822 میں روایت کیا ہے۔

3- ابن اثیر رحمہ اللہ النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 34 میں فرماتے ہیں: ''قیراط، دینار کے اجزا میں سے ایک حصہ ہے۔ یہاں 'اس سرزمین' سے مراد مصر ہے۔ اگرچہ قیراط کا ذکر دوسری سرزمینوں کے بارے میں بھی ملتا ہے، لیکن یہاں مصر کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ وہاں کے لوگ عموماً جب کسی شخص کو کوئی ناپسندیدہ بات سناتے تو کہتے تھے: 'میں نے فلاں کو قیراط دیے۔' اور یہ بھی کہتے تھے: 'جاؤ، میں تمہیں تمہارے قیراط نہیں دوں گا۔' یعنی اس سے مراد کسی کو برا بھلا کہنا اور اسے ناپسندیدہ باتیں سنانا ہے۔ یہ محاورہ مصر کے علاوہ دوسرے لوگوں کی گفتگو میں نہیں پایا جاتا۔''

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2543 اور 227 میں روایت کیا ہے۔

ہاجرہ رضی اللہ عنہا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں، مصر سے تعلق رکھتی تھیں۔ اور سسرالی رشتہ اس لیے ہے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا، جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، مصر سے تعلق رکھتی تھیں۔ (1)

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم مصر فتح کرو (2) تو قبطیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت قبول کرنا، کیونکہ ان کے ساتھ عہد وامان کا تعلق بھی ہے اور قرابت کا بھی۔'' (3)

امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الکبیر میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی: مصر کے قبطیوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم عنقریب ان پر غالب آجاؤ گے، اور وہ تمہارے لیے اللہ کی راہ میں مددگار اور معاون ثابت ہوں گے۔'' (4)

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 16، صفحہ 79۔

2- امام طحاوی کی روایت میں ''إِنْ دَخَلْتُمْ'' کے الفاظ ہیں۔

3- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک، حدیث نمبر 4076، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 2364 میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 1374 میں ذکر کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

4- اسے امام طبرانی رحمہ اللہ نے المعجم الکبیر، حدیث نمبر 18159 میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3103 میں ذکر کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

غزوۂ ذی قَرَد[1] یا غزوۂ غابہ[2]

صحیح قول کے مطابق غزوۂ ذی قَرَد، صلح حدیبیہ کے بعد اور غزوۂ خیبر سے تین دن پہلے پیش آیا[3]۔ اس کی دلیل صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جو اس غزوے کے نمایاں مجاہد تھے۔ وہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ پہنچے، اس وقت ہماری تعداد چودہ سو تھی۔'' پھر انہوں نے غزوۂ ذی قَرَد اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ واپسی کا واقعہ بیان کیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ہمیں مدینہ واپس آئے ابھی صرف تین راتیں ہی گزری تھیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔''[4]

1- قَرَد میں 'قاف' پر زبر ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے دو رات کی مسافت پر واقع ایک پانی کا چشمہ ہے، جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 33۔ امام سہیل رحمہ اللہ روض الأنف، جلد چہارم، صفحہ 3 میں فرماتے ہیں: ''قَرَد'' لغت میں ردی اور گھٹیا اون کو کہتے ہیں۔

2- ابن سید الناس رحمہ اللہ عیون الأثر، جلد دوم، صفحہ 125 میں فرماتے ہیں: ''غزوۂ ذی قَرَد، جسے غزوۂ غابہ بھی کہا جاتا ہے۔'' اور ابن سعد رحمہ اللہ اپنی طبقات، جلد دوم، صفحہ 289 میں فرماتے ہیں: ''پھر رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ غابہ کیا۔ غابہ مدینہ منورہ سے ایک بُرید کی مسافت پر، شام جانے والے راستے پر واقع ہے۔'' میں کہتا ہوں: اس غزوے کو غزوۂ غابہ اس لیے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وہ دودھ دینے والی اونٹنیاں، جن پر دشمن نے حملہ کیا تھا، اسی مقام پر تھیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 234 میں فرماتے ہیں: ''اللِّقاح'' میں 'لام' کے نیچے زیر اور 'قاف' ساکن ہے، اس کے بعد 'ح' مہملہ ہے۔ اس سے مراد دودھ دینے والی اونٹنیاں ہیں۔ اس کی واحد ''لَقُحَة'' ہے، جس میں 'لام' کے نیچے زیر بھی آتی ہے اور زبر بھی۔

3- عام اہلِ مغازی کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ ذی قَرَد صلح حدیبیہ سے پہلے پیش آیا تھا۔ یہی رائے ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 308 میں، ابن سعد نے طبقات، جلد دوم، صفحہ 289 میں اور دیگر اہلِ سیرت نے بھی اختیار کی ہے۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807 میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ کے بعد پیش آیا تھا، اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اسی بات کی صراحت کرتی ہے۔''(1)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بہت سے اہلِ مغازی اور اہلِ سیرت کو اس معاملے میں وہم ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ صلح حدیبیہ سے پہلے پیش آیا تھا۔''(2)

غزوۂ ذی قَرَد کا سبب

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں فجر کی اذان سے پہلے ہی نکل گیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کی دودھ دینے والی اونٹنیاں ذی قَرَد کے مقام پر چر رہی تھیں۔ اتنے میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے مجھے آکر بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنیاں لے لی گئی ہیں۔ میں نے پوچھا: انہیں کس نے لے لیا ہے؟ اس نے کہا: غطفان نے۔ میں نے تین مرتبہ بلند آواز

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ، جلد سوم، صفحہ 368۔

میں کہتا ہوں: درج ذیل ائمہ اور اہلِ علم نے بھی وہی رائے اختیار کی ہے جو امام بیہقی رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، جلد 8، صفحہ 233 میں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 234 میں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 541، اور الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 178 میں۔ اور امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 328 میں۔

2- دیکھیں: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 328۔

سے پکارا: 'یاصباحاہ!' یعنی لوگو! صبح کے حملے سے خبردار ہو جاؤ۔ میری آواز مدینہ منورہ کے دونوں پتھریلے کناروں[1] کے درمیان موجود لوگوں تک پہنچ گئی[2]۔ پھر میں تیزی سے ان کے تعاقب میں روانہ ہوا، یہاں تک کہ ذی قَرَد کے مقام پر ان کے جا پہنچا۔"[3]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواریاں رباح کے ساتھ روانہ فرمائی تھیں، جو آپ ﷺ کے غلام تھے، اور میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں ایک تیز رفتار گھوڑا لے کر ان کے ساتھ نکلا اور اسے سواریاں چرانے کے لیے ساتھ لے جاتا رہا۔ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عبدالرحمن فزاری نے رسول اللہ ﷺ کی سواریاں لوٹنے کے لیے حملہ کر دیا ہے۔ وہ تمام سواریاں ہانک کر لے گیا اور ان کے چرواہے کو بھی قتل کر دیا۔ میں نے کہا: اے رباح! یہ گھوڑا لے کر طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ جاؤ اور رسول اللہ

1- امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی شرح صحیح مسلم، جلد نہم، صفحہ 115 میں فرماتے ہیں: "اہلِ لغت اور غریب الحدیث کے ماہرین کہتے ہیں کہ 'لابتان' کی واحد 'لابۃ' ہے، اور اس سے مراد وہ زمین ہے جو سیاہ پتھروں سے ڈھکی ہوئی ہو۔ مدینہ منورہ کے مشرقی اور مغربی جانب دو 'لابتان' ہیں، اور مدینہ منورہ ان دونوں کے درمیان واقع ہے۔"

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 235 میں فرماتے ہیں: "اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کی آواز بہت بلند اور دور تک پہنچنے والی تھی، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ خوارقِ عادات میں سے ہو۔"

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4094، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1806 میں روایت کیا ہے۔

ﷺ کو اطلاع دے دو کہ مشرکین نے آپ ﷺ کی سواریاں لوٹنے کے لیے حملہ کر دیا ہے۔"[1]

سلمہ رضی اللہ عنہ کا غطفان کا تعاقب کرنا

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "پھر میں اپنی تلوار اور تیروں کے ساتھ ان لوگوں کے تعاقب میں نکل پڑا۔ جہاں درخت زیادہ ہوتے، وہاں میں ان پر تیر برساتا اور ان کے جانوروں کو زخمی کر دیتا۔ جب کوئی سوار پلٹ کر میری طرف آتا تو میں کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جاتا اور اس پر تیر چلاتا۔ جو سوار بھی میری طرف بڑھتا، میں اسے تیر مار کر زخمی کر دیتا۔ میں مسلسل ان پر تیر برساتا جاتا اور ساتھ کہتا:

أنا ابن الأكوع واليوم يوم الرضع

ترجمہ: "میں ابن اکوع ہوں، اور آج ذلیل لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے"۔

پھر میں ان میں سے ایک آدمی کے قریب جا پہنچا، جو اپنی سواری پر سوار تھا۔ میں نے اسے تیر مارا تو میرا تیر اس کے جسم میں پیوست ہو گیا اور اس کے کندھے کو چھیدتا ہوا نکل گیا۔ میں نے کہا: 'یہ تیر بھی لے لو!

أنا ابن الأكوع واليوم يوم الرضع

ترجمہ: "میں ابن اکوع ہوں، اور آج ذلیل لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے"۔

جب میں درختوں کے درمیان ہوتا تو تیروں کی بوچھاڑ سے انہیں سخت پریشان کرتا، اور جب گھاٹیاں تنگ ہو جاتیں تو پہاڑ پر چڑھ جاتا اور اوپر سے ان پر پتھر

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807 میں روایت کیا ہے۔

برساتا۔ یوں میرا اور ان کا تعاقب و گریز کا سلسلہ جاری رہا۔ میں ان کے پیچھے لگا رہتا اور اشعار پڑھتا جاتا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی سواریاں اور ان کا جو کچھ سامان بھی وہ اپنے ساتھ لے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں سے ان کے قبضے سے چھڑا لیا؛ حتیٰ کہ ان کی کوئی چیز ایسی نہ رہی جسے میں نے ان کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو۔ پھر بھی میں مسلسل ان پر تیر برساتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے تیس سے زیادہ نیزے اور تیس سے زیادہ چادریں پھینک دیں، جنہیں وہ بوجھ سمجھ کر ہلکا ہونا چاہتے تھے۔ وہ جو چیز بھی پھینکتے، میں اس پر پتھر رکھ دیتا اور انہیں رسول اللہ ﷺ کے راستے میں جمع کرتا جاتا۔ جب چاشت کا وقت کافی گزر گیا تو عیینہ بن بدر فزاری ان کی مدد کے لیے پہنچا۔ اس وقت وہ ایک تنگ گھاٹی میں تھے۔ میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور ان کے اوپر جا پہنچا۔ عیینہ نے پوچھا: 'یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟' انہوں نے کہا: 'ہم صبح سے اب تک اس شخص کی سخت گرفت میں ہیں؛ یہ ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں چھوڑا۔ ہمارے ہاتھ میں جو کچھ تھا، اس نے سب چھین کر اپنے پیچھے رکھ دیا ہے۔' عیینہ نے کہا: ''اگر اسے یہ خیال نہ ہوتا کہ اس کے پیچھے کوئی تعاقب کرنے والا دستہ آ رہا ہے تو وہ تمہیں کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ تم میں سے چند آدمی اس کی طرف جائیں۔' چنانچہ ان میں سے چار آدمی اس کی طرف جانے کے لیے کھڑے ہوئے اور پہاڑ پر چڑھ آئے۔ جب میں نے ان کی آواز سنی تو میں نے کہا: 'کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟' انہوں نے پوچھا: 'تم کون ہو؟' میں نے کہا: 'میں ابن اکوع ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کے چہرے کو عزت

بخشی! تم میں سے کوئی شخص مجھے پکڑنے کے لیے میرے پیچھے آئے گا تو مجھے نہیں پکڑ سکے گا، اور اگر میں کسی کے پیچھے لگ جاؤں تو وہ مجھ سے بچ نہیں سکے گا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کا دشمن کے تعاقب میں روانہ ہونا

جب رسول اللہ ﷺ تک حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پکار پہنچی تو آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں خطرے کی اطلاع کے لیے بلند آواز سے پکارا: ''خبردار! خطرہ ہے!'' چنانچہ گھوڑے دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے لگے۔ سواروں میں سب سے پہلے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ ان کے بعد انصار میں سے سب سے پہلے جو سوار رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، وہ حضرت عبادہ بن بشر، حضرت سعد بن زید، حضرت اسید بن ظہیر، حضرت عکاشہ بن محصن، حضرت محرز بن نضلہ، حضرت ابو قتادہ حارث بن ربعی اور حضرت ابو عیاش عبید بن زید بن صامت رضی اللہ عنہم تھے۔ جب یہ تمام حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا، پھر فرمایا: ''تم ان لوگوں کے تعاقب میں روانہ ہو جاؤ، میں بھی لوگوں کے ساتھ تمہارے پیچھے آتا ہوں۔''[2]

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 16539 میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔

2- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 309۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں اسی جگہ بیٹھا رہا، یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے سوار درختوں کے درمیان سے آتے ہوئے دکھائی دیے۔ سب سے آگے اَخرم اسدی تھے، جو محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان کے پیچھے رسول اللہ ﷺ کے شہسوار حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے، اور ان کے پیچھے حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ تھے۔ جب مشرکین نے انہیں دیکھا تو پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ میں پہاڑ سے اترا اور اَخرم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی لگام تھام کر کہا: ''اے اَخرم! ذرا ٹھہر جایئے اور ان لوگوں سے محتاط رہیے، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کو گھیر کر نقصان نہ پہنچا دیں۔ اس وقت تک انتظار کیجیے جب تک رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے آ نہ ملیں۔'' انہوں نے فرمایا: ''اے سلمہ! اگر تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو اور جانتے ہو کہ جنت حق ہے اور جہنم حق ہے، تو میرے اور شہادت کے درمیان حائل نہ ہو۔'' حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ میں نے ان کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔ وہ آگے بڑھے اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ بھی ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ دونوں کے درمیان نیزوں سے مقابلہ ہوا۔ اَخرم رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کو زخمی کر دیا، جبکہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے اَخرم رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ پھر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ اَخرم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اسی دوران حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ عبدالرحمن رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئے۔ دونوں کے درمیان بھی نیزوں سے مقابلہ ہوا۔ اَخرم رضی اللہ عنہ

کے گھوڑے کو بھی زخمی کر دیا گیا اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کے سوار کو قتل کر دیا۔ پھر ابو قتادہ رضی اللہ عنہ آخرم رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ پھر میں دشمن کے تعاقب میں دوڑتا ہوا اتنا آگے نکل گیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی گرد و غبار بھی دکھائی نہ دیتی تھی۔ سورج غروب ہونے سے کچھ پہلے وہ ایک ایسی گھاٹی کی طرف مڑ گئے جہاں پانی کا ایک چشمہ تھا جسے ذی قَرَد کہا جاتا تھا۔ وہ وہاں پانی پینا چاہتے تھے، لیکن انہوں نے مجھے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے دیکھ لیا، تو پانی سے منہ موڑ کر ذی نَشُر کی گھاٹی کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے۔ سورج غروب ہو گیا، لیکن میں نے ان میں سے ایک شخص کو جا لیا اور اسے تیر مار کر کہا: ''یہ تیر بھی لے لو!

أنا ابن الأكوع والیوم یوم الرضع

ترجمہ: میں ابن اکوع ہوں، اور آج ذلیل لوگوں کی ہلاکت کا دن ہے۔''

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اس شخص نے کہا: ہائے میری بربادی! کیا تم وہی ابنِ اکوع ہو جو صبح سویرے ہمارا تعاقب کر رہا تھا؟! میں نے کہا: 'ہاں، اے اپنے ہی نفس کے دشمن!' یہ وہی تھا جس شخص کو میں نے صبح تیر مارا تھا۔ پھر میں نے اس کے پیچھے ایک اور تیر چلایا، جو پہلے تیر کے ساتھ جا لگا۔ وہ لوگ دو گھوڑے بھی پیچھے چھوڑ گئے تھے، چنانچہ میں ان دونوں گھوڑوں کو ہانکتا ہوا رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آیا۔ رسول اللہ ﷺ اسی پانی کے چشمے کے پاس تشریف فرما تھے جس سے میں نے ان لوگوں کو پانی پینے سے بھگا دیا تھا، یعنی ذی قَرَد کے مقام پر۔ اس وقت نبی کریم ﷺ کے ساتھ پانچ سو صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ان

لوگوں کی چھوڑی ہوئی اونٹنی میں سے ایک کو ذبح کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے لیے اس کی کلیجی اور کوہان آگ پر بھون رہے تھے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ ﷺ کے صحابہ میں سے سو آدمی منتخب کر لوں۔ پھر میں رات کی تاریکی میں دشمنوں پر جا پڑوں گا اور ان میں سے جو بھی کوئی خبر دینے والا باقی ہوگا، اسے قتل کر دوں گا۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اے سلمہ! کیا تم واقعی ایسا کر سکتے ہو؟' میں نے عرض کیا: 'جی ہاں، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو عزت بخشی ہے!' رسول اللہ ﷺ اتنا ہنسے کہ آگ کی روشنی میں مجھے آپ ﷺ کی پچھلی داڑھیں دکھائی دینے لگیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'وہ لوگ اس وقت غطفان کی سرزمین میں اپنی قوم کے پاس آرام کر رہے ہیں۔' اتنے میں غطفان کا ایک آدمی آیا اور اس نے کہا: 'وہ فلاں غطفانی کے پاس سے گزرے، چنانچہ اس نے ان کے لیے ایک اونٹ ذبح کیا ہے۔' حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: 'جب وہ لوگ اس اونٹ کی کھال اتارنے لگے تو انہیں دور سے گرد و غبار کا ایک بادل دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے کھال وہیں چھوڑ دی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔' حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'آج ہمارے سواروں میں سب سے بہتر ابو قتادہ ہیں، اور ہمارے پیادہ سواروں میں سب سے بہتر سلمہ ہیں۔' رسول اللہ ﷺ نے مجھے پیادہ اور سوار، دونوں کا حصہ عطا فرمایا، پھر مجھے اپنی اونٹنی عضباء پر اپنے پیچھے سوار کر لیا اور ہم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب ہم مدینہ منورہ سے تقریباً چاشت کے وقت کی مسافت پر رہ گئے تو انصار

میں سے ایک شخص، جو دوڑ میں کبھی شکست نہیں کھاتا تھا، پکارنے لگا: 'ہے کوئی جو میرے ساتھ دوڑ لگائے؟ ہے کوئی جو ہمارے ساتھ مدینہ تک دوڑ کا مقابلہ کرے؟' وہ بار بار یہی آواز لگاتا رہا، جبکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سوار تھا۔ میں نے اس سے کہا: 'کیا تم کسی معزز شخص کی عزت نہیں کرتے اور کسی شریف آدمی کا لحاظ نہیں کرتے؟' اس نے کہا: 'نہیں، البتہ رسول اللہ ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔' میں نے عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس شخص کے ساتھ دوڑ لگاؤں۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اگر تم چاہو تو دوڑ لگالو۔' میں نے عرض کیا: 'تو پھر مجھے اجازت دیجیے۔' چنانچہ وہ اپنی سواری سے کود پڑا، میں نے بھی اپنے پاؤں سمیٹ کر اونٹنی سے چھلانگ لگادی۔ پھر میں نے ایک یا دو چڑھائیوں تک اپنی رفتار کچھ روک کر رکھی، یعنی اپنی طاقت محفوظ رکھی۔ اس کے بعد میں پوری قوت سے دوڑا، یہاں تک کہ اس سے جاملا اور اپنے ہاتھ سے اس کے دونوں کندھوں کے درمیان تھپکی ماری اور کہا: 'اللہ کی قسم! میں تم سے آگے نکل گیا۔' یا اسی مفہوم کے الفاظ کہے۔ وہ ہنس پڑا اور کہا: 'میرا خیال بھی یہی ہے۔' یہاں تک کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ (1)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 16539 میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے مختصراً اپنی صحیح، حدیث نمبر 3041 اور 4194، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1806 میں بھی روایت کیا ہے۔

غزوۂ خیبر [1]

غزوۂ خیبر، غزوۂ ذی قَرَد کے تین رات بعد پیش آیا۔ یہ ہجری کے ساتویں سال محرم کے مہینے میں پیش آنے والا یہ اہم غزوہ تھا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ہمیں مدینہ واپس آئے ابھی صرف تین راتیں [2] ہی گزری تھیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہو گئے۔''[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ التلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں: ''رہا غزوۂ خیبر کا واقعہ، تو یہ ہجرت کے ساتویں سال پیش آیا۔ اہلِ مغازی کی اکثریت کے نزدیک یہی مشہور اور معروف قول ہے۔''[4]

1- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الاسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 184 میں فرماتے ہیں: ''خیبر ایک معروف بستی ہے، جو مدینہ منورہ سے تقریباً چار مراحل کی مسافت پر شام کی جانب واقع ہے۔ یہ کھجوروں کے باغات اور زرعی زمینوں پر مشتمل علاقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے ساتویں سال کے آغاز میں اسے فتح فرمایا۔''

2- یعنی غزوۂ ذی قَرَد سے واپسی کے بعد۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807 میں روایت کیا ہے۔

4- دیکھئے: التلخیص الحبیر، جلد ششم، صفحہ 2866۔

میں کہتا ہوں: اسی قول پر امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 376 میں، اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 570، نیز الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 195 میں بھی قطعی طور پر اعتماد کیا ہے۔ جبکہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے جوامع السیرۃ، صفحہ 126 میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ غزوۂ خیبر ہجرت کے چھٹے سال کے اختتام کے قریب ماہِ محرم کے باقی ماندہ ایام میں پیش آیا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ الفصول، صفحہ 195 میں فرماتے ہیں: ''رہا ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف تو ان کے نزدیک غزوۂ خیبر بلاشبہ ہجرت کے چھٹے سال میں پیش آیا۔ اس کی وجہ ان کا اپنا مقرر کردہ طریقۂ تاریخ ہے۔ ان کے نزدیک ہجری سال کا آغاز ماہِ ربیع

غزوۂ خیبر کا سبب

خیبر مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا ایک بڑا مرکز تھا، اور وہاں یہودی ہی آباد تھے۔ یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے غزوۂ خندق کے موقع پر مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے احزاب کو جمع کیا تھا، اور بنو قریظہ کے یہودیوں کو بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد کو توڑنے پر اکسایا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کی سازش بھی کی اور مسلمانوں کے خلاف قریش کی جنگوں میں مال اور اسلحہ فراہم کر کے ان کی مدد بھی کی۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس خطرناک مرکز کا خاتمہ کیا جائے، جو مدینہ منورہ اور اس کے گرد و نواح میں امن، اطمینان اور سکون کے فقدان کے اسباب میں سے ایک تھا۔

خیبر کی فتح کی ربانی بشارت

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ کریم میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خیبر کی فتح کی بشارت دی، اور اس کی غنیمتیں خصوصاً اہلِ حدیبیہ کے لیے مقرر فرمائیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَـٰذِهِ﴾ ”اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے، اور یہ غنیمت تمہیں جلد عطا فرما دی۔“ (سورۃ الفتح: 20) امام مجاہد رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے فرمان

الاول سے ہوتا ہے، کیونکہ اسی مہینے رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔ تاہم اہلِ علم کی اکثریت نے ان کی اس رائے کی پیروی نہیں کی، بلکہ جمہور کے نزدیک ہجری تاریخ کا آغاز اسی سال کے ماہِ محرم سے ہوتا ہے۔“

﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس سے مراد خیبر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں خیبر کی فتح جلد عطا فرما دی۔''(1)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''اس آیت کی تفسیر میں درست ترین قول وہی ہے جو امام مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سفر کے بدلے انہیں قریبی فتح کے ساتھ بہت سی غنیمتیں عطا فرمائیں، اور اس سے مراد خیبر کی غنیمتیں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے صلح حدیبیہ کے بعد کوئی غنیمت حاصل نہیں کی تھی اور نہ ہی خیبر کی فتح اور اس کی غنیمتوں سے بڑھ کر کوئی فتح ان کے اس سفر کے زیادہ قریب تھی جو انہوں نے حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ سے بیعت کرنے کے لیے کیا تھا۔''(2)

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (سورۃ الفتح: 15)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ ان اعراب کے بارے میں خبر دے رہے ہیں جو غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ گئے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیبر کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے درخواست کی کہ انہیں بھی غنیمت

1- دیکھیں: تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 351۔

2- دیکھیں: تفسیر طبری، جلد 11، صفحہ 351۔

حاصل کرنے کے لیے اپنے ساتھ لے لیا جائے، حالانکہ وہ دشمنوں سے مقابلہ، جنگ اور ثابت قدمی کے وقت پیچھے رہ چکے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ﷺ انہیں اس مہم میں شریک ہونے کی اجازت نہ دیں، تاکہ ان کے گناہ کی جنس ہی سے انہیں سزا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حدیبیہ سے خاص طور پر خیبر کی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا تھا، اس میں پیچھے رہ جانے والے دوسرے اعراب کو شریک نہیں کیا گیا تھا۔ لہٰذا شرعی اور تقدیری دونوں اعتبار سے اس کے سوا کوئی اور صورت واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ﴾ یعنی وہ اللہ کے فرمان کو بدلنا چاہتے ہیں۔ امام مجاہد، امام قتادہ اور جویبر رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اہلِ حدیبیہ سے کیا تھا، اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا خیبر کی طرف روانہ ہونا

اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شریک ہوئے جو غزوۂ حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھے، سوائے ان صحابہ کے جو اس کے بعد وفات پا چکے تھے[2]۔ اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے

1- دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 7، صفحہ 337۔

2- ابن اسحاق رحمہ اللہ السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 380 میں فرماتے ہیں: "خیبر کی غنیمتیں اہلِ حدیبیہ میں تقسیم کی گئیں، خواہ وہ لوگ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے تھے یا اس سے غیر حاضر رہے تھے۔ ان میں سے صرف حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک نہیں ہوئے تھے، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بھی اتنا ہی حصہ مقرر فرمایا جتنا غزوۂ خیبر میں شریک ہونے والوں کے لیے مقرر کیا تھا۔"

حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔ اسی دوران حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ سے فجر کی نماز کے وقت ملاقات ہوئی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے تو آپ ﷺ نے حضرت سباع بن عرفطہ

میں کہتا ہوں: صحیحین اور دیگر کتبِ حدیث میں ایسی روایات ثابت ہیں جو ابن اسحاق رحمہ اللہ کے اس قول کے خلاف ہیں، اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک روایت وہ ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1813 میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد میں شریک نہیں ہو سکا تھا، کیونکہ میرے والد نے مجھے روک دیا تھا۔ پھر جب غزوۂ اُحد کے دن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی بھی غزوے سے پیچھے نہیں رہا۔''
اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ، حدیث نمبر 14463 میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب خیبر کا دن آیا تو لوگوں کو بھوک کی شدت کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے پالتو گدھے پکڑ لیے، انہیں ذبح کیا اور ان کا گوشت ہانڈیوں میں بھر دیا۔ یہ خبر نبی کریم ﷺ تک پہنچی تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا، چنانچہ ہم نے ہانڈیاں الٹ دیں۔''
اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4219، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1941، 36 اور 37، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 14840 میں روایت کیا ہے۔ اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نے خیبر کے دن گھوڑے، خچر اور گدھے ذبح کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خچروں اور گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا، لیکن گھوڑوں کے گوشت سے منع نہیں فرمایا۔''

غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا[1]۔ چنانچہ ہم مدینہ منورہ پہنچے اور ان کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ انہوں نے پہلی رکعت میں ﴿كٓهيعٓصٓ﴾ (سورۃ مریم: 1)، اور دوسری رکعت میں ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ﴾ (المطففین: 1) پڑھی۔ میں نے دل میں کہا: فلاں شخص کے لیے ہلاکت ہو! اس کے پاس دو پیمانے ہیں؛ ایک کے ذریعے پورا ناپ کر لیتا ہے اور دوسرے کے ذریعے کمی کرتا ہے۔ پھر ہم حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ انہوں نے ہمارے لیے تیاری کروائی، چنانچہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں فتح[2] سے ایک دن پہلے یا فتح کے ایک دن بعد پہنچ گئے۔"[3]

رسول اللہ ﷺ کا خیبر کی طرف سفر

رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ خیبر کی طرف سفر کے دوران کئی اہم واقعات پیش آئے، جن میں سے ایک یہ ہے:

اولاً: رسول اللہ ﷺ کا سواری پر نماز ادا کرنا:

1- ابن ہشام رحمہ اللہ السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 357 میں فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے حضرت نُمیلہ بن عبداللہ لیثی رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا۔" میں کہتا ہوں: صحیح بات وہی ہے جو امام احمد رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ کی روایت سے ثابت ہوتی ہے۔

2- یعنی خیبر کی فتح۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 8552، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 2272 اور 4384 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو خیبر کی طرف جاتے ہوئے ایک گدھے پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔''(1)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی صحت مند شخص کے لیے فرض نماز زمین کے علاوہ کسی اور جگہ ادا کرنا جائز نہیں، البتہ شدید خوف کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے۔''(2)

ثانیاً: حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ کا حُداء(3):

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ ہم رات کے وقت سفر کر رہے تھے کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عامر! کیا آپ ہمیں اپنی کچھ حُدی خوانی نہیں سناتے؟''

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 700 اور 735، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 4520 میں روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: تفسیر قرطبیؒ، جلد 2، صفحہ 326۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 12، صفحہ 172 میں فرماتے ہیں: ''حُداء'' حاء پر پیش اور دونوں مہمل ("ح" اور "د") کو ہلکا پڑھنے کے ساتھ ہے۔ اسے مد کے ساتھ بھی اور قصر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس سے مراد اونٹوں کو ایک مخصوص انداز کے گیت کے ذریعے ہانکنا ہے۔ عموماً حُداء رجز کے اشعار کے ساتھ کیا جاتا ہے، تاہم کبھی دوسرے اشعار بھی پڑھے جاتے ہیں۔ اونٹوں کی یہ عادت ہے کہ جب ان کے لیے حُداء کیا جائے تو وہ تیز چلنے لگتے ہیں۔

حضرت عامر رضی اللہ عنہ شاعر تھے، چنانچہ انہوں نے قافلے کے ساتھ حُداء کرتے ہوئے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے[1]:

اللهم لولا أنت ما اهتدينا ولا تصدقنا ولا صلينا
فاغفر فداءً لك ما أبقينا وثبت الأقدام إن لاقينا
وألقِ سكينة علينا إنا إذا صيح بنا أبينا
وبالصياح عولوا علينا

ترجمہ: ”اے اللہ! اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔ پس جو کچھ ہم نے باقی رکھا ہے، اسے اپنی خاطر بخش دے اور جب ہمارا دشمن سے سامنا ہو تو ہمارے قدم ثابت رکھ۔ اور ہم پر سکینت نازل فرما ہمیں جب پکارا جاتا ہے تو ہم انکار نہیں کرتے۔ اور مدد کے لیے ہم ہی پر بھروسا کیا جائے۔۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ کون شخص ہے جو حُداء کر رہا ہے؟

1- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 18533 میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”حضرت عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے رجز کے اشعار پڑھ رہے تھے، جبکہ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے درمیان موجود تھے اور وہ سواریوں کو ہانک رہے تھے۔“ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ”ان لوگوں کی عادت تھی کہ جب وہ سفر کے دوران اونٹوں کو تیز چلانا چاہتے تو ان میں سے کوئی شخص سواری سے اتر جاتا، پھر اونٹوں کو ہانکتے ہوئے حُداء کرتا۔“

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''عامر بن اکوع۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ اس پر رحم فرمائے [1]۔'' قافلے میں سے ایک شخص [2] نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ تو لازم ہو گیا [3]، کاش آپ ﷺ ہمیں اس سے مزید فائدہ اٹھانے کا موقع دیتے۔''[4]

مسلمانوں کا خیبر پہنچنا اور دشمن پر حملہ کرنا

رسول اللہ ﷺ اپنے مبارک لشکر کے ساتھ رات کے وقت خیبر پہنچے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی قوم کے علاقے میں رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے تک ان پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے اندھیرے میں فجر کی نماز ادا کی، پھر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سوار ہوئے اور خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ جب رسول اللہ ﷺ خیبر پر نظر آنے والی بلندی پر پہنچے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ چنانچہ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح

1- امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807 اور 132 میں مزید روایت کیا ہے۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے جس شخص کے لیے خصوصی طور پر مغفرت کی دعا فرمائی، وہ شہید ہی ہوا۔''

2- وہ شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کی صراحت صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 1807 اور 132، میں موجود ہے۔ اس روایت میں ہے: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی پر سوار تھے، انہوں نے پکار کر کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! کاش آپ ہمیں عامر رضی اللہ عنہ سے مزید فائدہ اٹھانے کا موقع دیتے۔''

3- امام سندی رحمہ اللہ اپنی شرحِ مسند، جلد 9، صفحہ 380 میں فرماتے ہیں: ''یعنی شہادت۔ کیونکہ یہ بات منقول ہے کہ جس شخص کے لیے آپ ﷺ نے اس طرح خصوصی دعا فرمائی، اس کے لیے شہادت مقدر ہو جاتی تھی۔''

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4196، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1802 اور 123 میں روایت کیا ہے۔

میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کسی ایسی بستی کو دیکھتے جہاں داخل ہونے کا ارادہ ہوتا تو اسے دیکھتے ہی یہ دعا فرماتے: اے اللہ! ساتوں آسمانوں اور ان کے سائے میں آنے والی تمام چیزوں کے رب! ساتوں زمینوں اور ان میں سما جانے والی تمام چیزوں کے رب! ہواؤں اور ان کی لائی ہوئی تمام چیزوں کے رب! شیاطین اور ان کے بہکائے ہوئے تمام لوگوں کے رب! ہم تجھ سے اس بستی کی بھلائی، اس کے رہنے والوں کی بھلائی اور اس میں موجود خیر کا سوال کرتے ہیں، اور ہم اس بستی کے شر، اس کے رہنے والوں کے شر اور اس میں موجود ہر شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔''(1)

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور رات کے وقت وہاں پہنچے۔ آپ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب کسی قوم کے علاقے میں رات کے وقت پہنچتے تو صبح ہونے تک ان پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو یہودی اپنے کدال اور ٹوکریاں لے کر نکلے۔ جب انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگے: 'محمد ﷺ اور خمیس (یعنی: لشکر) آ گیا!' نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

1- اسے ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2709، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 1651 میں روایت کیا ہے۔

’اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔‘‘‘(1)

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

’’نبی کریم ﷺ نے خیبر کے خلاف غزوہ کیا۔ ہم نے خیبر کے قریب فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کی۔ پھر نبی کریم ﷺ سوار ہوئے، حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بھی سوار ہوئے اور میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے سوار تھا۔ جب آپ ﷺ بستی میں داخل ہوئے تو فرمایا: ’اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے میدان میں اترتے ہیں تو ڈرائے گئے لوگوں کی صبح بہت بری ہوتی ہے۔‘‘‘(2)

امام سہیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’رسول اللہ ﷺ نے جب یہودیوں کو دیکھا تو فرمایا: ’اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔‘ اس فرمان میں نیک فال لینا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھوں میں کدال اور ٹوکریاں دیکھیں، جو توڑ پھوڑ اور کھدائی کے آلات ہیں۔ مزید یہ کہ ’مِسحاۃ‘ کا لفظ ’سَحَوْتُ الْأَرض‘ سے نکلا ہے، جس کا معنی ہے: میں نے زمین کو چھیل دیا۔ چنانچہ اس سے اس بستی کی تباہی کی طرف اشارہ ملتا ہے جس کی بلندی پر آپ ﷺ جلوہ فرما ہوئے تھے۔‘‘(3)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2545 اور 1197، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 اور 121 میں روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 371، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1305 اور 120 میں روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: الروض الأنف، جلد 4، صفحہ 95۔

خیبر کے قلعے

خیبر مضبوط اور ناقابلِ تسخیر قلعوں پر مشتمل علاقہ تھا، اور اس کے قلعے دو حصوں میں تقسیم تھے:

اولاً: قلعۂ نَطاۃ اور قلعۂ شِقّ:

اس حصے میں پانچ قلعے تھے:

1۔قلعۂ ناعم 2۔قلعۂ صعب بن معاذ 3۔قلعۂ زبیر 4۔قلعۂ اُبَی 5۔قلعۂ نِزار۔

ثانیاً: قلعہ جاتِ کُتیبہ[1]:

اس حصے میں تین قلعے تھے:

1۔قلعۂ قموص 2۔قلعۂ وطیح[2] 3۔قلعۂ سُلالم[3]۔

جنگ کا آغاز اور قلعۂ ناعم کی فتح

جب رسول اللہ ﷺ خیبر تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اس کے ایک ایک قلعے کا محاصرہ شروع کیا۔ سب سے پہلا قلعہ جسے مسلمانوں نے فتح کیا، وہ قلعۂ ناعم تھا۔ جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو یہودیوں کا سردار مرحب مقابلے کے لیے نکلا۔ اس کے مقابلے کے لیے حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ آگے بڑھے۔ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور

1-کُتَیبَہ، تصغیر کے ساتھ، خیبر کی بعض بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد4، صفحہ 130۔

2-وَطِیح، واو پر زبر، طاء پر زیر اور آخر میں حاء مہملہ کے ساتھ ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد5، صفحہ 177۔

3-السَّلالِم، سین پر پیش کے ساتھ ہے۔ دیکھیں: النہایہ، جلد2، صفحہ 357۔

الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں۔ حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب ہم خیبر پہنچے تو ان کا سردار مرحب تلوار لہراتا ہوا نکلا اور کہنے لگا:

قد علمت خيبر أني مرحب شاكي السلاح بطل مجرب
إذا الحروب أقبلت تلهب

ترجمہ: 'خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس، تجربہ کار بہادر؛ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے ہیں تو میں اس کا سامنا کرتا ہوں۔'

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرے چچا حضرت عامر رضی اللہ عنہ ان کے مقابلے میں نکلے اور کہنے لگے:

قد علمت خيبر أني عامر شاكي السلاح بطل مغامر

ترجمہ: 'خیبر جانتا ہے کہ میں عامر ہوں، ہتھیاروں سے لیس، جان کی بازی لگانے والا بہادر۔'

پھر دونوں نے ایک دوسرے پر دو وار کیے۔ مرحب کی تلوار حضرت عامر رضی اللہ عنہ کی ڈھال پر پڑی۔ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے مرحب پر نیچے سے وار کرنے کی کوشش کی، لیکن ان کی تلوار پلٹ کر خود انہی پر پڑی اور ان کی کلائی کی رگ کاٹ گئی، جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔''

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں وہاں سے نکلا تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا: 'عامر کا عمل ضائع ہو گیا، اس نے خود کو ہلاک کر لیا۔' چنانچہ میں روتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول ﷺ! عامر کا عمل ضائع ہو گیا۔' رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہ بات کس نے کہی ہے؟' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: 'آپ ﷺ کے بعض صحابہ نے یہ کہا ہے۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'جس نے یہ بات کہی ہے، اس نے جھوٹ (غلط)[1] کہا۔ بلکہ عامر کے لیے دوہرا اجر ہے۔''[2]

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے یہ بات کہی، اس نے غلط کہا۔ بے شک اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 242 میں فرماتے ہیں: ''یعنی اس نے غلطی کی۔'' امام ابن القیم رحمہ اللہ مدارج السالکین، جلد 1، صفحہ 559 میں فرماتے ہیں: ''کذب'' سے دو معنی مراد لیے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ایسی خبر دی جائے جو واقعے کے مطابق نہ ہو، اور اس کی دو قسمیں ہیں: اولاً: جان بوجھ کر جھوٹ بولنا۔ ثانیاً: غلطی سے خلافِ واقعہ بات کہنا۔ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا مفہوم معروف ہے۔ جبکہ غلطی سے خلافِ واقعہ بات کہنے کی مثال ابو السنابل کا وہ فتویٰ ہے جو انہوں نے اس عورت کے بارے میں دیا جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ حاملہ تھی۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی وہ اس وقت تک نکاح کے لیے حلال نہیں ہو گی جب تک چار ماہ دس دن کی عدت پوری نہ کر لے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ابو السنابل نے غلط کہا۔'' اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان بھی اسی معنی میں ہے: ''جس نے یہ بات کہی، اس نے غلط کہا''، جب کسی شخص نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ ''ان کا عمل ضائع ہو گیا''، حالانکہ انہوں نے غلطی سے خود کو زخمی کر لیا تھا۔ اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی اسی نوع سے ہے: ''ابو محمد نے غلط کہا''، جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ وتر واجب ہے۔ لہٰذا یہ تمام مثالیں غلطی سے خلافِ واقعہ بات کہنے کی ہیں، اور ان کا معنی یہ ہے کہ کہنے والے نے اس بات میں غلطی کی ہے۔ حضرت ابو السنابل رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، حدیث نمبر 1231 اور 1232، اور ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 2027 میں روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے مختلف طرق سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ، حدیث نمبر 3274 میں ذکر کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 22693، اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 425 میں روایت کیا ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4106 اور 648، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807 اور 123 میں روایت کیا ہے۔

اپنی دونوں انگلیوں کو ملا کر فرمایا: ''وہ ایک عظیم مجاہد تھا، جدوجہد کرنے والا تھا[1]۔ عرب میں شاید ہی کوئی ایسا شخص گزرا ہو جس نے اس جیسی بہادری دکھائی ہو۔''[2]

حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا قتال رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلامی لشکر کا جھنڈا عطا فرمایا، پھر اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، لیکن ان دونوں کے ہاتھوں خیبر فتح نہ ہو سکا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں، حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے سندِ قوی کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نے خیبر کا محاصرہ کیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا، پھر واپس لوٹ آئے، لیکن ان کے ہاتھوں خیبر فتح نہ ہوا۔ اگلے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا لیا، وہ بھی نکلے اور واپس آ گئے، لیکن ان کے ہاتھوں بھی خیبر فتح نہ ہوا۔ اس دن لوگوں کو سختی اور شدید مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔''[3]

1- امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد 12، صفحہ 143 میں فرماتے ہیں: ''قدیم و متأخرا کثر اہلِ علم نے اسی طرح روایت کیا ہے: 'لَجَاهِدٌ'، ہاء پر زیر اور دال پر تنوین کے ساتھ، اور 'مُجَاهِدٌ'، میم پر پیش اور دال پر تنوین کے ساتھ۔ چنانچہ انہوں نے 'لَجَاهِدٌ' کی تفسیر یوں کی ہے کہ وہ اپنے علم اور عمل میں نہایت سنجیدہ اور محنت کرنے والا تھا، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں پوری جدوجہد کرنے والا تھا۔ اور 'مُجَاهِدٌ' سے مراد اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، یعنی غازی ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4196 اور 648، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1802 اور 123 میں روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 22993، اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 210 میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں مزید ذکر کیا ہے کہ حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خیبر کے قلعوں میں سب سے پہلے قلعۂ ناعم فتح کیا گیا، اور اسی موقع پر حضرت محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ قلعے سے ان پر ایک چکی کا پاٹ پھینکا گیا، جس سے وہ شہید ہو گئے۔''(1)

حضرت ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں خیبر کی فتح

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قلعۂ ناعم کی فتح حضرت ابوالحسن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہونے کی خوش خبری دی۔ چنانچہ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول ﷺ اس سے محبت کرتے ہیں۔' حضرت سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ لوگ اس رات اس انتظار میں بے چین رہے کہ جھنڈا ان میں سے کس کو دیا جائے گا۔ جب صبح ہوئی تو سب لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ جھنڈا اسے عطا کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟' عرض کیا گیا: 'اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ موجود نہیں، ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔' آپ ﷺ نے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 360۔

فرمایا: 'انہیں میرے پاس بلاؤ۔' چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا اور ان کے لیے دعا فرمائی، تو وہ اس طرح صحت یاب ہو گئے گویا انہیں کوئی تکلیف تھی ہی نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا میں ان سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ ہماری طرح نہ ہو جائیں؟' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اطمینان اور وقار کے ساتھ آگے بڑھو، یہاں تک کہ ان کے علاقے میں اتر جاؤ، پھر انہیں اسلام کی دعوت دو اور انہیں بتاؤ کہ اسلام کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ان پر لازم ہیں، وہ کیا ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعے ایک شخص کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں کے مالک ہونے سے کہیں بہتر ہے۔'''(1)

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور انہیں سہارا

1- امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد 15، صفحہ 145 میں فرماتے ہیں: ''حُمرُ النَّعَم'' سے مراد سرخ اونٹ ہیں، اور یہ عربوں کے سب سے قیمتی مال میں شمار ہوتے تھے۔ عرب کسی چیز کی قدر و قیمت اور نفاست بیان کرنے کے لیے اس کی مثال سرخ اونٹوں سے دیتے تھے، یعنی اس سے بڑھ کر کوئی قیمتی چیز نہیں۔ پہلے بھی یہ بات گزر چکی ہے کہ آخرت کی چیزوں کو دنیا کی اشیاء سے تشبیہ دینے کا مقصد صرف لوگوں کی سمجھ کے قریب کرنا ہے، ورنہ آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں میں سے ایک ذرہ بھی پوری زمین اور اس جیسی کئی زمینوں سے بہتر ہے، اگر انہیں تصور کیا جائے۔ اس حدیث میں علم کی فضیلت، ہدایت کی دعوت دینے اور نیک طریقے جاری کرنے کی فضیلت بھی بیان ہوئی ہے۔
اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4210، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2406 میں روایت کیا ہے۔

دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا۔ اس وقت ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن لگایا، چنانچہ وہ صحت یاب ہو گئیں۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔ اس کے بعد مرحب مقابلے کے لیے نکلا اور کہنے لگا:

قد علمت خيبر أني مرحب شاكي السلاح بطل مجرب
إذا الحروب أقبلت تلهب

'خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، ہتھیاروں سے لیس، تجربہ کار بہادر؛ جب جنگ کے شعلے بھڑکتے ہیں تو میں اس کا سامنا کرتا ہوں۔' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

أنا الذي سمتني أمي حيدرة كليث غابات كريه المنظرة
أوفيهم بالصاع كيل السندرة

'میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے، جنگل کے شیر کی مانند، جس کی ہیبت ناک صورت دیکھ کر دشمن خوف زدہ ہو جائے۔ میں ان پر ایسا وار کروں گا جو پیمانے کو پوری طرح بھر دے۔'

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کے سر پر وار کیا اور اسے قتل کر دیا، اور اس کے بعد خیبر کی فتح آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی۔"(1)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1807 اور 132 میں روایت کیا ہے۔

امام ابن اثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہلِ سیرت اور محدثین کی اکثریت کے نزدیک صحیح قول یہی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا تھا۔''(1)

قلعۂ صعب بن معاذ کی فتح

قلعۂ ناعم کی فتح کے بعد اس میں موجود یہودی قلعۂ صعب بن معاذ کی طرف بھاگ گئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے قلعۂ صعب بن معاذ کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران مسلمانوں کو شدید بھوک کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ انہوں نے پالتو گدھے ذبح کر لیے اور ان کے نیچے آگ جلا دی۔ نبی کریم ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ چنانچہ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن پالتو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا۔''(2)

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب خیبر کا دن تھا تو ایک شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! گدھے کھا لیے گئے ہیں۔ پھر ایک دوسرا شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! گدھے ختم

1- دیکھیں: اسد الغابہ، جلد چہارم، صفحہ 84۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4219 اور 55024، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1941 اور 36 میں روایت کیا ہے۔

ہو گئے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کریں: بے شک اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں، کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔"(1)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں مزید بیان کیا ہے: "چنانچہ ہانڈیاں الٹ دی گئیں، حالانکہ ان میں گوشت جوش مار رہا تھا۔"(2)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رہے پالتو گدھے تو اکثر روایات میں یہ بات منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر کے دن ان کے گوشت سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ اس مسئلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد آنے والے جمہور اہلِ علم نے ان صریح اور صحیح احادیث کی بنا پر پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے۔ جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ حرام نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ سے اس مسئلے میں تین اقوال منقول ہیں۔ ان میں مشہور قول یہ ہے کہ پالتو گدھوں کا گوشت سخت مکروہِ تنزیہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حرام ہے، جبکہ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ مباح ہے۔ صحیح بات، جیسا کہ جمہور اہلِ علم نے کہا ہے، یہی ہے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4109 اور 5508، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1940 اور 35 میں روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4199 اور 5508، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1940 اور 34 میں روایت کیا ہے۔

کہ پالتو گدھوں کا گوشت حرام ہے، کیونکہ اس بارے میں صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں۔"(1)

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 13، صفحات 77، 78۔
میں کہتا ہوں: پالتو گدھوں کا گوشت کھانے کی حرمت کی علت کے بارے میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:
- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ یہ لوگوں کی سواری اور بار برداری کا ذریعہ تھے، اور آپ ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ ان کی سواریاں ختم ہو جائیں۔" اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4227، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1939 میں روایت کیا ہے۔
- حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "آپ ﷺ نے ان کے گوشت سے صرف اس لیے منع فرمایا تھا کہ ان کا خمس ادا نہیں کیا گیا تھا۔" اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 3055 اور 4420، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1937، 26 اور 27 میں روایت کیا ہے۔
بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت سے قطعی طور پر منع فرمایا تھا، کیونکہ وہ نجاست کھاتے تھے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 3155 اور 4220، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1937 اور 27 میں روایت کیا ہے۔
- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 6، صفحہ 389 میں فرماتے ہیں: "خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پالتو گدھوں کے گوشت سے ممانعت کی علت کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ ممانعت خود ان کے گوشت کی ذات کی وجہ سے تھی یا کسی عارضی سبب کی بنا پر۔"
- امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد 3، صفحات 410، 411 میں فرماتے ہیں: "اسی طرح پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت بھی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے خیبر کے دن ان کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ اور آپ ﷺ سے اس حرمت کی علت بھی صحیح طور پر ثابت ہے کہ یہ ناپاک ہیں۔ یہ علت ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول پر مقدم ہے جنہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے ان کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا تھا کہ وہ لوگوں کی سواریاں اور بار برداری کا ذریعہ تھے۔ پھر جب آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ سواریاں ختم ہو گئی ہیں اور گدھے کھا لیے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے ان کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ اسی طرح یہ قول بھی اس کے مقابلے میں مقدم ہے کہ ان کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ ان کا خمس ادا نہیں کیا گیا تھا۔ اور اسی طرح اس قول پر بھی مقدم ہے کہ ان کے گوشت کو اس لیے حرام قرار دیا گیا کہ وہ بستی

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے قلعۂ صعب بن معاذ کی فتح کے لیے اپنے رب عزوجل سے دعا فرمائی۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بنو سہم، جو قبیلہ اسلم سے تعلق رکھتے تھے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم سخت مشقت اور فاقے میں مبتلا ہیں اور ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی انہیں دینے کے لیے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: 'اے اللہ! بے شک تو ان کی حالت سے خوب واقف ہے۔ ان کے پاس کوئی قوت نہیں اور میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز نہیں جو میں انہیں دے سکوں۔ پس ان کے لیے ان کے سب سے بڑے قلعے کو فتح فرما، جو ان کی اس ضرورت کو سب سے زیادہ پورا کرنے والا اور سب سے زیادہ کھانے پینے کی چیزوں اور گھی کا ذخیرہ رکھنے والا ہو۔' چنانچہ اگلی صبح لوگ روانہ ہوئے اور اللہ عزوجل نے قلعۂ صعب بن معاذ فتح فرما دیا۔ خیبر میں اس قلعے سے بڑھ کر کسی دوسرے قلعے میں اتنا زیادہ کھانے پینے کا سامان اور گھی موجود نہ تھا۔''(1)

میں آزادانہ گھومتے تھے اور نجاست کھاتے تھے۔ یہ تمام روایات صحیح احادیث میں موجود ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ ''یہ ناپاک ہیں''، ان تمام اقوال پر مقدم ہے؛ کیونکہ دیگر علل راویوں کے گمان اور ان کی اپنی بیان کردہ توجیہات پر مبنی ہیں، جبکہ ان کے ناپاک ہونے کی علت خود رسول اللہ ﷺ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے۔''

- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 581 میں فرماتے ہیں: ''پالتو گدھوں کا گوشت حرام قرار دینا سلف و خلف کے جمہور اہلِ علم کا مذہب ہے، اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔''

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 362۔

قلعۂ زبیر کی فتح

قلعۂ صعب بن معاذ سے فرار ہونے والے یہودی قلعۂ زبیر کی طرف منتقل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس قلعے کا تین دن تک محاصرہ فرمایا۔ اس دوران غزال نامی ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''اے ابو القاسم! کیا آپ مجھے امان دے سکتے ہیں اور میں آپ کو ایسی بات بتاؤں جس سے آپ نطاۃ کے لوگوں سے بے نیاز ہو جائیں اور اہلِ شِق کی طرف متوجہ ہو سکیں؟ کیونکہ اہلِ شِق آپ کے خوف سے پہلے ہی تباہ ہو چکے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کے اہل و عیال اور مال کے بارے میں امان دے دی۔ اس پر اس یہودی نے کہا: ''اگر آپ ایک ماہ تک بھی یہاں قیام کریں تو ان پر کوئی اثر نہیں ہو گا۔ ان کے لیے زمین کے اندر پانی کے ذخیرے اور راستے ہیں، جن سے وہ رات کے وقت نکل کر پانی پیتے ہیں، پھر اپنے قلعے میں واپس چلے جاتے ہیں اور آپ سے محفوظ رہتے ہیں۔ اگر آپ ان کے پانی کے ذرائع منقطع کر دیں تو وہ کھلے میدان میں نکل کر آپ کے سامنے آنے پر مجبور ہو جائیں گے۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ ان کے پانی کے ذرائع کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں منقطع کر دیا۔ جب ان کے پانی کے ذرائع بند ہو گئے تو وہ قلعے سے باہر نکل آئے اور نہایت سخت جنگ کی۔ اس دن مسلمانوں میں سے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور یہودیوں میں سے دس افراد مارے گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس قلعے کو فتح فرما لیا۔ یہ قلعۂ نطاۃ کا آخری قلعہ تھا۔[1]

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 4، صفحہ 224۔

کیا کسی شخص کو ''شہید'' کہا جاسکتا ہے؟

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب خیبر کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ لوگ آگے بڑھے اور کہنے لگے: فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص (1) کے پاس سے گزرے تو کہنے لگے: فلاں شہید ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر گز نہیں! میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے، کیونکہ اس نے ایک چادر یا عباء غنیمت میں خیانت کر کے چھپالی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابن خطاب! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ میں نکلا اور اعلان کیا: خبردار! جنت میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔''(2)

اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے سامان کی نگرانی پر کرکرہ (3) نامی ایک شخص مقرر تھا۔ وہ فوت ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ جہنم

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 272 میں فرماتے ہیں: "اس کی تفسیر "کرکرہ" سے کی جاسکتی ہے"۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 115 میں روایت کیا ہے۔

3- میں کہتا ہوں: کرکرہ کے نام کے ضبط میں اہلِ علم کے مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

-امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 3074 میں نقل کیا ہے کہ ابن سلام نے کہا: ''کُرْکُرَہ''، کاف پر زبر کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح اسے ضبط کیا گیا ہے۔

-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 6، صفحہ 305 میں فرماتے ہیں: ''ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کے شیخ محمد بن سلام نے ابن عیینہ سے اسی سند کے ساتھ اسے کاف پر زبر کے ساتھ روایت کیا ہے۔''

میں ہے۔ چنانچہ لوگ اسے دیکھنے کے لیے گئے تو اس کے پاس ایک عباء ملی جو اس نے غنیمت میں خیانت کر کے چھپالی تھی۔"

حدیث کے فوائد:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے:

اولاً: غلول، یعنی مالِ غنیمت میں خیانت کی حرمت کی شدت ثابت ہوتی ہے۔

ثانیاً: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غلول کی مقدار کم ہو یا زیادہ، اس میں کوئی فرق نہیں، یہاں تک کہ جوتے کے تسمے جیسی معمولی چیز بھی اس حکم میں شامل ہے۔

ثالثاً: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص مالِ غنیمت میں خیانت کرے اور اسی حالت میں قتل ہو جائے، اسے شہید کہنا جائز نہیں۔

-امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد2، صفحہ 111 میں فرماتے ہیں: "کَرَکَرَہ" پہلے کاف پر زبر اور زیر، دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، جبکہ دوسرے کاف پر دونوں صورتوں میں زیر ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

-امام ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الاصول، جلد2، صفحہ 812 میں فرماتے ہیں: "کَرَکَرَہ" دونوں کافوں پر زبر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے اور دونوں پر زیر کے ساتھ بھی۔

-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ الاصابہ، جلد5، صفحہ 439، اور مطالع الأنوار، جلد3، صفحہ 404 میں فرماتے ہیں: "امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے پہلے کاف کے ضبط میں اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ زبر کے ساتھ ہے یا زیر کے ساتھ۔ اور ابن قتیبہ نے نقل کیا ہے کہ یہ دونوں کافوں پر زبر کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے اور دونوں پر زیر کے ساتھ بھی۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس نام کے چار طریقے سے تلفظ کیے جاتے ہیں۔"

رابعاً: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کفر کی حالت میں مرے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا، اور اس مسئلے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔"[1]

قلعۂ اُبَی کی فتح

رسول اللہ ﷺ نے قلعۂ نطاۃ کے تمام قلعے فتح کرنے کے بعد یہودیوں نے قلعۂ شِقّ کی طرف پناہ لی۔ شِقّ میں دو قلعے تھے: قلعۂ اُبَی اور قلعۂ نِزار۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ قلعۂ اُبَی کی طرف روانہ ہوئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس کے رہنے والوں نے نہایت سخت مقابلہ کیا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے انہیں شکست دے دی اور قلعۂ اُبَی فتح کر لیا۔ مسلمانوں کو اس قلعے میں سامانِ زندگی اور کھانے پینے کی بہت سی چیزیں ملیں۔ قلعے میں موجود یہودی قلعۂ نِزار کی طرف بھاگ گئے، جو قلعۂ نطاۃ اور شِقّ کا آخری قلعہ تھا۔[2]

قلعۂ نِزار کی فتح

یہ قلعہ نطاۃ اور شِقّ کے تمام قلعوں میں سب سے زیادہ مضبوط اور ناقابلِ تسخیر تھا۔ یہودیوں نے بھی اس میں نہایت سختی سے پناہ لے رکھی تھی اور بھرپور مزاحمت پر ڈٹے ہوئے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی طرف پیش قدمی فرمائی۔ دونوں جانب سے تیر اندازی ہوئی، یہاں تک کہ یہودیوں کے تیر رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے لگے۔ قلعۂ نِزار میں موجود یہودیوں پر

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد2، صفحہ 111۔

2- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد4، صفحہ 225۔

محاصرہ مزید سخت ہو گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے منجنیق نصب کرنے کا حکم دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو یہ منجنیق ان قلعوں میں سے کسی ایک میں ملی تھی جنہیں وہ پہلے فتح کر چکے تھے۔ چنانچہ اس کے ذریعے قلعۂ نِزار کی دیواروں میں شگاف ڈال دیا گیا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور قلعے کے اندر یہودیوں کے ساتھ سخت اور شدید جنگ ہوئی۔ یہاں تک کہ یہودی بری طرح شکست کھا گئے۔ ان میں سے جو بھاگ سکتے تھے، بھاگ گئے اور اپنی عورتوں اور بچوں کو وہیں چھوڑ گئے۔ (1)

قلعۂ نِزار کی فتح، جو خیبر کے پہلے حصے، یعنی نطاۃ اور شِقّ کے علاقے میں واقع آخری قلعہ تھا، کے بعد رسول اللہ ﷺ خیبر کے دوسرے حصے کے قلعوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس حصے کو قلعۂ کُتَیبَہ کہا جاتا تھا، جس میں تین قلعے تھے: قلعۂ قَمُوص، قلعۂ وَطِیح اور قلعۂ سُلالِم۔

کیا قلعۂ کُتَیبَہ کے قلعے صلح کے ذریعے فتح ہوئے تھے؟

اہلِ سیرت و مغازی نے قلعۂ کُتَیبَہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ قلعے صلح کے ذریعے فتح ہوئے تھے یا ان کے فتح کرنے میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی۔

1- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 4، صفحہ 225۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر غزوہ کیا، چنانچہ ہم نے اسے بزورِ شمشیر فتح کیا، پھر قیدیوں کو جمع کیا گیا۔''(1)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں زہری رحمہ اللہ تک سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ کے بعد خیبر کو بزورِ شمشیر فتح کیا، اور اس جنگ کے بعد خیبر کے بعض باشندوں نے جلاوطنی اختیار کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی۔''(2)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں بشیر بن یسار رحمہ اللہ سے سندِ صحیح کے ساتھ مرسل روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خیبر کی غنیمت عطا فرمائی تو آپ ﷺ نے اسے چھتیس حصوں میں تقسیم فرمایا، اور ہر حصے کو مزید سو حصوں میں تقسیم کیا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے نصف حصے کو اپنے زیرِ انتظام آنے والے معاملات اور پیش آنے والی ضروریات کے لیے الگ کر دیا، جس میں وَطِیح، کُتَیبَہ اور ان دونوں کے ساتھ ملنے والی دیگر چیزیں شامل تھیں۔ اور دوسرے نصف حصے کو مسلمانوں میں تقسیم فرمایا، جس میں شِق، نطاۃ اور ان دونوں کے ساتھ ملنے والی دیگر

1- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 3009، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 371، جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 اور 120 میں تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 3018 میں روایت کیا ہے۔

چیزیں شامل تھیں۔ اور ان کے ساتھ ملنے والی چیزوں میں رسول اللہ ﷺ کا بھی ایک حصہ تھا۔"(1)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس کی وجہ یہ ہے کہ خیبر کا کچھ حصہ بزورِ شمشیر فتح کیا گیا تھا، جبکہ کچھ حصہ صلح کے ذریعے فتح ہوا تھا۔ چنانچہ جو حصہ بزورِ شمشیر فتح ہوا، اسے اہلِ خمس اور مجاہدین میں تقسیم کیا گیا، جبکہ جو حصہ صلح کے ذریعے فتح ہوا، اسے رسول اللہ ﷺ نے اپنی پیش آنے والی ضروریات اور مسلمانوں کے اجتماعی مصالح میں درکار امور کے لیے الگ رکھا۔ واللہ اعلم۔"(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ابو داؤد رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "جب خیبر فتح ہو گیا تو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ

1- اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 3013 میں روایت کیا ہے۔ اور یہ بات ایک دوسری روایت سے ثابت ہے کہ بشیر بن یسار رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس تقسیم کے بارے میں براہِ راست سنا تھا، جیسا کہ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3010، 3011 اور 3012، اور مسند امام احمد، حدیث نمبر 16417 میں مذکور ہے۔ اس طرح یہ حدیث صحیح قرار پاتی ہے، والحمد للہ۔

2- دیکھیں: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 4، صفحہ 236۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 392 میں فرماتے ہیں: "یہ موقف امام شافعی رحمہ اللہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ جو زمین بزورِ شمشیر فتح کی جائے، اسے بھی دیگر غنیمتوں کی طرح تقسیم کرنا ضروری ہے۔ چونکہ انہوں نے خیبر کے نصف حصے کو تقسیم کیا ہوا نہیں پایا، اس لیے انہوں نے کہا کہ یہ حصہ صلح کے ذریعے فتح ہوا تھا۔ لیکن جو شخص سیرت اور غزوات کے واقعات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے گا، اس پر واضح ہو جائے گا کہ خیبر دراصل بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تمام زمین پر جنگ کے ذریعے قبضہ حاصل کیا تھا۔ اگر اس کے کسی حصے کو صلح کے ذریعے فتح کیا گیا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ وہاں کے باشندوں کو اس سے جلاوطن نہ فرماتے۔"

سے درخواست کی کہ آپ ﷺ انہیں اس شرط پر یہاں رہنے دیں کہ وہ خیبر کی زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم تمہیں اس شرط پر یہاں رہنے دیتے ہیں کہ جب تک ہم چاہیں گے [1] تم اسی طرح کام کرتے رہو گے۔ چنانچہ وہ اسی شرط پر وہاں کام کرتے رہے۔ خیبر کے نصف حصے سے حاصل ہونے والی کھجوریں مقررہ حصوں کے مطابق تقسیم کی جاتی تھیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ اس میں سے خمس وصول فرماتے تھے۔"[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خیبر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا[3]، کیونکہ خیبر کی غنیمت میں مجاہدین کے باقاعدہ حصے مقرر کیے گئے تھے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان 'آپ ﷺ خمس وصول فرماتے تھے' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اسے اس کے مستحقین تک پہنچاتے تھے۔ یہ وہ پانچ اصناف ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ

1- امام نووی رحمہ اللہ اپنی شرحِ صحیح مسلم، جلد 10، صفحہ 179 میں فرماتے ہیں: "علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یہ بات عہد کی مدت کی طرف لوٹتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم تمہیں خیبر میں اس وقت تک رہنے دیں گے جب تک ہم چاہیں گے، پھر جب ہم چاہیں گے تمہیں یہاں سے نکال دیں گے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب سے کفار کو نکالنے کا ارادہ فرمالیا تھا، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنی عمر مبارک کے آخری دور میں اس کا حکم بھی فرمایا تھا۔"

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1551 اور 4، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 3008 میں روایت کیا ہے۔

3- میں کہتا ہوں: جن اہلِ علم نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ خیبر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا، اور یہی جمہور اہلِ علم کا قول ہے، ان میں درج ذیل ائمہ شامل ہیں: ابن اسحاق رحمہ اللہ، السیرۃ، جلد 3، صفحہ 360 اور اس کے بعد کے صفحات میں۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ، الدرر في اختصار المغازي والسير، صفحہ 214 میں۔ ابن حزم رحمہ اللہ، جوامع السیرۃ، صفحہ 127 میں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 196 میں۔

وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ ”اور جان لو کہ تم جو بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس کا پانچواں حصہ اللہ، رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔“(سورۃ الانفال: 41) چنانچہ رسول اللہ ﷺ خمس میں سے ایک پانچواں حصہ اپنے لیے لیتے تھے، جبکہ خمس کے باقی چار پانچویں حصے دیگر چار اصناف میں تقسیم فرماتے تھے۔“(1)

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”درست بات، جس میں کوئی شک نہیں، یہی ہے کہ خیبر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا۔ اور جو زمین جنگ کے ذریعے فتح ہو، اس کے بارے میں امام کو اختیار ہوتا ہے کہ اسے مجاہدین میں تقسیم کردے، یا اسے وقف کردے، یا اس کے کچھ حصے کو تقسیم کرے اور کچھ کو وقف کردے۔ رسول اللہ ﷺ نے تینوں صورتوں پر عمل فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی زمین تقسیم فرمائی، مکہ مکرمہ کو تقسیم نہیں فرمایا، جبکہ خیبر کے ایک حصے کو تقسیم فرمایا اور دوسرے حصے کو تقسیم نہیں فرمایا۔“(2)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ ابن حبان رحمہ اللہ کی روایت کے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ نے اہلِ خیبر سے جنگ کی، یہاں تک کہ انہیں ان کے قلعے میں محصور ہونے پر مجبور کردیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی زمین،

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 10، صفحہ 180۔

2- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 3، صفحات 392، 393۔

کھیتوں اور کھجوروں کے باغات پر غلبہ حاصل کر لیا۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات پر صلح کر لی کہ وہ خیبر سے نکل جائیں گے، اور ان کے سواریاں جتنا سامان اٹھا سکیں گی، وہ ان کا ہو گا، جبکہ سونا اور چاندی رسول اللہ ﷺ کے لیے ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ شرط بھی عائد کی کہ وہ کسی چیز کو نہ چھپائیں گے اور نہ اسے غائب کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو پھر ان کے لیے نہ کوئی عہد باقی رہے گا اور نہ امان۔ چنانچہ انہوں نے ایک مشک چھپا دی، جس میں حُیَی بن اخطب کا مال اور زیورات تھے۔ حُیَی اسے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت اپنے ساتھ خیبر لے آیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حُیَی [1] بن اخطب کے چچا سے فرمایا: 'حُیَی کا وہ مشک کہاں ہے جو وہ بنو نضیر سے اپنے ساتھ لایا تھا؟' اس نے جواب دیا: 'اخراجات اور جنگوں میں وہ مال خرچ ہو گیا۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'عہد کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا، جبکہ مال اس سے کہیں زیادہ تھا۔' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا اور انہوں نے اسے سختی سے پوچھ گچھ کی۔ اس سے پہلے حُیَی ایک ویران جگہ میں داخل ہوا تھا۔ اس نے کہا تھا: 'میں نے حُیَی کو یہاں ایک ویران جگہ کے آس پاس چکر لگاتے دیکھا ہے۔' چنانچہ لوگ وہاں گئے اور اس ویران جگہ کی تلاشی لی تو انہیں وہ مشک وہاں مل گئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کر دیا۔ ان میں

1- امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت میں ''سَعْیَۃ'' کے الفاظ ہیں۔ شہاب الدین مقدسی رحمہ اللہ اپنی شرحِ سنن ابی داؤد، جلد 13، صفحہ 54 میں فرماتے ہیں: ''سَعْیَۃ''، سین اور عین دونوں مہملہ پر فتحہ اور پھر یاء کے ساتھ، ابن عمرو۔

سے ایک حضرت صفیہ [1] بنت حُیَی بن اخطب رضی اللہ عنہا کا شوہر [2] تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا، اور عہد شکنی کرنے والوں کے اموال کو تقسیم فرمایا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ یہودیوں کو خیبر سے جلاوطن کر دیا جائے، تو انہوں نے عرض کیا: 'اے محمد! ہمیں یہاں رہنے دیجیے، ہم اس زمین کی اصلاح کریں گے اور اس کی دیکھ بھال کریں گے۔' رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس ایسے غلام موجود نہ تھے جو اس زمین کی دیکھ بھال کر سکتے، اور خود آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس کی دیکھ بھال کے لیے فارغ نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں خیبر میں اس شرط پر

1- وہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق تھا۔

2- امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 169 میں فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے اہلِ خیبر کو عمومی طور پر قتل نہیں کیا، جیسا کہ بنو قریظہ کو قتل کیا گیا تھا، کیونکہ بنو قریظہ کے تمام افراد عہد شکنی میں شریک تھے۔ جبکہ اہلِ خیبر میں صرف وہ لوگ اس عہد شکنی کے مرتکب ہوئے تھے جنہیں حُیَی بن اخطب کے مال اور زیورات سے بھری ہوئی مشک کے بارے میں علم تھا اور انہوں نے اسے چھپا دیا تھا۔ ان لوگوں نے خود اپنے بارے میں یہ شرط قبول کی تھی کہ اگر وہ مشک برآمد ہو گئی تو ان کے لیے نہ کوئی عہد باقی رہے گا اور نہ امان۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسی شرط کے مطابق انہیں قتل کیا، لیکن یہ حکم خیبر کے تمام دوسرے لوگوں تک نہیں پہنچایا گیا؛ کیونکہ یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ خیبر کے تمام باشندے حُیَی کی مشک کے بارے میں نہیں جانتے تھے اور نہ ہی یہ جانتے تھے کہ وہ کسی ویران جگہ میں دفن ہے۔ اس کی مثال اس ذمی یا معاہد شخص کی ہے جو عہد شکنی کرے، جبکہ اس کے ساتھ دوسرے لوگ اس عہد شکنی میں شریک نہ ہوں۔ ایسی صورت میں عہد شکنی کا حکم صرف اسی شخص تک محدود رہے گا۔''

رہنے کی اجازت دے دی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ چاہیں گے، وہ وہاں کی ہر فصل، کھجوروں اور دیگر پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے۔"[1]

ابن سید الناس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس روایت[2] سے معلوم ہوتا ہے کہ خیبر ابتدا میں صلح کے ذریعے فتح ہوا تھا، لیکن بعد میں یہ صلح ختم ہو گئی اور خیبر بزورِ شمشیر فتح ہونے والا علاقہ بن گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کا خمس نکالا اور باقی مال و زمین کو تقسیم فرمایا۔"[3]

خیبر کی عظیم غنیمتیں

مسلمانوں نے خیبر سے بہت بڑی غنیمتیں حاصل کیں۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم نے خیبر فتح ہونے تک پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا تھا۔"[4]

1- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 3006، اور ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 5199 میں روایت کیا ہے۔

2- یہ وہی حدیث ہے جسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ اور ابن حبان رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: عیون الأثر، جلد 2، صفحہ 191۔

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 256 میں بھی ابن سید الناس رحمہ اللہ ہی کے موقف کی طرف گئے ہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں: "اگر ان لوگوں کے ساتھ ان کی زمین کے بارے میں صلح ہوئی ہوتی تو انہیں وہاں سے جلاوطن نہ کیا جاتا۔ واللہ اعلم۔"

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4243 کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب خیبر فتح ہو گیا تو ہم نے کہا: اب ہم کھجوریں پیٹ بھر کر کھائیں گے۔''(1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''یعنی خیبر میں کھجور کے بہت زیادہ درخت ہونے کی وجہ سے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ خیبر کی فتح سے پہلے مسلمان تنگ دستی اور قلتِ معاش کا سامنا کر رہے تھے۔''(2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے خیبر کے دن گھڑ سوار کے لیے دو حصے اور پیدل(3) مجاہد کے لیے ایک حصہ مقرر فرمایا۔''

حضرت نافع رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''اگر کسی شخص کے پاس گھوڑا ہو تو اس کے لیے تین حصے ہوں گے، اور اگر اس کے پاس گھوڑا نہ ہو تو اس کے لیے ایک حصہ ہو گا۔''(4)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ اکثر اہلِ علم کا عمل اسی پر ہے۔ یہی قول امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک بن انس، امام ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ ان سب کا کہنا

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4242 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 280۔

3- امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں حدیث نمبر 448 میں ''وَلِلرَّجُلِ'' کے الفاظ بھی منقول ہیں۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4228 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہے کہ گھڑ سوار کے لیے تین حصے ہیں: ایک حصہ خود اس کے لیے اور دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے، جبکہ پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ ہے۔"(1)

مہاجرین کا انصار کی عطا کردہ منیحات واپس کرنا

جب اللہ جل جلالہ نے خیبر کی فتح کے ذریعے مسلمانوں کو خوش حالی عطا فرمائی تو مہاجرین نے انصار کی وہ منیحات واپس کر دیں جو انصار نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آنے کے وقت مہاجرین کو عطا کی تھیں۔ چنانچہ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئے تو ان کے پاس، یعنی کوئی مال و اسباب نہیں تھا۔ جبکہ انصار زمین اور جائیداد کے مالک تھے۔ چنانچہ انصار نے مہاجرین کے ساتھ یہ معاملہ کیا کہ وہ ہر سال اپنی املاک کی پیداوار میں سے انہیں حصہ دیں گے اور خود انصار ان کے لیے کام اور دیگر اخراجات کی ذمہ داری اٹھائیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ خیبر کے یہودیوں سے جنگ سے فارغ ہوئے اور مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کو ان کی وہ منیحات، یعنی ان کے باغات کی پیداوار، واپس کر دی۔"(2)

1- دیکھیں: جامع امام ترمذی، جلد 3، صفحہ 382۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2630، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1771 اور 70 میں روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انصار کی طرف سے دی جانے والی منیحات درختوں کے پھلوں کی تھیں، یعنی مہاجرین کو پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت دی گئی تھی، کھجور کے درختوں کی ملکیت منتقل نہیں کی گئی تھی۔ کیونکہ اگر کھجور کے درخت ہی بطورِ ہبہ ان کے مالک بنا دیے گئے ہوتے تو مہاجرین انہیں واپس نہ کرتے، اس لیے کہ کسی کو ہبہ کی ہوئی چیز پر قبضہ ہو جانے کے بعد اسے واپس لینا جائز نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ صرف پھلوں سے فائدہ اٹھانے کی اجازت تھی، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ اور ایسی اجازت دینے والا جب چاہے اسے واپس لے سکتا ہے۔ اس کے باوجود انصار نے مہاجرین سے یہ منیحات اس وقت تک واپس نہیں لیں، یہاں تک کہ فتحِ خیبر کے بعد مہاجرین کے حالات میں وسعت آ گئی اور وہ ان منیحات سے بے نیاز ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے وہ منیحات انصار کو واپس کر دیں اور انصار نے بھی انہیں قبول کر لیا۔“[1]

حبشہ سے مہاجرین کی واپسی اور اشعریین کی آمد

خیبر کی فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی حبشہ سے خیبر کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی آمد پر رسول اللہ ﷺ کو بے حد خوشی ہوئی۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سندِ ضعیف کے ساتھ، تاہم اس حدیث کے متعدد شواہد بھی ہیں جو اسے تقویت

1- دیکھیں: شرح صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 12، صفحہ 85۔

دیتے ہیں، روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے واپس تشریف لائے تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بھی حبشہ سے تشریف لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے استقبال کے لیے آگے بڑھے، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس بات سے زیادہ خوشی ہوئی ہے: خیبر کی فتح سے یا جعفر کی آمد سے۔''(1)

حبشہ سے ہجرت کر کے آنے والے مہاجرین کے ساتھ اشعریین بھی آئے تھے، جن میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں خیبر کی فتح کے تین دن بعد اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ہمارے لیے بھی غنیمت میں حصہ مقرر فرمایا، اور ہمارے علاوہ کسی ایسے شخص کے لیے حصہ مقرر نہیں فرمایا جو فتح کے موقع پر وہاں موجود نہ تھا۔''(2)

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب ہمیں یمن میں رسول اللہ ﷺ کے روانہ

1-اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 4295 اور 5005 کے تحت روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے فقہ السیرۃ للغزالی کی تحقیق میں، صفحہ 350 پر اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ پھر انہوں نے اس کے متعدد طرق ذکر کیے اور آخر میں فرمایا: ''ان طرق کی بنا پر یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔'' امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، حدیث نمبر 2607 میں بھی ذکر کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 19635 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہونے کی خبر پہنچی تو میں اپنے دو بھائیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی طرف ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوا۔ ان دونوں میں سے ایک حضرت ابو بردہ[1] اور دوسرے حضرت ابورُہم[2] تھے، اور میں ان سب میں سب سے چھوٹا تھا۔ ہم اپنے قبیلے کے ترپن یا باون افراد کے ساتھ، راوی کو تعداد میں شک ہے، ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ لیکن ہماری کشتی ہمیں حبشہ میں نجاشی کے پاس لے گئی۔ وہاں ہماری ملاقات حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور ہمیں یہاں قیام کرنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا آپ لوگ بھی ہمارے ساتھ قیام کریں۔ چنانچہ ہم بھی ان کے ساتھ ٹھہر گئے، یہاں تک کہ ہم سب اکٹھے روانہ ہوئے۔ پھر جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو اس وقت آپ ﷺ خیبر فتح فرما چکے تھے۔ آپ ﷺ نے ہمارے لیے بھی غنیمت میں حصہ مقرر فرمایا، یا فرمایا کہ آپ ﷺ نے ہمیں اس میں سے عطا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی فتح کے موقع پر جو لوگ موجود نہیں تھے، ان میں سے کسی کے لیے غنیمت میں حصہ مقرر نہیں فرمایا، سوائے ہماری کشتی والوں کے جو حضرت

1-ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول، جلد 1، صفحہ 225 میں فرماتے ہیں: ''ابوبُردہ''، باء پر پیش، راء پر سکون اور دال مہملہ کے ساتھ ہے، اور ان کا نام عامر بن قیس اشعری ہے۔ وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے۔

2-ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول، جلد 1، صفحہ 397 میں فرماتے ہیں: ''ابورُہم''، راء پر پیش اور باء پر سکون کے ساتھ ہے۔ ان کا نام مجدی بن قیس اشعری ہے، اور وہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے۔ ''مجدی'' میم پر زبر، جیم پر سکون اور دال مہملہ پر زیر کے ساتھ ہے۔

جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں [1] کے ساتھ تھے؛ آپ ﷺ نے ان سب کے لیے بھی ان ہی کے ساتھ حصہ مقرر فرمایا۔''[2]

دوسیوں کی آمد

خیبر کی فتح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ خیبر ہی میں تشریف فرما تھے تو دوس قبیلے کے لوگ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ان میں حضرت طفیل

1-میں کہتا ہوں: اس کے بر خلاف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو آگے آرہی ہے۔اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم خیبر پہنچے، جبکہ نبی کریم ﷺ خیبر فتح فرما چکے تھے۔آپ ﷺ نے مسلمانوں سے اس بارے میں گفتگو فرمائی، چنانچہ انہوں نے ہمیں بھی اپنے حصوں میں شریک کر لیا۔''

-امام سندی رحمہ اللہ اپنی شرحِ مسند، جلد6، صفحہ 65 میں فرماتے ہیں: ''یہ بات مشہور موقف کے خلاف ہے۔مشہور قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صرف کشتی والوں کو غنیمت میں شریک فرمایا تھا،ان کے علاوہ کسی اور کو شریک نہیں فرمایا۔واللہ اعلم۔

''یہاں ''کشتی والوں'' سے مراد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ آنے والے لوگ ہیں، جن میں اشعریین اور دیگر افراد بھی شامل تھے۔

-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد8، صفحہ 171 میں فرماتے ہیں: ''حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو یہ حصر بیان ہوا ہے،اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ یوں جمع کیا جا سکتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ عام مالِ غنیمت میں ان لوگوں کے سوا کسی ایسے شخص کے لیے حصہ مقرر نہیں کیا گیا جو جنگ میں شریک نہیں ہوا تھا،اور کشتی والوں کو بغیر کسی مجاہد کی رضامندی حاصل کیے حصہ دیا گیا تھا۔رہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا معاملہ، تو انہیں غنیمت میں حصہ صرف مسلمانوں کی رضامندی اور خوش دلی سے دیا گیا تھا۔واللہ اعلم۔''

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر3136،اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر2502 میں روایت کیا ہے۔

بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اور راویِ اسلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر لوگ بھی شامل تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت خُثَیم بن عراک بن مالک رحمہ اللہ کے واسطے سے ان کے والد سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے، جبکہ رسول اللہ ﷺ خیبر میں تشریف فرما تھے اور حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر فرما گئے تھے۔ راوی کہتے ہیں: میں حضرت سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ وہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ پہلی رکعت میں انہوں نے ﴿كٓهٰيٰعٓصٓ﴾ یعنی سورۃ مریم کی ابتدائی آیات کی تلاوت کی، اور دوسری رکعت میں ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ یعنی سورۃ المطففین کی ابتدائی آیت پڑھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا: فلاں شخص کے لیے ہلاکت ہو! جب وہ دوسروں سے ناپ کر لیتا ہے تو پورا ناپ لیتا ہے، لیکن جب دوسروں کو ناپ کر دیتا ہے تو کمی کرتا ہے۔ جب انہوں نے نماز پڑھا دی تو ہمیں کچھ زادِ راہ دیا، یہاں تک کہ ہم خیبر پہنچ گئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ خیبر فتح فرما چکے تھے۔ پھر آپ ﷺ نے مسلمانوں سے ہمارے بارے میں بات کی، چنانچہ مسلمانوں نے ہمیں بھی اپنے حصوں میں شریک کر لیا۔''(1)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 8552، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 2272 میں روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے راستے میں تھا تو میں یہ اشعار پڑھ رہا تھا:

يا ليلة من طولها وعنائها على أنها من دارة الكفر نجت

ترجمہ: اے رات! تو کتنی طویل اور کتنی مشقت بھری ہے! اگرچہ میں کفر کے علاقے سے نجات پا گیا ہوں۔

اسی دوران میرا ایک غلام راستے میں بھاگ گیا۔ پھر جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے بیعت کی، تو میں آپ ﷺ کے پاس ہی موجود تھا کہ اچانک وہ غلام بھی سامنے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: 'اے ابو ہریرہ! یہ تمہارا غلام ہے!' میں نے عرض کیا: 'یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔' چنانچہ میں نے اسے آزاد کر دیا۔''(1)

رسول اللہ ﷺ کا حضرت صفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنا

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی غنیمت میں سے حضرت صفیہ بنت حُیَی بن اخطب رضی اللہ عنہا کو اپنے لیے منتخب فرمایا۔ وہ اسلام لے آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا، پھر ان سے نکاح فرمایا اور مدینہ منورہ کی طرف واپسی کے راستے میں، جب ان کی عدت پوری ہو گئی، ان سے رخصتی فرمائی۔ چنانچہ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2530، 2531، 4393، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 7845 میں روایت کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت دِحیہ رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے قیدیوں میں سے ایک لونڈی عطا فرما دیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جاؤ اور ایک لونڈی لے لو۔ چنانچہ حضرت دِحیہ رضی اللہ عنہ نے حضرت صفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا کو لے لیا۔ پھر ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ نے حضرت دِحیہ رضی اللہ عنہ کو صفیہ بنت حُیَی عطا فرمائی ہے، جو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی معزز خاتون ہیں، اور وہ آپ ﷺ ہی کے شایانِ شان ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انہیں میرے پاس بلاؤ۔ چنانچہ حضرت دِحیہ رضی اللہ عنہ انہیں لے کر حاضر ہوئے۔ جب نبی کریم ﷺ نے انہیں دیکھا تو فرمایا: قیدیوں میں سے کوئی دوسری لونڈی لے لو۔ راوی کہتے ہیں: چنانچہ نبی کریم ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور ان سے نکاح فرما لیا۔''(1)

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد فرمایا اور ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا۔''(2)

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 371، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 اور 84 میں روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 5086، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 اور 85 میں روایت کیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت ثابت بنانی رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے ابو حمزہ! رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا مہر کیا مقرر فرمایا تھا؟'' انہوں نے فرمایا: ''ان کی اپنی ذات ہی ان کا مہر تھی؛ آپ ﷺ نے انہیں آزاد فرمایا اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔''(1)

کیا لونڈی کو آزاد کرنا ہی اس کا مہر قرار دینا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا؟

اس مسئلے میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''راوی کا یہ کہنا کہ 'آپ ﷺ نے اس کی اپنی ذات ہی کو اس کا مہر قرار دیا'، اس کے معنی میں اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ صحیح قول، جسے محققین نے اختیار کیا ہے، یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو کسی معاوضے یا شرط کے بغیر بطورِ تبرع آزاد فرمایا، پھر ان کی رضامندی سے بغیر کسی مہر کے ان سے نکاح فرمایا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ ﷺ کے لیے بغیر مہر مقرر کیے نکاح کرنا جائز تھا، نہ نکاح کے وقت مہر لازم تھا اور نہ بعد میں۔ اس کے برخلاف عام لوگوں کے لیے ایسا نہیں ہے۔''(2)

امام ابن القیم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ''یہ امت کے لیے قیامت تک سنت قرار پاتا ہے کہ کوئی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 371، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 اور 84 میں روایت کیا ہے۔

2- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 9، صفحہ 189۔

شخص اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اسی آزادی کو اس کا مہر قرار دے، تو اس آزادی کی وجہ سے وہ اس کی بیوی بن جائے گی۔ اگر کوئی شخص کہے: 'میں نے اپنی لونڈی کو آزاد کر دیا اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا'، یا کہے: 'میں نے اپنی لونڈی کی آزادی کو اس کا مہر قرار دیا'، تو نکاح کے ساتھ ہی آزادی بھی درست ہو جائے گی اور وہ عورت اس کی بیوی بن جائے گی، اسے نئے سرے سے نکاح کرنے یا ولی کی ضرورت نہیں ہو گی۔ یہ امام احمد رحمہ اللہ اور بہت سے اہلِ حدیث کا ظاہر مذہب ہے۔ جبکہ اہلِ علم کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ یہ حکم صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا اور نکاح کے معاملے میں ان خصوصیات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائی تھیں، عام امت کے لیے یہ حکم نہیں ہے۔ یہی تینوں ائمہ اور ان کے موافق اہلِ علم کا قول ہے۔ لیکن صحیح قول پہلا ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ کسی حکم کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص قرار نہیں دیا جائے گا جب تک اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جب آپ ﷺ کے لیے ہبہ کی جانے والی عورت سے نکاح کو خاص فرمایا تو اس کے بارے میں واضح طور پر فرمایا: ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ''یہ خصوصیت آپ ہی کے لیے ہے، دوسرے مؤمنوں کے لیے نہیں۔'' (سورۃ الأحزاب: 50) لیکن آزاد کی گئی لونڈی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں فرمایا، اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم بیان کر کے امت کے لیے اس سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کا دروازہ بند فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح جائز قرار دیا، تاکہ امت کے لیے بھی اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح میں کوئی حرج باقی نہ رہے۔ اس

سے معلوم ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسے طریقے سے نکاح فرمایا ہو جو آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہ کیا گیا ہو تو امت کے لیے بھی اس میں آپ ﷺ کی پیروی کی گنجائش ہے، جب تک اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی طرف سے کسی نص کے ذریعے اس حکم کو آپ ﷺ کے ساتھ خاص قرار دے کر امت کو آپ ﷺ کی پیروی سے نہ روکا گیا ہو۔ یہ بات واضح ہے۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل، دلائل کی وضاحت اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ اس طرح کا نکاح اصول اور قیاس کے اعتبار سے بھی جائز ہے، ایک الگ مقام پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔ یہاں ہم نے صرف اس مسئلے کی طرف اشارہ کیا ہے۔"(1)

رسول اللہ ﷺ کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے رخصتی فرمانا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم ﷺ خیبر تشریف لائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قلعہ فتح عطا فرمایا تو آپ ﷺ کے سامنے حضرت صفیہ بنت حُیَی بن اخطب رضی اللہ عنہا کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا۔ ان کے شوہر قتل ہو چکے تھے اور وہ نئی نویلی دلہن تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اپنے لیے منتخب فرمالیا۔ پھر آپ

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 1، صفحات 103، 104۔

ﷺ انہیں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ہم سدِّ الروحاء[1] پہنچے۔ وہاں ان کی عدت[2] پوری ہوئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے رخصتی فرمائی۔"[3]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے سپرد فرمایا تاکہ وہ انہیں تیار کریں اور آپ ﷺ کے لیے آراستہ کریں۔ راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ ان کے گھر میں عدت گزاریں۔"[4]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حضرت انس رضی اللہ عنہ کے قول 'تَعْتَمَّ' سے مراد یہ ہے کہ وہ استبراء کی مدت پوری کریں۔ چونکہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا قیدی بنائی گئی تھیں، اس لیے ان کا استبراء ضروری تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے استبراء کی مدت کے دوران انہیں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر میں رکھا۔ جب استبراء کی مدت پوری ہو گئی تو حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں تیار کیا اور آراستہ کیا، یعنی

1- صحیح مسلم، حدیث نمبر 388 اور 15 میں مذکور ہے کہ: "الروحاء" ایک مقام ہے جو مدینہ منورہ سے چھتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 5، صفحہ 176 میں فرماتے ہیں: "حَلَتْ" سے مراد ہے کہ وہ حیض سے پاک ہو گئیں۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2235 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 اور 87 میں روایت کیا ہے۔

دلہن کی طرح انہیں سجایا سنوارا، لیکن ایسے طریقے سے جن میں کوئی ممنوع چیز شامل نہ ہو، مثلاً گودنا، بالوں کو جوڑنا اور اس طرح کی دیگر ممنوع چیزوں سے اجتناب کیا۔"(1)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ولیمہ میں لوگوں کو حیس کھلایا امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم سدِّ صہباء تک پہنچے تو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا پاک ہو چکی تھیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے رخصتی فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک چھوٹے سے دستر خوان پر حیس تیار کیا اور مجھ سے فرمایا: 'اپنے ارد گرد کے لوگوں کو اطلاع دے دو۔' چنانچہ یہی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ولیمہ کی دعوت تھی۔"(2)

امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمے میں کھجور، پنیر اور گھی کا اہتمام فرمایا۔"(3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "ان دونوں روایات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ یہ سب حیس کے اجزا میں سے ہیں۔"(4)

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 9، صفحہ 191۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2235، 4211 میں روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1365 میں روایت کیا ہے۔

4- دیکھیں: فتح الباری، جلد 10، صفحہ 296۔

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھوں کے گرد نیل دیکھا تو فرمایا: 'اے صفیہ! یہ نیل کیسا ہے؟' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: 'جب میں سو رہی تھی تو میرا سر ابن ابی الحقیق کی گود میں تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک چاند میری گود میں آکر گرا ہے۔ میں نے یہ خواب اسے بتایا تو اس نے مجھے تھپڑ مارا اور کہا: تم یثرب کے بادشاہ[1] سے نکاح کی تمنا کرتی ہو!' حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: 'اس وقت رسول اللہ ﷺ مجھے سب سے زیادہ ناپسندیدہ لوگوں میں سے تھے، کیونکہ آپ ﷺ نے میرے شوہر، میرے والد اور میرے بھائی کو قتل کیا تھا۔ پھر آپ ﷺ مسلسل مجھ سے معذرت کرتے رہے اور فرماتے رہے: 'تمہارے والد نے عربوں کو میرے خلاف بھڑکایا تھا، اور انہوں نے یہ یہ کام کیے تھے۔' یہاں تک کہ میرے دل سے وہ رنج و کدورت دور ہو گئی۔''[2]

زہر آلود بکری کا واقعہ

اسی غزوے کے دوران یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو زہر دیا تھا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب خیبر فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک زہر آلود بکری

1-یعنی اللہ کے رسول ﷺ۔

2-اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 5199 کے تحت روایت کیا ہے۔

بطورِ ہدیہ پیش کی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'یہاں موجود یہودیوں کو میرے پاس جمع کرو۔' چنانچہ انہیں آپ ﷺ کے پاس جمع کر دیا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: 'میں تم سے ایک بات پوچھنے والا ہوں، کیا تم اس کے بارے میں مجھے سچ بتاؤ گے؟' انہوں نے کہا: 'جی ہاں، اے ابوالقاسم!' رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: 'کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا تھا؟' انہوں نے کہا: 'ہاں۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟' انہوں نے کہا: 'ہم نے یہ سوچا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے نجات مل جائے گی، اور اگر آپ نبی ہیں تو زہر آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'''[1]

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ایک یہودی عورت[2] رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری لے کر آئی۔ آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھا لیا[3]۔ پھر اس عورت کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا اور آپ ﷺ نے اس سے اس بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: 'میرا ارادہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا تھا۔' رسول اللہ ﷺ نے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 3169 اور 5777 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد 3، صفحہ 367 میں اس عورت کا نام زینب بنت حارث، زوجہ سلام بن مشکم ذکر کیا ہے۔

3- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند کی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس عورت نے اس بکری میں زہر ملایا تھا۔''

امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 403 میں فرماتے ہیں: ''اس بارے میں اختلاف ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بکری میں سے کھایا تھا یا نہیں، تاہم اکثر روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا تھا۔''

فرمایا: 'اللہ تعالیٰ تمہیں اس کام پر ہر گز قدرت نہیں دے گا۔' یا فرمایا: 'مجھ پر تمہیں قدرت نہیں دے گا۔' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: 'کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'نہیں۔' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد بھی میں رسول اللہ ﷺ کے حلق کے اندرونی حصے میں اس زہر کے اثرات[1] محسوس کرتا رہا۔''[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''یہودیوں میں سے ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں زہر آلود بکری بطورِ ہدیہ پیش کی۔ آپ ﷺ نے اسے بلوایا اور فرمایا: 'تمہیں ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا؟' اس نے جواب دیا: 'میں نے یہ اس لیے کیا کہ اگر آپ نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی اطلاع دے دے گا، اور اگر آپ نبی نہیں ہیں تو میں لوگوں کے سامنے آپ کی حقیقت ظاہر کر دوں گی۔' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ کو اس زہر کی کوئی تکلیف محسوس ہوتی تو آپ ﷺ پچھنے لگواتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوئے، پھر جب آپ ﷺ نے احرام باندھا تو اس زہر کی کچھ تکلیف محسوس ہوئی، چنانچہ آپ ﷺ نے پچھنے لگوائے۔''[3]

1- یعنی اس زہر کا کوئی نشان اور اثر باقی رہ گیا تھا، مثلاً سیاہی یا اس کے علاوہ کوئی اور علامت۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2617، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2190، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 13285 میں روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 2784 میں روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شہ رگ کا متاثر ہونا

اس زہر کے اثرات میں سے ایک یہ بھی تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی شہ رگ متاثر ہوئی۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری کے دوران، جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی، فرمایا کرتے تھے: 'اے عائشہ! خیبر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا، اس کی تکلیف مسلسل محسوس کرتا رہا ہوں۔ اب وہ وقت آگیا ہے کہ اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹنے کا احساس ہو رہا ہے۔'''(1)

امام احمد، امام ابو داؤد اور امام حاکم رحمہم اللہ نے حضرت ام مبشر رضی اللہ عنہا سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کی اس بیماری کے دوران آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی جس میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔ میں نے عرض کیا: 'میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ اپنی طبیعت میں کس چیز کو تکلیف کا سبب سمجھتے ہیں؟ میں تو اپنے بیٹے کی وفات کا سبب اس کھانے کے سوا کسی چیز کو نہیں سمجھتی جو اس نے خیبر میں آپ ﷺ کے ساتھ کھایا تھا۔' ان کے بیٹے حضرت بِشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما تھے، جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'میں

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4428 میں صیغۂ جزم کے ساتھ معلق روایت کیا ہے، جبکہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 4401 میں اسے موصولاً روایت کیا ہے۔

بھی اس کھانے کے سوا کسی اور چیز کو اس کا سبب نہیں سمجھتا۔ اب میری شہ رگ کٹنے کا وقت آ گیا ہے۔‘‘[1]

امام احمد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ’’میرے نزدیک اس بات پر نو مرتبہ قسم کھانا کہ رسول اللہ ﷺ کو زہر دے کر شہید[2] کیا گیا، اس بات پر ایک مرتبہ قسم کھانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو شہید نہیں کیا گیا؛ کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو نبی بھی بنایا اور شہید بھی۔‘‘[3]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’جب نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے تو پچھنے لگوانے کی جگہ کاہِل[4] تھی، یعنی پشت کا وہ حصہ جو دل کے قریب ترین ہے اور جہاں پچھنے لگوانا ممکن ہے۔ چنانچہ زہریلا مادہ خون کے ساتھ خارج ہو گیا، لیکن مکمل طور

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 23933، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 4513، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 5032 میں روایت کیا ہے۔

2-امام سندی رحمہ اللہ اپنی شرحِ مسند، جلد سوم، صفحہ 247 میں فرماتے ہیں: ’’یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے: ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ ’’اور اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔‘‘ (سورۃ المائدۃ: 67) کیونکہ اس وعدے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو قتل کے عام اور معروف طریقے سے محفوظ رکھے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سے محفوظ رکھا۔‘‘

3-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 3617 اور 3873، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 4442 میں روایت کیا ہے۔

4-کاہِل، پشت کے بالائی حصے کے اگلے جانب واقع مقام کو کہتے ہیں۔ دیکھیں: النہایہ، جلد 4، صفحہ 185۔
سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 3860، اور جامع ترمذی، حدیث نمبر 2176 میں بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کاہِل کے مقام پر پچھنے لگوائے تھے، اور اس روایت کی سند صحیح ہے۔

پر نہیں، بلکہ اس کا اثر باقی رہ گیا، اگرچہ کمزور پڑ چکا تھا۔ یہ اس لیے تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ آپ ﷺ کے لیے فضیلت کے تمام مراتب کی تکمیل فرمانا چاہتا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شہادت کے شرف سے نوازنے کا ارادہ فرمایا تو زہر کا وہ پوشیدہ اثر ظاہر ہو گیا، تاکہ اللہ تعالیٰ اس کام کو پورا فرمائے جس کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اسی میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا راز بھی ظاہر ہوتا ہے جو اس نے یہودی دشمنوں کے بارے میں فرمایا: ﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ﴾ ”تو کیا جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس ایسی بات لے کر آیا جسے تمہارے دل پسند نہیں کرتے تھے، تم نے تکبر کیا؟ پھر تم نے بعض کو جھٹلایا اور بعض کو قتل کرتے رہے۔“ (سورۃ البقرۃ: 87) اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے کے لیے ماضی کا صیغہ ”كَذَّبْتُمْ“ استعمال فرمایا، کیونکہ یہ کام ان سے پہلے واقع ہو چکا تھا اور ثابت تھا، جبکہ قتل کرنے کے لیے مستقبل کا صیغہ ”تَقْتُلُونَ“ استعمال فرمایا، کیونکہ وہ اس کی توقع رکھتے تھے اور اس کے منتظر تھے۔ واللہ اعلم۔“(1)

کیا رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت حارث کو قتل کیا تھا؟

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کہا ہے: ”اس بارے میں روایات اور اہلِ علم کے اقوال مختلف ہیں کہ آیا نبی کریم ﷺ نے اس

1- دیکھیں: زاد المعاد، جلد 4، صفحات 177، 178۔ امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر، جلد 6، صفحہ 269 میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔

عورت کو قتل کیا تھا یا نہیں۔ صحیح مسلم (1) میں یہ روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: 'کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟'

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'نہیں۔' اسی طرح حضرت ابو ہریرہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت منقول ہے۔ البتہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ابو سلمہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے قتل کر دیا تھا۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اسے حضرت بِشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما کے ورثا کے حوالے کر دیا تھا، کیونکہ حضرت بِشر رضی اللہ عنہ نے اس زہر آلود بکری میں سے کھایا تھا اور اسی کے سبب وفات پا گئے تھے، چنانچہ ان کے ورثا نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ ابن سحنون رحمہ اللہ نے کہا ہے: اہلِ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو قتل کیا تھا۔''

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان تمام روایات اور اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جب ابتدا میں رسول اللہ ﷺ کو اس عورت کے زہر ملانے کا علم ہوا اور آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ اسے قتل کر دیا جائے، تو آپ ﷺ نے اسے قتل نہیں کیا، بلکہ فرمایا: 'نہیں۔' پھر جب حضرت بِشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہما اس زہر کے اثر سے وفات پا گئے تو آپ ﷺ نے اس عورت کو ان کے ورثا کے حوالے کر دیا، چنانچہ انہوں نے قصاص کے طور پر اسے قتل کر دیا۔ اس طرح یہ کہنا درست ہے

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی روایت نقل کی ہے، اور اس حدیث کی تخریج ابھی کچھ دیر پہلے گزر چکی ہے۔

کہ آپ ﷺ نے اسے قتل نہیں کیا، یعنی اسی وقت قتل نہیں کیا، اور یہ کہنا بھی درست ہے کہ اسے قتل کیا گیا، یعنی بعد میں۔ واللہ اعلم۔"(1)

امام سہیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں اس عورت کو معاف کر دیا تھا، کیونکہ آپ ﷺ اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا کرتے تھے۔ لیکن جب حضرت بِشر بن براء رضی اللہ عنہما اس زہر آلود کھانے کے سبب وفات پا گئے تو آپ ﷺ نے اس عورت کو قتل کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت بِشر رضی اللہ عنہ اس کھانے کے اثر سے مسلسل بیمار رہے، یہاں تک کہ تقریباً ایک سال بعد اسی کے سبب ان کی وفات ہو گئی۔"(2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "یہ احتمال بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کو اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ وہ اسلام لے آئی تھی۔ اور آپ ﷺ نے اس کے قتل کو حضرت بِشر رضی اللہ عنہ کی وفات تک مؤخر کر دیا تھا، کیونکہ ان کی وفات کے بعد قصاص کا وجوب اپنی شرط کے ساتھ متحقق ہو گیا تھا۔"(3)

زہر آلود بکری کے واقعے سے حاصل ہونے والے فوائد

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس حدیث سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1- دیکھیں: شرح صحیح مسلم للنووی، جلد 14، صفحہ 150۔

2- دیکھیں: الروض الأنف، جلد 4، صفحہ 83۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 262 میں امام سہیلی رحمہ اللہ ہی کے موقف کو اختیار کیا ہے۔

3- دیکھیں: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 282۔

اولاً: رسول اللہ ﷺ کا غیب کی خبر دینا۔

ثانیاً: بے جان چیز کا آپ ﷺ سے کلام کرنا۔

ثالثاً: اس حدیث میں یہود کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے؛ کیونکہ انہوں نے زہر ملانے کی سازش کا اعتراف کر کے اس بات کی تصدیق کر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے جو خبر دی تھی، وہ سچی تھی۔ اس کے باوجود وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور آپ ﷺ کو جھٹلاتے رہے۔

رابعاً: زہر دے کر قتل کرنے والے کو قصاص میں قتل کرنا۔

خامساً: زہر اور دیگر اشیاء بذاتِ خود مؤثر نہیں ہوتیں، بلکہ ان کا اثر اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوتا ہے۔[1]

یہودِ فدک کے ساتھ صلح

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جب رسول اللہ ﷺ خیبر سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اہلِ فدک کے دلوں میں رعب ڈال دیا، کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ خیبر کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا ہے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ ﷺ فدک کی نصف زمین کے عوض ان سے صلح کر لیں۔ ان کے نمائندے خیبر میں، یا طائف میں، یا پھر اس وقت آپ ﷺ کے پاس پہنچے جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیش

1- دیکھیں: فتح الباری، جلد 11، صفحہ 414۔

کردہ صلح قبول فرمالی۔ اس طرح فدک رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص ہو گیا، کیونکہ اس کے حصول کے لیے نہ گھوڑے دوڑائے گئے تھے اور نہ اونٹ۔"[1]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت مالک بن اوس بن الحدثان رحمہ اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دلائل میں یہ بات بھی بیان فرمائی[2] کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے تین اموالِ فَے مخصوص تھے: بنو نضیر، خیبر اور فدک۔ بنو نضیر کے اموال آپ ﷺ نے پیش آنے والی ضروریات کے لیے محفوظ رکھے تھے، جبکہ فدک کو مسافروں کی ضروریات کے لیے مخصوص کیا تھا۔ اور خیبر کو رسول اللہ ﷺ نے تین حصوں میں تقسیم فرمایا تھا: دو حصے مسلمانوں میں تقسیم کیے اور ایک حصہ اپنے اہل و عیال کے اخراجات کے

1- دیکھیں: سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 384۔

2- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دلیل حضرت عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کی، جب وہ رسول اللہ ﷺ کے چھوڑے ہوئے اموال کی نگرانی اور انتظام کے معاملے میں اختلاف کر رہے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل طویل ہے۔ اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3094 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1757 اور 49 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ اپنی سنن، جلد 4، صفحہ 584 میں فرماتے ہیں: "ان دونوں حضرات نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے صرف یہ درخواست کی تھی کہ وہ اس مال کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دونوں کے درمیان بانٹ دیں۔ ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ اس بات سے ناواقف تھے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: 'ہم انبیاء کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔' کیونکہ وہ دونوں صرف درست بات ہی کے طالب تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: 'میں اس مال کو تقسیم کرنے کا نام نہیں دوں گا، بلکہ اسے اسی حالت پر رہنے دوں گا جس پر وہ پہلے سے ہے۔'"

لیے مخصوص فرمایا۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اہل و عیال کے اخراجات سے جو کچھ بچتا، اسے مہاجرین کے محتاجوں میں تقسیم فرمادیتے تھے۔"[1]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت مغیرہ رحمہ اللہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے بنو مروان کے لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں فدک تھا۔ آپ ﷺ اس کی آمدنی سے اخراجات پورے فرماتے، بنو ہاشم کے چھوٹے بچوں کی ضروریات کا خیال رکھتے اور ان میں سے غیر شادی شدہ خواتین کے نکاح کا انتظام فرماتے تھے۔"[2]

وادی القریٰ کا محاصرہ اور مِدْعَم[3] کا واقعہ

رسول اللہ ﷺ خیبر سے وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں یہود کی ایک جماعت آباد تھی۔ جب مسلمان وہاں پہنچے تو یہودیوں نے ان کا استقبال تیروں سے کیا، جبکہ وہ جنگ کے لیے باقاعدہ صف بندی بھی نہیں کیے ہوئے تھے۔ بالآخر مسلمانوں نے وادی القریٰ کو جنگ کے ذریعے فتح کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مِدْعَم نامی ایک غلام بھی تھا، جس نے مالِ غنیمت میں سے ایک چادر چھپالی تھی۔ بعد میں وہ قتل ہو گیا۔

1- اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2967 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2972 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 271 میں فرماتے ہیں: "مِدْعَم" میں میم پر کسرہ، دال پر سکون اور عین پر زبر ہے۔

چنانچہ شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ الفاظ امام حاکم رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر سے وادی القریٰ[1] کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک غلام[2] بھی تھا، جو آپ ﷺ کو رفاعہ بن زید جذامی نے ہدیے میں دیا تھا۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب تھا اور وہ رسول اللہ ﷺ کا سامانِ سفر اتار رہا تھا، تو اچانک اسے ایک بے نشان تیر آ کر لگا اور وہ قتل ہو گیا۔ بے نشان تیر سے مراد وہ تیر ہے جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ اسے کس نے چلایا ہے۔ ہم

1- امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں، حدیث نمبر 4234 کے تحت، یہ الفاظ ہیں: ''ہم نے خیبر فتح کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔''

اور امام مسلم رحمہ اللہ کی صحیح میں حدیث نمبر 115 کے تحت یہ الفاظ ہیں: ''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف نکلے، پھر وادی کی طرف روانہ ہوئے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 270 میں فرماتے ہیں: ''دار قطنی رحمہ اللہ نے موسیٰ بن ہارون سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: اس حدیث میں ثور سے وہم ہوا ہے؛ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر نہیں گئے تھے، بلکہ آپ ﷺ کے روانہ ہو جانے کے بعد آئے اور خیبر فتح ہو چکنے کے بعد مسلمانوں سے آ ملے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سیرت و مغازی کے مصنف محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے ثور بن زید کے اس لفظ میں وہم کو محسوس کر لیا تھا، چنانچہ انہوں نے ان سے یہ حدیث اس لفظ کے بغیر روایت کی۔ ابن حبان، حاکم اور ابن مندہ رحمہم اللہ نے بھی محمد بن اسحاق کے طریق سے اسے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: 'ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔' اس باب میں ابو اسحاق فزاری کی روایت اس اعتراض سے محفوظ ہے، کیونکہ اس میں 'ہم نے خیبر فتح کیا' کے الفاظ سے مراد یہ لی جا سکتی ہے کہ مسلمانوں نے خیبر فتح کیا تھا۔ اس کی نظیر پہلے بھی گزر چکی ہے۔ اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں ایک دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے: 'ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خیبر سے وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔' لہٰذا ممکن ہے کہ حدیث کے اصل الفاظ یہی ہوں۔''

2- صحیح بخاری میں اس غلام کا نام ''مِدْعَم'' ذکر کیا گیا ہے۔

نے کہا: 'اس کے لیے جنت [1] کی خوش خبری ہو!' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'ہر گز نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! خیبر کے دن مالِ غنیمت میں سے جو چادر اس نے چھپائی تھی، وہ اس پر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص گھبرا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: 'اے اللہ کے رسول! میں نے جوتوں کے دو تسمے حاصل کیے ہیں۔' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'آگ میں تمہارے لیے بھی انہی کے برابر دو تسمے ہوں گے۔'''
(2)

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان: 'اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے'، اور مالِ غنیمت میں خیانت کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے آپ ﷺ کا انکار کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ خیانت کا جرم نہایت سنگین ہے اور اس کا گناہ بہت بڑا ہے۔ یہ گناہ کبیرہ میں سے ہے اور حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس میں نیکیوں اور برائیوں کے ذریعے قصاص ضرور ہوگا، پھر اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔''[3]

1- صحیحین کی روایت میں شہادت کا لفظ ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 408 اور 242 کے تحت، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 115 کے تحت، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں حدیث نمبر 408 اور 395 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیں: تفسیر قرطبی، جلد 5، صفحہ 392۔

رسول اللہ ﷺ کی فتح و نصرت کے ساتھ مدینہ منورہ واپسی

رسول اللہ ﷺ یہودِ خیبر پر فتح و نصرت حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے خیبر پر آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرمایا اور اسے آپ ﷺ کے لیے فتح کر دیا۔ واپسی کے راستے میں کئی واقعات پیش آئے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ کی فضیلت کا بیان

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی طرف غزوہ فرمایا، یا یہ فرمایا کہ جب آپ ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے، تو لوگ ایک وادی کے اوپر پہنچے اور تکبیر کہتے ہوئے اپنی آوازیں بلند کرنے لگے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا إلٰہ إلا اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: 'اپنے اوپر نرمی کرو، کیونکہ تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ تم ایک ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو خوب سننے والی اور قریب ہے، اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔' میں رسول اللہ ﷺ کے جانور کے پیچھے چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے میری آواز سنی، جب میں کہہ رہا تھا: 'لاحول ولا قوۃ اِلا باللہ' (اللہ کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت)۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: 'اے عبداللہ بن قیس[1]!' میں نے عرض کیا:

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4202 اور 6284 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2704 اور 444 کے تحت روایت کیا ہے۔

'حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول ﷺ!' آپ ﷺ نے فرمایا: 'کیا میں تمہیں جنت کے خزانوں میں سے ایک کلمہ نہ بتاؤں؟' میں نے عرض کیا: 'کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'لاحول ولا قوۃ إلا باللہ۔'''(1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''حدیث کے اس سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خیبر کی طرف جا رہے تھے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ ان کی واپسی کے دوران پیش آیا تھا؛ کیونکہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تو خیبر کی فتح کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشریف لائے تھے۔ اس بنا پر حدیث کے سیاق میں کچھ الفاظ محذوف ہیں، جن کی تقدیر یہ ہے: 'جب نبی کریم ﷺ خیبر کی طرف روانہ ہوئے، پھر اس کا محاصرہ فرمایا اور اسے فتح کر لیا، اور اس سے فارغ ہو کر واپس لوٹے، تو لوگ ایک وادی کے اوپر پہنچے۔۔۔' اور اس کے بعد حدیث کے باقی الفاظ ہیں۔''(2)

جبلِ اُحد اور مدینہ نبویہ کی فضیلت

شیخین رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر کی طرف گیا تاکہ آپ ﷺ کی خدمت کروں۔ جب نبی کریم ﷺ

1- یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔

2- دیکھیں: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 247۔

واپس تشریف لائے اور آپ ﷺ کو اُحد پہاڑ نظر آیا تو فرمایا: 'یہ ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔' پھر آپ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: 'اے اللہ! میں مدینہ کے دونوں پتھریلے میدانوں[1] کے درمیان کے علاقے کو اسی طرح حرم قرار دیتا ہوں جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اے اللہ! ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان: ''یہ اُحد پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں'' کے بارے میں صحیح اور مختار قول یہ ہے کہ اُحد حقیقتاً ہم سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی تمیز و ادراک کی صلاحیت پیدا فرمائی ہے جس کے ذریعے وہ محبت کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ﴾ ''اور بعض پتھر اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔'' (سورۃ البقرۃ: 74) اسی طرح خشک تنے کا رونا[3]، کنکریوں کا تسبیح

1- امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم، جلد 9، صفحہ 115 میں فرماتے ہیں: ''لابتان سے مراد دو پتھریلے میدان ہیں، ان میں سے ہر ایک کو لابہ کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی زمین ہے جو سیاہ پتھروں سے ڈھکی ہوئی ہو۔ مدینہ منورہ کے بھی دو لابے ہیں: ایک مشرقی اور دوسرا مغربی، اور مدینہ ان دونوں کے درمیان واقع ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2809 کے تحت اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1365 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- خشک تنے کے رونے کا واقعہ نہایت مشہور احادیث میں سے ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3505 کے تحت روایت کیا ہے، جبکہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 563 میں اس کی مختلف سندیں ذکر کی ہیں اور آخر میں فرمایا ہے: ''حنانہ (کھجور کے اس تنے جس سے رسول اللہ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے) کے بارے میں ہم نے جو

کرنا[1]، پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگنا[2]، اور ہمارے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان کہ ''میں مکہ میں ایک ایسے پتھر کو جانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا''[3]، نیز آپ ﷺ کا دو الگ الگ درختوں کو بلانا اور ان کا آپس میں مل جانا[4]، اور پہاڑِ حرا کا لرزنا[5]، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے حرا! ٹھہر جا، کیونکہ تیرے اوپر ایک نبی یا صدیق کے سوا کوئی نہیں''، اسی طرح بکری کے گوشت کے ٹکڑے کا آپ ﷺ سے کلام کرنا[6]، یہ سب اسی حقیقت کی مثالیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ ''اور کوئی چیز ایسی

احادیث ذکر کی ہیں، وہ سب صحیح ہیں۔ حنانہ کا واقعہ ان نمایاں واقعات اور روشن نشانیوں میں سے ہے جنہیں بعد والوں نے اپنے سے پہلے لوگوں سے نقل کیا ہے۔ اس کی احادیث کی روایت کرنا گویا ایک متعین اور معروف امر کی روایت کرنا ہے۔ اسلام اور سنت پر اللہ تعالیٰ ہی کی حمد ہے، اور اسی کی پناہ اور حفاظت طلب کی جاتی ہے۔''

1- امام طبرانی رحمہ اللہ نے اسے المعجم الأوسط میں حدیث نمبر 1244 کے تحت روایت کیا ہے، تاہم اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 293 میں فرماتے ہیں: ''رہی کنکریوں کی تسبیح، تو اس کے بارے میں یہی ایک سند ہے، اور وہ بھی ضعیف ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1278 اور 3404 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 339 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2277 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3012 کے تحت روایت کیا ہے۔

5- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2417 کے تحت روایت کیا ہے۔

6- بکری کے زہر آلود گوشت کے ٹکڑے کا زہر آلود ہونے کی خبر دینا اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 3733 کے تحت، اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3781 اور 4510 کے تحت روایت کیا ہے، تاہم اس کی سند ضعیف ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی اسے مستدرک میں حدیث نمبر 7267 کے تحت روایت کیا ہے، لیکن اس روایت میں نکارت پائی جاتی ہے۔ زہر آلود بکری کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے، اور وہ واقعہ ثابت ہے۔

نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو۔'' (سورۃ الإسراء: 44) اس آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ ہر چیز اپنی حالت کے مطابق حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، لیکن ہم اس کی تسبیح کو سمجھ نہیں پاتے۔ یہ تمام واقعات اور ان جیسے دیگر شواہد اس مفہوم کی تائید کرتے ہیں جسے ہم نے اختیار کیا ہے اور محققین نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے، یعنی اُحد حقیقتاً ہم سے محبت کرتا ہے۔''[1]

1- دیکھیں: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 9، صفحہ 119۔

غزوۂ ذات الرقاع[1] یا غزوۂ نجد[2]

اس غزوے کی تاریخ کے بارے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1-اس غزوے کو غزوۂ ذات الرقاع کہنے کی وجہ کے بارے میں بھی اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

-ابن ہشام رحمہ اللہ سیرت ابن ہشام، جلد 3، صفحہ 226 میں فرماتے ہیں: ''اسے غزوۂ ذات الرقاع اس لیے کہا گیا کہ اس غزوے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے جھنڈوں کی مرمت کی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مقام پر ایک درخت تھا جسے ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔''

-واقدی رحمہ اللہ نے اپنی مغازی، جلد 1، صفحہ 395 میں، اور ان کے شاگرد ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات، جلد 2، صفحہ 280 میں بیان کیا ہے: ''اس غزوے کو ذات الرقاع اس لیے کہا گیا کہ وہاں ایک پہاڑ تھا جس میں سرخ، سیاہ اور سفید رنگ کے دھبے تھے۔''

-امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4101 اور 4102 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1816 کے تحت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک غزوے میں روانہ ہوئے۔ ہم چھ افراد تھے اور ہمارے پاس ایک ہی اونٹ تھا، جس پر ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ اس سفر میں ہمارے پاؤں زخمی ہو گئے، یہاں تک کہ میرے دونوں پاؤں بھی زخمی ہو گئے اور میرے ناخن جھڑ گئے۔ چنانچہ ہم اپنے پاؤں پر کپڑے کی پٹیاں لپیٹنے لگے۔ اسی وجہ سے اس غزوے کو غزوۂ ذات الرقاع کہا گیا۔''

-امام سہیلی رحمہ اللہ الروض الأنف، جلد 3، صفحہ 401 میں فرماتے ہیں: ''ان تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح وہ قول ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔'' پھر انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی۔

-امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات، جلد 3، صفحہ 202 میں فرماتے ہیں: ''درست بات وہی ہے جو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے بیان کی ہے؛ کیونکہ وہ صحابی ہیں، اس واقعے کے عینی شاہد ہیں، اور انہوں نے اس کی ایسی تشریح کی ہے جو واقعے اور لغت دونوں کے مطابق ہے۔ ان کے صریح قول کی مخالفت کرنے والا کوئی دوسرا قول بھی ثابت نہیں، لہٰذا ان کے بیان کو رد نہیں کیا جا سکتا۔''

2- غزوۂ ذات الرقاع کا نام امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں حدیث نمبر 8260 کے تحت وارد ہوا ہے۔

اولاً: اہلِ مغازی کی اکثریت کا موقف یہ ہے کہ یہ غزوہ غزوۂ خندق سے پہلے، ہجرت کے چوتھے سال پیش آیا تھا۔ بعد کے اہلِ علم نے بھی ان سے یہی بات نقل کی ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جمہور اہلِ سیرت و مغازی کے قول کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خندق سے پہلے پیش آیا تھا۔ جن اہلِ علم نے صراحت

-امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1240 کے تحت حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی تھی؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں۔'' مروان نے پوچھا: ''یہ کب ہوا تھا؟'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''غزوۂ نجد کے سال۔'' پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی اور یہ تفصیل ذکر کی کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف کس طرح پڑھائی تھی۔

-سنن ابی داؤد میں حدیث نمبر 1241 کے تحت ایک دوسری روایت سندِ صحیح کے ساتھ وارد ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف روانہ ہوئے۔ یہاں تک کہ جب ہم کھجوروں والے مقام ذات الرقاع پر پہنچے تو غطفان کے ایک گروہ سے سامنا ہوا۔''

-اس غزوے کو غزوۂ محارب خَصَفہ بھی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے: ''غزوۂ ذات الرقاع کا بیان، اور یہ بنو ثعلبہ میں سے غطفان کے قبیلے سے تعلق رکھنے والے محارب خَصَفہ کا غزوہ ہے۔''

-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 181 میں فرماتے ہیں: ''اہلِ مغازی کی اکثریت کا موقف یہ ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع ہی غزوۂ محارب ہے، جیسا کہ ابن اسحاق رحمہ اللہ نے سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 225 میں صراحت کی ہے۔ جبکہ واقدی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ غزوے ہیں، اور شرح السیرۃ میں قطب حلبی نے بھی انہی کی پیروی کی ہے۔ اور اللہ ہی درست بات کو بہتر جانتا ہے۔''

-میں کہتا ہوں کہ موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے بھی اس غزوے کی تاریخ کے بارے میں تردد کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 296 میں ان کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے: ''یہ معلوم نہیں کہ یہ غزوہ کب پیش آیا تھا: غزوۂ بدر سے پہلے، یا اس کے بعد، یا غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے درمیان، یا غزوۂ اُحد کے بعد۔''

-امام ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 296 میں ان کے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا: ''انہوں نے بہت بعید بات کہی ہے، کیونکہ انہوں نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ غزوۂ بدر سے پہلے پیش آیا ہو، حالانکہ یہ بات واضح طور پر غلط ہے۔ اسی طرح یہ غزوۂ اُحد سے پہلے اور نہ ہی غزوۂ خندق سے پہلے پیش

کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے، ان میں محمد بن اسحاق [1]، موسیٰ بن عقبہ [2]، واقدی [3]، ان کے کاتب محمد بن سعد [4]، خلیفہ بن خیاط [5] اور دیگر اہلِ علم شامل ہیں [6]۔"

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 225۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 180 میں فرماتے ہیں: "جہاں تک موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کا تعلق ہے، تو انہوں نے غزوۂ ذات الرقاع کے پہلے پیش آنے کا قطعی فیصلہ کیا ہے، لیکن اس کے وقت کے تعین میں تردد کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ یہ غزوہ غزوۂ بدر سے پہلے پیش آیا تھا یا اس کے بعد، یا غزوۂ اُحد سے پہلے یا اس کے بعد۔ اور اس تردد کا کوئی فائدہ نہیں۔"

3- دیکھیے: مغازی واقدی، جلد اول، صفحہ 396۔

4- دیکھیے: الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 280۔

5- شدید تلاش کے باوجود مجھے خلیفہ بن خیاط رحمہ اللہ کی ان تصانیف میں یہ بات نہیں ملی جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے۔

6- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ 399۔

ثانیاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں [1]، نیز حافظ ابن کثیر [2]، امام ابن القیم [3] اور حافظ ابن حجر [1] رحمہم اللہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا تھا، اور یہی صحیح قول ہے۔

1- دیکھیے: صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ ذات الرقاع۔

2- دیکھیے: الفصول فی سیرۃ الرسول، صفحہ 147، اور دیکھیے: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 464۔

3- دیکھیے: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 294۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 180 میں فرماتے ہیں: ''جس بات کو قطعی طور پر اختیار کرنا چاہیے، وہ یہ ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ بنو قریظہ کے بعد پیش آیا تھا۔ اس کی چند وجوہ ہیں:

اولاً: پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ غزوۂ خندق میں نمازِ خوف مشروع نہیں ہوئی تھی، جبکہ غزوۂ ذات الرقاع میں نمازِ خوف ادا کرنا ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خندق کے بعد پیش آیا تھا۔

ثانیاً: یہ ثابت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ غزوۂ ذات الرقاع میں شریک تھے، لہٰذا لازم آتا ہے کہ یہ غزوہ، غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا ہو۔

ثالثاً: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے بنو نضیر کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی تھی، جبکہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ ان کا پہلا غزوہ غزوۂ خندق تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ خندق کے بعد پیش آیا تھا۔

رابعاً: امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4125 کے تحت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ نے خوف کی حالت میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتویں غزوے، یعنی غزوۂ ذات الرقاع میں نماز پڑھائی۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 182 میں فرماتے ہیں: ''غزوۂ ذات الرقاع کو نبی کریم ﷺ کے غزوات میں ساتواں غزوہ قرار دینا، امام بخاری رحمہ اللہ کے اس موقف کی تائید کرتا ہے کہ یہ غزوہ، غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا تھا۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ اگر یہاں ان تمام غزوات کو مراد لیا جائے جن میں نبی کریم ﷺ خود تشریف لے گئے، خواہ ان میں قتال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، تو ساتواں غزوہ غزوۂ اُحد سے پہلے واقع ہوتا ہے۔ حالانکہ موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کے مذکورہ تردد کے سوا کسی نے یہ موقف اختیار نہیں کیا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ اُحد سے پہلے پیش آیا تھا۔ تاہم اس میں بھی نظر ہے، کیونکہ اہلِ علم اس بات پر متفق ہیں کہ نمازِ خوف، غزوۂ خندق کے بعد مشروع ہوئی۔ لہٰذا یہ متعین ہو گیا کہ غزوۂ ذات الرقاع، غزوۂ بنو قریظہ کے بعد پیش آیا تھا۔ پس یہاں ان غزوات کو مراد لیا گیا ہے جن میں باقاعدہ قتال ہوا تھا۔ ان میں پہلا

اس غزوے کا سبب

اس غزوے کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ غطفان کے قبیلوں بنو محارب اور بنو ثعلبہ نے آپ ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر جمع کر لیا ہے۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کا ان کے مقابلے کے لیے روانہ ہونا

رسول اللہ ﷺ چار سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان کی طرف روانہ ہوئے، اور ایک قول کے مطابق ان کی تعداد سات سو تھی۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا، جبکہ ایک قول کے مطابق حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جانشین بنایا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے ٹھکانوں تک پہنچ گئے، جہاں غطفان کا ایک بڑا لشکر موجود تھا۔ تاہم دونوں

غزوۂ بدر، دوسرا غزوۂ اُحد، تیسرا غزوۂ خندق، چوتھا غزوۂ بنو قریظہ، پانچواں غزوۂ مریسیع، اور چھٹا غزوۂ خیبر تھا۔ لہٰذا غزوۂ ذات الرقاع کو ساتواں غزوہ قرار دینے سے لازم آتا ہے کہ یہ غزوہ، غزوۂ خیبر کے بعد پیش آیا تھا۔"

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ ذات الرقاع میں شرکت بھی ثابت ہے، جبکہ وہ فتح خیبر کے بعد ہی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 8260 کے تحت، سندِ صحیح کے ساتھ حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نمازِ خوف ادا کی تھی؟" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہاں۔" مروان نے پوچھا: "یہ کب ہوا تھا؟" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "غزوۂ نجد کے سال۔"

1- اور دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 181۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 225؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 280۔

فریقوں کے درمیان جنگ نہیں ہوئی، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازِ خوف پڑھائی۔ (1)

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے ٹھکانوں پر عورتوں کے سوا کوئی نہیں ملا، چنانچہ آپ ﷺ نے ان عورتوں کو گرفتار کر لیا۔ ان میں ایک خوب صورت نوجوان لڑکی بھی تھی، جبکہ اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھاگ گئے تھے۔ (2)

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی اور راستے میں پیش آنے والے واقعات

رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی اور راستے میں پیش آنے والے واقعات

پھر رسول اللہ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کو دشمن کی طرف سے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا۔ مدینہ منورہ واپسی کے راستے میں کئی واقعات پیش آئے، جن میں سے بعض یہ ہیں:

غورث بن حارث کا واقعہ اور نمازِ خوف کا واقعہ

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوے میں شرکت کی۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس روانہ ہوئے تو میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ واپس روانہ ہوا۔ راستے میں دوپہر کا وقت ایک ایسی وادی

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد سوم، صفحہ 226۔

2- دیکھیے: الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 280۔

میں آگیا جہاں کثرت سے خاردار درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ وہاں اترے اور لوگ درختوں کے سائے میں آرام کرنے کے لیے بکھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے اور اپنی تلوار اس درخت پر لٹکا دی۔ ہم سو گئے۔ پھر اچانک رسول اللہ ﷺ نے ہمیں آواز دی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک اعرابی[1] موجود تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص میری تلوار مجھ پر سونتے ہوئے آیا، جبکہ میں سو رہا تھا۔ میں بیدار ہوا تو تلوار اس کے ہاتھ میں ننگی تھی۔ اس نے کہا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے تین مرتبہ کہا: اللہ! اس کے باوجود آپ ﷺ نے اسے کوئی سزا نہیں دی۔"[2]

امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ نے اپنی صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں، وہ فرماتے ہیں: "نماز کے لیے اقامت کہی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ایک جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی، پھر وہ پیچھے ہٹ گئی اور آپ ﷺ نے دوسری جماعت کو دو رکعت نماز پڑھائی۔

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں فرمایا ہے: "مسدد نے ابو عوانہ کے واسطے سے، ابو بشر سے روایت کیا ہے کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔"

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2910 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 843 اور 13 کے تحت روایت کیا ہے۔

اس طرح نبی کریم ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں، جبکہ لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔'' (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے نخل (2) کے مقام پر محارب خَصَفہ سے جنگ کی۔ انہوں نے مسلمانوں کو غافل پایا تو ان میں سے ایک شخص، جسے غورث بن حارث کہا جاتا تھا، آیا اور رسول اللہ ﷺ کے سر کے پاس تلوار لے کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا: اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ! راوی کہتے ہیں کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ ﷺ نے تلوار اٹھالی اور فرمایا: اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا: آپ اچھے طریقے سے پکڑنے والے بن جایئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اعرابی نے کہا: میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ نہ آپ سے جنگ کروں گا اور نہ ہی ان لوگوں کے ساتھ شامل ہوں گا جو آپ سے جنگ کرتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں تمہارے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4136 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 843 اور 311 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 64 میں فرماتے ہیں: ''بطن نخل وہ مقام ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نمازِ خوف ادا فرمائی تھی۔ نخل میں نون پر زبر اور خاء پر سکون ہے۔ یہ نجد میں غطفان کے علاقے کا ایک مقام ہے۔ صاحبِ مطالع اور جمہور اہلِ علم نے یہی بات بیان کی ہے۔

پاس بہترین انسان کے پاس سے آیا ہوں۔ پھر جب نماز کا وقت [1] ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے نمازِ خوف ادا فرمائی۔ لوگوں کے دو گروہ تھے: ایک گروہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا تھا اور دوسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھ نماز پڑھنے والے گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں، پھر وہ واپس چلا گیا اور دشمن کے مقابلے میں کھڑے گروہ کی جگہ جا کھڑا ہوا۔ اس کے بعد دوسرا گروہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی دو رکعتیں پڑھائیں۔ اس طرح لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں، جبکہ نبی کریم ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں۔"[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کی غیر معمولی شجاعت، آپ ﷺ کے پختہ یقین، اذیت پر صبر اور جاہلوں کے ساتھ حلم و بردباری کا مظاہرہ نمایاں ہے۔"[3]

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور سورۂ کہف

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ایک روایت سندِ ضعیف کے ساتھ نقل کی ہے، تاہم اس روایت کے بعض شواہد بھی ہیں جو اسے تقویت دیتے ہیں اور درجۂ حسن تک پہنچا دیتے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ

1- امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: جب ظہر یا عصر کا وقت ہوا۔۔۔"

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14929 کے تحت، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 4368 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 193۔

ﷺ کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں روانہ ہوئے۔ اس دوران مشرکین کی ایک عورت زخمی ہوگئی۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو اس عورت کا شوہر، جو اس وقت وہاں موجود نہیں تھا، واپس آیا۔ اس نے قسم کھائی کہ جب تک وہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے کسی کا خون نہ بہادے، چین سے نہیں بیٹھے گا۔ چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نشانات کا تعاقب کرتے ہوئے روانہ ہوا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مقام پر پڑاؤ فرمایا تو آپ ﷺ نے پوچھا: 'کون ہے جو آج رات ہماری حفاظت کرے؟' اس پر مہاجرین میں سے ایک شخص[1] اور انصار میں سے ایک شخص[2] آگے بڑھے اور عرض کیا: 'اللہ کے رسول ﷺ! ہم حفاظت کریں گے۔' آپ ﷺ نے فرمایا: 'تم دونوں گھاٹی کے دہانے پر رہنا۔' راوی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وادی کی ایک گھاٹی میں اتر کر ٹھہرے ہوئے تھے۔''

جب دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما گھاٹی کے دہانے پر پہنچے تو انصاری صحابی نے مہاجر صحابی سے کہا: رات کے کس حصے میں تمہاری طرف سے پہرہ دوں؟ رات کے پہلے حصے میں یا آخری حصے میں؟ مہاجر صحابی نے کہا: ''رات کے پہلے حصے میں میری طرف سے پہرہ دے دو۔'' چنانچہ مہاجر صحابی لیٹ گئے اور سو گئے، جبکہ انصاری صحابی نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔ اتنے میں وہ شخص وہاں پہنچ گیا۔ جب اس نے

1- امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد سوم، صفحہ 378 میں، اور ابن ہشام رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 230 میں ان کا نام عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کیے ہیں۔

2- امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد سوم، صفحہ 378 میں، اور ابن ہشام رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد سوم، صفحہ 230 میں ان کا نام عباد بن بشر رضی اللہ عنہ بیان کیے ہیں۔

انصاری صحابی کو دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ مسلمانوں کا پہرے دار ہے۔اس نے ایک تیر چلایا جو انصاری صحابی کو لگا۔انہوں نے تیر نکال کر ایک طرف رکھ دیا اور نماز میں کھڑے رہے۔اس شخص نے دوسرا تیر چلایا، وہ بھی انہیں لگا۔انہوں نے اسے بھی نکال کر رکھ دیا اور نماز میں کھڑے رہے۔ پھر اس نے تیسرا تیر چلایا، وہ بھی انہیں لگا۔انہوں نے اسے بھی نکال کر رکھ دیا، پھر رکوع اور سجدہ کیا اور اپنے ساتھی کو جگایا۔انہوں نے کہا: ''اٹھ جاؤ، اب دشمن نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔'' مہاجر صحابی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔جب حملہ آور نے انہیں دیکھا تو سمجھ گیا کہ مسلمانوں کو اس کی موجودگی کا علم ہو گیا ہے، چنانچہ وہ بھاگ گیا۔جب مہاجر صحابی نے انصاری صحابی کے جسم سے بہتا ہوا خون دیکھا تو کہا: ''سبحان اللہ! تم نے مجھے پہلے کیوں نہ جگایا؟'' انصاری صحابی نے جواب دیا: ''میں ایک سورت[1] پڑھ رہا تھا، اس لیے مجھے اسے درمیان میں چھوڑنا پسند نہ آیا، یہاں تک کہ اسے مکمل کر لوں۔جب اس نے مسلسل تیر چلانے شروع کیے تو میں نے رکوع کیا، پھر تمہیں جگایا۔اللہ کی قسم! اگر مجھے اس جگہ کی حفاظت ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا جس کی حفاظت کا حکم مجھے نبی کریم ﷺ نے دیا تھا، تو میں سورت ختم کرنے سے پہلے اپنی جان دے دیتا، لیکن اسے درمیان میں نہ چھوڑتا۔''[2]

1-امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد سوم، صفحہ 379 میں مزید ذکر کیا ہے کہ وہ سورت، سورۂ کہف تھی۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4704، امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 198، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 564 کے تحت روایت کیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں کتاب الوضوء، حدیث نمبر 176 سے پہلے، صیغۂ تمریض کے ساتھ اس روایت کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سنن

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کی خرید و فروخت کا واقعہ اس واقعے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی رحمت، تواضع اور شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ واقعہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اس واقعے کو تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں غزوۂ ذات الرقاع [1] میں رسول اللہ ﷺ کے

ابی داؤد کی تحقیق میں، اور شیخ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ نے مسند احمد اور سنن ابی داؤد کی تحقیق میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

1- میں کہتا ہوں کہ صحیحین کی تمام روایات میں اس غزوے کا نام صراحت کے ساتھ ذکر نہیں کیا گیا جس میں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ البتہ امام احمد رحمہ اللہ کی مسند، حدیث نمبر 14903 میں غزوۂ تبوک کا ذکر آیا ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2718 کے بعد اسے تعلیقاً ان الفاظ میں ذکر کیا ہے: ''تبوک کے راستے میں۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 665 میں فرماتے ہیں: ''ابن اسحاق رحمہ اللہ نے وہب بن کیسان کے حوالے سے قطعی طور پر بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ نخل کے مقام پر غزوۂ ذات الرقاع میں پیش آیا تھا۔ اسی طرح واقدی رحمہ اللہ نے بھی عطیہ بن عبداللہ بن انیس کے واسطے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ میرے نزدیک یہی قول راجح ہے، کیونکہ اہلِ مغازی اس طرح کے واقعات کے تعین میں دوسروں کی نسبت زیادہ مضبوط معلومات رکھتے ہیں۔ مزید یہ کہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 4415 میں، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1115 اور 171 کے تحت ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ واپسی کے راستے میں پیش آیا تھا۔ جبکہ تبوک کا راستہ مکہ مکرمہ کے راستے سے نہیں ملتا، اس کے برعکس غزوۂ ذات الرقاع کا راستہ اس کے موافق ہے۔ اس کے علاوہ، اس واقعے کی بہت سی روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا تم نے شادی کر لی ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟'' پھر حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ عذر بیان ہوا ہے کہ ان کے والد غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تھے اور اپنے پیچھے بھائی

ساتھ روانہ ہوا۔ میں اپنے ایک کمزور اونٹ پر سوار تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے تو قافلے کے لوگ آگے بڑھنے لگے، جبکہ میں پیچھے رہ گیا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جابر! تمھیں کیا ہوا؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! میرا یہ اونٹ مجھے پیچھے کیے ہوئے ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے بٹھاؤ۔'' چنانچہ میں نے اونٹ کو بٹھا دیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی سواری روک دی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے ہاتھ میں موجود یہ چھڑی مجھے دو۔'' یا آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے لیے درخت سے ایک چھڑی توڑ دو۔'' میں نے چھڑی توڑ کر آپ ﷺ کو دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے لے کر اونٹ کو چند مرتبہ چھوا، پھر فرمایا: ''اب سوار ہو جاؤ۔'' چنانچہ میں سوار ہو گیا۔ اللہ کی قسم، جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس کے بعد میرا اونٹ آپ ﷺ کی اونٹنی کے ساتھ برابر چلنے لگا۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے گفتگو فرمانے لگے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''جابر! کیا تم اپنا یہ اونٹ مجھے بیچو گے؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! میں اسے آپ کو ہبہ کرتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اسے مجھے فروخت کرو۔'' میں نے عرض کیا: ''آپ اس کی قیمت مقرر فرما دیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسے ایک

بہن چھوڑ گئے تھے، اس لیے انہوں نے بیوہ سے شادی کی تاکہ وہ ان کی بہنوں کے بال سنوارے اور ان کی دیکھ بھال کرے۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ واقعہ ان کے والد کی وفات کے قریب پیش آیا تھا۔ لہٰذا اس واقعے کا غزوۂ تبوک کے بجائے غزوۂ ذات الرقاع میں پیش آنا زیادہ قرینِ قیاس ہے۔''

درہم میں خرید لیا۔'' میں نے عرض کیا: ''نہیں، ورنہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میرا نقصان ہو جائے گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر دو درہم میں؟'' میں نے عرض کیا: ''نہیں۔'' پھر رسول اللہ ﷺ مسلسل قیمت بڑھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ ایک اوقیہ [1] تک پہنچ گئی۔ میں نے عرض کیا: ''میں راضی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم راضی ہو گئے؟'' میں نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

1- صحیح بخاری، حدیث نمبر 2718، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 715 اور 119 کی ایک دوسری روایت میں لفظ ''وُقِيَّة'' بھی آیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 691 میں فرماتے ہیں: ''مشہور تلفظ کے مطابق اوقیہ میں ہمزہ پر پیش ہے۔ اس لفظ کی ایک کم مستعمل لغت بھی ہے، جس میں الف حذف کر کے اسے 'وُقِيَّة' کہا جاتا ہے۔ یہ کم مستعمل لغت صحیح بخاری میں رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ثابت ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اونٹ کی خرید و فروخت کے واقعے کے ضمن میں اس لفظ کو مختلف روایات میں ذکر کیا ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی اسے اسی واقعے میں نقل کیا ہے۔''

ابن الاثیر رحمہ اللہ النہایہ، جلد اول، صفحہ 80 میں فرماتے ہیں: ''اوقیہ میں ہمزہ پر پیش اور یاء پر تشدید ہے۔ قدیم زمانے میں ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا تھا۔''

میں کہتا ہوں کہ اونٹ کی قیمت کے تعین میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 665 میں امام قرطبی رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''انہوں نے اونٹ کی قیمت کے بارے میں ایسا اختلاف کیا ہے جس میں تمام اقوال کو جمع کرنا ممکن نہیں، اور ان میں تطبیق دینے کی کوشش تحقیق سے بہت دور ہے۔ یہ اختلاف ایک ایسے معاملے پر مبنی ہے جس کا درست تعین ہی ممکن نہیں ہو سکا، حالانکہ اس کی تحقیق سے کوئی شرعی حکم وابستہ نہیں۔ تمام روایات کو جمع کرنے سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اونٹ ایک متعین قیمت پر فروخت کیا تھا، جس پر دونوں متفق تھے، اور ادائیگی کے وقت آپ ﷺ نے اس میں ایک معلوم اضافہ بھی فرمایا۔ قیمت کی مکمل تعیین معلوم نہ ہونے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔''

''تو پھر یہ اونٹ میرا ہوا۔'' میں نے عرض کیا: ''جی ہاں، یہ آپ کا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اسے خرید لیا۔''(1)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''جابر! کیا تم نے اس کے بعد شادی کر لی ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''جی ہاں، اللہ کے رسول ﷺ!'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کنواری سے شادی کی ہے یا بیوہ سے؟'' میں نے عرض کیا: ''بلکہ بیوہ سے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے کسی نوجوان کنواری لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی، جو تمہارے ساتھ کھیلتی اور تم اس کے ساتھ کھیلتے(2)؟'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول ﷺ! میرے والد غزوۂ اُحد کے دن شہید ہو گئے تھے اور سات بیٹیاں چھوڑ گئے تھے۔ اس لیے میں نے ایسی عورت سے شادی کی جو سمجھ دار اور گھر سنبھالنے والی ہو، تاکہ وہ ان سب کے بال سنوارے اور ان کی دیکھ بھال کرے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ، تم نے درست

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2967 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 715 اور 110 کے تحت ایک اضافی روایت نقل کی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے ہیں: ''میرے لیے اس اونٹ کی پیٹھ پر سواری کی اجازت دے دیجیے، تاکہ میں مدینہ منورہ پہنچ جاؤں۔'' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! میری نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ چنانچہ میں نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی۔''

صحیح بخاری، حدیث نمبر 2718 کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے یہ شرط بھی لگالی تھی کہ میں اپنے گھر والوں تک پہنچنے کے لیے اس اونٹ پر سواری کروں گا۔''

2- صحیح بخاری، حدیث نمبر 6387، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 715 اور 56 کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''یا وہ تمہارے ساتھ ہنسی مذاق کرے اور تم اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرو۔''

فیصلہ کیا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب ہم صرار [1] کے مقام پر پہنچیں گے تو ہم کسی کو حکم دیں گے کہ ہمارے لیے ایک اونٹ ذبح کرے، پھر ہم اس دن وہاں قیام کریں گے، تاکہ لوگوں کو ہمارے آنے کی خبر ہو جائے اور تمہاری بیوی اپنے تکیے اور بچھونے درست کر لے۔'' میں نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم، اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے پاس تو کوئی تکیے اور بچھونے نہیں ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب تمہارے پاس یہ چیزیں ہوں گی۔ لہٰذا جب تم گھر پہنچو تو سمجھ داری اور حسنِ تدبیر سے کام لینا۔''[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب ہم صِرَار پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے ایک اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا، چنانچہ اسے ذبح کیا گیا۔ ہم نے اس دن اس کا گوشت کھایا۔ جب شام ہوئی تو رسول اللہ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے اور ہم بھی اپنے گھروں میں چلے گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیوی کو سارا واقعہ بتایا اور رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے جو کچھ فرمایا تھا، وہ بھی بیان کیا۔ اس نے کہا: جو آپ کی مرضی، ہم سننے اور اطاعت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب صبح ہوئی تو میں نے اونٹ کا سر پکڑا اور اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پہنچا، پھر اسے وہاں بٹھا دیا اور مسجد میں آپ ﷺ کے قریب

1- صِرَار، صاد کے زیر کے ساتھ، مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 22۔

2- اس سے مراد اولاد کے حصول کی ترغیب دینا ہے۔

بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو اونٹ کو دیکھا اور فرمایا: یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ اونٹ ہے جسے جابر لے کر آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جابر کہاں ہیں؟ چنانچہ مجھے آپ ﷺ کے پاس بلایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آؤ، میرے بھتیجے! اپنے اونٹ کا سر پکڑو، یہ تمہارا ہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: جابر کے ساتھ جاؤ اور انہیں ایک اوقیہ دے دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ گیا تو انہوں نے مجھے ایک اوقیہ دیا اور اس کے علاوہ تھوڑی سی مزید رقم بھی دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ (تھوڑی سی مزید رقم) ہمارے ہاں مسلسل بڑھتا اور ترقی کرتا رہا، اور ہم اپنے گھر میں اس کی برکت اور اثرات دیکھتے رہے، یہاں تک کہ حرّہ کے دن، جب لوگوں کو مصیبت پہنچی، ان میں وہ بھی غائب ہو گیا۔ (1)

مسند احمد کی ایک دوسری روایت میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو اونٹ کو لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! انہیں ایک اوقیہ تول کر دو اور ایک قیراط (2) مزید دے دو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے کہا: یہ وہ قیراط ہے جو رسول اللہ ﷺ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15026 اور 14864 کے تحت، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2097، 2309 اور 2718 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 715، 110، اور 111 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- قیراط، دینار کے اجزاء میں سے ایک حصہ ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 37۔

نے مجھے اضافی عطا فرمایا ہے، یہ میری موت تک مجھ سے کبھی جدا نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے اسے ایک تھیلی میں رکھ لیا۔ وہ مسلسل میرے پاس محفوظ رہا، یہاں تک کہ حرّہ کے دن اہلِ شام آئے اور ان چیزوں میں اسے بھی لے گئے جو انہوں نے قبضے میں لیں۔ (1)

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم اپنا یہ پانی لانے والا اونٹ ایک دینار کے بدلے فروخت کرتے ہو؟ اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ پھر آپ ﷺ مسلسل ایک ایک دینار بڑھاتے رہے اور فرماتے رہے: ہر دینار کے بدلے، اللہ تمہیں معاف فرمائے۔ یہاں تک کہ قیمت بیس دینار تک پہنچ گئی۔ (2)

اور امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم رحمہم اللہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات البعیر کی رات میرے لیے پچیس مرتبہ مغفرت کی دعا فرمائی۔ (3)

1-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14376 کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2105 کے تحت روایت کیا ہے، جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسے مختصراً حدیث نمبر 715 اور 112 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4188، ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 7142، اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 6545 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

عمرۃ القضاء یا عمرۃ القضیۃ[1]

یہی وہ عمرہ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعبیر سامنے آتی ہے: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ ''یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا تھا، جو بالکل حق کے مطابق تھا کہ تم ضرور مسجدِ حرام میں داخل ہوگے، اگر اللہ نے چاہا، امن کی حالت میں، اپنے سر منڈواتے ہوئے اور بال کٹواتے ہوئے، تمہیں کوئی خوف نہ ہوگا۔ پس اللہ نے وہ کچھ جان لیا جو تم

1- امام ابن القیم رحمہ اللہ زاد المعاد، جلد دوم، صفحہ 111 میں فرماتے ہیں: ''دوسرا عمرہ، عمرۃ القضیۃ تھا، جو اگلے سال ادا کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور تین دن قیام فرمایا، پھر عمرہ مکمل کرنے کے بعد واپس تشریف لے آئے۔ اس بارے میں علماء کے دو قول ہیں کہ کیا یہ عمرہ گزشتہ سال اس عمرے کی قضا تھا جس سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا تھا، یا یہ ایک نیا عمرہ تھا؟

اس سلسلے میں امام احمد رحمہ اللہ سے بھی دو روایتیں منقول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ یہ عمرہ قضا تھا، اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ قضا نہیں تھا، اور یہی امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے۔

جن علماء نے اسے قضا قرار دیا، انہوں نے دلیل دی کہ اسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے، اور یہ نام اس کے شرعی حکم پر دلالت کرتا ہے۔ جبکہ دوسرے علماء نے کہا کہ یہاں لفظ ''قضاء'' سے مراد باہمی معاہدہ اور طے شدہ معاملہ ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مکہ کے ساتھ اس عمرے کے بارے میں معاہدہ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ لفظ ''قضیٰ یقضي، قضاءً'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی کسی عمل کو پورا کرنے یا اس کی قضا ادا کرنے کے ہیں۔ اسی لیے انہوں نے کہا کہ اسے عمرۃ القضیۃ کہا جاتا ہے۔ ان علماء نے مزید کہا کہ جن لوگوں کو بیت اللہ جانے سے روک دیا گیا تھا، ان کی تعداد چودہ سو تھی، لیکن یہ تمام لوگ عمرۃ القضیۃ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔ اگر یہ عمرہ گزشتہ سال کے عمرے کی قضا ہوتا تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا۔ یہی قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ان ساتھیوں کو، جو آپ کے ساتھ تھے، گزشتہ سال کے عمرے کی قضا ادا کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔''

نہیں جانتے تھے، چنانچہ اس نے اس سے پہلے ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (سورۃ الفتح: 27)

عمرۃ القضاء یا عمرۃ القضیۃ ہجرت کے ساتویں سال ذوالقعدہ کے مہینے میں ادا کیا گیا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "عمرۃ القضیۃ ہجرت کے ساتویں سال ذوالقعدہ کے مہینے میں ادا کیا گیا تھا۔"[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے، ان میں سے حج کے ساتھ کیے گئے عمرے کے علاوہ تمام عمرے ذوالقعدہ کے مہینے میں تھے۔

پہلا: حدیبیہ کا عمرہ، ذوالقعدہ میں[2]۔

دوسرا: اگلے سال کا عمرہ، ذوالقعدہ میں[3]۔

1- اسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد چہارم، صفحہ 313 میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 286 میں اس روایت کو یعقوب بن سفیان کی تاریخ کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

2- امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسری روایت میں (حدیث نمبر 1778) یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ عمرہ تھا جس سے مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا تھا۔ یہی عمرۃ القضاء یا عمرۃ القضیۃ ہے۔

3- یہ عمرۃ القضاء یا عمرۃ القضیۃ ہے۔

تیسرا: جعرانہ کا عمرہ، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرمائی تھیں، ذوالقعدہ میں[1]۔

چوتھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حج کے ساتھ کیا گیا عمرہ۔[2]

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مقصود یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عمرے حج کے مہینوں میں ہوئے، تاکہ مشرکین کے طریقے کی مخالفت ہو؛ کیونکہ وہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو ناپسند کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان مہینوں میں عمرہ کرنا بدترین گناہوں میں سے ہے[3]۔ اس سے دلیل ملتی ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا، رجب کے مہینے میں عمرہ کرنے سے افضل ہے، اس میں کوئی شک نہیں۔[4]

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات (جلد سوم، صفحہ 101) میں لکھا ہے: جِعْرَانَة کے لفظ میں جیم پر کسرہ، عین ساکن اور راء پر تخفیف ہے۔ ہمارے امام شافعی، اصمعی، اہلِ لغت اور محقق محدثین وغیرہ کے نزدیک یہی صحیح تلفظ ہے۔ بعض اہلِ علم عین پر کسرہ اور راء پر تشدید کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں۔ یہ قول عبداللہ بن وہب اور اکثر محدثین کا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4148 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1253 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسی طرح صحیح بخاری (حدیث نمبر 1564) اور صحیح مسلم (حدیث نمبر 1240 اور 1898) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو زمین میں بدترین گناہوں میں سے سمجھتے تھے۔ امام سندھی رحمہ اللہ نے شرح المسند (جلد دوم، صفحہ 422) میں اس قول «كانوا يرون» کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد اہلِ جاہلیت ہیں۔

4- دیکھیے: زاد المعاد، جلد دوم، صفحہ 112۔

اس عمرے کا سبب

اس مبارک عمرے کا سبب وہ معاہدہ تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو کے درمیان صلح حدیبیہ کے موقع پر طے پایا تھا۔ اس معاہدے کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال واپس لوٹ جائیں گے اور اگلے سال عمرہ ادا کرنے کے لیے آئیں گے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم رحمہما اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (معاہدے کی شرائط میں یہ بات بھی طے کی کہ) قریش ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان راستہ کھلا چھوڑ دیں، تاکہ ہم اس کا طواف کر سکیں۔ اس پر سہیل بن عمرو نے کہا: اللہ کی قسم! عرب یہ بات بیان نہیں کریں گے کہ ہم نے دباؤ میں آکر یہ معاہدہ کیا ہے، بلکہ یہ معاملہ اگلے سال ہوگا۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے دن مشرکین کے ساتھ تین باتوں پر صلح کی:

اول: مشرکین میں سے جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے گا، آپ اسے ان کے پاس واپس بھیج دیں گے۔

دوم: اور مسلمانوں میں سے جو شخص ان کے پاس جائے گا، وہ اسے واپس نہیں بھیجیں گے۔

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2701 اور 2732 کے تحت روایت کیا ہے۔

سوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال مکہ میں عمرہ کی خاطر داخل ہوں گے، اور مکہ مکرمہ میں تین دن قیام کریں گے۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرۃ القضاء، جسے عمرۃ القضیۃ بھی کہا جاتا ہے، ہجرت کے ساتویں سال ذوالقعدہ کے مہینے میں ادا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال ذوالقعدہ میں عمرے کا احرام باندھا تھا، لیکن مشرکین نے آپ کو روک دیا۔ پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی اور سہیل بن عمرو کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ طے پایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں سال عمرہ ادا فرمایا۔ (2)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہونا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ، شرفہا اللہ، عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حضرت عویف بن الأضبط الدیلی رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ قریش کی طرف سے عہد شکنی کے اندیشے کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہتھیار، زرہیں اور نیزے ساتھ لیے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ (3) کے میقات پر

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2700 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 511۔

3- امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات (جلد سوم، صفحہ 203) میں فرماتے ہیں: ذوالحلیفہ اہلِ مدینہ کا میقات ہے، اللہ تعالیٰ مدینہ منورہ کی شرف و منزلت میں مزید اضافہ فرمائے۔ ذوالحلیفہ میں حاء مہملہ پر پیش، لام پر زبر اور یاء ساکن ہے۔ یہ مدینہ منورہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

پہنچے تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سواروں کے دستے کو اپنے آگے روانہ فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے دروازے سے احرام باندھا اور تلبیہ پڑھا، پھر مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ تلبیہ پڑھنا شروع کیا۔[1]

قریش کی طرف سے پھیلائی گئی افواہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمرے کے لیے مرُّ الظَّہران[2] پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی طرف سے پھیلائی گئی یہ افواہ پہنچی کہ مسلمان بخار کی وجہ سے بیمار اور کمزور ہو چکے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمرے کے سلسلے میں مرُّ الظَّہران میں اترے تو آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہوا کہ قریش کہہ رہے ہیں: یہ لوگ کمزوری اور دبلاپن کی وجہ سے چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اگر ہم اپنی سواریوں میں سے کسی کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھالیں اور اس کا شوربہ پی لیں تو کل جب ہم ان لوگوں کے سامنے داخل ہوں گے تو ہمارے اندر کچھ قوت اور تازگی ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو، بلکہ اپنا کھانا

1- حوالہ: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 310۔

2- مرُّ الظَّہران: میم پر زبر اور راء پر تشدید کے ساتھ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔ حوالہ: النھایۃ، جلد چہارم، صفحہ 271۔

میرے پاس جمع کرو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا کھانا جمع کیا اور چمڑے کے دستر خوان بچھا دیے[1]۔ پھر سب نے کھانا کھایا، یہاں تک کہ سیر ہو گئے، اور ہر شخص نے اپنے تھیلے میں بھی کچھ کھانا ڈال لیا۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ پہنچے تو اہلِ مکہ کی اکثریت قعیقعان[3] کی طرف نکل گئی تھی، بعض لوگ حجرِ اسود کے قریب ٹھہرے ہوئے تھے، جبکہ کچھ لوگ متعدی بیماری کے خوف سے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ قریش نے مسلمانوں کے بارے میں یہ افواہ پھیلائی ہے کہ یثرب کے بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمل[4] کرنے کا حکم دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ

1-امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھانے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے برکت کی دعا فرمائی۔

2-اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2702 اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3802 کے تحت روایت کیا ہے۔

3-امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات (جلد سوم، صفحہ 540) میں فرماتے ہیں: قُعَیقِعَان: پہلے قاف پر پیش اور عین پر زبر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کا مشہور پہاڑ ہے، جو جبل ابو قبیس کے بالمقابل واقع ہے۔

4-امام نووی رحمہ اللہ تہذیب الأسماء واللغات (جلد سوم، صفحہ 226) میں فرماتے ہیں: طواف میں رَمل، راء اور میم دونوں پر زبر کے ساتھ ہے۔ اس سے مراد تیز چلنا اور قدموں کو قریب قریب رکھنا ہے، لیکن اس میں اچھلنا یا دوڑنا شامل نہیں ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ دلائل النبوۃ (جلد چہارم، صفحہ 327) میں فرماتے ہیں: طوافِ قدوم میں رَمل کا مشروع ہونا باقی ہے، اگرچہ اس کی علت ختم ہو چکی ہے۔ چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رَمل کیا، اور عمرۂ جعرانہ میں بھی رَمل کیا۔ میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی رحمہ

عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع تھے، آپ کے ساتھ تلبیہ پڑھ رہے تھے اور قریش کی طرف سے پہنچنے والی اذیت سے آپ کی حفاظت کر رہے تھے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو مشرکین نے کہا: تمہارے پاس ایسے لوگ آرہے ہیں جنہیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ طواف کے پہلے تین چکروں میں رَمل کریں [1] اور رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان

اللہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے، لیکن بظاہر ان سے اس میں وہم ہوا ہے؛ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی کیفیت سے متعلق حدیث، عمرۂ جعرانہ کی حدیث سے الگ ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1218 اور 147 کے تحت روایت کی ہے، جس میں ہے: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو چھوا، پھر تین چکروں میں رَمل کیا اور چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے۔ جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرۂ جعرانہ سے متعلق حدیث امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1884 کے تحت روایت کی ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جعرانہ سے عمرہ ادا کیا، پھر بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رَمل کیا۔ انہوں نے اپنی چادریں اپنی بغلوں کے نیچے سے گزار کر اس طرح اوڑھیں کہ ان کے بائیں کندھوں پر ڈال دیں۔ امام ابن الجوزی رحمہ اللہ صید الخاطر (صفحہ 505) میں فرماتے ہیں: انہوں نے رَمل کیا، اور رَمل سے مراد تیز چلنا ہے۔ اس کا سبب ختم ہو گیا، لیکن اس کا حکم باقی رہا، تاکہ اس سبب کو یاد کر کے اس کی حکمت سمجھی جا سکے۔

1- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 3536 کے تحت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رَمل کرو، تاکہ مشرکین تمہاری قوت دیکھ سکیں۔''

معمول کے مطابق چلیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمام چکروں میں رَمل کرنے کا حکم صرف اس لیے نہیں دیا کہ آپ ان پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتے تھے، جبکہ مشرکین قعیقعان کی جانب موجود تھے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ مشرکین نے کہا: ''یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تمہارا خیال تھا کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے! حالانکہ یہ تو فلاں فلاں لوگوں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔''[1]

امام احمد اور ابن حبان رحمہما اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس صورتِ حال کی اطلاع دی گئی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔ قریش حجرِ اسود کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کو اضطباع[2] کے انداز میں اوڑھا، پھر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''دشمنوں کو تمہاری کمزوری اور بے بسی دیکھنے کا موقع نہ ملے[3]۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو چھوا اور طواف شروع کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکنِ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4256، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1266 اور 240 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اضطباع کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی چادر کو اس طرح اوڑھے کہ اس کا درمیانی حصہ دائیں بغل کے نیچے سے گزارے اور اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال دے، جس سے سینے اور پشت کا حصہ کھلا رہے۔ حوالہ: النھایۃ، جلد سوم، صفحہ 68۔

3- ابن اسحاق کی روایت میں (السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 18) ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو آج انہیں اپنی قوت دکھائے۔''

یمانی کی جانب سے آگے بڑھے اور قریش کی نظروں سے اوجھل ہو گئے [1] تو رَمل کے بجائے معمول کے مطابق چلنے لگے، یہاں تک کہ حجرِ اسود تک پہنچ گئے۔ اس پر قریش کہنے لگے: یہ لوگ تو (ظباء) ہرنوں کی طرح اچھلتے اور پھرتی سے چلتے ہیں [2]۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا اور ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عمرہ کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ طواف کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا و مروہ تشریف لے گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ وہاں گئے۔ ہم اہلِ مکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے، تاکہ کوئی شخص آپ کو پتھر نہ مار سکے۔ [3]

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا اشعار پڑھنا امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر مکہ

1- یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی نظروں سے اوجھل ہو گئے، جو حجرِ اسود کے قریب بیٹھے ہوئے تھے۔

2- ابن حبان کی روایت میں ''غزلان'' یعنی ہرنوں کا لفظ آیا ہے۔ اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2702 اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3802 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1791 کے تحت روایت کیا ہے۔

مکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے چلتے ہوئے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خلوا بني الكفار عن سبيله اليوم نضربكم على تنزيله
ضربًا يزيل الهام عن مقيله ويذهل الخليل عن خليله

ترجمہ: اے کافروں کی اولاد! اس کا راستہ چھوڑ دو، آج ہم تمہیں اس کی نازل کردہ وحی کی خاطر ایسی ضربیں لگائیں گے جو سروں کو ان کی جگہ سے جدا کر دیں گی اور دوست کو اپنے دوست سے غافل کر دیں گی۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے ابن رواحہ! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور اللہ کے حرم میں اشعار پڑھتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! انہیں چھوڑ دو، کیونکہ ان کے اشعار ان لوگوں پر تیروں کی بارش سے بھی زیادہ تیزی سے اثر کرتے ہیں۔''(1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قربانی کرنا اور احرام کھولنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف اور سعی سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہدی کے جانور قربان کیے اور اپنے سرِ مبارک کے بال منڈوا کر احرام کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کے اندر داخل نہیں ہوئے۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں اسماعیل بن ابی خالد سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

1- اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 3061 اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5788 کے تحت روایت کیا ہے۔

صحابی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمرے کے موقع پر بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد عمرۃ القضاء ہے، جو ہجرت کے ساتویں سال فتح مکہ سے پہلے ادا کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وقت بیت اللہ میں داخل نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے اندر بت اور تصویریں موجود تھیں، اور مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں تبدیل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فتح فرمادیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اس کے اندر نماز ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے داخل ہونے سے پہلے تصویروں کو مٹادیا تھا۔ واللہ اعلم۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: یہ احتمال بھی ہے کہ بیت اللہ کے اندر داخل ہونا معاہدے کی شرائط میں شامل نہیں تھا۔ لہٰذا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہونا چاہتے تو مشرکین آپ کو روک دیتے، جیسا کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں تین دن سے زیادہ قیام کرنے سے آپ کو روک دیا تھا۔ اسی لیے آپ صلی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1600 اور 1791، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1302 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد نہم، صفحہ 74۔

اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ میں داخل ہونے کا ارادہ نہیں فرمایا، تاکہ مشرکین کی طرف سے روکنے کی نوبت نہ آئے۔ (1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے روانہ ہونا

جب صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق مسلمانوں کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے اور عمرہ ادا کرنے کے لیے مقرر کردہ تین دن کی مدت ختم ہوگئی تو قریش نے حویطب بن عبدالعزیٰ کو چند دیگر افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ مکہ مکرمہ میں قیام کی مقررہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور مقررہ مدت گزر گئی تو قریش کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا: اپنے صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دیجیے کہ وہ ہمارے شہر سے نکل جائیں، کیونکہ مقررہ مدت ختم ہو چکی ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔ (2)

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ قریش کے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا: ”یہ تمہارے صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاہدے کی مدت کا آخری دن ہے، لہٰذا ان سے کہہ دو کہ وہ یہاں سے روانہ

1- حوالہ: فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 267۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2699 اور 4251 کے تحت روایت کیا ہے۔

ہو جائیں۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔ (1)

اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: تیسرے دن حویطب بن عبدالعزیٰ قریش کے چند افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: آپ کے قیام کی مقررہ مدت ختم ہو چکی ہے، لہٰذا آپ ہمارے یہاں سے تشریف لے جائیے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے۔ (2)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر یہ سوال کیا جائے کہ قریش نے مسلمانوں کو اس بات پر کیوں مجبور کیا کہ وہ ان سے روانہ ہونے کا مطالبہ کریں اور معاہدے کی شرط پوری کریں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ قریش کا یہ مطالبہ تین دن کی مدت ختم ہونے سے تھوڑا سا پہلے کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تین دن مکمل ہوتے ہی روانہ ہونے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ لہٰذا کفار نے اپنی طرف سے احتیاط کرتے ہوئے تین دن کی مدت ختم ہونے سے کچھ پہلے ہی مسلمانوں سے روانہ ہونے کا مطالبہ کر دیا۔ چنانچہ مسلمان مدت پوری ہوتے ہی

1- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1783 اور 92۔

2- حوالہ: المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 6963۔

معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے روانہ ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کفار ان سے روانہ ہونے کا مطالبہ نہ کرتے تو مسلمان وہاں قیام جاری رکھتے۔[1]

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما کی صاحبزادی بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل پڑیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے ساتھ لے لیا۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب ہم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہمارے پیچھے آنے لگیں اور پکارنے لگیں[2]: اے چچا! اے چچا![3] چنانچہ میں نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کرتے ہوئے کہا: یہ رہی تمہاری چچازاد بہن، انہیں سنبھالو۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میں، حضرت زید اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہم، ان کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ میں نے

1- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد دوازدہم، صفحہ 118۔

2- انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 292 میں فرماتے ہیں: غالباً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس انداز سے مخاطب کیا، تاکہ آپ کی تعظیم و تکریم کا اظہار ہو، ورنہ حقیقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چچازاد بھائی تھے۔ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات کہ وہ نسب کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ رضاعت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے۔

کہا: میں انہیں لے کر آیا ہوں اور یہ میری چچازاد بہن ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میرے بھائی کی بیٹی ہیں۔ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ میری چچا زاد بہن ہیں اور ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں[1]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم صورت و شکل اور اخلاق میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو[2]۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم ہمارے بھائی اور ہمارے آزاد کردہ غلام ہو۔ اور مجھ سے فرمایا: تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے اس کی خالہ کے حوالے کر دو، کیونکہ خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے[3]۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس سے نکاح نہیں کر لیں گے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ رضاعت کے اعتبار سے میرے بھائی کی بیٹی ہے۔[4]

حدیث کے فوائد

1- یعنی میری بیوی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''اور ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔'' ان کی خالہ سے مراد حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا ہیں۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 770 کی روایت میں ان کا نام صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 294 میں فرماتے ہیں: یہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت ہے۔

3- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خالہ ماں کے درجے میں ہوتی ہے۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 294 میں فرماتے ہیں: یعنی اس خاص حکم میں خالہ ماں کے درجے میں ہے، کیونکہ وہ شفقت و مہربانی، اور بچے کی بھلائی کے لیے مناسب امور کی رہنمائی کرنے میں ماں کے قریب ہوتی ہے۔

4- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 770؛ المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 4664۔ امام بخاری نے بھی حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، حدیث نمبر 2699 اور 4251۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

1- صلہ رحمی کی اہمیت اور عظمت؛ یہاں تک کہ اس حق کو حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے لوگوں کے درمیان بھی اختلاف اور مقدمہ پیش آسکتا ہے۔

2- حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ فریقِ مقدمہ کے سامنے اپنے فیصلے کی دلیل واضح کرے۔

3- فریقِ مقدمہ کو اپنی دلیل اور مؤقف پیش کرنے کا حق حاصل ہے۔

4- اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بچے کی پرورش اور نگہداشت (حضانَت) کے معاملے میں خالہ کو پھوپھی پر مقدم رکھا جائے گا؛ کیونکہ اس وقت حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں۔ جب خالہ کو پھوپھی پر مقدم کیا گیا، حالانکہ پھوپھی عورتوں میں بچے کے عصبہ رشتہ داروں میں سب سے زیادہ قریبی ہیں، تو خالہ کا دوسرے رشتہ داروں پر مقدم ہونا بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔ (1)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو آپ نے ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زوجہ تھیں جن سے آپ نے نکاح کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

1- حوالہ: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 294۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے عمرۃ القضاء کے موقع پر نکاح فرمایا۔[1]

امام مسلم اور امام ابن حبان رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ابن حبان کے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مقامِ سَرِف[2] میں نکاح فرمایا، اس حال میں کہ ہم دونوں احرام سے باہر تھے، یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے واپس آنے کے بعد پیش آیا۔[3]“

امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس حال میں نکاح فرمایا کہ آپ احرام سے باہر تھے، اور ان کے پاس بھی اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ احرام سے باہر تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان پیغام رسانی کا کام انجام دیتا تھا۔[4]

1- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4259۔

2- سَرِف (راء کے کسرہ کے ساتھ) مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ہے، جو مکہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ حوالہ: النہایۃ، جلد 2، صفحہ 326۔

3- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1411؛ صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 4138۔

4- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 27197؛ جامع ترمذی، حدیث نمبر 857۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 449 میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بارے میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے راستے میں ان سے نکاح فرمایا تھا۔ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام سے باہر ہونے کی حالت میں ان سے نکاح فرمایا، لیکن نکاح کا معاملہ اس وقت ظاہر ہوا جب آپ احرام کی حالت میں تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کے راستے میں مقامِ سَرِف پر احرام سے باہر ہونے کی حالت میں ان کے ساتھ خلوت فرمائی۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی مقامِ سَرِف ہی میں ہوا، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ خلوت فرمائی تھی، اور وہیں انہیں دفن کیا گیا۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے احرام سے باہر ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا تھا۔ اکثر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ (2)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بارے میں اختلاف ہے کہ آپ نے ان سے احرام سے باہر ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا تھا یا احرام کی حالت میں۔

1- حوالہ: جامع ترمذی، جلد 2، صفحہ 366۔

2- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 9، صفحہ 166۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے احرام کی حالت میں نکاح فرمایا[1]، جبکہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے احرام سے باہر ہونے کی حالت میں نکاح فرمایا تھا، اور میں ان دونوں کے درمیان پیغام رسانی کا کام انجام دیتا تھا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے متعدد وجوہ کی بنا پر حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے قول کو زیادہ راجح قرار دیا ہے[2]۔ پھر انہوں نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کے قول کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ترجیح دینے کے لیے سات وجوہ ذکر کی ہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء نے حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی اس حدیث[3] کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ترجیح دی ہے، کیونکہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اس واقعے سے براہِ راست متعلق تھیں، اس لیے وہ اس معاملے کو زیادہ بہتر جانتی تھیں۔[4]

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1837، 4208 اور 58 کے تحت، جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1410 اور 46 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھئے: زاد المعاد، جلد 5، صفحہ 158۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد کے ایک دوسرے مقام، جلد 3، صفحات 448 اور 451 پر بھی اسی قول کو راجح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے اس حال میں نکاح فرمایا کہ آپ دونوں احرام سے باہر تھے۔

3- حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمایا، اس حال میں کہ آپ احرام سے باہر تھے۔''

4- حوالہ: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 313۔

ہجرت کا آٹھواں سال

غزوۂ مؤتہ[1]

یہ غزوہ ہجرت کے آٹھویں سال، ماہِ جمادی الاولیٰ میں پیش آیا[1]۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ غزوہ اس کے بعد رومیوں کے خلاف ہونے والی جنگوں کے

1- علامہ سہیلی رحمہ اللہ اپنی کتاب الروض الأنف، جلد 4، صفحہ 120 میں فرماتے ہیں: مؤتہ کے واو پر ہمزہ ہے، اور یہ شام کے علاقے بلقاء کی ایک بستی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد 12، صفحہ 58 میں فرماتے ہیں: مؤتہ کے میم پر پیش اور اس کے بعد ساکن ہمزہ ہے، البتہ اس جیسے دیگر الفاظ کی طرح ہمزہ کو حذف کرنا بھی جائز ہے۔ یہ شام کے سرے پر واقع ایک معروف بستی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اسے غزوہ کہا جائے یا سریہ، تاہم اکثر اہلِ علم اسے غزوہ کہتے ہیں۔ جن اہلِ علم نے اسے غزوہ قرار دیا ہے، ان میں نمایاں نام درج ذیل ہیں: 1۔ امام بخاری رحمہ اللہ، اپنی صحیح میں کتاب المغازی کے تحت باب: غزوۃ مؤتۃ من أرض الشام (شام کی سرزمین میں غزوۂ مؤتہ)۔ 2۔ ابن اسحاق، السیرۃ، جلد 4، صفحہ 20۔ 3۔ امام بیہقی، دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 358۔ 4۔ امام ابن قیم، زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 460۔ 5۔ حافظ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 4، صفحہ 632۔ احادیث میں بھی اسے غزوہ کہا گیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4261 میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ مؤتہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1753 اور 44 میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں ان لوگوں کے ساتھ نکلا جو غزوۂ مؤتہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ گئے تھے۔ امام زرقانی رحمہ اللہ شرح المواہب، جلد 3، صفحہ 339 میں فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں اسے غزوۂ جیش الأمراء (امراء کے لشکر کا غزوہ) بھی کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں مسلمانوں کا لشکر بہت بڑا تھا اور انہیں کفار کے ساتھ سخت جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک بظاہر اسے غزوہ کہنے کی وجہ، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس میں شریک نہیں ہوئے تھے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جنگ کے حالات ظاہر فرما دیے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو ان حالات سے آگاہ فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: ''زید نے جھنڈا تھاما، پھر وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے جھنڈا تھاما۔۔۔'' یہاں تک کہ حدیث مکمل ہوئی۔ گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے ساتھ موجود تھے، اسی لیے اسے غزوہ کہا گیا۔ واللہ اعلم۔ جن اہلِ علم نے اسے سریہ کہا ہے، ان میں نمایاں نام درج ذیل ہیں: 1۔ ابن سعد، الطبقات، جلد 2، صفحہ 314۔ 2۔ نور الدین حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، جلد 3، صفحہ 101۔

لیے ایک تمہید تھا، اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو مرعوب کرنے کا ذریعہ بھی تھا۔[2]

اس غزوے کے لشکر کو ''جیشُ الأمراء'' یعنی ''امراء کا لشکر'' کہا جاتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ جید کے ساتھ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امراء کا لشکر روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''تمہارے امیر زید بن حارثہ ہوں گے۔ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے، اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاری امیر ہوں گے۔''[3]

غزوۂ مؤتہ کا سبب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو اپنا خط دے کر بصریٰ کے حاکم کے پاس بھیجا۔ جب وہ مقامِ مؤتہ پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے ان کا راستہ روکا اور انہیں قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصدوں میں سے ان کے علاوہ کسی دوسرے قاصد کو قتل نہیں کیا گیا تھا۔[4]

1- اہلِ مغازی کی اکثریت کے نزدیک غزوۂ مؤتہ کی تاریخ یہی ہے، اور اس بارے میں ان کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، سوائے حافظ ابن عبدالبر کے، جنہوں نے الدرر، صفحہ 222 میں، اور حافظ ابن کثیر کے، جنہوں نے الفصول، صفحہ 201 میں، اس غزوے کا زمانہ جمادی الآخرۃ قرار دیا ہے۔

2- حوالہ: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 205۔

3- مسند امام احمد، حدیث نمبر 22551۔

4- حوالہ: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد 2، صفحہ 314۔

قاصدوں اور سفیروں کو قتل کرنا انتہائی سنگین جرائم میں شمار ہوتا تھا، کیونکہ عرف اور رواج یہی تھا کہ انہیں قتل نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کے ساتھ کوئی تعرض کیا جائے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں، امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیلمہ کذاب کے دونوں قاصدوں سے، جب انہوں نے مسیلمہ کا خط پڑھ کر سنایا، یہ فرماتے ہوئے سنا: ''تم دونوں کیا کہتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا: ہم بھی وہی کہتے ہیں جو اس نے کہا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا، تو میں تم دونوں[1] کی گردنیں اڑا دیتا۔''[2]

جیشُ الأمراء کی تیاری

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قاصد حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں اور غسانیوں سے جنگ کرنے کے لیے نکلنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لوگ روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ جیشُ الأمراء کی تعداد تین ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ اس وقت تک

1- وہ دونوں ابن نَوّاحہ اور ابن آثال تھے، جیسا کہ امام حاکم کی المستدرک، حدیث نمبر 4426 میں ایک دوسری روایت میں بھی مذکور ہے۔

2- علامہ سندھی رحمہ اللہ مسند امام احمد کی شرح، جلد 9، صفحہ 156 میں فرماتے ہیں: ''تاکہ خطوط اور پیغامات کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے۔''

حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 15989؛ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 2761؛ المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 2664۔

مسلمانوں کے لیے جمع ہونے والا یہ سب سے بڑا لشکر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا امیر اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ مؤتہ میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے، اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ جید کے ساتھ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیشُ الأمراء کو روانہ فرمایا اور ارشاد فرمایا: ''تمہارے امیر زید بن حارثہ ہوں گے، اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے، اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ انصاری امیر ہوں گے۔''(2)

مؤتہ کی طرف جیشُ الأمراء کی روانگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک سفید جھنڈا تیار فرمایا اور اسے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ وہ اس مقام پر پہنچیں جہاں حضرت حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ

1- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4261۔

2- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 22551۔

کو شہید کیا گیا تھا، اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو بہتر، ورنہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر کے ان کے خلاف جنگ کریں۔ اس عظیم غزوے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ ان کی پہلی جنگی مہم تھی۔

جیشُ الأمراء شام میں اپنے دشمن کی طرف بڑھتا رہا، یہاں تک کہ جب وہ مقامِ معان[1] پہنچا تو اسے خبر ملی کہ رومیوں کا بادشاہ ہرقل بلقاء کے علاقے میں واقع معان میں ایک لاکھ رومی فوج کے ساتھ آ کر ٹھہرا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ عرب عیسائی قبائل، یعنی لخم، جذام اور قضاعہ کے قبائل میں سے بہراء، بلی اور بلقین بھی آ ملے تھے۔ اس طرح رومیوں اور غسانیوں کے لشکر کی مجموعی تعداد دو لاکھ جنگجوؤں تک پہنچ گئی۔ (2)

مسلمانوں کا رومیوں اور غسانیوں سے مقابلے کے بارے میں باہمی مشورہ

مسلمانوں نے اتنے بڑے لشکر سے مقابلے کو اپنے پیشِ نظر نہیں رکھا تھا، جس کا انہیں اچانک سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ معان میں دو راتیں ٹھہرے رہے اور اپنی صورتِ حال پر غور کرتے رہے۔ انہوں نے کہا: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھ کر اپنے دشمن کی تعداد سے آگاہ کرتے ہیں؛ پھر یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مدد

1- یاقوت حموی رحمہ اللہ معجم البلدان، جلد 8، صفحہ 285 میں فرماتے ہیں: معان کے میم پر زبر اور آخر میں نون ہے، جبکہ محدثین اسے میم پر پیش کے ساتھ پڑھتے ہیں، اور اہلِ لغت کی مراد بھی یہی تلفظ ہے۔ امام ازہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معان، شام کے صحرائی علاقے کے کنارے، حجاز کے سامنے، بلقاء کے علاقے میں واقع ایک شہر ہے۔

2- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 22؛ الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 2، صفحہ 314۔

کے لیے مزید افراد بھیج دیں گے، یا ہمیں کوئی حکم ارشاد فرمائیں گے، جس کے مطابق ہم آگے بڑھیں گے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے میری قوم! اللہ کی قسم! جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو، درحقیقت تم اسی کے لیے نکلے ہو، یعنی شہادت کی طلب میں۔ ہم لوگوں سے تعداد اور قوت کی بنیاد پر جنگ نہیں کرتے، بلکہ ہم تو اسی دین کے ذریعے جنگ کرتے ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزت بخشی ہے۔ لہٰذا آگے بڑھو! ہمارے لیے دو بھلائیوں میں سے ایک ہی ہے: یا تو فتح حاصل ہو گی یا شہادت نصیب ہو گی۔'' حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی بات سے تمام لوگ متفق ہو گئے، چنانچہ وہ آگے بڑھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ (1)

جیشُ الأمراء کی دشمن کی طرف پیش قدمی

مسلمانوں کے معان میں دو راتیں گزارنے کے بعد جیشُ الأمراء دشمن کی سرزمین کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہ بلقاء کی سرحدوں تک پہنچے تو رومیوں، غسانیوں اور دیگر عرب عیسائی قبائل کے لشکروں نے ایک گاؤں کے قریب ان کا سامنا کیا، جسے مشارف کہا جاتا تھا۔ پھر دشمن مزید قریب آ گیا تو مسلمان مؤتہ نامی گاؤں کی طرف ہٹ گئے۔ آخر کار اسی مقام پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے جنگ کے لیے اپنی صفیں درست کیں اور اپنے لشکر کے دائیں بازو پر حضرت قطبہ بن قیس رضی اللہ عنہ کو، جبکہ بائیں بازو پر حضرت عبایہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ (2)

1- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 22۔

2- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 25۔

جنگ کا آغاز اور امرا کی یکے بعد دیگرے قیادت سنبھالنا

مؤتہ کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے آ گئے اور ایک سخت اور خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ تین ہزار مجاہدین دو لاکھ جنگجوؤں کے مقابلے میں ڈٹ گئے۔ یہ ایسی جنگ تھی جسے دیکھ کر دنیا حیرت اور ششدر رہ جاتی، لیکن جب ایمان کی ہوا چلتی ہے تو وہ عجائبات دکھاتی ہے۔[1]

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی پرچم اپنے ہاتھ میں تھاما اور نہایت شدت اور بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ کرنے لگے۔ مسلمان بھی ان کے ساتھ ڈٹ کر لڑتے رہے، یہاں تک کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نیزوں کے وار سے شہید ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ رضی اللہ عنہ۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی المستدرک میں ایک ایسی مرسل سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے جس میں کوئی حرج نہیں، حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤتہ کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے آٹھ ہجری، جمادی الاولیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم تھام کر جنگ کی، یہاں تک کہ دشمن کے نیزوں کے وار سے ان کا جسم چھلنی ہو گیا۔[2]

1- حوالہ: الرحیق المختوم، صفحہ 389۔

2- حوالہ: المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 5018۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اسلامی پرچم اپنے ہاتھ میں لے لیااور بے مثال بہادری کے ساتھ جنگ کرنے لگے۔جب جنگ نے شدت اختیار کرلی تووہ اپنے گھوڑے سے اتر آئے اوراس کی ٹانگیں کاٹ دیں۔اسلام میں یہ پہلا گھوڑا تھا جس کی جنگ کے دوران ٹانگیں کاٹی گئیں۔اس وقت وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

يا حبذا الجنة واقترابها　　طيبة وبارد شرابها
والروم روم قد دنا عذابها　　كافرة بعيدة أنسابها
علي إذ لاقيتها ضرابها

ترجمہ:''اے جنت! تو کتنی اچھی ہے اور تیرا قرب کتنا دل پسند ہے! تو پاکیزہ ہے اور تیرا مشروب ٹھنڈااور خوش گوار ہے۔رومی تو رومی ہیں، جن پر عذاب قریب آچکا ہے۔وہ کافر ہیں اور ان کے نسب دور کے ہیں۔جب میرا ان سے سامنا ہوگا تو میں ان پر بھرپور وار کروں گا۔''

پھر حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا دایاں ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے بائیں ہاتھ سے پرچم تھام لیا۔جب بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا تو انہوں نے اپنے دونوں بازوؤں سے پرچم کو سینے سے لگالیا، یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔رضی اللہ عنہ۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے

انہیں اس قربانی کے بدلے جنت میں دو پر عطا فرمائے، جن کے ذریعے وہ جنت میں جہاں چاہیں پرواز کرتے ہیں۔اسی وجہ سے انہیں ''جعفر طیار'' کہا جاتا ہے۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ صحیح قول کے مطابق تینتیس سال کی عمر میں شہید ہوئے۔[2]

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی المستدرک میں یہ روایت نقل کی ہے۔الفاظ امام حاکم کے ہیں اور اس کی سند حسن ہے۔ یہ روایت یحییٰ بن عباد بن عبداللہ بن زبیر، اپنے والد سے، اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مجھے میرے اس والد نے خبر دی جس نے قبیلہ بنو مرہ سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کا دودھ پیا تھا۔انہوں نے کہا: ''گویا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ غزوۂ مؤتہ کے دن حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے سے اترے، اس کی ٹانگیں (عرقوب)[3] کاٹ دیں، پھر آگے بڑھے اور جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔''[4]

1- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 26۔

2- حوالہ: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 204۔

3- ح یہ ٹخنے کے پیچھے واقع وہ پٹھے یا رگ ہوتی ہے جو چار ٹانگوں والے جانوروں میں پاؤں کے جوڑ اور پنڈلی کے درمیان ہوتی ہے، جبکہ انسان میں یہ ایڑی سے کچھ اوپر واقع ہوتی ہے۔ حوالہ: النہایہ، جلد 3، صفحہ 200۔

4- حوالہ: سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 2573؛ المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 4906۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 300 میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نافع سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ وہ اس دن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہوئے، جبکہ وہ شہید ہو چکے تھے۔ میں نے ان کے جسم پر نیزے اور تلوار کے پچاس زخم شمار کیے، جن میں سے کوئی زخم بھی ان کی پشت پر نہیں تھا۔ یعنی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرتے رہے اور لڑائی کے دوران کبھی پیٹھ نہیں پھیری۔[1]

امام ترمذی، امام حاکم اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ابن حبان کے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے جعفر کو جنت میں ایک فرشتے کی صورت میں دیکھا، جو اپنے دونوں پروں کے ساتھ پرواز کر رہے تھے۔''[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں عامر شعبی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

1- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4260۔

2- حوالہ: جامع ترمذی، حدیث نمبر 4096؛ المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 4999؛ صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7404۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 1226 میں اس روایت کو ذکر کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

کے صاحبزادے[1] کو سلام کرتے تو کہتے: ''السلام علیک یاابن ذی الجناحین'' ''اے دو پروں والے کے بیٹے! تم پر سلامتی ہو۔''[2]

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم

جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوگئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی پرچم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار پرچم لیے آگے بڑھے۔ اس دوران وہ اپنے نفس کو جنگ میں اترنے پر آمادہ کرنے لگے اور کچھ تردد بھی کیا۔ پھر کہنے لگے:

أقسمت يا نفسي لتنزلنه — لتنزلن أو لتكرهنه
إن أجلب الناس وشدوا الرنة — ما لي أراك تكرهين الجنة

''میں نے قسم کھائی ہے کہ اے میرے نفس! تو ضرور اس میدان میں اترے گا، خواہ تجھے یہ ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ جب لوگ دشمن کے لشکر کو جوش دلا رہے ہیں اور جنگ کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں تو میں تجھے کیوں دیکھ رہا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کر رہا ہے؟''

اور یہ اشعار بھی کہے:

يا نفس إلا تقتلي تموتي — هذا جمام الموت قد صليت
وما تمنيتي فقد أُعطيت — إن تفعلي فِعْلَيهما هديت

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 441 میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما ہیں۔

2- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 3709 اور 4264۔

''اے میرے نفس! اگر تو قتل نہ بھی ہوا تو تجھے مرنا ہی ہے۔ موت کا وقت قریب آ چکا ہے، اور تو اس سے دوچار ہو چکا ہے۔ تیری جو آرزو تھی، وہ تجھے عطا کر دی گئی ہے۔ اگر تو ان دونوں[1] کی طرح عمل کرے گا تو ہدایت پا جائے گا۔''

پھر وہ آگے بڑھے اور جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تینوں امیروں کی شہادت کی خبر دینا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے غزوۂ مؤتہ کے واقعات سے آگاہ فرما دیا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ والوں کو لشکر کے تینوں امیروں رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر اس سے پہلے دے دی، کہ ان کے بارے میں کوئی اطلاع مدینہ پہنچتی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سندِ جید کے ساتھ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کیا جائے: ''الصلاۃ جامعۃ'' یعنی نماز کے لیے سب جمع ہو جائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا میں تمہیں تمہارے اس لشکر کے بارے میں نہ بتاؤں جو جہاد کے لیے روانہ ہوا ہے؟ وہ روانہ ہوئے، یہاں تک

1- یعنی حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما۔

2- حوالہ: ابن اسحاق، السیرۃ، جلد 4، صفحہ 46؛ اس کی سند حسن ہے۔ ابن ماجہ نے بھی اپنی سنن، حدیث نمبر 2793 میں اسے مختصراً روایت کیا ہے، اور اس کی سند بھی حسن ہے۔

کہ دشمن سے ان کا سامنا ہوا۔ زید شہید ہو گئے، لہٰذا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔'' چنانچہ لوگوں نے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ ''پھر جعفر بن ابی طالب نے پرچم سنبھالا اور دشمن پر پوری قوت سے حملہ کیا، یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔ میں ان کی شہادت کی گواہی دیتا ہوں، لہٰذا ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔'' چنانچہ لوگوں نے ان کے لیے بھی مغفرت کی دعا کی۔ ''پھر عبداللہ بن رواحہ نے پرچم سنبھالا اور ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہے، یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، لہٰذا ان کے لیے بھی مغفرت کی دعا کرو۔''(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا: ''زید نے پرچم سنبھالا تو وہ شہید ہو گئے، پھر جعفر نے پرچم سنبھالا تو وہ بھی شہید ہو گئے، پھر عبداللہ بن رواحہ نے پرچم سنبھالا تو وہ بھی شہید ہو گئے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ وہ ہمارے پاس ہوتے۔''(2) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔(3)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام ابوداؤد

1- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 22551؛ صحیح ابن حبان، حدیث نمبر 7048۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد 6، صفحہ 95 میں فرماتے ہیں: یعنی وہ اس وجہ سے ہمارے پاس ہونا پسند نہیں کرتے کہ انہوں نے شہادت کے ذریعے جو عزت و کرامت حاصل کی، اسے دیکھ لیا ہے۔

3- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 2798۔

کے ہیں، وہ فرماتی ہیں: ''جب حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم شہید ہوگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے غم واندوہ نمایاں تھا۔''(1)

پرچم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد

جب حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلامی پرچم زمین پر گر گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بعد کسی کو پرچم اٹھانے کا ذمہ دار مقرر نہیں فرمایا تھا، تو حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ نے پرچم اٹھا لیا۔ پھر انہوں نے کہا: ''اے مسلمانوں کی جماعت! تم اپنے میں سے کسی شخص کو امیر مقرر کر لو۔'' لوگوں نے کہا: ''آپ ہی امیر بن جائیں۔'' انہوں نے جواب دیا: ''میں ایسا نہیں کروں گا۔'' چنانچہ مسلمانوں نے باہمی اتفاق سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر منتخب کر لیا۔(2)

1- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 1299؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 935؛ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 3122۔

2- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 25۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی خبر دی۔ پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کسی کی تقرری[1] کے بغیر پرچم سنبھال لیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی[2]۔

ایک دوسری روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہاں تک کہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار[3] نے پرچم سنبھال لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔''[4]

امام احمد اور ابن حبان رحمہما اللہ کی ایک روایت میں، جس کی سند جید ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھال لیا، حالانکہ وہ مقرر کردہ امیروں میں سے نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے خود ہی قیادت سنبھال لی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں انگلیاں اٹھائیں اور

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 302 میں فرمایا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو پہلے سے نامزد نہیں کیا گیا تھا، ورنہ یہ بات ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باہمی اتفاق سے انہیں امیر منتخب کر لیا تھا۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2798 کے تحت روایت کیا ہے، اور صحیح بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں حدیث نمبر 3063 کے تحت بھی یہ مضمون مذکور ہے۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد 9، صفحہ 161 میں فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یہ لقب اس لیے عطا فرمایا کہ وہ اللہ کے دشمنوں کو شدید نقصان پہنچاتے تھے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4262 کے تحت روایت کیا ہے۔

فرمایا: اے اللہ! یہ تیری تلواروں میں سے ایک تلوار ہے، پس اس کی مدد فرما۔'' اسی دن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''سیف اللہ'' (اللہ کی تلوار) کا لقب دیا گیا۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھالا، مسلمانوں کو دشمن سے الگ کر کے محفوظ مقام کی طرف لے گئے اور نہایت حکمت و تدبیر سے کام لیا، یہاں تک کہ مسلمان دشمن کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام واقعات کی خبر اسی دن مدینہ منورہ میں موجود اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دے دی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منبر پر کھڑے تھے اور یکے بعد دیگرے ہر امیر کی شہادت کی خبر دے رہے تھے، جبکہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔''[2]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شدتِ قتال

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کے ساتھ کفار پر سخت حملہ کیا اور ان سے نہایت زبردست جنگ لڑی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''غزوۂ مؤتہ کے

1- حوالہ: امام احمد، المسند، حدیث نمبر 22551؛ ابن حبان، الصحیح، حدیث نمبر 7048۔

2- حوالہ: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 204۔

دن میرے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے نو تلواریں ٹوٹ گئیں، یہاں تک کہ میرے ہاتھ میں صرف یمنی طرز کی ایک چوڑی تلوار (الصَّحِیفَة) باقی رہ گئی۔"(1)

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "غزوۂ مؤتہ کے دن میرے ہاتھ میں نو تلواریں ٹوٹ گئیں، اور میرے ہاتھ میں صرف یمنی طرز کی ایک چوڑی تلوار باقی رہی۔"(2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: "یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا تھا۔"(3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ بات اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمانوں نے دشمنوں کو بڑی تعداد میں قتل کر کے انہیں بھاری نقصان پہنچایا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان ان کے چنگل سے نکلنے پر قادر نہ ہوتے۔ اور یہی بات بذاتِ خود ایک مستقل دلیل ہے۔ واللہ اعلم۔"(4)

اس عظیم معرکے میں فتح کس کو حاصل ہوئی؟

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: "اہلِ علم روایت کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے مفہوم کے بارے میں اختلاف

1- ابن قرقول رحمہ اللہ نے مطالع الأنوار، جلد 4، صفحہ 264 میں فرمایا ہے: "الصَّحِیفَة" سے مراد چوڑی تلوار ہے، حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4265۔

2- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4266۔

3- حوالہ: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 306۔

4- حوالہ: البدایہ والنہایہ، جلد 4، صفحہ 641۔

ہے: 'یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔' کیا اس سے مراد یہ ہے کہ ایسی جنگ ہوئی جس میں مشرکین کو شکست ہوئی، یا فتح سے مراد یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو بحفاظت دشمن سے نکال کر واپس لے آئے؟''(1)

ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات میں حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''پھر مسلمانوں کو ایسی بری شکست ہوئی کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی شکست نہیں دیکھی تھی، یہاں تک کہ مجھے دو مسلمان بھی ایک ساتھ نظر نہیں آرہے تھے۔'' راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیش آیا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھالا اور دشمن پر حملہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے دشمن کو ایسی بری شکست دی کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی شکست نہیں دیکھی تھی، یہاں تک کہ مسلمانوں نے اپنی تلواریں جہاں چاہیں چلائیں۔''(2)

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''چنانچہ لوگوں نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنا امیر منتخب کر لیا۔ جب انہوں نے پرچم سنبھالا تو دشمن کا مقابلہ کیا اور

1- حوالہ: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 302۔

2- حوالہ: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد 2، صفحہ 116۔

مسلمانوں کو اس کے حملوں سے بچاتے ہوئے پیچھے ہٹایا۔ پھر وہ مسلمانوں کو لے کر الگ ہو گئے اور دشمن بھی ان سے دور ہو گیا، یہاں تک کہ مسلمان واپس روانہ ہو گئے۔''(1)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اہلِ مغازی کے درمیان مسلمانوں کے میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹنے اور الگ ہو جانے کے بارے میں اختلاف ہے۔ ان میں سے بعض نے اسی بات کو اختیار کیا ہے، جبکہ بعض کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو مشرکین پر غلبہ حاصل ہوا اور مشرکین شکست کھا کر بھاگ گئے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کہ 'پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پرچم سنبھالا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی' اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دشمن پر غلبہ حاصل ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی درست بات کو خوب جانتا ہے۔''(2)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''درست بات وہی ہے جسے امام ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ دونوں گروہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے۔''(3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مسلمان واپس لوٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے شر سے ان کی حفاظت فرمائی۔ تمام تعریفیں اور احسان اسی کے لیے ہیں۔''(4)

1- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 27۔

2- حوالہ: دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 375۔

3- حوالہ: زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 463۔

4- حوالہ: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 205۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ کو تین دن تک مہلت دی کہ وہ اپنے غم کو سنبھال لیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''آج کے بعد میرے بھائی پر مت رونا، میرے بھائی کے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بلاؤ۔'' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوا جیسے کسی پرندے کے بچوں کو ان کے گھونسلے میں سکون مل گیا ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس حجام کو بلاؤ۔'' چنانچہ حجام کو بلایا گیا، اس نے ہمارے سر مونڈ دیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''محمد میرے چچا ابو طالب کے مشابہ ہیں، اور عبداللہ میری صورت اور میرے اخلاق سے مشابہ ہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور اسے بلند کیا، پھر دعا فرمائی: ''اے اللہ! جعفر کے اہلِ خانہ میں ان کا بہترین جانشین عطا فرما، اور عبداللہ کے دائیں ہاتھ کے سودے میں برکت عطا فرما۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تین مرتبہ فرمائی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر ہماری والدہ[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور ہماری یتیمی کا ذکر کیا، اور ہماری وجہ سے پریشانی ظاہر کی۔

1- یہ حضرت اسماء بنت عمیس خثعمیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں ان کے محتاج ہو جانے کا خوف ہے؟ حالانکہ میں دنیا اور آخرت میں ان کا سرپرست ہوں۔''(1)

امام احمد، ابو داود اور ترمذی رحمہم اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جعفر کے اہلِ خانہ کے لیے کھانا تیار کرو، کیونکہ ان پر ایسی مصیبت آپڑی ہے جس نے انہیں مشغول کر دیا ہے۔''(2)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بعض اہلِ علم اس بات کو مستحب سمجھتے تھے کہ میت کے اہلِ خانہ کے لیے کچھ کھانا بھیجا جائے، کیونکہ وہ مصیبت کی وجہ سے مشغول ہوتے ہیں۔ یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی قول ہے۔''(3)

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ جعفر بن خالد بن سارہ، اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اگر تم مجھے، قثم اور عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کو کھیلتے ہوئے دیکھتے، تو اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر وہاں سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس بچے کو میرے پاس اٹھا کر لاؤ۔ چنانچہ آپ نے مجھے اپنے آگے بٹھا لیا۔ پھر

1- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 1750؛ سنن ابی داود، حدیث نمبر 4192 (مختصر روایت)۔

2- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 1751؛ سنن ابی داود، حدیث نمبر 3102؛ جامع ترمذی، حدیث نمبر 1919۔

3- حوالہ: جامع امام ترمذی، جلد 2، صفحہ 486۔

فرمایا: قثم کو میرے پاس اٹھا کر لاؤ۔ چنانچہ آپ نے انہیں اپنے پیچھے[1] بٹھا لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رعایت کرتے ہوئے قثم کو اٹھایا اور عبید اللہ کو چھوڑ دیا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر تین مرتبہ ہاتھ پھیرا۔ جب آپ نے ہاتھ پھیرا تو دعا فرمائی: ''اے اللہ! جعفر کے بچوں میں ان کا بہترین جانشین عطا فرما۔''[2]

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جعفر بن خالد نے دو ایسے عمدہ طریقے نقل کیے ہیں جو کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں: ایک یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنا، اور دوسرا مصیبت زدہ اہلِ خانہ کی خبر گیری کرنا اور ان کے لیے اس قدر کھانے پینے کا انتظام کرنا جس سے وہ اپنی رات گزار سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان طریقوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔''[3]

1- امام حاکم رحمہ اللہ نے ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک عبید اللہ، قثم سے زیادہ محبوب تھے۔

2- حوالہ: المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 1394 اور 6553۔

3- حوالہ: المستدرک لأبي عبد اللہ الحاکم، جلد 2، صفحہ 287۔

سریۂ ذات السلاسل [1]

یہ سریہ ہجرت کے آٹھویں سال جمادی الآخرہ میں پیش آیا۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ''غزوۂ ذات السلاسل'' کے عنوان سے باب قائم کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ قبیلۂ لخم اور جذام کے خلاف مہم تھی۔ [3]

1- اس کے ضبط کے بارے میں درج ذیل اختلاف نقل کیا گیا ہے:

-اولاً: ابن الاثیر رحمہ اللہ نے النہایہ، جلد 2، صفحہ 350 میں فرمایا ہے: ''ذات السلاسل'' میں پہلے سین پر پیش اور دوسرے سین پر زیر ہے۔ یہ قبیلہ جذام کے علاقے میں ایک پانی کا نام ہے، اور اسی جگہ کے نام پر اس غزوے کا نام رکھا گیا۔

-ثانیاً: امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 15، صفحہ 125، اور تہذیب الأسماء واللغات، جلد 3، صفحہ 202 میں فرمایا ہے: ''ذات السلاسل'' دو غیر منقوط سینوں کے ساتھ ہے؛ پہلے سین پر زبر اور دوسرے سین پر زیر ہے، جبکہ لام ہلکی ہے۔ یہ شام کے علاقے میں بنو عذرہ کی سرزمین پر ایک معروف مقام ہے۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نھایۃ الغریب میں ذکر کیا ہے کہ اس لفظ میں پہلے سین پر پیش ہے۔ یہ ایک چشمے کا نام ہے، جسے ''سلاسل'' کہا جاتا ہے، اور اس کا معنی ''سلسال'' یعنی نرم اور آسان ہے۔ میرا خیال ہے کہ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے یہ بات جوہری کی کتاب الصحاح سے اخذ کی ہے، لیکن میرے علم کے مطابق اس سلسلے میں ان کے پاس کوئی منقول روایت نہیں ہے، اور نہ ہی جوہری کے کلام میں اس ضبط کی کوئی دلیل موجود ہے۔

-ثالثاً: امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 466 میں فرمایا ہے: ''غزوۂ ذات السلاسل کے بیان میں: یہ مقام وادی القریٰ کے پیچھے واقع ہے۔ لفظ 'السلاسل' میں پہلے سین پر پیش اور زبر، دونوں طرح پڑھنا درست ہے۔''

2- یہ اس سریے کی تاریخ ہے جسے ابن سعد نے اپنی کتاب الطبقات، جلد 2، صفحہ 315 میں ذکر کیا ہے۔ ان سے ابن سید الناس نے عیون الأثر، جلد 2، صفحہ 214 میں، اور امام ابن قیم نے زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 467 میں، نیز دیگر اہلِ علم نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ امام ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد 4، صفحہ 280 میں اس سریے کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی تاریخ متعین نہیں کی۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 15، صفحہ 125 میں حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ سے یہ قول نقل کیا ہے: ''اہلِ مغازی کے بیان کے مطابق غزوۂ ذات السلاسل، غزوۂ مؤتہ کے بعد پیش آیا، البتہ امام ابن اسحاق نے اسے مؤتہ سے پہلے قرار دیا ہے۔'' میں کہتا ہوں کہ امام ابن اسحاق کی معروف کتاب السیرۃ میں مجھے وہ بات نہیں ملی جسے ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

3- دیکھیے: صحیح بخاری، جلد 8، صفحہ 402۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ امام ابن اسحاق [1] کے بیان کے مطابق ذات السلاسل، قبیلۂ جذام اور لخم کے ایک پانی کا نام تھا۔ لفظ ''لَخْم'' میں لام پر زبر اور خاء پر سکون ہے۔ یہ ایک مشہور اور بڑا قبیلہ تھا۔ اور لفظ ''جُذَام'' میں جیم پر پیش اور ذال پر ہلکا سکون ہے۔ یہ بھی ایک مشہور اور بڑا قبیلہ تھا۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں فرمایا ہے: ''امام ابن اسحاق نے یزید کے واسطے سے حضرت عروہ سے نقل کیا ہے کہ یہ بَلِیّ اور عُذْرَہ کے قبائل کی سرزمین ہے۔'' [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: ''رہے یزید، تو ان سے مراد یزید بن رومان ہیں، جو مدینہ منورہ کے مشہور راوی ہیں۔ اور عروہ سے مراد عروہ بن زبیر بن عوام رحمہ اللہ ہیں۔ جہاں تک مذکورہ قبائل کا تعلق ہے، تو یہ تینوں قبیلۂ قضاعہ کی شاخیں ہیں۔ بَلِیّ: باء پر زبر، لام پر زیر اور لام ہلکا ہے، اس کے بعد یائے نسب ہے۔ یہ ایک بڑا قبیلہ ہے، جس کا نسب بَلِیّ بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ سے ملتا ہے۔ عُذْرَہ: عین پر پیش اور ذال ساکن ہے۔ یہ بھی ایک بڑا قبیلہ ہے، جس کا نسب عُذرہ بن سعد سے ملتا ہے۔'' [4]

1- دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 280۔
2- حوالہ: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 403۔
3- حوالہ: صحیح بخاری، جلد 8، صفحہ 402۔
4- حوالہ: فتح الباری، جلد 8، صفحہ 403۔

اس سریے کا سبب

اس سریے کا سبب ذکر کرتے ہوئے ابن سعد رحمہ اللہ اپنی کتاب الطبقات میں فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلۂ قضاعہ کے لوگوں کا ایک لشکر جمع ہو چکا ہے، جو مدینہ منورہ کے نواحی علاقوں کے قریب آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔''(1)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اس سریے کا امیر مقرر فرمایا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلانے کے لیے پیغام بھیجا اور فرمایا: اپنے کپڑے اور ہتھیار پہن کر میرے پاس آؤ۔ چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اس وقت آپ وضو فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا، پھر اپنی نگاہ جھکا لی۔ اس کے بعد فرمایا: میں تمہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی عطا فرمائے گا، تمہیں مالِ غنیمت عطا کرے گا، اور تمہیں مال میں سے اچھا خاصا حصہ دے گا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے مال کی خاطر اسلام قبول نہیں کیا، بلکہ اسلام کی رغبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل کرنے کے لیے اسلام قبول کیا

1- حوالہ: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد 2، صفحہ 315۔

ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عمرو! پاکیزہ مال، نیک آدمی کے لیے بہت اچھی چیز ہے۔"[1]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سفید پرچم عطا فرمایا اور انہیں مہاجرین وانصار کے تین سو مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا۔ ان کے ساتھ تیس گھوڑے بھی تھے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے تو رات کے وقت سفر کرتے اور دن میں چھپ کر قیام کرتے تھے۔ جب وہ دشمن کے قریب پہنچے تو انہیں اطلاع ملی کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت رافع بن مکیث[2] جہنی رضی اللہ عنہ کو مزید کمک (فوجی مدد) طلب کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔[3]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے مزید کمک روانہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو دو سو مجاہدین کے ساتھ روانہ فرمایا۔

1- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 17763؛ الأدب المفرد للإمام البخاري، حدیث نمبر 229۔

2- ابن الاثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد 1، صفحہ 384، باب التراجم میں لکھا ہے کہ "مُکَیْث" کے میم پر زبر، کاف پر زیر، یاء ساکن ہے جس کے نیچے دو نقطے ہیں، اور آخر میں ثاء مثلثہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الإصابۃ، جلد 2، صفحہ 370 میں فرمایا ہے: "رافع بن مُکَیْث جُہنی رضی اللہ عنہ، لفظ عظیم کے وزن پر ہے اور اس کے آخر میں ثاء مثلثہ ہے۔ آپ بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے تھے، فتحِ مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کے جھنڈے اٹھانے والوں میں سے ایک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آپ کی قوم سے صدقات وصول کرنے کا ذمہ دار مقرر فرمایا تھا، اور آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ جابیہ میں بھی حاضر ہوئے تھے۔"

3- حوالہ: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد 2، صفحہ 315۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک پرچم باندھا اور ان کے ساتھ مہاجرین و انصار کے معزز افراد کو بھی بھیجا، جن میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے جا ملیں، دونوں مل کر کام کریں اور آپس میں اختلاف نہ کریں۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''آپ تو میری مدد کے لیے آئے ہیں۔'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''نہیں، بلکہ میں اپنی ذمہ داری پر ہوں اور آپ اپنی ذمہ داری پر ہیں۔'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نرم خو، خوش مزاج اور دنیاوی معاملات میں آسانی اختیار کرنے والے شخص تھے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''بلکہ آپ میری مدد کے لیے آئے ہیں۔'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے عمرو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ ہم دونوں اختلاف نہ کریں، اور آپ سے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ میری نافرمانی کریں گے تو میں آپ کی اطاعت کروں گا۔'' حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں آپ کا امیر ہوں اور آپ میری مدد کے لیے آئے ہیں۔'' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اچھا، پھر آپ ہی اپنی ذمہ داری سنبھالیے۔'' چنانچہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور قبیلہ بَلِیّ کی سرزمین میں داخل ہو کر اس علاقے پر اپنا غلبہ قائم کیا، یہاں تک کہ ان کے علاقے کے آخری

حصوں اور قبیلہ عُذرہ اور بَلْقَین کی سرزمین تک پہنچ گئے۔ آخر میں ان کا سامنا دشمن کے ایک لشکر سے ہوا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ مختلف علاقوں میں بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چند دن وہاں قیام کرنے کے بعد کامیابی کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آ گئے۔[1]

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فقاہت

اس سریے کے دوران بعض ایسے واقعات پیش آئے جن میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور ان واقعات سے حسنِ تدبیر کے ساتھ نمٹنے کی صلاحیت نمایاں ہوئی۔ ان میں سے چند واقعات درج ذیل ہیں:

احتلام ہونے کے بعد تیمم کر کے لوگوں کو نماز پڑھانا

امام احمد نے اپنی مسند میں، اور امام ابو داود، حاکم اور ابن حبان رحمہم اللہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: غزوۂ ذات السلاسل کے دوران ایک سرد رات میں مجھے احتلام ہو گیا۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں غسل کروں گا تو ہلاک ہو جاؤں گا، چنانچہ میں نے تیمم کیا[2] اور اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھائی۔ اس واقعے کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمرو! کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو جنابت کی حالت میں نماز

1- حوالہ: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 280؛ الطبقات الکبری لابن سعد، جلد 2، صفحہ 315۔

2- ابن حبان کی روایت میں ہے کہ انہوں نے اپنی شرم گاہ اور رانوں کے اندرونی حصوں کو دھویا، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کیا۔

-امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 470 میں فرمایا: گویا یہ روایت تیمم والی روایت سے زیادہ قوی ہے۔

پڑھائی؟'' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کرنے سے مانع عذر بتایا اور عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ''اور اپنی جانوں کو قتل نہ کرو، بے شک اللہ تم پر نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (سورۃ النساء، آیت 29) [1] یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے اور کچھ نہیں فرمایا۔ [2]

آگ جلانے اور دشمن کا تعاقب کرنے سے روکنا

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں غزوۂ ذات السلاسل میں بھیجا۔ ان کے ساتھیوں نے ان سے آگ جلانے کی اجازت طلب کی، لیکن انہوں نے منع کر دیا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں بات کی، تو انہوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی۔ اس پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا: ان میں سے جو بھی آگ جلائے گا، میں اسے اسی آگ میں پھینک دوں گا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر

1-ابن حبان نے اپنی صحیح میں پہلی روایت کے الفاظ میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: ''اگر میں غسل کرتا تو مر جاتا۔''

2-اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 17812، امام ابو داود نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 334، امام حاکم نے المستدرک میں حدیث نمبر 639، اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1315 کے تحت روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں حدیث نمبر 345 سے پہلے اسے مختصراً معلقاً ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 1، صفحہ 603 میں اس حدیث کو موصولاً روایت کرنے والے محدثین کا ذکر کیا ہے، نیز اس کی سند کے بارے میں اختلاف بھی بیان کیا ہے۔ آخر میں انہوں نے فرمایا ہے کہ اس کی سند قوی ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سنن ابی داود کی تحقیق، جلد 2، صفحہ 154 میں اس حدیث کے مختلف طرق ذکر کیے ہیں اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح شیخ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ نے مسند احمد کی تحقیق، جلد 29، صفحہ 347، اور صحیح ابن حبان کی تحقیق، جلد 4، صفحہ 143 میں بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا اور انہوں نے دشمن کو شکست دے دی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دشمن کا تعاقب کرنا چاہا، لیکن حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے انہیں روک دیا۔ جب وہ لشکر واپس آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس معاملے کا ذکر کیا اور آپ سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ اس پر حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ میں انہیں آگ جلانے کی اجازت دوں، کیونکہ اس طرح دشمن کو ہماری کم تعداد کا پتا چل جاتا۔ اسی طرح مجھے یہ بھی ناپسند تھا کہ وہ دشمن کا تعاقب کریں، کیونکہ ممکن تھا کہ دشمن کو مزید کمک پہنچ جائے اور وہ پلٹ کر ہم پر حملہ کر دے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو سراہا۔ (1)

نبی کریم ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب لوگ

جب حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل دیکھا تو انہیں گمان ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان کا مقام حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے بھی بڑھ کر ہے۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں غزوۂ ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: لوگوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ۔ میں نے عرض

1- اس روایت کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4540 کے تحت روایت کیا ہے۔

کیا: مردوں میں کون؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان کے والد۔ میں نے عرض کیا: پھر کون؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر آپ ﷺ نے کئی لوگوں کے نام گنوائے۔ اس کے بعد میں خاموش ہو گیا، اس خوف سے کہ کہیں آپ ﷺ مجھے سب سے آخر میں نہ شمار کر دیں۔ (1)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے کے بعد یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: پھر کون؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: اس روایت (3) سے ان بعض لوگوں کی وضاحت ہو سکتی ہے جن کے نام اس باب کی حدیث میں ذکر نہیں کیے گئے۔ (4)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے عظیم فضائل کی صراحت ہے۔ نیز اس میں اہلِ سنت

1- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4358 اور 3662 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2384 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اس روایت کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 6998 کے تحت نقل کیا ہے۔

3- وہ روایت جس میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

4- دیکھیے: فتح الباری، جلد 7، صفحہ 377۔

کے لیے واضح دلیل ہے کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت حاصل ہے۔[1]

فتحِ عظیم: فتحِ مکہ (شرفھا اللہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لا يستوي منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئك أعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا وكلًا وعد الله الحسنى والله بما تعملون خبير تم میں سے جن لوگوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہیں جنہوں نے فتح کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا۔ ان لوگوں کا درجہ ان لوگوں سے زیادہ بلند ہے جنہوں نے بعد میں خرچ کیا اور جہاد کیا، اگرچہ اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے، اور اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔ (سورۃ الحدید: آیت 10)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہاں فتح سے مراد فتحِ مکہ ہے۔[2]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إذا جاء نصر الله والفتح جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے۔ (سورۃ النصر: آیت 1)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہاں فتح سے مراد فتحِ مکہ ہی ہے، اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔[3]

1- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 15، صفحہ 125۔

2- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 12۔

3- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 513۔

فتح عظیم کی تاریخ

رسول اللہ ﷺ نے آٹھ ہجری میں ماہِ رمضان کے دوران مکہ مکرمہ پر لشکر کشی فرمائی، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے مہینے میں فتحِ مکہ کی غزوہ میں شرکت فرمائی۔ (1)

1-اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4205، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1113 اور 88 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: اہلِ سیرت [1] کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس رمضان کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور رمضان کی انیس راتیں [2] گزر جانے کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ [1]

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد4، صفحہ 48؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد2، صفحہ 316، نیز دیگر کتبِ سیرت۔

2- میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے اور فتحِ مکہ کی تاریخ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حدیث نمبر 11826 میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح کے سال رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم رمضان کی دو راتیں گزر جانے پر سفر کے لیے روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ ہم روزے کی حالت میں روانہ ہوئے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1113 اور 88 کے تحت امام زہری رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی تیرہ راتیں گزر جانے پر صبح کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد8، صفحہ 314 میں فرمایا: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا قول تاریخِ روانگی کے تعین میں پائے جانے والے تردد کو دور کرتا ہے، جبکہ امام زہری رحمہ اللہ کا قول تاریخِ مکہ میں داخلے کو متعین کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے راستے میں بارہ دن قیام فرمایا۔

جہاں تک امام واقدی رحمہ اللہ کے اس قول کا تعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی دس تاریخ گزرنے پر روانہ ہوئے، تو یہ قول قوی نہیں ہے، کیونکہ یہ اس سے زیادہ صحیح روایت کے خلاف ہے۔

اس تاریخ کے تعین میں دیگر اقوال بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم رحمہ اللہ کی روایت، حدیث نمبر 1116 اور 93 کے مطابق، رمضان کی سولہ تاریخ کو۔

امام احمد رحمہ اللہ کی مسند، حدیث نمبر 11870 کے مطابق، رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو۔

مسند احمد کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 11413 کے مطابق، رمضان کی بارہ تاریخ کو۔

ان روایات میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ ان میں سے ایک کو گزرے ہوئے دنوں پر اور دوسری کو باقی رہ جانے والے دنوں پر محمول کیا جائے۔

کتبِ مغازی میں جو روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کی انیس راتیں گزر جانے کے بعد مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اسے ماہِ رمضان کے آغاز کے تعین میں اختلاف پر محمول کیا جائے گا۔

فتحِ عظیم کا سبب

فتحِ مکہ کا سبب قریش اور بنو بکر کی طرف سے صلحِ حدیبیہ کی ایک شرط کی خلاف ورزی تھی۔ چنانچہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: قبیلہ خزاعہ، رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے، جبکہ بنو کنانہ کی ایک شاخ بنو بکر، ابوسفیان کے حلیف تھے۔ صلحِ حدیبیہ کے زمانے میں ان دونوں قبائل کے درمیان جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ اسی دوران بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اس پر قبیلہ خزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کی طرف مدد طلب کرنے کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے مہینے میں ان کی مدد کے لیے روانہ ہوئے۔ (2)

امام ابن اسحاق نے السیرۃ میں اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حسن سند کے ساتھ مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: صلحِ حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور قریش کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا تھا کہ جو شخص محمد ﷺ کے عہد اور معاہدے میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہو جائے،

مسند احمد کی ایک اور روایت، حدیث نمبر 11684 میں شک کے ساتھ انیس یا سترہ رمضان کا ذکر ہے۔
اور یعقوب بن سفیان نے ابن اسحاق کی اس روایت کے ذریعے، جو انہوں نے اپنے متعدد شیوخ سے نقل کی ہے، بیان کیا ہے کہ فتحِ مکہ رمضان کے دس دن باقی رہ جانے پر ہوئی۔ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ فتحِ رمضان کے درمیانی عشرے میں، آخری عشرے کے شروع ہونے سے پہلے واقع ہوئی۔
1- دیکھیے: فتح الباری، جلد 4، صفحہ 691۔
2- اس روایت کو امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 5996 کے تحت نقل کیا ہے۔

اور جو شخص قریش کے عہد اور معاہدے میں داخل ہونا چاہے، وہ اس میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آگے بڑھ کر کہا: ہم محمد ﷺ کے عہد اور معاہدے میں داخل ہوتے ہیں۔ اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا: ہم قریش کے عہد اور معاہدے میں داخل ہوتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اس جنگ بندی کے دوران تقریباً اٹھارہ ماہ تک اسی حالت میں رہے۔ پھر بنو بکر نے، جو قریش کے عہد اور معاہدے میں داخل ہوئے تھے، رات کے وقت قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا، جو رسول اللہ ﷺ کے عہد اور معاہدے میں داخل ہوئے تھے۔ یہ حملہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک چشمے پر ہوا، جسے وتیر کہا جاتا تھا۔ قریش نے کہا: محمد ﷺ کو ہمارے بارے میں کچھ معلوم نہیں، یہ رات کا وقت ہے اور ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑوں اور ہتھیاروں کے ذریعے بنو بکر کی مدد کی۔ اس طرح انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف دشمنی اور عداوت کی بنا پر ان کے ساتھ مل کر جنگ کی۔ (1)

رسول اللہ ﷺ تک خبر پہنچنا

جب بنو بکر اور قریش نے مل کر قبیلہ خزاعہ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی اور ان کے لوگوں کو نقصان پہنچایا، تو انہوں نے خزاعہ کے خلاف وہ کچھ کیا جو کیا، اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد و پیمان کو توڑ دیا؛ کیونکہ انہوں نے قبیلہ خزاعہ کے لوگوں پر حملہ کر کے ان کے خلاف ایسی کارروائی کی جسے اپنے لیے جائز

1- اس روایت کو امام ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد 4، صفحہ 38، اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ، جلد 5، صفحہ 6 میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 311 میں بھی اسے ذکر کیا اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

سمجھ لیا تھا، حالانکہ خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے عہد اور معاہدے میں شامل تھے۔ اس کے بعد عمرو بن سالم خزاعی روانہ ہوئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہی واقعہ فتحِ مکہ کا سبب بنا۔ وہ مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، جبکہ آپ ﷺ لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، پھر انہوں نے یہ اشعار کہے:

يَا ربّ إنّي نَاشِدٌ مُحمّدا حِلفَ أبينَا وأبيه الأتلَدا
قَد كُنتُم وَلدًا وكُنّا وَالِدا ثمّت أَسلمنَا فَلم نَنزِع يَدا
فانْصُر هَدَاك الله نصرًا أعتدا وادْعُ عِبَاد الله يَأتُوا مدَدا
فيهم رسُول الله قَد تجرّدا إن سِيمَ خَسْفًا وجهه تَربدا
في فَيلقٍ كالبَحرِ يجري مزبدا إن قُريشًا أخلَفُوكَ المَوعِدُا
ونَقَضُوا مِيثَاقَك المؤكدا وجَعلُوا لي في كدَاء رصدا
وزعمُوا أنْ لست تدعُوا أحَدا وهُم أذَلُّ وأقَلُّ عَددا
هم بيتونَا بالوَتير هجدا وقَتَلُونَا رُكّعًا وسُجّدا

ترجمہ: اے اللہ! میں محمد ﷺ کو پکار کر ان سے فریاد کرتا ہوں، ہمارے اور ان کے درمیان ہمارے آباؤ اجداد سے چلا آنے والا عہد و پیمان ہے۔ آپ لوگ اولاد تھے اور ہم والدین[1] کی مانند تھے، پھر ہم نے اسلام قبول کیا تو ہم نے اپنا ہاتھ نہیں کھینچا۔ پس اللہ آپ کو ہدایت دے، آپ ہماری ایسی مدد فرمائیں جو پوری طرح مؤثر ہو،

1- امام سہیلی رحمہ اللہ نے الروض الأنف، جلد4، صفحہ 146 میں فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ بنو عبد مناف کی والدہ قبیلہ خزاعہ سے تھیں، اسی طرح قصی کی والدہ بھی فاطمہ بنت سعد خزاعیہ تھیں۔

اور اللہ کے بندوں کو پکاریں کہ وہ مدد کے لیے پہنچیں۔ان میں اللہ کے رسول ﷺ بھی ہیں، جو اپنے آپ کو اس کام کے لیے فارغ کر چکے ہیں، اگر ان پر ظلم و زیادتی کی جائے تو ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا ہے۔ وہ ایک ایسے لشکر میں ہیں جو جھاگ اڑاتے ہوئے سمندر کی مانند رواں دواں ہے، بے شک قریش نے آپ سے کیا ہوا وعدہ توڑ دیا ہے، اور آپ کے پختہ عہد و پیمان کو بھی توڑ ڈالا ہے، اور مقامِ کداء پر میرے لیے گھات لگا کر بیٹھ گئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آپ کسی کو مدد کے لیے نہیں بلائیں گے، حالانکہ وہ تعداد میں کم اور ذلت و کمزوری میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے رات کے وقت وتیر کے مقام پر ہم پر حملہ کیا، اور ہمیں رکوع اور سجدے کی حالت میں قتل کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد کی گئی [1]۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے قریش کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ بنو بکر کے ساتھ اپنے معاہدے سے دست بردار ہو جائیں، یا قبیلہ خزاعہ کے مقتولین کا خون بہا (دیت) ادا کریں، ورنہ انہیں جنگ کی اطلاع دے دیں۔ چنانچہ مسدد نے اپنی مسند میں صحیح مرسل سند کے ساتھ محمد بن عباد بن جعفر سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کی طرف پیغام بھیجا: ''اما بعد! تمہارے لیے تین میں سے ایک بات ضروری ہے: یا تو بنو بکر کے ساتھ اپنے معاہدے سے دست بردار ہو جاؤ، یا قبیلہ خزاعہ

1- اس واقعے کو امام ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد 4، صفحہ 42، اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ، جلد 5، صفحات 6 اور 7 میں نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 311 میں بھی اسے ذکر کیا اور اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

کے مقتولین کا خون بہا ادا کرو، ورنہ میں تمہیں جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔'' اس پر قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف، جو معاویہ کے سسرالی رشتہ دار تھے، کہنے لگے: بنو بکر بدشگون لوگ ہیں، لہٰذا ہم ان کے مقتولین کا خون بہا ادا نہیں کریں گے، ورنہ ہمارے پاس نہ کوئی مال باقی رہے گا اور نہ کوئی معمولی چیز۔ اور نہ ہی ہم ان کے ساتھ کیے گئے معاہدے سے دست بردار ہوں گے، کیونکہ ہمارے دین پر ان کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ البتہ ہم انہیں جنگ کی اطلاع دے دیتے ہیں۔ (1)

رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تیاری اور اس معاملے کو پوشیدہ رکھنا

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ، شرفھا اللہ، پر حملے کی تیاری شروع فرما دی اور اللہ عزوجل سے دعا کی کہ قریش سے اس خبر کو پوشیدہ رکھا جائے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا، لیکن جس مقام کا آپ ﷺ ارادہ رکھتے تھے، اس کے بارے میں صرف بڑے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بتایا۔ آپ ﷺ نے مختلف قبائل کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ آپ کے ساتھ روانگی کی تیاری کریں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دس ہزار جنگجو جمع ہو گئے، جیسا کہ آگے بیان ہو گا۔

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 317 میں اس روایت کا ذکر کیا ہے۔ نیز المطالب العالیہ، حدیث نمبر 4800 میں بھی اسے نقل کیا گیا ہے اور مسدد کی مسند کی طرف منسوب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد مرسل روایت ہے۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا اہلِ مکہ کے نام خط

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے اہلِ مکہ کے نام ایک خط لکھا، جس میں انہیں اس ارادے سے آگاہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کے خلاف جنگ کرنے کا عزم رکھتے ہیں۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے مجھے، حضرت زبیر اور حضرت مقداد [1] رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا: تم روانہ ہو جاؤ، یہاں تک کہ مقامِ روضۂ خاخ [2] پر پہنچو۔ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی جس کے پاس ایک خط ہے، تم اس سے وہ خط لے لینا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم روانہ ہوئے اور

1- صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 3909 میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے بجائے حضرت ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 312 میں فرمایا: ممکن ہے کہ یہ تینوں حضرات اس مہم میں ساتھ تھے، لیکن دونوں راویوں میں سے ہر ایک نے ان میں سے کسی ایک کا ذکر کیا جسے دوسرے راوی نے ذکر نہیں کیا۔ امام ابن اسحاق نے السیرۃ میں حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی تیسرے شخص کا ذکر نہیں کیا، بلکہ واقعے کو تثنیہ کے صیغے میں بیان کیا ہے۔ انہوں نے کہا: ''وہ دونوں روانہ ہوئے، یہاں تک کہ اس عورت کو جالیا، پھر اسے نیچے اترنے کو کہا''، اور اسی طرح آخر تک واقعہ بیان کیا۔ لہٰذا بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک اور شخص بھی تھا، جو اس کے ساتھ تابع کی حیثیت سے گیا تھا۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد 16، صفحہ 46 میں فرمایا: روضۂ خاخ (روضۃ خاخ) میں دونوں حروفِ خاء معجمہ ہیں۔ یہی درست قول ہے، جس پر تمام مکاتبِ فکر کے علماء کا اتفاق ہے، اور تمام روایات اور کتابوں میں بھی یہی ضبط درست ہے۔ البتہ صحیح بخاری، حدیث نمبر 6939 میں ابو عوانہ کی روایت کے مطابق لفظ ''حاج'' آیا ہے، جس میں حاء مہملہ اور جیم ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ یہ ابو عوانہ کی غلطی ہے۔ دراصل انہیں ''ذات حاج'' سے اشتباہ ہوا، جس میں حاء مہملہ اور جیم ہے۔ یہ مدینہ منورہ اور شام کے درمیان، حاجیوں کے راستے پر واقع ایک مقام ہے۔ جبکہ روضۂ خاخ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان، مدینہ منورہ کے قریب واقع ہے۔

ہمارے گھوڑے تیزی سے دوڑ رہے تھے، یہاں تک کہ ہم اس باغ تک پہنچ گئے۔ وہاں ہمیں وہ عورت مل گئی۔ ہم نے اس سے کہا: خط نکالو۔ اس نے کہا: میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا: تم خط ضرور نکالو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس عورت نے اپنے بالوں کے جوڑے سے خط نکالا۔ پھر ہم وہ خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس خط میں لکھا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے بعض مشرکین کے نام ہے، جس میں انہیں رسول اللہ ﷺ کے بعض ارادوں کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے حاطب! یہ کیا ہے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں جلدی نہ فرمایئے۔ میں قریش کے ساتھ وابستہ ایک ایسا شخص تھا جو ان کے ساتھ حلیفانہ تعلق رکھتا تھا، لیکن ان کے اصل قبیلے سے نہیں تھا۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں، ان کے قریش میں رشتہ دار موجود ہیں، جو وہاں ان کے اہل و عیال اور اموال کی حفاظت کرتے ہیں۔ چونکہ نسبی تعلق کی وجہ سے مجھے یہ سہولت حاصل نہ تھی، اس لیے میں نے چاہا کہ اہلِ مکہ پر کوئی احسان کر دوں، تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں۔ میں نے یہ کام اپنے دین سے پھر جانے یا اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ غزوۂ بدر میں شریک ہو چکا ہے۔ اور تمہیں کیا معلوم، شاید اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر

کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور کہا ہو: تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے[1]۔ پھر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ... وَقَدْ ضَلُّوا سَوَاءَ السَّبِيلِ

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے، وہ اس کا انکار کر چکے ہیں... اور یقیناً وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ (سورۃ الممتحنہ: آیت 1)[2]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 9، صفحہ 626 میں فرمایا: یعنی تمہارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہی نہیں ہوگا۔ حضرت مسطح رضی اللہ عنہ بھی غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے، لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ان سے وہ بات سرزد ہوئی جو سرزد ہوئی۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی عظمت و کرامت کی بنا پر اپنے نبی ﷺ کی زبان سے انہیں یہ بشارت دے دی کہ اگر ان سے کوئی غلطی بھی ہو جائے، تب بھی انہیں بخش دیا جائے گا۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد 3، صفحہ 518 میں فرمایا: اس واقعے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرک سے کم درجے کا کوئی بڑا گناہ بھی کسی ایسی عظیم نیکی کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے جو گناہوں کو ختم کر دینے والی ہو۔ جیسا کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کی جاسوسی کا گناہ غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس عظیم نیکی میں جو مصلحتیں پائی جاتی ہیں، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی جو محبت، رضا، خوشی اور اس نیکی کو انجام دینے والے پر فرشتوں کے سامنے فخر کرنا شامل ہے، وہ ان مفاسد سے بڑھ کر ہیں جو جاسوسی کے گناہ میں پائے جاتے ہیں، اور اس گناہ کے سبب اللہ تعالیٰ کی جو ناراضی ہوتی ہے، اس سے بھی زیادہ ہیں۔ چنانچہ زیادہ قوی چیز نے کمزور چیز پر غلبہ حاصل کر لیا، اور اس کے تقاضے کو زائل اور باطل کر دیا۔

2- امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد 20، صفحہ 398 میں فرمایا: یہ سورت کافروں سے دوستی اور وفاداری کے تعلقات قائم کرنے کی ممانعت کے بارے میں ایک بنیادی ماخذ ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4274، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2494، 194 اور 161 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس معاملے سے آگاہ فرمادیا، اور یہ آپ ﷺ کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ تھا۔[1]

نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ سے روانگی اور روزہ افطار کرنا

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، راویوں کے درمیان اس دن کے تعین میں اختلاف ہے جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ تاہم، سیرت و مغازی کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ ﷺ رمضان المبارک کی دس تاریخیں گزرنے کے بعد روانہ ہوئے اور رمضان کی انیس تاریخیں گزرنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتبِ مغازی میں مشہور قول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ فتح مکہ کے لیے رمضان المبارک کی دس تاریخیں گزرنے کے بعد مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اور رمضان کی انیس تاریخیں گزرنے سے پہلے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔[2]

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے دس ہزار مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابورہم[3] کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ آپ ﷺ نے اس دن روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ

1- یہ اس وقت ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ قریش کی جاسوسی اور ان کی خبروں کو آپ ﷺ سے پوشیدہ رکھے، تاکہ آپ ﷺ اچانک ان پر جا پہنچیں۔ اس سلسلے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر، جلد 8، صفحہ 82 پر موجود کلام ملاحظہ فرمائیں۔

2- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 7، صفحہ 201۔

3- لفظ «أَبُورُهْم» میں راء پر پیش اور ہاء ساکن ہے۔

کے ساتھ روزہ رکھا۔ پھر جب آپ ﷺ کدید [1] کے مقام پر پہنچے، جو عسفان اور قُدید کے درمیان ایک پانی کا مقام ہے، تو آپ ﷺ نے روزہ افطار کر لیا اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ روزہ افطار کر لیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں سندِ حسن کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے، اور الفاظ امام حاکم رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم روانہ ہوئے [2]، یہاں تک کہ دس ہزار مسلمانوں کے ہمراہ مرُّ الظَّہران کے مقام پر پہنچے۔ قبیلہ سلیم کے سات سو افراد اور قبیلہ مزینہ کے ایک ہزار افراد شریک ہوئے، جبکہ دیگر قبائل میں بھی بڑی تعداد میں لوگ موجود تھے، جو مسلمان ہو چکے تھے۔ مہاجرین وانصار سب کے سب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے، ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ قریش کے لیے خبریں بالکل منقطع ہو چکی تھیں؛ انہیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی خبر نہیں پہنچ رہی تھی اور نہ ہی انہیں معلوم تھا کہ آپ ﷺ کیا کرنے والے ہیں۔ [3]

1- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد 7، صفحہ 198 میں فرمایا: لفظ «الکَدِید» میں کاف پر زبر اور دال مہملہ کے نیچے زیر ہے۔ یہ ایک جاری چشمہ ہے، جس کا فاصلہ مدینہ منورہ سے سات منزلوں یا اس کے لگ بھگ ہے۔

2- ابن اسحاق رحمہ اللہ نے مزید بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں حضرت ابورَہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔

3- اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23292، امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر 4407، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد 4، صفحہ 48 میں نقل کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس روایت کے مختلف طرق کو السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3341 میں ذکر کیا ہے، اور آخر میں فرمایا: خلاصہ یہ ہے کہ مختلف طرق اور شواہد کی

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں یہ روایت نقل کی ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ سے دس ہزار افراد کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ یہ واقعہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی آمد کے آٹھ سال اور نصف۔ (1) گزرنے کے بعد پیش آیا۔ آپ ﷺ اور آپ کے ساتھ موجود مسلمان مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ روزہ رکھتے رہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی روزہ رکھتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کدید کے مقام پر پہنچے، جو عسفان۔ (2)

بناپر یہ حدیث صحیح ہے، اور فتح مکہ، جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، کے واقعے کے بارے میں مسند سند کے ساتھ مجھے جو روایات ملیں، ان میں یہ روایت سب سے زیادہ صحیح اور مکمل ہے۔

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 315 میں فرمایا: معمر کی روایت میں یہی الفاظ آئے ہیں، لیکن یہ وہم ہے۔ درست بات یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کی آمد کے سات سال اور نصف گزرنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا۔ یہ وہم اس وجہ سے پیدا ہوا کہ غزوۂ فتح مکہ آٹھ ہجری میں پیش آیا، اور ربیع الاول کے وسط سے رمضان کے وسط تک نصف سال بنتا ہے۔ اس لیے تحقیق کے مطابق درست مدت سات سال اور نصف ہی ہے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد 3، صفحہ 443 میں فرمایا: عُسْفَان: اس میں عین پر پیش، سین ساکن اور دونوں حروف مہملہ ہیں۔ یہ ایک آباد بستی ہے، جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے اور مکہ مکرمہ سے تقریباً دو منزلوں کے فاصلے پر ہے۔

اور قُدید۔[1] کے درمیان پانی کا ایک مقام ہے۔ وہاں آپ ﷺ نے روزہ افطار کر لیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی روزہ افطار کر لیا۔[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں یہ روایت نقل کی ہے، اور الفاظ امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم فتح مکہ کے سال رمضان المبارک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی روزہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ سفر کے ایک مقام پر پہنچے اور فرمایا: ''تم اپنے دشمن کے قریب پہنچ چکے ہو، اور روزہ افطار کر لینا تمہارے لیے زیادہ قوت کا باعث ہوگا۔'' چنانچہ اگلی صبح ہم میں سے بعض روزے سے تھے اور بعض نے روزہ افطار کر لیا تھا۔ پھر ہم آگے روانہ ہوئے اور ایک دوسرے مقام پر اترے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم صبح کے وقت اپنے دشمن کے سامنے پہنچو گے، اور روزہ افطار کر لینا تمہارے لیے زیادہ

1- قُدَید: یہ تصغیر کا صیغہ ہے۔ یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد 4، صفحہ 20۔ میں کہتا ہوں: نبی کریم ﷺ نے کس مقام پر روزہ افطار فرمایا، اس بارے میں روایات میں اختلاف ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے ان روایات کے درمیان تطبیق دی ہے، جسے امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد 7، صفحہ 199 میں نقل کیا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ تمام واقعات غزوۂ فتح مکہ کے ایک ہی سفر میں پیش آئے تھے۔ ان احادیث میں ان مقامات کے نام اس لیے ذکر کیے گئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اگرچہ عسفان ان مقامات سے کچھ فاصلے پر واقع ہے، لیکن یہ تمام مقامات عسفان کے علاقے اور اس کی عمل داری میں شامل ہیں، اس لیے عسفان کا نام ان سب کو شامل ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی بات ہے، اور جیسا کہ انہوں نے فرمایا، بات درست ہے۔

2- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4276، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1113 اور 88 کے تحت روایت کیا ہے۔

قوت کا باعث ہو گا، لہٰذا تم روزہ افطار کر لو۔'' یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے تاکیدی حکم تھا۔ (1)

حضرت ابوسفیان بن حارث اور حضرت عبداللہ بن ابی امیہ رضی اللہ عنہما کا اسلام قبول کرنا رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کی طرف اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع مقام نیقُ العُقاب پر پہنچے تو وہاں آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی اور رضاعی بھائی حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ، نیز آپ ﷺ کی پھوپھی حضرت عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کی طرف سے بھائی حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے ملے۔ وہ دونوں اسلام قبول کر چکے تھے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور حضرت عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ رضی اللہ عنہما نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مقام نیقُ العُقاب پر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی۔ ان دونوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کی اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے چچازاد

1- اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1120، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2406 کے تحت روایت کیا ہے۔

بھائی، آپ کی پھوپھی کے بیٹے اور آپ کے رشتے دار ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ان دونوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرا چچازاد بھائی تو میری عزت و آبرو پر حملہ کر چکا ہے[1] ، اور میری پھوپھی کا بیٹا اور میرا رشتے دار وہی ہے جس نے مکہ مکرمہ میں میرے بارے میں وہ باتیں کہی تھیں جو اس نے کہی تھیں[2]۔'' راوی بیان کرتے ہیں کہ جب یہ خبر ان دونوں تک پہنچی تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ مجھے ضرور اجازت دیں گے، ورنہ میں اپنے اس بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں دور نکل جاؤں گا، یہاں تک کہ ہم بھوک اور پیاس سے مر جائیں گے۔'' جب یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ کا

1- امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک (335/5) میں فرمایا: حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی اور چچازاد بھائی تھے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ نے ان دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برا سلوک کیا اور کئی مرتبہ آپ ﷺ کی ہجو کی، یہاں تک کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قصیدے کے ذریعے ان کا جواب دیا، جس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

هجوت محمدا و أجبت عنه وعندالله في ذاك الجزاء

ترجمہ: تم نے محمد ﷺ کی ہجو کی، اور میں نے آپ ﷺ کی طرف سے اس کا جواب دیا؛ اور اس پر اجر و بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔

2- ابن ہشام کی سیرت، جلد 1، صفحہ 335 میں مذکور ہے کہ اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لاؤں گا جب تک تم آسمان تک پہنچنے کے لیے ایک سیڑھی نہ بناؤ، پھر اس پر چڑھو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں، یہاں تک کہ تم آسمان تک پہنچ جاؤ۔ پھر تم اپنے ساتھ چار فرشتے لے کر آؤ، جو تمہاری گواہی دیں کہ تم جو کچھ کہتے ہو، وہ سچ ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم ایسا بھی کر دکھاؤ، تب بھی مجھے گمان نہیں کہ میں تمہاری تصدیق کروں گا۔''

دل ان دونوں کے لیے نرم ہو گیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اجازت دے دی، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ (1)

حضرت عباس بن عبدالمطا ب رضی اللہ عنہ کی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت جب رسول اللہ ﷺ مقامِ جُحفہ پر پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطا ب رضی اللہ عنہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کرتے ہوئے آپ ﷺ سے آ ملے (2) ۔ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں آخری شخص تھے، کیونکہ ان کی ہجرت کے بعد فتح مکہ واقع ہوئی، اور فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔''(3)

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فکر مند رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے اور اذیتوں پر صبر کرتے تھے، حالانکہ اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ بیعتِ عقبہ کی رات انہوں نے اپنے بھتیجے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا اور رات کے وقت آپ کے ساتھ کھڑے ہوئے، پھر ستر افراد سے آپ کے لیے پختہ عہد

1- اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک، حدیث نمبر 4407، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد 1، صفحہ 335 میں نقل کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3341 میں ذکر کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔

2- حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت اور راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا واقعہ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 48 میں سندِ حسن کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3341 میں نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

3- حدیث «فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے» کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2783 اور 2805 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1353 کے تحت روایت کیا ہے۔ الفاظ امام بخاری کے ہیں۔

لیا۔اس کے بعد وہ اپنی قوم کے ساتھ بدر کے موقع پر مجبوراً نکلے اور گرفتار ہو گئے۔اس وقت انہوں نے ان لوگوں پر ظاہر کیا کہ وہ اسلام قبول کر چکے ہیں۔ پھر وہ مکہ واپس چلے گئے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ وہاں کیوں مقیم رہے۔ اس کے بعد غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے موقع پر ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا، نہ وہ ابوسفیان کے ساتھ نکلے، اور نہ ہی جہاں تک مجھے معلوم ہے، قریش نے اس سلسلے میں ان سے کوئی بات کہی۔ پھر فتحِ مکہ سے کچھ پہلے وہ ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گئے، لیکن ان کی آمد کا صحیح وقت ہمارے لیے واضح نہیں ہو سکا۔ (1)

قریش کا حالات وواقعات کی خبر معلوم کرنے کے لیے نکلنا اور ابوسفیان کا اسلام قبول کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کی خبریں قریش تک پہنچنا بند ہو گئی تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ خبر پوشیدہ کر دی تھی۔ چنانچہ اسی رات، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ساتھ مرُّ الظَّہران میں قیام پذیر ہوئے، مکہ کے سردار ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء خزاعی حالات و واقعات کی خبر معلوم کرنے کے لیے نکلے۔امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن اسحاق نے السیرۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کو دیکھا اور قریش کے انجام کا اندیشہ محسوس کیا تو کہا: اللہ کی قسم! اگر

1- حوالہ: سیر أعلام النبلاء، جلد سوم، صفحہ 96۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے تو قیامت تک قریش کی ہلاکت اور بربادی یقینی ہو جائے گی۔ چنانچہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہوا اور اراک[1] کے مقام تک پہنچا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ شاید مجھے لکڑیاں جمع کرنے والا کوئی شخص، دودھ لے کر آنے والا کوئی آدمی یا کسی ضرورت سے مکہ جانے والا کوئی شخص مل جائے، جو اہلِ مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دے دے، تاکہ وہ آپ کے پاس نکل آئیں۔ اللہ کی قسم! میں اسی مقصد کے لیے جا رہا تھا کہ اچانک مجھے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنائی دی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے آج کی رات جیسی آگیں اور اتنا بڑا لشکر کبھی نہیں دیکھا۔ بدیل نے کہا: اللہ کی قسم! یہ خزاعہ کے لوگ ہیں، جنہیں جنگ نے جمع کر دیا ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اللہ کی قسم! خزاعہ اس سے کہیں کمزور اور ذلیل ہیں کہ ان کی اتنی زیادہ آگیں ہو سکتی ہوں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کی آواز پہچان لی اور پکارا: اے ابوحَنْظلہ[2]! ابوسفیان نے میری آواز پہچان کر کہا: اے ابوالفضل[3]! کیا تم ہو؟

میں نے کہا: ہاں۔ اس نے کہا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! یہ لوگوں کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں،

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 13 میں فرمایا ہے: «الأراک» ہمزہ پر زبر کے ساتھ ہے، اور یہ حَمْض (نمکین زمین میں اُگنے والے پودوں) میں سے ایک معروف درخت ہے۔

2- یہ مکہ کے سردار حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

3- یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

اور قریش کی بربادی قریب آ پہنچی ہے۔ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں، اب کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں قابو کر لیا تو تمہاری گردن اڑا دیں گے۔ لہٰذا اس خچر کے پچھلے حصے پر سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی[1] واپس چلے گئے۔ میں اسے لے کر روانہ ہوا۔ مسلمانوں کی جس آگ کے پاس سے بھی گزرتا، وہ لوگ پوچھتے: یہ کون ہے؟

جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر دیکھتے تو کہتے: یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر ہے، جس پر آپ کے چچا سوار ہیں۔ یہاں تک کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آگ کے پاس سے گزرا۔ انہوں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ پھر وہ میری طرف بڑھے۔ جب انہوں نے ابوسفیان کو خچر کے پچھلے حصے پر سوار دیکھا تو اسے پہچان لیا اور کہا: اللہ کا دشمن ہے! تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں کہ اس نے تمہیں ہمارے قابو میں دے دیا، حالانکہ نہ کوئی معاہدہ ہے اور نہ کوئی امان۔ پھر وہ[2] تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑے۔ میں نے خچر کو آگے بڑھایا[3] اور ان سے اتنا آگے نکل گیا جتنا کوئی سست رفتار سواری کسی سست رفتار پیدل چلنے والے سے

1- یہ دونوں حضرت بدیل بن ورقاء اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما ہیں۔

2- یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

3- یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی ذہانت اور معاملہ فہمی تھی، کیونکہ ممکن تھا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے پناہ دینے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان کے قتل کی اجازت دے دیتے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

آگے نکل جاتی ہے۔ پھر میں خچر سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اندر داخل ہوئے اور عرض کیا: یہ اللہ کا دشمن ابوسفیان ہے، اللہ نے اسے بغیر کسی عہد وپیمان کے ہمارے قابو میں دے دیا ہے، لہٰذا مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑادوں۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے اسے پناہ دے دی ہے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گیا اور آپ کے سرِ مبارک کو تھام لیا اور کہا: اللہ کی قسم! آج رات میرے سوا کوئی شخص آپ سے اس کے بارے میں تنہائی میں بات نہیں کرے گا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ اصرار کیا تو میں نے کہا: اے عمر! ذرا ٹھہرو۔ اللہ کی قسم! اگر یہ شخص بنو عدی[1] میں سے ہوتا تو تم یہ بات نہ کہتے، لیکن یہ بنو عبد مناف میں سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عباس! ذرا ٹھہرو، یہ بات نہ کہو۔ اللہ کی قسم! جب تم مسلمان ہوئے تو تمہارا اسلام لانا میرے لیے میرے والد خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب تھا، اگر وہ مسلمان ہو جاتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے اسلام لانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ خوشی ہوتی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عباس! اسے[2] اپنے ٹھکانے پر لے جاؤ، اور جب صبح ہو تو اسے[3] میرے پاس لے آنا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

1- بنو عدی، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔

2- یعنی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو۔

3- یعنی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو۔

میں اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے اسے دیکھا تو فرمایا: اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں؟ ابوسفیان نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ کتنے بردبار، کتنے کریم، صلہ رحمی کرنے والے اور کتنی عظیم معافی دینے والے ہیں! میرے دل میں تقریباً یہ خیال آنے لگا تھا کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو وہ بھی کچھ فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افسوس ہے تم پر، اے ابوسفیان! کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم جان لو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ ابوسفیان نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ کتنے بردبار، کتنے کریم، صلہ رحمی کرنے والے اور کتنی عظیم معافی دینے والے ہیں! لیکن اس معاملے میں ابھی تک میرے دل میں کچھ تردد باقی ہے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: افسوس ہے تم پر! اسلام قبول کر لو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اس سے پہلے کہ تمہاری گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ ابوسفیان نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! ابوسفیان ایسا شخص ہے جسے فخر کرنا پسند ہے، لہٰذا اسے کوئی امتیازی بات عطا فرما دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے! جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے، اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اسے بھی امان ہے۔

پھر ابو سفیان اہلِ مکہ کو ان حالات کی خبر دینے کے لیے روانہ ہو گیا جو اس نے دیکھے تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اسے [1] وادی کے ایک تنگ راستے میں اس جگہ روک کر رکھو جہاں سے گھڑ سوار لشکر گزرتا ہے [2]، تاکہ اللہ کے لشکر اس کے سامنے سے گزریں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اسے اسی جگہ روک لیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا۔ پھر مختلف قبائل اپنے اپنے جھنڈوں کے ساتھ گزرنے لگے۔ جب بھی کوئی جھنڈا گزرتا تو ابو سفیان پوچھتا: یہ کون لوگ ہیں؟ میں کہتا: بنو سلیم ہیں۔ وہ کہتا: مجھے بنو سلیم سے کیا واسطہ؟ پھر دوسرا جھنڈا گزرتا تو پوچھتا: یہ کون ہیں؟ میں کہتا: قبیلہ مزینہ کے لوگ ہیں۔ وہ کہتا: مجھے مزینہ سے کیا واسطہ؟ وہ اسی طرح پوچھتا رہا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سبز لشکر گزرنے لگا، جس میں مہاجرین اور انصار شامل تھے۔ ان کے جسموں میں سے صرف ان کی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔ ابو سفیان نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کے ساتھ مہاجرین اور انصار ہیں۔ اس نے کہا: ان لوگوں کے مقابلے کی طاقت کسی میں نہیں! اللہ کی قسم! آج تمہارے بھتیجے کی سلطنت بہت عظیم ہو گئی ہے۔ میں نے کہا: اے

1- یعنی حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو۔

2- اس کا مطلب، واللہ اعلم، یہ ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کو ایسی تنگ جگہ پر کھڑا کیا جائے جہاں گھوڑے ایک دوسرے سے ٹکراتے ہوئے اور ایک دوسرے کو روندتے ہوئے گزریں، تاکہ وہ تمام لشکر کو دیکھ سکیں اور اس تنگ جگہ سے گزرنے کی وجہ سے لشکر ان کی نگاہوں میں زیادہ بڑا اور کثیر محسوس ہو، برخلاف اس کے کہ اگر لشکر کسی کھلی اور کشادہ جگہ سے گزرتا۔

ابوسفیان! تم پر افسوس ہے، یہ سلطنت نہیں بلکہ نبوت ہے۔اس نے کہا: اچھا، تو پھر یہی بات ہے![1]

صحیح بخاری میں حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر ایک ایسا لشکر آیا جس جیسا لشکر کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔ابوسفیان نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ انصار ہیں، ان کے آگے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے پاس جھنڈا ہے[2]۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابوسفیان! آج جنگ و خونریزی کا دن ہے، آج کعبہ کو حلال کر لیا جائے گا۔ابوسفیان نے کہا: اے عباس! آج تو خونریزی کا دن ہے۔ پھر ایک لشکر آیا جو تمام لشکروں میں سب سے چھوٹا تھا[3]۔اس لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ[4] رضی اللہ عنہم تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا

1- اس حدیث کو امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، جیسا کہ المطالب العالیۃ، حدیث نمبر 4301 میں مذکور ہے۔ نیز ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحات 50 اور 52 میں اسے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے المطالب العالیۃ، جلد 17، صفحات 462 اور 463 میں فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے، اور ائمہ ستہ اور امام احمد میں سے کسی نے بھی اسے مکمل طور پر بیان نہیں کیا۔ یہاں مذکور روایت کا سیاق بہت عمدہ ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3341 میں نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري، جلد ہشتم، صفحہ 23 میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد انصار کا جھنڈا ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 321 میں فرمایا ہے: یعنی تعداد کے اعتبار سے سب سے چھوٹا لشکر تھا۔ قاضی نے کہا ہے کہ تمام نسخوں میں یہ لفظ قاف کے ساتھ آیا ہے، جبکہ حمیدی کی کتاب الجمع میں جیم کے ساتھ «أجل» آیا ہے، اور یہی زیادہ واضح معلوم ہوتا ہے۔ تاہم پہلے لفظ کے صحیح ہونے کا بھی امکان ہے، کیونکہ مہاجرین کی تعداد دیگر قبائل کی تعداد کے مقابلے میں کم تھی۔

4- یعنی مہاجرین رضی اللہ عنہم۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ سعد بن عبادہ نے کیا کہا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اس نے کیا کہا؟ ابوسفیان نے کہا: اس نے یہ یہ باتیں کہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سعد نے غلط کہا، بلکہ آج وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو ظاہر فرمائے گا، اور آج ہی وہ دن ہے جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا۔ (1)

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مکہ واپس آنا اور اہلِ مکہ کو ہتھیار ڈالنے کی نصیحت کرنا

جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی قوت دیکھی تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ان سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ چنانچہ وہ مکہ روانہ ہوئے اور اہلِ مکہ کو ہتھیار ڈالنے اور اطاعت قبول کرنے کی نصیحت کی۔ امام اسحاق بن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن اسحاق نے السیرۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا: جلدی کرو اور اپنی قوم کے پاس پہنچو! چنانچہ ابوسفیان مکہ پہنچے اور بلند آواز سے پکارنے لگے: اے قریش کے لوگو! محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس آ پہنچے ہیں، اور وہ ایسی طاقت لے کر آئے ہیں جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ لہٰذا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے۔ یہ سن کر ان کی بیوی ہند بنت عتبہ ان کی طرف بڑھی، ان کی مونچھ پکڑ لی اور کہنے لگی: اس موٹے، بدصورت اور سخت دل آدمی کو قتل کر دو!

1- حوالہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 4280۔

یہ اپنی قوم کے آگے آگے چلنے والا کتنا برا شخص ہے! ابوسفیان نے کہا: افسوس ہے تم پر! یہ عورت تمہیں اپنے بارے میں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ تمہارے پاس ایسی طاقت آ پہنچی ہے جس کا مقابلہ کرنے کی تم میں سکت نہیں۔ لہٰذا جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ امن میں ہے۔ لوگوں نے کہا: اللہ تمہیں ہلاک کرے! تمہارا گھر ہمارے کس کام آئے گا؟ ابوسفیان نے کہا: اور جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، وہ بھی امن میں ہے، اور جو مسجدِ حرام میں داخل ہو جائے، وہ بھی امن میں ہے۔ چنانچہ لوگ اپنے اپنے گھروں اور مسجدِ حرام کی طرف منتشر ہو گئے۔ (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلے کے لیے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنا جھنڈا حجون (2) کے مقام پر نصب کریں، اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ

1- حوالہ: امام اسحاق بن راہویہ، مسند، جیسا کہ المطالب العالیۃ، حدیث نمبر 4301 میں مذکور ہے؛ ابن اسحاق، السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 53۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اسے السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 3341 میں نقل کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔

2- حَجُون، حاء پر زبر کے ساتھ، مکہ مکرمہ میں اس پہاڑ کا نام ہے جو شعب الجزارین کی جانب واقع ہے اور اس پر بلند ہے۔ حوالہ: النھایۃ، جلد اول، صفحہ 335۔

کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے بالائی حصے کی جانب سے کداء[1] کے راستے داخل ہوں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کدا[2] کے راستے مکہ میں داخل ہوئے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو لشکر کے ایک پہلو[3] پر، حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو دوسرے پہلو[4] پر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیدل چلنے (اس سے مراد وہ سپاہی ہیں جن کے جسموں پر زرہیں نہیں ہوتیں۔)[5] والے فوجیوں پر مقرر فرمایا۔ چنانچہ وہ وادی کے نشیبی حصے سے گزرے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لشکر کے ایک دستے کے ساتھ تھے۔[6]

1- کداء، کاف پر زبر کے ساتھ، مکہ مکرمہ کے بالائی حصے میں واقع پہاڑی گھاٹی کا نام ہے، جو قبرستان کی جانب ہے۔ حوالہ: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ 136۔

2- کدا، کاف پر پیش اور الفِ مقصورہ کے ساتھ، مکہ مکرمہ کے نچلے حصے میں واقع پہاڑی راستہ ہے، جو بابِ عمرہ کی جانب ہے۔ حوالہ: النھایۃ، جلد چہارم، صفحہ 136۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس واقعے کو حدیث نمبر 4280 کے تحت اس حد تک روایت کیا ہے۔

3- صحیح مسلم، حدیث نمبر 1780 اور 1786 کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو لشکر کے بائیں بازو پر مقرر فرمایا۔

4- صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لشکر کے دائیں بازو پر مقرر فرمایا۔

5- صحیح مسلم، حدیث نمبر 1786 کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو پیدل چلنے والے سپاہیوں پر مقرر فرمایا، اور وہ وادی کے نشیبی حصے سے گزرے۔

6- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1780 اور 1784۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں داخل ہونے کا حکم دیتے وقت اپنے سپہ سالاروں کو ہدایت فرمائی تھی کہ وہ صرف اسی شخص سے لڑیں جو ان سے لڑے۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد کے بارے میں خصوصی حکم دیا تھا، جن کے نام لے کر فرمایا تھا کہ انہیں قتل کر دیا جائے، خواہ وہ کعبہ کے پردوں سے چمٹے ہوئے ہی کیوں نہ ملیں۔ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت مصعب بن سعد، اپنے والد حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، اور الفاظ امام حاکم کے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فتحِ مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردوں اور دو عورتوں کے سوا تمام لوگوں کو امان دے دی، اور فرمایا کہ انہیں قتل کر دو، خواہ تم انہیں کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہی پاؤ۔

وہ چار مرد یہ تھے: 1. عکرمہ بن ابو جہل [1] 2. عبداللہ بن خَطَل [2] 3. مِقیس بن صُبابہ [3] 4. عبداللہ بن سعد بن ابی سرح [1]۔

1-امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 773 میں فرمایا ہے: ابو جہل اور اس کا بیٹا عکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید ترین دشمنی رکھنے والوں میں سے تھے۔ ابو جہل غزوۂ بدر کے دن کفر کی حالت میں قتل ہوا، جبکہ عکرمہ زندہ رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت عطا فرمائی اور فتح مکہ کے کچھ ہی عرصے بعد عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا۔

-امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 1506 میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جہاں تک عکرمہ بن ابو جہل کا تعلق ہے، تو وہ سمندر میں سوار ہوئے۔ دورانِ سفر ان پر ایک شدید طوفانی ہوا آ گئی۔ کشتی والوں نے ایک دوسرے سے کہا: خالص اللہ ہی سے دعا کرو، کیونکہ یہاں تمہارے معبود تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ عکرمہ نے کہا: اللہ کی قسم! اگر سمندر میں اخلاص کے سوا کوئی چیز مجھے نجات نہیں دے سکتی، تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی چیز مجھے نجات نہیں دے سکتی۔ اے اللہ! تیرا مجھ سے عہد ہے کہ اگر تو مجھے اس مصیبت سے نجات دے دے تو میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آؤں گا اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دوں گا، پھر میں آپ کو نہایت درگزر کرنے والا اور کریم پاؤں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دے دی، تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

2-امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1846 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1357، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: فتح مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سرِ مبارک پر خود تھا۔ جب آپ نے اسے اتارا تو ایک شخص آیا اور عرض کیا: ابنِ خَطَل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، جلد چہارم، صفحہ 323 میں فرمایا ہے کہ ابنِ خَطَل کا نام عبداللہ تھا، اور اسے حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

-امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ 112 میں فرمایا ہے: علماء نے کہا ہے کہ اسے اس لیے قتل کیا گیا کہ وہ اسلام سے مرتد ہو گیا تھا، اس نے اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کر دیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرتا اور آپ کو برا بھلا کہتا تھا۔ اس کی دو گانے والی لونڈیاں بھی تھیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھیں۔

-امام بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنہ، جلد ہفتم، صفحہ 305 میں فرمایا ہے: ابنِ خَطَل کو قتل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ دلیل ملتی ہے کہ حرم کسی شخص کو اس سزا کے نفاذ سے نہیں بچاتا جو اس پر واجب ہو چکی ہو، اور نہ ہی حرم میں داخل ہونے کی وجہ سے اس سزا کو مؤخر کرنا لازم ہوتا ہے۔

3-امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 774 میں فرمایا ہے: صُبابہ، صاد پر پیش کے ساتھ ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ، حدیث نمبر 3506، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 1506 میں

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد کے ہیں۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فتحِ مکہ کے دن ایک شخص نے کہا: آج کے بعد قریش باقی نہیں رہیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے اعلان کیا: "**تمام سیاہ فام اور سفید فام لوگوں کو امان ہے، سوائے فلاں اور فلاں کے**"، جن کے نام اس نے لے کر بتائے۔ (2)

حضرت مصعب بن سعد، اپنے والد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رہا مِقیس بن صُبابہ، تو لوگوں نے اسے بازار میں جالیا اور قتل کر دیا۔

-ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 59 میں فرمایا ہے: رہا مِقیس بن صُبابہ، تو اسے حضرت نُمیلہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔

1-امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن، حدیث نمبر 2603، اور امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 1506 اور 4521 میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رہا ابنِ ابی سرح، تو اس نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاں پناہ لے لی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اسے لے کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا کر دیا، پھر عرض کیا: اے اللہ کے نبی! عبداللہ سے بیعت لے لیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور اس کی طرف تین مرتبہ دیکھا، لیکن ہر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت لینے سے انکار فرمایا۔ پھر تین مرتبہ دیکھنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بیعت لے لی۔

2- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 21229؛ جامع ترمذی، حدیث نمبر 3395۔

مسلمانوں کے دستوں کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے دستے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ قریش نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے اوباش[1] لوگوں کو جمع کر لیا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد کے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: قریش نے اپنے اوباش لوگوں کو جمع کیا اور کہا: ہم ان لوگوں کو آگے بھیجتے ہیں؛ اگر انہیں کچھ حاصل ہوا تو ہم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے، اور اگر وہ مارے گئے تو ہم وہ چیز دے دیں گے جس کا ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے ابوہریرہ! میں نے عرض کیا: حاضر ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصار کو آواز دو، اور میرے پاس صرف انصاری ہی آئیں۔ چنانچہ میں نے انصار کو آواز دی تو وہ آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم قریش کے ان اوباش لوگوں اور ان کے پیروکاروں کو دیکھ رہے ہو؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے پر رکھتے ہوئے فرمایا: انہیں پوری طرح کاٹ ڈالو، یہاں تک کہ تم صفا پہاڑی پر میرے پاس پہنچ جاؤ۔

1- مختلف قبائل سے لوگوں کے گروہ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: چنانچہ ہم آگے بڑھے، ہم میں سے ہر شخص جسے چاہتا قتل کر سکتا تھا، اور ان میں سے کوئی بھی ہماری طرف کسی چیز کا رخ نہیں کرتا تھا۔ اس پر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قریش کی جڑ کاٹ دی گئی، آج کے بعد قریش باقی نہیں رہیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دروازہ بند کر لے، وہ امن میں ہے، اور جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، وہ بھی امن میں ہے۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے دروازے بند کر لیے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ، شَرَّفَهَا اللہ، میں داخل ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ، اللہ تعالیٰ اس کی شرافت و عظمت میں اضافہ فرمائے، کے بالائی حصے میں واقع کداء[2] کے راستے مکہ میں داخل ہوئے۔ یہ ایک عظیم اور یادگار دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم کے صحابہ کرام تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور آپ کے سرِ مبارک پر خود[3] تھا۔ اپنے رب عزوجل کے سامنے عاجزی وانکساری کی وجہ سے آپ کا سرِ مبارک تقریباً کجاوے کے اگلے حصے کو چھو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فتح کی

1- حوالہ: صحیح مسلم، احادیث نمبر 1780، 84 اور 86؛ مسند امام احمد، حدیث نمبر 10948۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ 5 میں فرمایا ہے: اس فن کے جمہور علماء کے نزدیک کداء، کاف پر زبر اور الفِ مد کے ساتھ، مکہ مکرمہ کے بالائی حصے میں واقع پہاڑی گھاٹی کا نام ہے۔

3- یہ وہ چیز ہے جسے زرہ پہننے والا اپنے سر پر پہنتا ہے۔ یعنی خود، جو جنگ کے وقت سر کی حفاظت کے لیے پہنا جاتا ہے۔ حوالہ: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 336۔

تلاوت فرما رہے تھے اور اپنی آواز کو اس انداز سے دہرا رہے تھے کہ قراءت میں ترنم پیدا ہو رہا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کا طوافِ قدوم کیا، لیکن سعی نہیں کی، کیونکہ آپ عمرہ ادا کرنے کی نیت سے نہیں آئے تھے۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے سال کداء کے راستے مکہ میں داخل ہوئے، جو مکہ مکرمہ کے بالائی حصے میں واقع ہے۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ کے سرِ مبارک پر خود تھا۔ (2)

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ (3)

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے: ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

1- حوالہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 1579؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1258 اور 225۔
2- حوالہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 4286؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1357۔
3- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1358۔

پہلی مرتبہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سرِ مبارک پر خود تھا، پھر اس کے بعد آپ نے خود اتار دیا اور سرِ مبارک پر عمامہ باندھ لیا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا[1]، اس حال میں کہ آپ کے سرِ مبارک پر سیاہ عمامہ تھا؛ کیونکہ یہ خطبہ مکہ مکرمہ کی فتح مکمل ہونے کے بعد، کعبہ کے دروازے کے پاس دیا گیا تھا۔[2]

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ ضعیف کے ساتھ روایت کیا ہے، تاہم اس روایت کی تائید میں ایک دوسری روایت بھی موجود ہے، جس سے اسے تقویت ملتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس حال میں کہ آپ کی ٹھوڑی مبارک عاجزی و خشوع کی کیفیت میں آپ کے کجاوے کو چھو رہی تھی۔[3]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مغفّل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے فتحِ مکہ کے

1- عنقریب مکہ مکرمہ کے لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بھی بیان کیا جائے گا۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض رحمہ اللہ کا یہ قول صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ 111 میں نقل کیا ہے۔ عنقریب مکہ مکرمہ کے لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ بھی بیان کیا جائے گا۔

3- حوالہ: المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 4063۔ اس روایت کی تائید ابن اسحاق کی السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 53 میں عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم کی مرسل روایت سے بھی ہوتی ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے اسے السیرۃ النبویۃ، جلد سوم، صفحہ 176 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے۔

دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی پر سوار دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فتح کی تلاوت فرما رہے تھے اور اپنی آواز کو ترنم کے ساتھ دہرا رہے تھے۔ (1)

بیت اللہ کو بتوں سے پاک کرنا

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، یہاں تک کہ حجرِ اسود کے پاس پہنچے اور اسے بوسہ دیا، پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے قریب ایک بت کے پاس آئے جس کی لوگ عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک کمان تھی، جس کے نچلے سرے کو آپ نے پکڑ رکھا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بت کے پاس پہنچے تو کمان کے سرے سے اس کی آنکھوں میں مارنے لگے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ﴾ ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ (سورۂ الإسراء، آیت 81) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے تو صفا پہاڑی پر تشریف لے گئے اور اس پر چڑھ گئے، یہاں تک کہ بیت اللہ کو دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرنے لگے، اور جو دعا چاہی، وہ فرمائی۔ (2)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے طواف کرنا چاہیے، خواہ آدمی حج یا عمرے کا احرام

1- حوالہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 4281؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 794، 238۔

2- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1784 اور 1786۔

باندھے ہوئے ہو یا احرام کے بغیر ہو۔ فتحِ مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر داخل ہوئے تھے، اور اس بات پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر خود تھا۔ اس بارے میں احادیث بھی ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور اس مسئلے پر اجماع منعقد ہے۔[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ میں موجود ایک چھڑی سے ان بتوں کو مارنے لگے اور یہ آیات پڑھ رہے تھے: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾ ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔ (سورۂ الإسراء، آیت 81) اور فرمایا: ﴿جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ﴾ ترجمہ: حق آگیا، اور باطل نہ تو پہلی بار کچھ پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ اسے لوٹا سکتا ہے۔ (سورۂ سبأ، آیت 49)[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں داخل ہونا اور اسے تصاویر سے پاک کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے کلید بردار حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے کعبہ کی چابی طلب فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے اور اس میں موجود تصاویر کو مٹانے کا حکم دیا۔ اسی دن حضرت بلال رضی

1- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد دوازدہم، صفحہ 110۔

2- حوالہ: صحیح البخاری، احادیث نمبر 2478، اور 4287؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1781۔

اللہ عنہ نے کعبہ کی چھت پر اذان دی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چابی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو واپس دے دی اور انہیں کعبہ کی تولیت و خدمت کے منصب پر برقرار رکھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: فتحِ مکہ کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری قصواء پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے، اور آپ کے ساتھ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے پاس اپنی سواری بٹھادی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ہمارے پاس چابی لے آؤ۔ وہ چابی لے کر آئے اور دروازہ کھول دیا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہ، حضرت بلال اور حضرت عثمان [1] رضی اللہ عنہم بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے دروازہ بند کر لیا [2] اور کافی دیر تک اندر رہے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو لوگ بیت اللہ کے اندر داخل ہونے کے لیے ایک

1- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 4464 میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کا اضافہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 267 میں فرمایا ہے: یہ بات ثابت نہیں ہے کہ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ ان لوگوں کے ساتھ تھے، سوائے ایک شاذ روایت کے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ 72 میں فرمایا ہے: بیت اللہ کا دروازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بند کرنے کی حکمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کو زیادہ سکون حاصل ہو، آپ کے لیے خشوع و خضوع زیادہ آسان ہو، اور لوگ جمع ہو کر اندر داخل نہ ہوں اور بھیڑ نہ لگائیں، جس سے انہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ نیز لوگوں کے شور و غل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت میں خلل نہ آئے۔ واللہ اعلم۔

دوسرے سے آگے بڑھنے لگے۔ میں ان سب سے پہلے اندر داخل ہو گیا۔ وہاں میں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دروازے کے پیچھے کھڑے پایا۔ میں نے ان سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی تھی؟ انہوں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سامنے والی صف کے دونوں اگلے ستونوں کے درمیان نماز پڑھی تھی۔ بیت اللہ میں چھ ستون تھے، جو دو قطاروں میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی قطار کے دونوں ستونوں کے درمیان نماز ادا کی، اور بیت اللہ کا دروازہ اپنی پشت کے پیچھے رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ اس دیوار کی طرف کیا جو بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت سامنے آتی ہے، اور آپ کے درمیان اور اس دیوار کے درمیان فاصلہ تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے یہ پوچھنا بھول گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔ (1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: فتحِ مکہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی اونٹنی پر سوار ہو کر تشریف لائے، یہاں تک کہ بیت اللہ کے صحن میں اپنی سواری بٹھادی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ (2) رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: میرے پاس چابی لے آؤ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

1- حوالہ: صحیح البخاری، حدیث نمبر 4400۔

2- حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو حَجَبی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر 505، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 1329 اور 388 میں آیا ہے۔

اپنی والدہ کے پاس گئے، لیکن انہوں نے چابی دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! تم انہیں چابی ضرور دے دو، ورنہ یہ تلوار میری کمر سے نکل آئے گی۔ راوی فرماتے ہیں: چنانچہ ان کی والدہ نے چابی انہیں دے دی۔ وہ چابی لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کے حوالے کر دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازہ کھلوایا۔ (1)

ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، اور الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔ وہ فرماتی ہیں: فتحِ مکہ کے سال جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان حاصل ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنے لگے اور اپنے ہاتھ میں موجود ٹیڑھی چھڑی (2) سے حجرِ اسود کو چھوتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے تو وہاں لکڑی سے بنا ہوا ایک کبوتر پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

-امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ 71 میں فرمایا ہے: «الحَجَبِي» میں حاء اور جیم دونوں پر زبر ہے۔ یہ لفظ کعبہ کی حجابت کی طرف نسبت ہے، جس سے مراد کعبہ کی تولیت، اس کے دروازے کو کھولنا اور بند کرنا، اور اس کی خدمت کرنا ہے۔

- قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: علماء نے کہا ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ یہ منصب ان لوگوں سے چھین لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کعبہ کی تولیت کا یہ منصب انہیں عطا کیا گیا ہے، لہٰذا یہ ہمیشہ کے لیے ان کے اور ان کی اولاد کے پاس رہے گا۔ جب تک وہ موجود ہوں اور اس منصب کے اہل ہوں، اس معاملے میں نہ ان سے کوئی نزاع کیا جائے گا اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک ہو گا۔ واللہ اعلم۔

1- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1329 اور 390۔

2- مِخْجَن: ایسی چھڑی کو کہتے ہیں جس کا سرا مڑا ہوا ہو۔ حوالہ: النہایہ، جلد اول، صفحہ 335۔

اسے توڑ دیا، پھر کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور اسے باہر پھینک دیا، اور میں یہ سب دیکھ رہی تھی۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ نے اس وقت تک بیت اللہ میں داخل ہونے سے انکار فرمایا جب تک اس میں موجود معبودوں[2] کو نکال نہ دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے ان بتوں کو نکالنے کا حکم دیا، تو انہیں باہر نکال دیا گیا۔ پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی نکالی گئیں، جن کے ہاتھوں میں فال نکالنے کے تیر[3] تھے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ ان لوگوں کو ہلاک کرے! انہیں خوب معلوم تھا کہ ان دونوں نے کبھی ان تیروں کے ذریعے فال نہیں نکالی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہوئے۔[4]

1- حوالہ: سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 28947؛ سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 1878۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 268 میں فرمایا ہے: اس سے مراد بت ہیں۔ انہیں معبود اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ مشرکین ان کے بارے میں ایسا ہی گمان رکھتے تھے۔ تاہم، ان کے لیے معبود کا لفظ استعمال کرنے کے جواز میں تامل ہے، اور بظاہر ایسا کہنا مکروہ ہے۔

3- یہ وہ تیر تھے جو زمانۂ جاہلیت میں استعمال ہوتے تھے۔ ان پر ''حکم'' اور ''ممانعت''، یعنی ''کر'' اور ''نہ کر'' لکھا ہوتا تھا۔ ان میں سے کوئی شخص ان تیروں کو ایک برتن میں رکھتا تھا۔ جب وہ سفر، نکاح یا کسی اہم کام کا ارادہ کرتا تو اپنا ہاتھ برتن میں ڈال کر ان میں سے ایک تیر نکالتا۔ اگر ''حکم'' والا تیر نکلتا تو وہ اپنے کام کے لیے روانہ ہو جاتا، اور اگر ''ممانعت'' والا تیر نکلتا تو وہ اس کام سے رک جاتا اور اسے انجام نہ دیتا۔ حوالہ: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 281۔

4- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4288۔

امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے موقع [1] پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطحاء کے مقام پر تھے، کہ وہ کعبہ میں جائیں اور اس میں موجود ہر تصویر کو مٹادیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک کعبہ میں داخل نہیں ہوئے جب تک اس میں موجود تمام تصویریں مٹا نہیں دی گئیں۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تصویروں کو مٹایا ہوگا جو مثلاً رنگوں سے بنی ہوئی تھیں، اور جو محو سے تھے انہیں باہر نکال دیا ہوگا۔ جہاں تک حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا تعلق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تصویر دیکھی، پھر پانی منگوایا اور اس سے اسے مٹانے لگے [3]، تو اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تصاویر مٹانے والے شخص سے کچھ حصہ چھوٹ گیا تھا، جو اس کی نظر سے پوشیدہ رہ گیا تھا [4]۔

1- امام احمد کی روایت میں "یوم" (دن) کے الفاظ ہیں یعنی فتح مکہ والے دن۔

2- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 15109؛ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4156۔

3- اس حدیث کو امام طیالسی نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 657، اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں حدیث نمبر 25722 کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 268 میں اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔

4- حوالہ: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 331۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور اہلِ مکہ کو معاف فرمانا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حالات مستحکم ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے اور اہلِ مکہ سے خطاب فرمایا۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا، اس حال میں کہ آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ (1)

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں خطبہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ اللہ اکبر کہا، پھر فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام لشکروں کو شکست دی۔ خبردار! زمانۂ جاہلیت میں خون یا مال کے متعلق جو بھی فخر و امتیاز کی باتیں بیان کی جاتی تھیں اور جن پر فخر کیا جاتا تھا، وہ سب میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ہیں، سوائے حجاج کو پانی پلانے اور بیت اللہ کی تولیت و خدمت کے۔ (2)

1- اس روایت کو امام حمیدی نے اپنی مسند میں فتحِ مکہ کے دن حدیث نمبر 576 کے تحت روایت کیا ہے۔ یہ حدیث امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1359 اور 452 کے تحت روایت کی ہے۔

2- حوالہ: سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 4547۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ) نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتحِ مکہ کے سال[1] مکہ مکرمہ میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ''بے شک اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید و فروخت کو حرام قرار دیا ہے۔'' عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! مردار کی چربی کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے؟ اسے کشتیوں پر لگایا جاتا ہے، اس سے کھالوں کو چکنا کیا جاتا ہے اور لوگ اس سے چراغ جلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں، وہ حرام ہے۔'' پھر اسی موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ یہود کو ہلاک کرے! جب اللہ نے ان پر مردار کی چربی حرام کر دی تو انہوں نے اسے پگھلا کر اس کی شکل بدل دی، پھر اسے فروخت کیا اور اس کی قیمت کھائی۔''[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مطیع سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد پنجم، صفحہ 177 میں فرمایا ہے: اس روایت میں اس واقعے کی تاریخ کا بیان ہے، اور یہ واقعہ ہجرت کے آٹھویں سال رمضان المبارک میں پیش آیا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان چیزوں کی حرمت کا حکم اس سے پہلے نازل ہو چکا ہو، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ بیان فرمایا ہو تاکہ وہ لوگ بھی اسے سن لیں جنہوں نے پہلے نہیں سنا تھا۔

2- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 2236؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1581۔

فتحِ مکہ کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا: ''آج کے بعد قیامت تک کسی قریشی کو باندھ کر(صبراً)[1] قتل نہ کیا جائے۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء نے اس حدیث کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قریش کے تمام لوگ اسلام قبول کر لیں گے اور ان میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہو گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے لوگوں میں سے بعض مرتد ہو گئے تھے، جن کے خلاف جنگ کی گئی اور جنہیں باندھ کر قتل کیا گیا۔ اس حدیث سے یہ مراد نہیں ہے کہ قریش کے لوگوں کو ظلم کے طور پر باندھ کر قتل نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کے بعد قریش کے ساتھ جو کچھ پیش آیا، وہ معلوم ہے۔ واللہ اعلم۔[3]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں حسن سند کے ساتھ حضرت حارث بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتحِ مکہ کے دن یہ فرماتے ہوئے سنا: ''آج کے بعد قیامت تک اس شہر (مکہ) پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔''[4]

1- ہر وہ شخص جسے میدانِ جنگ اور لڑائی کے علاوہ، اور نہ ہی غلطی سے، قتل کیا جائے، تو اسے قتلِ صبر کہا جاتا ہے۔ حوالہ: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 8۔

2- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر 1782۔

3- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد دوازدہم، صفحہ 113۔

4- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 15404 اور 19020؛ جامع ترمذی، حدیث نمبر 1703۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

مسند امام احمد اور شرح مشکل الآثار میں ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ یہ روایت حسن سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مطیع سے، اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت سنا جب آپ نے مکہ مکرمہ میں ان چند افراد[1] کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: ''اس سال کے بعد کبھی مکہ مکرمہ پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔''[2]

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ، جو طحاوی کی روایت کے مطابق اس حدیث کے راوی ہیں، نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہلِ مکہ کبھی کفر اختیار نہیں کریں گے اور نہ ہی کفر کی حالت میں جنگ کرنے کے لیے نکلیں گے۔[3]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو معاف فرما دیا، اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہونے لگے تاکہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ چنانچہ امام نسائی نے السنن الکبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یہاں تک کہ آپ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپ ان بتوں کے پاس سے گزرتے اور اپنی کمان کے کنارے سے انہیں مارتے جاتے اور فرماتے: جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ

1- یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے کچھ پہلے ان کے خون کو مباح قرار دیا تھا، اور اس کا ذکر ابھی کچھ دیر پہلے گزر چکا ہے۔

2- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 15408؛ الطحاوی، شرح مشکل الآثار، حدیث نمبر 1509۔

3- حوالہ: شرح مشکل الآثار، جلد چہارم، صفحات 162، 163۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی دلائل النبوۃ، جلد پنجم، صفحہ 75 میں وہی بات کہی ہے جو سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔

زَهُوقًا۔ ''حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل مٹنے ہی والا ہے۔''(سورۃ الإسراء، آیت 81) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طواف سے فارغ ہوئے اور نماز ادا کرلی تو تشریف لائے اور دروازے کے دونوں بازوؤں کو پکڑ کر فرمایا: ''اے قریش کے لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کروں گا؟'' انہوں نے کہا: ''آپ ہمارے شریف بھائی اور شریف چچازاد ہیں، آپ نہایت رحم دل اور کریم ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ ان سے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے کہی تھی: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ ''آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف فرمائے، اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''(سورۃ یوسف، آیت 92) پھر وہ لوگ باہر نکلے اور اسلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1]

امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حسن سند کے ساتھ محمد بن اسود بن خلف سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ان کے والد اسود نے انہیں بتایا کہ انہوں نے فتحِ مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں سے بیعت لیتے ہوئے دیکھا۔ وہ فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابن سمرہ کے گھر کے قرن کے پاس بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ، بچے،

1- حوالہ: السنن الکبریٰ للنسائی، حدیث نمبر 11234۔

بڑے اور عورتیں آپ کے پاس آ رہے ہیں اور اسلام اور شہادت پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: شہادت سے کیا مراد ہے؟

انہوں نے فرمایا: اللہ پر ایمان لانے اور اس بات کی گواہی دینے پر کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں۔[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں حضرت مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں فتحِ مکہ کے بعد اپنے بھائی کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے بھائی کو آپ کے پاس لایا ہوں تاکہ آپ اس سے ہجرت پر بیعت لے لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اہلِ ہجرت ہجرت کے تمام اجر وفضیلت لے جا چکے ہیں۔'' میں نے عرض کیا: پھر آپ اس سے کس چیز پر بیعت لیں گے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں اس سے اسلام، ایمان اور جہاد پر بیعت لوں گا۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت جس کی تعریف کی گئی ہے اور جو فضیلت وامتیاز کا سبب ہے، وہ صرف فتحِ مکہ سے پہلے تک تھی۔

1- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر 15431؛ المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 5367۔

2- امام مسلم کی ایک روایت میں ہے: ''اسلام، جہاد اور نیکی پر۔'' حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4205، 4206؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1863، 84۔

لیکن میں تم سے اسلام، جہاد اور نیکی کے دیگر تمام کاموں پر بیعت لیتا ہوں۔ یہاں خاص چیز کے ذکر کے بعد عام چیز کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ نیکی جہاد سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم ان تمام کاموں کو انجام دو گے۔ (1)

فتحِ مکہ کے اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

فتحِ مکہ کے اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا۔ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی حرمت بیان فرمائی اور واضح کیا کہ مکہ کو آپ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں کیا گیا تھا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لیے حلال ہو گا۔ البتہ دن کی ایک گھڑی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں اجازت دی گئی تھی۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں حضرت ابو شریح رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے، جب وہ مکہ مکرمہ کی طرف لشکر روانہ کر رہے تھے، کہا: ''اے امیر! مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کو ایک ایسی بات سناؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے اگلے دن ارشاد فرمائی تھی۔ اسے میرے دونوں کانوں نے سنا، میرے دل نے اسے محفوظ کر لیا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات فرمائی تو میری دونوں آنکھوں نے آپ کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: 'بے شک مکہ کو اللہ نے حرم قرار

1- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد سیز دہم، صفحہ 8۔

دیا ہے، لوگوں نے اسے حرم قرار نہیں دیا[1]۔ لہٰذا جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس میں کسی کا خون بہائے یا اس کا کوئی درخت کاٹے[2]۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں جنگ کرنے کی وجہ سے اس میں لڑائی کی اجازت کا دعویٰ کرے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی، تمہیں اجازت نہیں دی۔ مجھے بھی اس میں دن کی ایک گھڑی[3] کے لیے اجازت دی گئی تھی۔ پھر آج اس کی حرمت دوبارہ ویسی ہی ہو گئی

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 544 میں فرمایا ہے: ''یہ حرمت شرعی بھی ہے اور قدری بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کرنے کے دن ہی اس کی تقدیر مقرر فرما دی تھی۔ پھر اس کا حکم اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ظاہر فرمایا۔''

2- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 553 میں فرمایا ہے: علماء کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ حرم میں خود رو درخت، جنہیں کسی انسان نے نہ اگایا ہو، اپنی تمام اقسام کے ساتھ اس حدیث کے حکم میں داخل ہیں۔ البتہ حرم میں انسان کے اگائے ہوئے درختوں کے بارے میں تین اقوال ہیں: امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب یہ ہے:

- پہلا قول یہ ہے کہ ایسے درخت کو اکھاڑنا جائز ہے اور اس پر کوئی تاوان نہیں ہو گا۔ ابن عقیل، ابو الخطاب اور دیگر علماء نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

- دوسرا قول یہ ہے کہ اسے اکھاڑنا جائز نہیں، اور اگر کوئی ایسا کرے تو ہر حال میں اس پر جزا (تاوان) لازم ہو گی۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے، اور ابن البنّاء نے اپنی کتاب الخصائص میں بھی یہی قول ذکر کیا ہے۔

- تیسرا قول یہ ہے کہ اس درخت کے درمیان فرق کیا جائے گا جسے پہلے حرم سے باہر اگایا گیا، پھر حرم میں لا کر لگایا گیا، اور اس درخت کے درمیان جو ابتدا ہی سے حرم میں اگایا گیا ہو۔ پہلی قسم کے درخت کو اکھاڑنے پر کوئی تاوان نہیں، جبکہ دوسری قسم کے درخت کو اکھاڑنا جائز نہیں، اور اگر اسے اکھاڑا جائے تو ہر حال میں تاوان لازم ہو گا۔ یہ قاضی کا قول ہے۔

- اس حدیث سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ اگر کوئی درخت خود بخود جڑ سے اکھڑ جائے یا اس کی کوئی شاخ ٹوٹ جائے تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں انسان نے خود اسے نہیں کاٹا۔ اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ 266 میں فرمایا ہے: ''ساعت'' سے مراد کچھ وقت کی مقدار ہے، اور یہاں اس سے مراد فتحِ مکہ کا دن ہے۔

ہے جیسی کل تھی۔ پس جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ یہ بات ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔‘‘[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ) نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن ارشاد فرمایا: ’’اب ہجرت نہیں، البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں، اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو نکل کھڑے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس شہر (مکہ مکرمہ) کو اسی دن سے حرم قرار دیا ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ لہٰذا یہ اللہ کی مقرر کردہ حرمت کے سبب قیامت تک حرم رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کے لیے اس میں جنگ کرنا حلال نہیں ہوا، اور میرے لیے بھی دن کی ایک گھڑی کے سوا حلال نہیں کیا گیا۔ پس یہ اللہ کی مقرر کردہ حرمت کے سبب قیامت تک حرم رہے گا۔ اس کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں، اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے، اور اس کی گری ہوئی چیز کوئی شخص نہ اٹھائے، سوائے اس شخص کے جو اس کی شناخت کرانے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اور اس کی تازہ گھاس[2] نہ کاٹی جائے۔‘‘

1- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 104؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1354۔

2- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 556 میں فرمایا ہے: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس سے مراد وہ نباتات ہیں جو خود بخود اگیں، نہ کہ وہ جنہیں انسانوں نے اگایا ہو۔ نیز خشک گھاس اس حدیث کے حکم میں داخل نہیں، بلکہ اس سے مراد صرف تازہ گھاس ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اِذْخِر [1] گھاس کی اجازت دے دیجیے، کیونکہ یہ ہمارے سناروں اور ہمارے گھروں کے کام آتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اچھا، اِذْخِر گھاس کی اجازت ہے۔''[2]

فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ کے بعد مکہ مکرمہ، شَرَّفَهَا اللہ، میں انیس دن [3] قیام پذیر رہے اور اس دوران نماز قصر ادا فرماتے رہے۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے باقی دنوں میں روزہ افطار کرتے رہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں انیس دن قیام پذیر رہے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے رہے۔''[4]

1- اِذْخِر، ہمزہ کے نیچے زیر کے ساتھ، ایک خوشبودار گھاس ہے جسے گھروں کی چھتوں میں لکڑیوں کے اوپر بچھایا جاتا ہے۔ حوالہ: النہایہ، جلد اول، صفحہ 36۔

2- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 1834؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1353۔

3- فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے، اور اس سلسلے میں سب سے راجح روایت انیس دن قیام کرنے کی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد سوم، صفحہ 269 میں فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انیس دن قیام کرنے والی روایت دیگر روایات کے مقابلے میں زیادہ راجح ہے۔ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ اس روایت کے راجح ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحیح روایات میں سب سے زیادہ اسی مدت کا ذکر آیا ہے۔

4- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4998۔

صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور نماز قصر ادا کرتے رہے۔''(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے رہے، یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کدَید کے مقام پر پہنچے، جو قُدَید اور عُسفان کے درمیان واقع پانی کی جگہ ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار کر لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان کے اختتام تک روزہ افطار کرتے رہے۔''(2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کے باقی دنوں میں مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا، نماز قصر ادا کرتے رہے اور روزہ افطار کرتے رہے۔(3)

فتحِ مکہ اور عرب قبائل پر اس کے اثرات

عرب قبائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جاری کشمکش کے انجام کا انتظار کر رہے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح فرما لیا اور قریش پر غلبہ حاصل کر لیا تو لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔

1- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 1080۔

2- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4275۔

3- حوالہ: البدایہ والنہایہ، جلد چہارم، صفحہ 512۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمرو بن سلمہ [1] جرمی [2] رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''عرب قبائل اپنے اسلام لانے کو فتحِ مکہ تک مؤخر کیے ہوئے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو، اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو یقیناً وہ سچے نبی ہیں۔ پھر جب اہلِ فتح (یعنی مکہ مکرمہ میں فتح کا واقعہ) پیش آیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں جلدی کی، اور میرے والد بھی میری قوم کے اسلام لانے میں پیش پیش رہے۔ جب وہ واپس آئے تو کہا: اللہ کی قسم! میں تمہارے پاس سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آیا ہوں۔''[3]

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عرب قبائل اسلام قبول کرنے کے معاملے میں قریش کے اس گروہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انجام کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش لوگوں کے پیشوا، ان کے رہنما، بیت اللہ کے خادم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خالص نسل سے تھے۔ عرب قبائل ان تمام باتوں کو تسلیم کرتے تھے۔ نیز قریش ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے اور آپ کی مخالفت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پھر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، قریش نے اطاعت قبول کر لی اور اسلام میں داخل ہو گئے تو عرب قبائل کو معلوم ہو گیا کہ اب ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1- ابن الاثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد دوم، صفحہ 615، قسم التراجم میں، اور امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ 58 میں لکھا ہے کہ ''سَلَمَہ'' میں لام کے نیچے زیر ہے

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 338 میں لکھا ہے کہ ''جَرْمی'' میں جیم پر زبر اور راء ساکن ہے۔

3- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4302۔

سے جنگ کرنے اور آپ کی دشمنی مول لینے کی طاقت نہیں رہی۔ چنانچہ وہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''جوق در جوق''، یعنی وہ ہر سمت سے اس دین کی طرف آنے لگے۔[1]

1- حوالہ: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 214۔

غزوۂ حنین [1]

غزوۂ حنین ہجرت کے آٹھویں سال ماہِ شوال میں پیش آیا۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے کہ اہلِ مغازی کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ شوال کی چھ تاریخ گزر جانے پر حنین کی طرف روانہ

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 153 میں فرمایا ہے: حنین، مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے، جو عرفات کے پیچھے واقع ہے اور مکہ مکرمہ سے تقریباً دس سے کچھ زیادہ میل کے فاصلے پر ہے۔ اس لفظ کو غیر منصرف پڑھا جاتا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں اس کا ذکر آیا ہے۔

-اس غزوے کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 32 میں فرمایا ہے: اوطاس، ہمزہ پر زبر، واو ساکن، اور طاء و سین مہملہ کے ساتھ ہے۔ یہ ہوازن کے علاقے میں ایک وادی کا نام ہے۔ غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے خلاف اسی مقام پر جنگ فرمائی تھی۔

-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 362 میں فرمایا ہے: راجح قول یہ ہے کہ وادیِ اوطاس، وادیِ حنین سے الگ ہے۔ اس کی وضاحت ابن اسحاق رحمہ اللہ کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ جنگ وادیِ حنین میں ہوئی تھی، اور جب ہوازن کے لوگ شکست کھا گئے تو ان میں سے ایک گروہ طائف کی طرف، دوسرا قبیلہ بجیلہ کی طرف اور تیسرا گروہ اوطاس کی طرف چلا گیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا، جس کے سالار حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ تھے، تاکہ وہ ان لوگوں کا مقابلہ کریں جو اوطاس کی طرف گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے لشکر کے ساتھ طائف کی طرف روانہ ہوئے۔

-اس غزوے کو غزوۂ ہوازن بھی کہا جاتا ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے الطبقات، جلد دوم، صفحہ 324 میں فرمایا ہے: ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ حنین کی طرف روانہ ہونا پیش آیا، اور یہی غزوۂ ہوازن ہے۔'' امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 575 میں غزوۂ حنین کے بیان کے تحت فرمایا ہے: اس غزوے کو غزوۂ اوطاس بھی کہا جاتا ہے۔ حنین اور اوطاس مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان دو مقامات ہیں۔ اس لیے اس غزوے کا نام اس مقام کی نسبت سے رکھا گیا جہاں جنگ ہوئی، جبکہ اسے غزوۂ ہوازن اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہی وہ لوگ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے۔

2- حوالہ: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 87؛ اور الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 324۔

ہوئے۔ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے ختم ہونے سے دو راتیں باقی رہ جانے پر روانہ ہوئے تھے۔ بعض اہلِ علم نے ان دونوں اقوال میں تطبیق دیتے ہوئے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے آخری دنوں میں روانگی شروع فرمائی، یہاں تک کہ شوال کی چھ تاریخ آگئی، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دسویں شوال کو حنین پہنچے۔ (1)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عربوں کے خلاف غزوات کا آغاز غزوۂ بدر سے فرمایا اور ان غزوات کا اختتام غزوۂ حنین پر ہوا۔ پہلے غزوے نے انہیں خوف زدہ کیا اور ان کی طاقت و قوت کا زور توڑ دیا، جبکہ دوسرے غزوے نے ان کی تمام قوتیں ختم کر دیں، ان کے تیر بھی ختم ہو گئے اور ان کا لشکر منتشر ہو گیا، یہاں تک کہ ان کے لیے اللہ کے دین میں داخل ہونے کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا۔ (2)

غزوۂ حنین کا سبب

جب قبیلہ ہوازن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور مکہ مکرمہ کی فتح کی خبر پہنچی، تو مالک بن عوف نصری نے ہوازن کے لوگوں کو جمع کیا۔ چنانچہ ہوازن کے ساتھ پورا قبیلہ ثقیف بھی اس کے پاس جمع ہو گیا، اور قبیلہ نصر، قبیلہ جشم، قبیلہ سعد بن

1- حوالہ: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 343۔

2- حوالہ: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 594۔

بکر اور بنو ہلال کے کچھ لوگ بھی جمع ہو گئے۔ قبیلہ جشم میں دُرید بن صِمَّہ [1] بھی تھا، جو بہت بوڑھا شخص تھا۔ اس میں کوئی خاص صلاحیت باقی نہیں رہی تھی، سوائے اس کے کہ لوگ اس کی رائے سے برکت حاصل کرتے اور جنگی امور میں اس کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ جنگوں کا تجربہ رکھنے والا بزرگ تھا۔ لوگوں کے تمام معاملات کی باگ ڈور مالک بن عوف نصری کے ہاتھ میں تھی۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا تو مالک بن عوف نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے مال، عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے آئیں۔ چنانچہ جب وہ اوطاس کے مقام پر اترے تو تمام لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے۔ [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد [3] رضی اللہ عنہ کو بھیجنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قبائل کی جمعیت کی خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کے حالات کی خبر لے کر آئیں۔ چنانچہ امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں اور امام

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 451 میں فرمایا ہے: دُرَید بن صِمَّہ ایک شاعر اور کافر تھا۔ ''دُرَید'' میں دال پر پیش اور راء پر زبر ہے، جبکہ ''صِمَّہ'' میں صاد کے نیچے زیر اور میم مشدد ہے۔ وہ ان معروف شعراء میں سے تھا جن کا ذکر کیا جاتا ہے۔ وہ غزوۂ حنین کے دن کفر کی حالت میں قتل ہوا۔

2- حوالہ: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحات 75 اور 80۔

3- ابن الاثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد دوم، صفحہ 569، قسم التراجم میں لکھا ہے: وہ ابو محمد عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کی پہلی شرکت صلح حدیبیہ میں ہوئی، پھر غزوۂ خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی شریک ہوئے۔ لفظ ''حدرد'' میں حاء مہملہ پر زبر، دالِ اولیٰ ساکن اور مہملہ، اور راء پر زبر ہے۔

بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مالک بن عوف نصری نے بنو نصر، بنو جشم، سعد بن بکر، بنو ہلال کے چند گروہوں اور بنو عمرو بن عاصم بن عوف بن عامر کے کچھ لوگوں کو جمع کیا۔ ان کے ساتھ ثقیف اور ان کے دونوں حلیف گروہ، یعنی احلاف اور بنو مالک بھی پوری طرح شامل ہو گئے۔ پھر وہ ان سب کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوا، اور ان کے ساتھ مال، عورتیں اور بچے بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: ''جاؤ، ان لوگوں کے درمیان داخل ہو جاؤ، یہاں تک کہ تم ان کے حالات معلوم کر کے ہمارے پاس لے آؤ۔'' چنانچہ وہ ان کے درمیان داخل ہو گئے اور ایک یا دو دن ان کے ساتھ رہے۔ پھر واپس آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات سے آگاہ کیا۔ (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ حنین کی طرف روانہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے اس وقت روانہ ہوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ سے فارغ ہو چکے تھے، وہاں کے حالات مستحکم ہو گئے تھے اور مکہ مکرمہ کے اکثر باشندے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو آزاد فرما دیا اور ہوازن اور ان کے حلیفوں سے جنگ کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

1- حوالہ: المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 4417؛ دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد پنجم، صفحہ 121۔ ابن اسحاق نے بھی السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 89 میں اس واقعے کو سند کے بغیر ذکر کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دس ہزار صحابہ کے ساتھ حنین کی طرف روانہ ہوئے جو فتحِ مکہ کے موقع پر آپ کے ہمراہ تھے۔ ان کے علاوہ اہلِ مکہ کے وہ لوگ بھی لشکر میں شامل ہوئے جنہیں طُلَقاء کہا جاتا ہے۔ ان میں سے اکثر نے ابھی حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا اور اسلام ان کے دلوں میں پوری طرح راسخ نہیں ہوا تھا۔ مکہ مکرمہ کے بعض سردار بھی اس غزوے میں شریک ہوئے، مثلاً صفوان بن امیہ، جو اس وقت تک مشرک تھا، اور سہیل بن عمرو وغیرہ۔ چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''جب غزوۂ حنین کا دن آیا تو ہوازن اور غطفان کے قبائل اپنے بچوں اور مویشیوں سمیت آ گئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار افراد تھے اور آپ کے ہمراہ طُلَقاء[1] بھی تھے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ تھا کہ مسلمان اپنی تعداد کی کثرت دیکھ کر دھوکے میں مبتلا ہو جائیں گے اور اپنی کثرت پر فخر کرنے لگیں گے۔ چنانچہ قرآنِ کریم کی صریح نص کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا ترجمہ: یقیناً اللہ نے بہت سے مقامات

1- طُلَقاء (طاء پر پیش اور لام پر زبر) سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن معاف کر کے آزاد چھوڑ دیا تھا اور انہیں غلام نہیں بنایا تھا۔ (دیکھیے: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 123)

2- حوالہ: صحیح بخاری، حدیث نمبر 4037؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1359۔

پر تمہاری مدد فرمائی، اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آ سکی۔ (سورۃ التوبہ، آیت: 25)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ آپ مسلمانوں کو یہ بات سمجھا دیں کہ ان کی کثرت اللہ کے مقابلے میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے واقعے کی مثال دی جو آپ سے پہلے گزرنے والے ایک نبی اور ان کی قوم کے ساتھ پیش آیا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: غزوۂ حنین کے دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہونٹوں کو کسی ایسی بات کے ساتھ حرکت دے رہے تھے [1] جو آپ اس سے پہلے نہیں کیا کرتے تھے۔ [2] پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے گزرنے والے لوگوں میں ایک نبی تھے، جنہیں اپنی قوم کی کثرت پر تعجب ہوا۔ انہوں نے کہا: یہ لوگ کسی چیز کے سامنے مغلوب نہیں ہوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی کہ وہ اپنی قوم کو تین میں سے ایک چیز اختیار کرنے کا موقع دیں: یا تو میں ان پر ان کے علاوہ کسی دوسری قوم کے دشمن کو مسلط کر دوں، جو انہیں پوری طرح تباہ و برباد کر دے، یا انہیں بھوک میں مبتلا کر دوں، یا موت کو ان پر مسلط کر دوں۔ ان کی قوم نے کہا: قتل اور بھوک برداشت

1- علامہ سندی رحمہ اللہ نے مسند کی شرح جلد 11، صفحہ 232 میں فرمایا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ اور پوشیدہ طور پر کوئی بات فرما رہے تھے۔

2- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم نے میری بات پر توجہ دی؟'' تو ایک شخص نے عرض کیا: ''جی ہاں۔''

کرنے کی ہم میں طاقت نہیں، البتہ ہم موت کو اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ تین دن کے اندر ان میں سے ستر ہزار افراد مر گئے! اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب میں یہ کہتا ہوں: اے اللہ! تیری مدد کے ذریعے ہی میں تدبیر کرتا ہوں، تیرے ہی سہارے حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے لڑتا ہوں۔"[1]

ذاتُ اَنْواط نامی درخت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ حنین کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مشرکین کے ایک درخت کے پاس سے ہوا، جسے ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین[2] کی طرف روانہ ہوئے۔ انہوں نے بیان کیا کہ کافروں کا ایک بیری کا درخت تھا، جس کے پاس وہ عبادت کے لیے بیٹھتے تھے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے۔ اس درخت کو ذاتِ انواط کہا جاتا تھا۔ چنانچہ ہمارا گزر ایک بڑے سرسبز درخت[3] کے پاس سے ہوا تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی ایک

1- مسند امام احمد، حدیث نمبر: 18933۔

2- ابن ابی عاصم رحمہ اللہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے: "اور ہم ابھی کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے تھے۔" یہ لوگ فتحِ مکہ کے دن اسلام لائے تھے۔

میں کہتا ہوں: جامع امام ترمذی اور مسند ابو یعلیٰ کے بعض نسخوں میں لفظ "حنین" تحریف ہو کر "خیبر" ہو گیا ہے، حالاں کہ یہ غلط ہے اور درست لفظ "حنین" ہی ہے۔

3- یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے یہ بات کسی دوسرے بڑے درخت کے پاس سے گزرتے وقت کہی تھی، نہ کہ ذاتِ انواط نامی درخت کے پاس۔

ذاتِ انواط[1] مقرر فرما دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے بھی وہی بات کہی جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے کہی تھی کہ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے، جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: یقیناً تم ایک جاہل قوم ہو۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ترجمہ: انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیجیے، جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً تم ایک جاہل قوم ہو۔ (سورۃ الاعراف، آیت: 138) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلو گے، ایک ایک طریقے کی پیروی کرو گے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبروں کا آپ کو خبریں پہنچانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیز رفتاری سے سفر جاری رکھا۔ دورانِ سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مخبر نے آکر آپ کو ہوازن کے حالات سے آگاہ کیا۔ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ ہم نے طویل سفر

1- ذاتِ انواط ایک مخصوص درخت کا نام تھا جو مشرکین کے لیے خاص تھا۔ وہ اپنے ہتھیار اس پر لٹکاتے تھے، یعنی اس کے ساتھ باندھ دیتے تھے، اور اس کے گرد عبادت کے لیے بیٹھتے تھے۔ (دیکھیے: النہایہ، جلد پنجم، صفحہ 113)

2- حوالہ جات: مسند امام احمد، حدیث نمبر 21897؛ جامع ترمذی، حدیث نمبر 2321؛ مسند ابو یعلیٰ، حدیث نمبر 1441؛ کتاب السنۃ، ابن ابی عاصم، حدیث نمبر 76۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

کیا، یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نماز کا وقت آگیا تو فارس سے تعلق رکھنے والا ایک شخص آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ لوگوں سے آگے روانہ ہوا، یہاں تک کہ فلاں پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ وہاں میں نے ہوازن کے قبیلے کو دیکھا کہ وہ اپنے تمام لوگوں، عورتوں، اونٹوں اور بکریوں سمیت حنین میں جمع ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ''ان شاء اللہ، کل یہ مسلمانوں کی غنیمت ہوگی۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آج رات ہماری حفاظت کون کرے گا؟'' حضرت انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں حفاظت کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو سوار ہو جاؤ۔'' چنانچہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اس گھاٹی کی طرف جاؤ اور اس کے بالائی حصے میں رہو، اور تمہاری طرف سے آج رات ہمیں کوئی اچانک حملہ نہ پہنچنے پائے۔'' جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کی جگہ تشریف لے گئے اور دو رکعتیں ادا کیں۔ پھر فرمایا: ''کیا تم نے اپنے سوار کو دیکھا ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے اسے نہیں دیکھا۔ پھر نماز کے لیے اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے لگے اور ساتھ ساتھ گھاٹی کی طرف دیکھتے بھی رہے [1]۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز مکمل

1- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد اول، صفحہ 289 میں فرمایا: ''نماز کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ التفات جہاد میں مشغول ہونے کی وجہ سے تھا۔ یہ عبادات کے باہم جمع ہونے کی صورتوں میں سے ہے، جیسے نمازِ خوف۔ اس کے قریب

کر کے سلام پھیر چکے تو فرمایا: ''خوش ہو جاؤ! تمہارا سوار آ گیا ہے۔'' ہم درختوں کے درمیان سے گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے تو وہ سوار آتا ہوا دکھائی دیا، یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے عرض کیا: میں اس گھاٹی کے بالائی حصے تک گیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جانے کا حکم دیا تھا۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دونوں گھاٹیوں میں نظر دوڑائی، لیکن مجھے کوئی شخص دکھائی نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''کیا تم آج رات اپنی جگہ سے نیچے اترے تھے؟'' اس نے عرض کیا: نہیں، البتہ نماز پڑھنے یا قضائے حاجت کے لیے اترا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے جنت واجب ہو گئی، اب اس کے بعد تم کوئی عمل نہ بھی کرو تو تم پر کوئی حرج نہیں۔''(1)

مالک بن عوف کا اپنے لشکر کو منظم کرنا مالک بن عوف نصری نے اپنے لشکر کو نہایت عمدہ انداز میں ترتیب دیا اور وادیِ حنین کے نشیبی حصے میں گھات لگانے کے لیے دستے مقرر کر دیے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''ہم نے مکہ مکرمہ فتح کیا، پھر ہم نے غزوۂ حنین میں شرکت کی۔ مشرکین ایسے بہترین صف بندی کے ساتھ آئے جیسی میں نے کبھی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے: میں نماز پڑھتے ہوئے بھی اپنے لشکر کی تیاری کرتا رہتا ہوں۔ یہ جہاد اور نماز کو جمع کرنے کی صورت ہے۔ اسی طرح نماز کے دوران قرآنِ کریم کے معانی میں غور و فکر کرنا اور اس سے علم کے خزانے نکالنا، نماز اور علم کو جمع کرنے کی مثال ہے۔ یہ ایک الگ نوعیت ہے، جبکہ غافل اور لاپرواہ لوگوں کا اِدھر اُدھر دیکھنا اور ان کے خیالات کا بھٹکنا بالکل دوسری نوعیت ہے۔ اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔''

1- حوالہ: سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2501؛ المستدرک للحاکم، حدیث نمبر 2464۔

نہیں دیکھی تھی۔ پہلے گھڑ سواروں کی صفیں بنائی گئیں، پھر جنگجوؤں کی صفیں، اس کے بعد ان کے پیچھے عورتوں کی صفیں بنائی گئیں، پھر بکریوں کے ریوڑ اور اس کے بعد اونٹوں کے ریوڑ تھے۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''وہ لوگ وادی کے مختلف راستوں، اطراف اور تنگ گھاٹیوں میں ہمارے لیے گھات لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوری تیاری کر رکھی تھی، سب متفق ہو چکے تھے اور جنگ کے لیے اپنا ساز وسامان تیار کر لیا تھا۔''(2)

مسلمانوں کا وادیِ حنین میں اترنا اور ان کا شکست کھا کر پیچھے ہٹنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کو نہایت عمدہ انداز میں ترتیب دیا تھا، لیکن مسلمانوں کو وادی کے مختلف حصوں میں ہوازن کے گھات لگائے ہوئے دستوں کا اندازہ نہیں تھا۔ جب وہ وادیِ حنین میں اترے، جو بہت ڈھلوان تھی، تو اچانک وہاں موجود جنگجو دستوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب ہم وادیِ حنین کے سامنے پہنچے تو ہم تہامہ کی وادیوں میں سے ایک گہری اور نہایت ڈھلوان وادی میں اترے۔ ہم اس میں مسلسل نیچے اترتے چلے جا رہے تھے۔ یہ

1- حوالہ: صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1369۔

2- حوالہ: (مسند امام احمد، حدیث نمبر: 15027)۔

واقعہ صبح کے اندھیرے میں پیش آیا۔ اس قوم نے وادی کے راستوں، اطراف اور تنگ گھاٹیوں میں ہمارے لیے گھات لگا رکھی تھی۔ وہ سب متحد ہو چکے تھے، پوری طرح تیار تھے اور جنگ کا سامان مہیا کر چکے تھے۔ اللہ کی قسم! جب ہم وادی میں نیچے اتر رہے تھے تو اچانک جنگجو دستوں نے ہم پر ایک ہی شخص کی طرح یکبارگی شدید حملہ کر دیا۔ لوگ شکست کھا کر واپس بھاگنے لگے اور مسلسل پیچھے ہٹتے چلے گئے، یہاں تک کہ ان میں سے کوئی کسی کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔''(1)

صحیح ابن حبان کی ایک روایت میں، حسن سند کے ساتھ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! لوگ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے اور انہیں کسی بات کا احساس بھی نہ تھا کہ اچانک ہر طرف سے جنگجو دستوں نے ان پر حملہ کر دیا۔ پھر لوگ ذرا بھی ٹھہرے بغیر شکست کھا کر واپس بھاگنے لگے۔''(2)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کا سامنا ایسے تیر اندازوں سے ہوا جن کا کوئی تیر شاذ و نادر ہی نشانے سے چُوکتا تھا۔ یہ ہوازن اور بنو نصر کے قبائل کے لوگ تھے۔ انہوں نے مسلمانوں پر اس قدر شدید تیر اندازی کی کہ ان کے تیر کم ہی خطا ہوتے تھے۔''(3)

1- حوالہ: مسند امام احمد، حدیث نمبر: 15027۔

2- حوالہ: (صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: 4774)۔

3- حوالہ: ((صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2930؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1776، 87))۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت قدم رہنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے مقابلے میں نہایت عظیم ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا، جبکہ آپ کے ساتھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بہت تھوڑے لوگ باقی رہ گئے تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب تشریف لے گئے، پھر فرمایا: اے لوگو! میری طرف آؤ، میری طرف آؤ! میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ راوی کہتے ہیں کہ اس وقت کوئی بھی آپ کی طرف نہ آیا۔ اونٹ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور لوگ منتشر ہو کر بھاگ گئے تھے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین، انصار اور آپ کے اہلِ بیت میں سے چند افراد باقی رہ گئے تھے، جن کی تعداد زیادہ نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنے والوں میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ آپ کے اہلِ بیت میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ، ان کے بیٹے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ، حضرت ایمن بن عبید رضی اللہ عنہ، جو ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے، اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔''[1]

1- مسند امام احمد، حدیث نمبر: 15027۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا۔ میں اور ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹے رہے اور آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار تھے، جو فروہ بن نفاثہ جذامی نے آپ کو تحفے میں دیا تھا۔ جب مسلمانوں اور کافروں کا آمنا سامنا ہوا تو مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خچر کافروں کی طرف تیزی سے بڑھانے لگے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور اسے روک رہا تھا، تاکہ وہ تیزی سے آگے نہ بڑھے۔ جبکہ ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عباس! درخت کے نیچے بیعت کرنے والے صحابہ کو آواز دو۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں بلند آواز والے شخص تھا، چنانچہ میں نے اپنی پوری آواز سے پکارا: ''اے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! تم کہاں ہو؟'' اللہ کی قسم! جب انہوں نے میری آواز سنی تو وہ اس طرح پلٹ کر آئے جیسے گائیں اپنے بچھڑوں کی طرف پلٹتی ہیں۔ وہ کہنے لگے: ''لبیک! حاضر ہیں، لبیک! حاضر ہیں۔'' پھر ان لوگوں نے کافروں سے جنگ شروع کر دی۔ اس وقت پکار انصار کے لیے تھی، وہ کہتے تھے: ''اے انصار کی جماعت! اے انصار کی جماعت!'' پھر پکار صرف بنو حارث بن خزرج کے لیے رہ گئی، تو وہ کہنے لگے: ''اے بنو حارث بن خزرج! اے بنو حارث بن خزرج!''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار ہو کر ان کی لڑائی کو دیکھ رہے تھے، گویا آپ خچر پر کھڑے ہو کر اس منظر کو دیکھنا چاہتے ہوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب جنگ کا تنور خوب گرم ہو گیا ہے۔'' اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں اور انہیں کافروں کے چہروں کی طرف پھینکا، پھر فرمایا: ''محمد کے رب کی قسم! وہ شکست کھا گئے۔'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں دیکھنے کے لیے گیا تو بظاہر لڑائی اسی حالت میں جاری تھی۔ لیکن اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی وہ کنکریاں ان کی طرف پھینکیں، اس کے بعد سے میں مسلسل دیکھتا رہا کہ ان کی جنگی قوت کمزور پڑ گئی اور ان کا معاملہ بگڑتا چلا گیا۔ (1)

صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے نیچے اتر آئے، پھر زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور دشمنوں کے چہروں کی طرف رخ کر کے اسے ان کی طرف پھینکا اور فرمایا: 'چہرے بگڑ جائیں!' اللہ تعالیٰ نے دشمنوں میں سے کوئی ایسا شخص باقی نہ چھوڑا جس کی دونوں آنکھیں اس مٹھی بھر مٹی سے نہ بھر گئی ہوں۔ چنانچہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے اور اللہ عزوجل نے انہیں شکست دے دی۔'' (2)

1- (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1775، 1776)۔

2- (صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1777)۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب غزوۂ حنین کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین سے سامنا ہوا تو جب وہ شکست کھا کر بھاگنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خچر سے نیچے اتر آئے اور پیدل چلنے لگے۔''(1)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی صحیحین میں یہ روایت نقل کی ہے، البتہ الفاظ امام مسلم کے ہیں۔ حضرت ابو اسحاق بیان کرتے ہیں: ایک شخص حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور پوچھا: اے ابو عمارہ! کیا غزوۂ حنین کے دن تم لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تھے؟

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے ہرگز پیٹھ نہیں پھیری تھی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر تیزی سے ہوازن کے اس قبیلے کی طرف بڑھے تھے۔ یہ لوگ تیر انداز تھے، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں پر اس قدر تیر برسائے کہ ان کے تیر ٹڈیوں کے جھنڈ کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ اس پر مسلمان منتشر ہو گئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ پھر دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھنے لگے۔ ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خچر سے اترے، اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اس سے مدد طلب

1- (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 2658)۔

کی اور یہ فرماتے جاتے تھے: ''میں اللہ کا نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اے اللہ! ہم پر اپنی مدد نازل فرما۔''

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! جب جنگ کی شدت بڑھ جاتی اور لڑائی بھڑک اٹھتی تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیتے تھے۔ ہم میں بہادر وہی شمار ہوتا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہتا تھا۔ (1)

فرشتوں کا نزول

اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو نازل فرما کر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کی مدد فرمائی، چنانچہ مسلمانوں نے ہوازن کو شکست دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ترجمہ: یقیناً اللہ نے تمہاری مدد فرمائی بہت سے مواقع پر، اور حنین کے دن بھی، جب تمہیں اپنی کثرت پر ناز ہو گیا تھا، لیکن وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آ سکی، اور زمین اپنی وسعت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اور اہلِ ایمان پر اپنی سکینت نازل فرمائی، اور ایسے لشکر اتارے جنہیں تم نہیں دیکھ رہے تھے (2)، اور کافروں کو

1- صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1716، 79۔

2- امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں، جلد دہم، صفحہ 150 پر فرمایا: ''اس سے مراد فرشتے ہیں۔ وہ اہلِ ایمان کے دلوں میں خیالات ڈال کر اور انہیں ثابت قدمی عطا کر کے ان کی قوت بڑھاتے ہیں، جبکہ کافروں کے دلوں میں بزدلی ڈال کر ان کی قوت

عذاب دیا،اور یہی کافروں کی سزا ہے۔ پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہتا ہے توبہ کی توفیق دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ التوبہ، آیات: 25 تا 27)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں یہ بتا رہا ہے کہ فتح و نصرت اسی کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ زیادہ تعداد اور قوت و طاقت کی شدت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے تو تھوڑی تعداد والوں کو بڑی تعداد والوں پر فتح عطا فرماتا ہے، اور جب چاہتا ہے تو بڑی تعداد اور تھوڑی تعداد، دونوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے، چنانچہ بڑی تعداد والے بھی شکست کھا جاتے ہیں۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''لوگوں کے درمیان گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ اللہ کی قسم! لوگ اپنی شکست کے بعد واپس نہ پلٹے تھے[2] کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیدیوں کو بندھا ہوا پایا۔''[3]

کمزور کر دیتے ہیں، اس طرح کہ کافر انہیں دیکھ بھی نہیں پاتے۔ یہ سب بغیر جنگ کیے ہوتا ہے، کیونکہ فرشتوں نے صرف غزوۂ بدر کے دن جنگ میں حصہ لیا تھا۔''

1- دیکھیے: تفسیر طبری، جلد ششم، صفحہ 340۔

2- یعنی وہ مسلمان جو جنگ کے آغاز میں میدانِ جنگ سے بھاگ گئے تھے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر: 15027۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صورتِ حال دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اتر آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست دے دی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح دیکھ لی تو آپ کھڑے ہوئے، پھر دشمنوں کے قیدیوں کو ایک ایک کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا جانے لگا۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو شکست دے دی، حالانکہ اس وقت نہ تلوار سے وار کیا گیا تھا اور نہ نیزے سے حملہ کیا گیا تھا۔ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'جس شخص نے کسی کافر(2) کو قتل کیا، اس کا سامانِ جنگ (سلب)(3) اسی کا ہوگا۔' چنانچہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، حدیث نمبر: 12529۔

2- صحیح بخاری، حدیث نمبر 3142 اور 4321، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 1751 اور 41 میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی منقول ہیں: ''قتیلًا'' (کسی مقتول کو)۔

3- السَّلَب: (سین پر زبر کے ساتھ) اس سامان کو کہتے ہیں جو جنگ میں دو مقابل جنگجوؤں میں سے ایک دوسرے سے حاصل کرتا ہے، یعنی وہ اسلحہ، لباس، سواری اور دیگر چیزیں جو مقتول کے جسم پر ہوں یا اس کے ساتھ ہوں۔ دیکھیے: النہایہ، جلد دوم، صفحہ 348۔

اس دن حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان کا سامانِ جنگ حاصل کیا۔''(1)

امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث سے دلیل ملتی ہے کہ جنگ کے دوران جو بھی مسلمان کسی مشرک کو قتل کرے، وہ دیگر تمام مجاہدین کے مقابلے میں اس کے سامانِ جنگ کا زیادہ حق دار ہے، اور سامانِ جنگ میں خمس (پانچواں حصہ) نہیں نکالا جائے گا، خواہ وہ سامان کم ہو یا زیادہ۔''(2)

غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت جمع کرنا

ہوازن کے لوگوں نے حنین کے مقام پر عورتوں، بچوں، اونٹوں اور بکریوں کو چھوڑ دیا، اور ان میں سے جو لوگ بچ نکلے، وہ وادیِ اوطاس کی طرف بھاگ گئے، جبکہ بعض لوگ طائف پہنچ گئے۔ اس طرح یہ عظیم مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''یہ مالِ غنیمت کل، ان شاء اللہ، مسلمانوں کا ہوگا۔'' چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت جمع کرنے کا حکم دیا۔ اس

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 12131 اور 12236 پر، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 2718 پر روایت کیا ہے۔

ابن سید الناس رحمہ اللہ نے اپنی کتاب عیون الأثر، جلد اول، صفحہ 407 پر فرمایا: ''مشہور بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ 'جس نے کسی مقتول کو قتل کیا، اس کا سامانِ جنگ اسی کا ہوگا'، غزوۂ حنین کے موقع پر تھا۔ جہاں تک غزوۂ بدر اور غزوۂ اُحد کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ فرمان کہنے کا تعلق ہے، تو اس بارے میں زیادہ تر ایسی روایات ملتی ہیں جو ایسے راویوں سے منقول ہیں جن کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جاتی۔''

2- دیکھیے: شرح السنۃ، (107/12)۔

کے مطابق اونٹ، بکریاں اور غلام جمع کیے گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ انہیں جعرانہ لے جایا جائے اور وہاں روک کر رکھا جائے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر حنین کے قیدیوں اور ان کے اموال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کیا گیا۔ مالِ غنیمت کی نگرانی حضرت مسعود بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں اور اموال کو جعرانہ لے جانے کا حکم دیا، چنانچہ انہیں وہاں روک کر رکھا گیا۔''(1)

ہوازن کا وادیِ اوطاس کی طرف پسپا ہونا

غزوۂ حنین میں شکست کھانے کے بعد ہوازن کے کئی گروہ وادیِ اوطاس کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف حضرت ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا۔ ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر کا امیر بنا کر اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں ان کا مقابلہ درید بن صمہ سے ہوا۔ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے درید کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھیوں کو شکست دے دی۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھی حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھیجا

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 110۔

تھا۔ دورانِ جنگ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں تیر لگا۔ بنی جشم کے ایک شخص نے انہیں تیر مارا تھا، جو ان کے گھٹنے میں پیوست ہو گیا۔ میں ان کے پاس پہنچا اور عرض کیا: چچا جان! آپ کو تیر کس نے مارا ہے؟ حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وہ شخص میرا قاتل ہے، تم اسے دیکھ رہے ہو؟ یہی وہ شخص ہے جس نے مجھے تیر مارا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں اس شخص کی طرف بڑھا اور اس کا پیچھا کیا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو بھاگنے لگا۔ میں اس کے پیچھے دوڑتا رہا اور کہتا جاتا تھا: کیا تمہیں شرم نہیں آتی؟ کیا تم عربی نہیں ہو؟ کیا تم مقابلے میں ثابت قدم نہیں رہ سکتے؟ آخر کار وہ رک گیا۔ پھر میرا اور اس کا آمنا سامنا ہوا اور ہم دونوں نے ایک دوسرے پر دو وار کیے۔ میں نے اسے تلوار سے ضرب لگائی اور قتل کر دیا۔ اس کے بعد میں حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کے قاتل کو ہلاک کر دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا: اس تیر کو نکال دو۔ میں نے تیر نکالا تو زخم سے پانی بہنے لگا۔ پھر حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ، میری طرف سے انہیں سلام کہنا اور عرض کرنا کہ ابو عامر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ نے مجھے لشکر کی قیادت سونپ دی۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر زندہ رہے، پھر ان کا انتقال ہو گیا۔ جب میں واپس آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر میں پلنگ پر تشریف فرما تھے، جس پر

چٹائی بچھی ہوئی تھی اور اس پر بستر رکھا تھا۔ پلنگ کی چٹائی کے نشانات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت اور پہلوؤں پر نمایاں تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اور حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے حالات بتائے اور عرض کیا کہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے ان کے لیے مغفرت کی دعا کی درخواست کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، اس سے وضو فرمایا، پھر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: 'اے اللہ! عبید ابو عامر کی مغفرت فرما!' یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بغلوں کی سفیدی دیکھ لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: 'اے اللہ! قیامت کے دن انہیں اپنی بہت سی مخلوق، یا بہت سے لوگوں سے بلند مرتبہ عطا فرما!' حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لیے بھی مغفرت کی دعا فرمایئے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: 'اے اللہ! عبد اللہ بن قیس کے گناہ معاف فرما اور قیامت کے دن اسے عزت و اکرام کے ساتھ داخل فرما!'''(1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن ایک لشکر کو اوطاس کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں ان کا دشمن سے سامنا ہوا، چنانچہ انہوں نے جنگ کی اور دشمن پر فتح حاصل کر لی، نیز ان کی عورتوں کو قیدی بنا لیا۔ رسول

1- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4233 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2498 پر روایت کیا ہے۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان قیدی عورتوں کے ساتھ ازدواجی تعلق قائم کرنے میں تردد محسوس ہوا، کیونکہ ان کے شوہر مشرک تھے۔اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ترجمہ: ''اور شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں، سوائے ان عورتوں کے جو تمہاری ملکیت میں آجائیں۔'' (سورۃ النساء: 24)[1] یعنی جب ان عورتوں کی عدت پوری ہو جائے تو وہ تمہارے لیے حلال ہیں۔''[2]

غزوۂ طائف

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ''غزوۂ طائف'' کے باب کے تحت ذکر کیا ہے کہ یہ غزوہ آٹھ ہجری کے ماہِ شوال میں پیش آیا۔امام موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے بھی یہی بات بیان کی ہے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: ''امام موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المغازی میں اسی طرح ذکر کیا ہے، اور اہلِ مغازی کی اکثریت کا بھی یہی قول ہے۔''[4]

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد دوم، صفحہ 252 پر فرمایا: ''یعنی تم پر دوسری عورتیں بھی حرام ہیں جو پاک دامن اور شادی شدہ ہوں، سوائے ان عورتوں کے جو تمہاری ملکیت میں آجائیں۔'' (سورۃ النساء: 24) اس کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں جنگ میں قیدی بن کر تمہاری ملکیت میں آئیں، وہ تمہارے لیے حلال ہو جاتی ہیں، اور جب تم ان کی عدت اور رحم کے خالی ہونے کا انتظار مکمل کر لو تو ان سے ازدواجی تعلق قائم کر سکتے ہو۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1400، 56 اور 33 پر روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: صحیح بخاری (364/8)۔

4- دیکھیے: صحیح بخاری (364/8)۔

غزوۂ طائف کا سبب ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب ثقیف کے شکست خوردہ لوگ طائف پہنچے [1] تو انہوں نے اپنے شہر کے دروازے بند کر لیے اور جنگ کی تیاری کے لیے جنگی آلات تیار کیے۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی طرف روانہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین سے فارغ ہونے کے بعد طائف کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں کے لوگوں کا محاصرہ کر لیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''پھر ہم طائف کی طرف روانہ ہوئے اور چالیس راتوں تک ان کا محاصرہ کیے رکھا۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف کی فتح عطا نہیں فرمائی، حالانکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے فتح کرنے کی متعدد کوششیں کیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر [4] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ

1- یہ غزوۂ حنین کے دن ان کی شکست کے بعد کی بات ہے۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام (130/4)۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1059 اور 136 پر روایت کیا ہے۔

4- امام مسلم رحمہ اللہ کی ایک روایت میں راوی کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما آیا ہے۔

-امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد دوازدہم، صفحہ 104 پر فرمایا: ''صحیح مسلم کے نسخوں میں یہی الفاظ ہیں کہ یہ روایت عبداللہ بن عمرو سے ہے، یعنی عین پر زبر کے ساتھ۔ اس سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔

-امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4588 میں روایت کیا ہے: ''ہم سے سفیان نے بیان کیا، انہوں نے کہا: ہم سے عمرو نے بیان کیا، ابوالعباس سے، وہ عبداللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں۔ سفیان سے پوچھا گیا: کیا اس سے مراد ابن عمرو ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ ابن عمر ہیں۔ پھر انہوں نے حدیث بیان کی۔''

بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا، لیکن آپ کو ان کے خلاف کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اگر اللہ نے چاہا تو ہم واپس لوٹ جائیں گے۔' آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: 'کیا ہم واپس چلے جائیں، حالانکہ ابھی اسے فتح نہیں کیا؟' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: 'کل صبح دشمن سے جنگ کرنے کے لیے نکلو۔' چنانچہ وہ صبح جنگ کے لیے نکلے، تو انہیں زخم آئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'ہم کل واپس لوٹ جائیں گے۔' صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ بات پسند آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔''(1)

-امام سندھی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی شرح، جلد سوم، صفحہ 495 پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ''راوی کے اس قول 'سفیان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ ابن عمرو ہیں؟' کا مطلب یہ ہے کہ کیا یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ ابن عمر ہیں، یعنی عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما۔ جیسا کہ واضح ہے۔ امام دار قطنی اور دیگر محدثین نے بھی اسی قول کو درست قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔''

- شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان سب حضرات کی نظر امام احمد رحمہ اللہ کی اس روایت پر نہیں پڑی، حالانکہ وہ ابن عیینہ کے شاگردوں میں سب سے زیادہ حافظہ رکھنے والوں میں سے تھے، بلکہ ممکن ہے کہ وہ ان سب سے زیادہ حافظہ رکھنے والے ہوں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ابن عیینہ سے پوچھا گیا: کیا اس سے مراد ابن عمرو، یعنی ابن العاص ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں، بلکہ ابن عمر، یعنی ابن الخطاب ہیں۔ یہ وضاحت تمام اختلاف کو ختم کر دیتی ہے اور اس بات کو قطعی طور پر واضح کرتی ہے کہ جن لوگوں نے 'عمرو' (عین پر زبر کے ساتھ) روایت کیا ہے، ان سے بہت بڑی غلطی ہوئی ہے، خواہ وہ سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے والوں میں سے ہوں، یا ان کے بعد کے راوی ہوں، یا صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے نسخوں کے ناقلین ہوں۔''

1- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4325 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1778 پر روایت کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: ''اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ فتح حاصل کیے بغیر واپس لوٹ جائیں گے تو یہ بات انہیں پسند نہ آئی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو انہیں جنگ کرنے کا حکم دیا، لیکن اس کے باوجود انہیں فتح حاصل نہ ہوئی، بلکہ وہ زخمی ہوگئے؛ کیونکہ اہلِ طائف قلعے کی فصیل کے اوپر سے ان پر تیر برساتے تھے۔ مسلمان اپنے تیروں سے ان پر حملہ کرتے تو تھے، لیکن ان کے تیر فصیل پر موجود لوگوں تک نہیں پہنچ پاتے تھے۔ جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ صورتِ حال دیکھی تو انہیں واپسی کے فیصلے کی درستگی سمجھ میں آگئی۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ واپسی کا اعلان فرمایا تو اس وقت انہیں یہ بات پسند آئی۔ اسی وجہ سے راوی نے کہا: 'تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے۔''[1]

اہلِ طائف کے لیے ہدایت کی دعا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے واپس لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کے لیے ہدایت کی دعا فرمائی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! قبیلۂ ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔''[2]

1- دیکھیے: فتح الباری، 366/8۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14702 پر روایت کیا ہے۔

جامع ترمذی کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! قبیلۂ ثقیف کے تیروں نے ہمیں جلا کر رکھ دیا ہے، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے خلاف دعا فرمایئے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: 'اے اللہ! قبیلۂ ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اور غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ واپس تشریف لائے اور قبیلۂ ثقیف کے انتظار میں رہے، اس امید کے ساتھ کہ شاید وہ اسلام قبول کر لیں، تاکہ ان کی عورتوں اور بچوں کو جو قیدی بنائے گئے تھے، واپس حاصل کر سکیں۔ لیکن جب ان کی آمد میں تاخیر ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ان لوگوں کو عطا فرمایا جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود تھا[2]۔ یہ عرب کے سردار تھے، تاکہ

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4285 پر روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد چہارم، صفحہ 305 پر فرمایا: ''رہے وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے انہیں عطیات دیے جاتے ہیں، تو ان کی کئی قسمیں ہیں:

1۔ بعض لوگوں کو اس لیے عطیہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ کو غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت میں سے عطا فرمایا، حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے اور غزوۂ حنین میں شریک ہوئے تھے۔

انہیں عطیات دے کر ان کے دلوں کو اسلام سے مانوس کیا جائے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت رافع بن خدیج[1] رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس میں سے ہر ایک کو دو سو اونٹ عطا فرمائے۔''[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں، اور امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے بھی حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن مجھے عطا فرمایا، حالانکہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

2۔ بعض لوگوں کو اس لیے عطیہ دیا جاتا ہے تاکہ ان کا اسلام بہتر ہو جائے اور ان کے دلوں میں استقامت پیدا ہو، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے دن طلقاء کے بڑے بڑے سرداروں اور معزز لوگوں کی ایک جماعت کو سو سو اونٹ عطا فرمائے۔

3۔ بعض لوگوں کو اس امید پر عطیہ دیا جاتا ہے کہ ان کے ہم مرتبہ اور ان جیسے دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کر لیں گے۔

4۔ بعض لوگوں کو اس لیے عطیہ دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے علاقے کے لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے لائیں، یا سرحدی علاقوں کی طرف سے مسلمانوں کی حدود کو پہنچنے والے نقصان کو روکیں۔ ان تمام اقسام کی تفصیل فقہی جزئیات پر مشتمل کتابوں میں موجود ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔''

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات، 453/1 میں فرمایا: ''حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ ان کے والد خدیج کے نام میں خاء پر زبر اور دال پر زیر ہے۔ آپ انصاری اور قبیلۂ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے دن کم عمری کی وجہ سے انہیں واپس کر دیا تھا، جبکہ غزوۂ اُحد کے دن آپ کو شرکت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ آپ غزوۂ اُحد، غزوۂ خندق اور بیشتر دیگر غزوات میں شریک ہوئے۔''

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1060 اور 137 پر روایت کیا ہے۔

مسلسل مجھے عطا فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو گئے۔''(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے حکیم! یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے۔ جو شخص اسے دل کی خوشی اور بے طمعی کے ساتھ لے، اس کے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے، اور جو شخص اسے حرص و طمع کے ساتھ لے، اس کے لیے اس میں برکت نہیں دی جاتی۔ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کھاتا تو ہے، لیکن سیر نہیں ہوتا۔ اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔'' حضرت حکیم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں آپ کے بعد کسی سے بھی کوئی چیز نہیں لوں گا، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی حضرت حکیم

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2313، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18304 اور 27638، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 672 پر روایت کیا ہے۔

رضی اللہ عنہ کو عطیہ لینے کے لیے بلاتے، لیکن وہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں عطیہ دینے کے لیے بلایا تو انہوں نے اسے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں حکیم کے سامنے اس مالِ فَے میں سے ان کا حق پیش کرتا ہوں، لیکن وہ اسے لینے سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی بھی شخص سے کوئی چیز قبول نہیں کی، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: حضرت حکیم رضی اللہ عنہ نے عطیہ لینے سے اس حال میں بھی اجتناب کیا کہ وہ ان کا حق تھا؛ کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ اگر وہ کسی سے کوئی چیز قبول کر لیں گے تو اس کے عادی ہو جائیں گے، پھر ان کا نفس انہیں اس چیز سے آگے بڑھا دے گا جسے وہ پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے نفس کو اس سے روک دیا اور جس چیز میں شک وشبہ تھا، اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کیا جس میں کوئی شک وشبہ نہ تھا۔ (2)

فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کرنے والے بعض کمزور ایمان والے اور دیگر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد عطیات لینے کے لیے جمع ہو گئے اور آپ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1472 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1035 پر روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: فتح الباری (499/4)۔

صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کرنے لگے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جِعرانہ کے مقام پر غزوۂ حنین کے اموالِ غنیمت تقسیم فرمائے تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر ہجوم کرنے لگے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ عزوجل نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اس کی قوم کی طرف مبعوث فرمایا، لیکن اس کی قوم نے اسے جھٹلایا اور اس کا سر زخمی کر دیا۔ وہ اپنے ماتھے سے خون صاف کرتے ہوئے کہتا تھا: اے میرے رب! میری قوم کو بخش دے، کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں۔'' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اس کی کیفیت کی تصویر کشی فرما رہے تھے۔ (1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریوں کا ریوڑ مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ ریوڑ عطا فرما دیا۔ وہ شخص اپنی قوم کے پاس واپس گیا اور کہنے لگا: اے میری قوم! اسلام قبول کر لو، کیونکہ اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عطا فرماتے ہیں کہ انہیں فقر و فاقے کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 4057 پر روایت کیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص محض دنیا حاصل کرنے کی غرض سے اسلام قبول کرتا تھا، تو وہ اسلام سے اس وقت تک محبت کرنے نہیں لگتا تھا جب تک اسلام اسے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاتا۔ (1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا شخص ابتدا میں دنیاوی فائدے کے لیے اسلام کا اظہار کرتا ہے، اس کے دل میں اسلام قبول کرنے کی حقیقی نیت نہیں ہوتی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور اسلام کے نور کی بدولت تھوڑی ہی مدت گزرتی ہے کہ اس کا سینہ حقیقی ایمان کے لیے کھل جاتا ہے، اور ایمان اس کے دل میں راسخ ہو جاتا ہے۔ اس وقت اسلام اسے دنیا اور اس کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جاتا ہے۔ (2)

انصار رضی اللہ عنہم کی ناراضگی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے اموالِ غنیمت میں سے قریش اور عرب کے دیگر قبائل کو عطیات دیے، لیکن انصار رضی اللہ عنہم کو ان میں سے کچھ بھی عطا نہیں فرمایا۔ اس کے پیچھے ایک نہایت عظیم اور گہری حکمت تھی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ چنانچہ اس معاملے پر انصار رضی اللہ عنہم کے دلوں میں کچھ رنجش پیدا ہوئی۔

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2312 اور 258 پر روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، (59/15)۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض انصار رضی اللہ عنہم نے اس معاملے پر ناراضی کا اظہار کیا۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب فرمایا اور انہیں عطیات عطا کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان نعمتوں کا احساس دلایا جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی دولت سے عزت بخشی، فقر و محتاجی کے بعد انہیں غنی کر دیا، اور شدید دشمنی کے بعد ان کے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی۔ چنانچہ وہ راضی ہو گئے اور ان کے دل خوش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ حنین کے اموالِ غنیمت میں سے قریش اور عرب کے مختلف قبائل کو عطیات دیے، اور انصار کو ان میں سے کچھ بھی نہ ملا، تو انصار کے اس گروہ کے دلوں میں رنجش پیدا ہوئی، یہاں تک کہ ان میں اس بارے میں بہت سی باتیں ہونے لگیں۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہی قوم سے جا ملے ہیں۔ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! انصار کے اس گروہ کے دلوں میں آپ کے خلاف رنجش پیدا ہو گئی ہے، اس وجہ سے کہ آپ نے اس مالِ فَے

1- دیکھیے: الفصول في سیرۃ الرسول، فصل نمبر 240۔

کے معاملے میں جو طریقہ اختیار فرمایا، اس میں اپنی قوم کو عطیات دیے اور عرب کے مختلف قبائل کو بڑے بڑے عطیے عطا فرمائے، لیکن انصار کے اس گروہ کو اس میں سے کچھ بھی نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے سعد! اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں تو اپنی قوم کا ایک فرد ہوں، اس لیے میری رائے بھی وہی ہے جو میری قوم کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پھر اپنی قوم کو اس احاطے میں جمع کرو۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہاں سے روانہ ہوئے اور انصار کو اس احاطے میں جمع کر لیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: انصار کا یہ گروہ آپ کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، جیسا کہ وہ اس کا اہل ہے، پھر فرمایا: اے جماعتِ انصار! مجھے تمہارے بارے میں کچھ باتیں پہنچی ہیں جو تم نے کہی ہیں، اور اس معاملے پر تمہارے دلوں میں جو رنجش پیدا ہوئی ہے۔ کیا ایسا نہیں تھا کہ میں تمہارے پاس اس وقت آیا جب تم گمراہی میں تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت عطا فرمائی؟ تم محتاج تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا؟ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں باہمی الفت پیدا فرما دی؟ انہوں نے عرض کیا: کیوں نہیں! بلکہ اللہ اور اس کے رسول ہم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے اور سب سے زیادہ فضل فرمانے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے جماعتِ انصار! کیا تم مجھے جواب نہیں دو گے؟ انہوں نے عرض

کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ احسان اور فضل تو اللہ اور اس کے رسول ہی کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تم چاہتے تو سچ کہتے، اور تمہاری بات کی تصدیق بھی ہوتی۔ تم کہہ سکتے تھے کہ آپ ہمارے پاس اس حال میں آئے کہ آپ کو جھٹلایا جارہا تھا، تو ہم نے آپ کی تصدیق کی؛ آپ بے یار و مددگار تھے، تو ہم نے آپ کی مدد کی؛ آپ کو نکال دیا گیا تھا، تو ہم نے آپ کو پناہ دی؛ اور آپ محتاج تھے، تو ہم نے آپ کی مالی مدد کی۔ اے جماعتِ انصار! کیا تمہیں اس بات پر رنجش ہے کہ میں نے دنیا کے اس معمولی مال کے ذریعے کچھ لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا ہے تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں، اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کردیا ہے؟ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ دوسرے لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر واپس جائیں، جبکہ تم اپنے گھروں میں اللہ کے رسول کو لے کر واپس جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار ہی میں سے ایک فرد ہوتا۔ اگر لوگ کسی وادی میں چلیں اور انصار کسی دوسری وادی میں چلیں، تو میں انصار کی وادی اختیار کروں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، انصار کے بیٹوں پر رحم فرما، اور انصار کے بیٹوں کے بیٹوں پر رحم فرما۔ یہ سن کر انصار رضی اللہ عنہم اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں۔ انہوں نے عرض کیا: ہم اس بات پر راضی ہیں کہ اللہ کے رسول ہی ہمارا حصہ اور ہمارا نصیب ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور لوگ بھی منتشر ہوگئے۔ (1)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 11730 پر روایت کیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''میں کچھ ایسے لوگوں کو عطیات دیتا ہوں جو ابھی ابھی کفر سے نکل کر اسلام میں داخل ہوئے ہیں، تاکہ ان کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کر سکوں۔ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ مال و دولت لے کر واپس جائیں، جبکہ تم اپنے گھروں کی طرف اللہ کے رسول کو ساتھ لے کر واپس جاؤ؟ اللہ کی قسم! تم جس چیز کے ساتھ واپس جا رہے ہو، وہ اس چیز سے کہیں بہتر ہے جس کے ساتھ دوسرے لوگ واپس جا رہے ہیں۔'' انصار رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! ہم راضی ہیں۔[1]

ابن اسحاق نے اپنی کتاب السیرۃ میں محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی سے مرسل سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو سو سو عطا فرمایا، لیکن جُعَیل بن سراقہ ضَمری[2] کو چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4331 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1059 پر روایت کیا ہے۔

2- ابن اثیر رحمہ اللہ نے أُسد الغابۃ، جلد اول، صفحہ 324 میں لکھا ہے: حضرت جُعَیل بن سراقہ رضی اللہ عنہ اصحابِ صفہ اور مسلمانوں کے فقراء میں سے تھے۔ وہ ابتدائی دور ہی میں اسلام لے آئے تھے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ اُحد میں شرکت کی۔ غزوۂ بنی قریظہ کے دن ان کی آنکھ زخمی ہو گئی تھی۔ وہ بدصورت اور چہرے کے اعتبار سے غیر وجیہ تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور انہیں ان کے ایمان کے حوالے کر دیا۔

جان ہے! جُعَیل بن سراقہ ان تمام لوگوں سے بہتر ہیں جن سے زمین بھری ہوئی ہو، اگر وہ سب عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسے ہوں۔ لیکن میں نے ان دونوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے انہیں عطا کیا ہے، تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں، جبکہ جُعَیل بن سراقہ کو میں نے ان کے اسلام کے حوالے کر دیا ہے۔''(1)

ہوازن کے وفد کا مسلمان ہو کر حاضر ہونا

ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جِعرانہ میں تشریف فرما تھے۔ یہ واقعہ اموالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپسی کے بعد دس سے کچھ زیادہ راتوں تک ان کے انتظار میں رہے، اس امید پر کہ شاید وہ مسلمان ہو کر آجائیں، تاکہ ان کے بیٹے، عورتیں اور مال و دولت انہیں واپس کر دیے جائیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں مروان بن حکم اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کے اموال اور قیدیوں کو واپس کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''میرے پاس وہ لوگ موجود ہیں

1- اسے ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ 149 میں روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے الاصابۃ، جلد اول، صفحہ 596 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے: یہ مرسل روایت حسن ہے، لیکن اس کی تائید ایک متصل سند والی روایت سے بھی ہوتی ہے، جسے رویانی نے اپنی مسند میں اور ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں روایت کیا ہے۔ پھر انہوں نے اس روایت کو ذکر کر کے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔

جنہیں تم دیکھ رہے ہو، اور مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ بات سچی بات ہے۔ تم دونوں میں سے کسی ایک چیز کا انتخاب کر لو: یا اپنے قیدیوں کو لے لو یا اپنا مال واپس لے لو۔ میں نے تمہارا انتظار کیا تھا[1]، اور جب میں طائف سے واپس آیا تو دس سے کچھ زیادہ راتوں تک تمہیں مہلت دی تھی۔'' جب ان پر واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دونوں چیزیں واپس نہیں فرمائیں گے، بلکہ ان میں سے صرف ایک ہی چیز واپس کی جائے گی، تو انہوں نے عرض کیا: ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا پسند کرتے ہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی، جیسا کہ وہ اس کا اہل ہے، پھر ارشاد فرمایا: ''اما بعد! تمہارے بھائی توبہ کر کے ہمارے پاس آئے ہیں، اور میں نے مناسب سمجھا ہے کہ ان کے قیدی انہیں واپس کر دوں۔ تم میں سے جو شخص خوش دلی سے انہیں واپس کرنا چاہے، وہ ایسا کرے، اور جو شخص یہ چاہے کہ اس کا حصہ اس کے پاس رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سب سے پہلے جو مال عطا فرمائے، اس میں سے ہم اسے اس کا معاوضہ دے دیں، تو وہ ایسا کرے۔'' لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے خوش دلی سے انہیں واپس کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمیں معلوم نہیں کہ تم میں سے کس

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 352 میں فرمایا ہے: یعنی میں نے قیدیوں کی تقسیم کو مؤخر کر دیا تھا تاکہ تم حاضر ہو جاؤ، لیکن تم نے آنے میں دیر کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو تقسیم کیے بغیر چھوڑ دیا تھا، پھر طائف کی طرف روانہ ہوئے اور اس کا محاصرہ کیا۔ اس کے بعد وہاں سے واپس جِعرانہ تشریف لائے اور وہیں اموالِ غنیمت تقسیم فرمائے۔ پھر اس کے بعد ہوازن کا وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح فرمایا کہ میں نے قیدیوں کی تقسیم اس لیے مؤخر کی تھی تاکہ تم حاضر ہو جاؤ، لیکن تم نے آنے میں تاخیر کر دی۔

نے اس کی اجازت دی ہے اور کس نے اجازت نہیں دی۔ لہٰذا تم واپس جاؤ، یہاں تک کہ تمہارے سردار اور ذمہ دار افراد تمہارا فیصلہ ہمارے سامنے پیش کریں۔'' چنانچہ لوگ واپس چلے گئے۔ان کے ذمہ دار افراد نے ان سے بات کی، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ سب نے خوش دلی سے اپنے قیدیوں کی واپسی کی اجازت دے دی ہے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور ابن اسحاق نے السیرۃ میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ہوازن کا وفد۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جِعرانہ میں تشریف فرما تھے اور وہ اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم اصل اور خاندان والے لوگ ہیں، اور ہم پر ایسی مصیبت آئی ہے جو آپ سے پوشیدہ نہیں۔ لہٰذا ہم پر احسان فرمایئے، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا۔[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے نزدیک

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4318 اور 8319 پر روایت کیا ہے۔

2- سندی نے مسند احمد کی شرح، جلد چہارم، صفحہ 432 میں فرمایا ہے: یعنی ہوازن کا ایک گروہ، جنہوں نے غزوۂ حنین کے دن جنگ کی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دے دی، تو ان کے اموال اور اولاد مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت بن گئے۔ پھر جب وہ مسلمان ہو کر آئے تو انہوں نے اپنے اموال اور اولاد کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

3- ابن اسحاق نے السیرۃ میں مزید ذکر کیا ہے: ہوازن کے قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا، جو بنو سعد بن بکر سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا نام زہیر اور کنیت ابو صُرَد تھی۔ اس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ان احاطوں میں تو آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور وہ خواتین ہیں جو آپ کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں۔''

تمہارے بیٹے اور عورتیں زیادہ محبوب ہیں یا تمہارے مال؟ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں اپنے حسب و نسب اور مال کے درمیان اختیار دیا ہے۔ یقیناً ہمارے بیٹے اور عورتیں ہمیں واپس مل جائیں، یہی ہمارے لیے زیادہ محبوب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میرا اور بنو عبدالمطلب کا ہے، وہ تمہارے لیے ہے۔ جب میں لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھادوں تو تم کھڑے ہو کر کہو: ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کے معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کے سامنے اپنا سفارشی بناتے ہیں، اور مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا سفارشی بناتے ہیں۔ اس کے بعد میں تمہیں عطا کروں گا اور تمہارے لیے سفارش کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھادی تو وہ کھڑے ہوئے اور وہی بات کہی جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کچھ میرا اور بنو عبدالمطلب کا ہے، وہ تمہارے لیے ہے۔ مہاجرین رضی اللہ عنہم نے کہا: جو کچھ ہمارا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ انصار رضی اللہ عنہم نے بھی کہا: جو کچھ ہمارا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ لیکن اقرع بن حابس نے کہا: جہاں تک میرا اور بنو تمیم کا تعلق ہے، تو ہم ایسا نہیں کریں گے۔ عیینہ بن حصن نے کہا: جہاں تک میرا اور بنو فزارہ کا تعلق ہے، تو ہم ایسا نہیں کریں گے۔ عباس بن مرداس نے کہا: جہاں تک میرا اور بنو سلیم کا تعلق ہے، تو ہم

میں کہتا ہوں: ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ لوگ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ تھیں۔

ایسا نہیں کریں گے۔اس پر بنو سلیم نے کہا: نہیں، جو کچھ ہمارا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔عباس بن مرداس نے کہا: اے بنو سلیم! تم نے مجھے کمزور اور بے وقعت کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص ان قیدیوں میں سے اپنے حق پر قائم رہنا چاہے، تو اسے ہر قیدی کے بدلے میں سب سے پہلے حاصل ہونے والے مال میں سے چھ حصے (فرائض)[1] دیے جائیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے بیٹے اور عورتیں ہوازن کے حوالے کر دیے۔[2]

جِعرانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ ادا کرنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جِعرانہ میں غزوۂ حنین کے اموالِ غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کا احرام باندھا۔یہی عمرہ ''عمرۂ جِعرانہ'' کہلاتا ہے۔ امام احمد اور امام ترمذی رحمہما اللہ نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت محرش[3] کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جِعرانہ سے عمرے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات ہی میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اپنا عمرہ ادا فرمایا، پھر اسی رات

1- ''فرائض''، ''فریضۃ'' کی جمع ہے، اور اس سے مراد وہ اونٹ ہے جو زکوٰۃ کے طور پر لیا جاتا ہے۔اسے ''فریضہ'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مال کے مالک پر واجب کردہ حق ہوتا ہے۔ پھر اس لفظ کا استعمال وسیع ہو گیا، یہاں تک کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی اونٹ کو ''فریضہ'' کہا جانے لگا۔دیکھیے: النہایۃ، جلد سوم، صفحہ 387۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 7037 پر، اور ابن اسحاق نے السیرۃ، (141/4)، میں روایت کیا ہے۔

3- ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الاصول، جلد دوم، صفحہ 841، قسم التراجم میں لکھا ہے: ''مُحَرِّش''، میم پر پیش، حاء مہملہ پر زبر اور راء پر تشدید کے ساتھ زیر پڑھا جائے گا۔

واپس روانہ ہو گئے۔ صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم جِعرانہ میں اس طرح موجود تھے گویا آپ نے وہیں رات گزاری ہو۔ پھر اگلے دن جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرف [1] کی وادی سے ہوتے ہوئے اس مقام تک روانہ ہوئے جہاں راستہ عام راستے سے مل جاتا ہے۔ یہ راستہ سرف کی وادی سے گزرتا تھا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرے کا علم لوگوں کو نہ ہو سکا۔ [2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جِعرانہ سے عمرہ ادا کیا۔ انہوں نے بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے رَمل کیا، اور اپنی چادریں بغلوں کے نیچے سے گزار کر ان کے کنارے اپنے بائیں کندھوں پر ڈال لیے۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: جہاں تک رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا تعلق ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا صرف عمرۂ جِعرانہ کے موقع پر ثابت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جِعرانہ سے احرام باندھا،

1- ''سَرِف''، سین پر زبر اور راء کے نیچے زیر کے ساتھ، مکہ مکرمہ کے قریب ایک مقام ہے، جو دس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دیکھیے: النہایۃ، جلد دوم، صفحہ 326۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 15513 اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 953 پر روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 2792 اور 3512، اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1844 پر روایت کیا ہے۔

رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، عمرے کے مناسک ادا فرمائے، پھر رات ہی میں واپس تشریف لے گئے، یہاں تک کہ صبح کے وقت جِعرانہ میں اس طرح موجود تھے گویا آپ نے وہیں رات گزاری ہو۔ یہ روایت سنن کی تین کتابوں کے مصنفین نے حضرت مُحرِّش کعبی رضی اللہ عنہ کی حدیث سے نقل کی ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ نے اس روایت پر یہ عنوان قائم کیا ہے: ''رات کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہونا۔'' (1)

مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اسید[2] رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ واپس تشریف لے جانے سے پہلے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ امام بغوی رحمہ اللہ نے حدیثِ عیسیٰ بن سالم الشاشی میں عمرو بن شعیب، وہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ روانہ فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ میں تمہیں

1- دیکھیے: فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 226۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 737 میں فرمایا ہے: حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کے نام میں ہمزہ پر زبر ہے۔ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ وہ نیک، صالح اور صاحبِ فضیلت شخصیت تھے۔

کہاں بھیج رہا ہوں؟ اللہ کے گھر والوں کے پاس، اور اس سے مراد مکہ مکرمہ کے لوگ ہیں۔"[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جِعرانہ سے عمرہ ادا فرمایا اور مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمرے سے فارغ ہو گئے تو مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سال لوگوں کو حج کرانے کے لیے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں مقرر رہے۔ چنانچہ وہ مسلمانوں کے امراء میں سے پہلے شخص تھے جنہوں نے لوگوں کو حج کرایا۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے آٹھویں سال ذوالقعدہ کی چھ راتیں باقی رہنے پر مدینہ منورہ تشریف لائے۔[3]

ہجرت کا نواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقات وصول کرنے کے لیے اپنے عاملین مقرر فرمانا

جب ہجرت کے نویں سال محرم کا چاند طلوع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام علاقوں کی طرف، جہاں اسلام پہنچ چکا تھا، صدقات وصول کرنے کے لیے اپنے عاملین روانہ فرمائے۔

1- علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو السلسلۃ الصحیحۃ، حدیث نمبر 1212 میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے امام بغوی نے حدیثِ عیسیٰ بن سالم الشاشی (ق 1/108) میں روایت کیا ہے اور اس کی سند کو عمدہ قرار دیا ہے۔

2- دیکھیے: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 242۔

3- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 154۔

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی طبقات میں لکھا ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہجرت کے نویں سال محرم کا چاند دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات وصول کرنے والے اہلکاروں کو عرب قبائل کی طرف روانہ فرمایا۔[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام علاقوں کی طرف، جہاں اسلام پہنچ چکا تھا، اپنے امراء اور صدقات وصول کرنے والے عاملین کو روانہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درج ذیل حضرات کو مقرر فرمایا:

1- حضرت مہاجر بن ابی امیہ بن مغیرہ[2] رضی اللہ عنہ کو صنعاء کی طرف روانہ فرمایا۔ جب وہ وہاں پہنچے تو عَنسی (اسود عنسی)[3] وہاں سے نکل چکا تھا۔

2- حضرت لبید بن زیاد بیاضی رضی اللہ عنہ کو حضرموت کی طرف روانہ فرمایا۔

3- حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کو قبیلۂ طَیّ اور بنو اسد کی طرف روانہ فرمایا۔

1- دیکھیے: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 329۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ 247 میں لکھا ہے: مہاجر بن ابی اُمیہ رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ 611 میں لکھا ہے: عنسی کذاب کا نام عیہلہ تھا، اور ایک قول کے مطابق عَبْہَلَہ تھا۔ وہ مذحج قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور ذوالخمار کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ جھوٹا مدعیِ نبوت اور شعبدہ باز تھا، یمن کے رہنے والوں میں سے تھا۔ جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے تو وہ بھی مسلمان ہو گیا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مرتد ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کا اقتدار وسیع ہو گیا، اور اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک ماہ پہلے ایک مسلمان کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

4- حضرت مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کو بنو حنظلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ بنو سعد کے صدقات کو دو افراد میں تقسیم کیا اور ان میں سے ایک حصے پر حضرت زبرقان[1] بن بدر رضی اللہ عنہ کو، جبکہ دوسرے حصے پر حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔

5- حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف روانہ فرمایا۔

6- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نجران[2] کی طرف روانہ فرمایا۔

7- حضرت رافع بن مکیث[3] رضی اللہ عنہ کو قبیلۂ جہینہ کی طرف روانہ فرمایا۔

8- حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بنو فزارہ کی طرف روانہ فرمایا۔

9- حضرت ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب کی طرف روانہ فرمایا۔

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 465 میں لکھا ہے: زِبْرِقان میں زاء اور راء پر زیر ہے، اور ان دونوں کے درمیان باء ساکن ہے۔ زبرقان ان کا لقب تھا، جبکہ ان کا اصل نام حُصَین تھا۔ انہیں ان کے حسن وجمال کی وجہ سے زبرقان کہا جاتا تھا، اور عربی زبان میں زبرقان کا معنی چاند ہے۔ حضرت زبرقان رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بلند مرتبے کے حامل تھے، پھر اسلام میں بھی سردار بنے، اور وہ عمدہ شاعروں میں شمار ہوتے تھے۔

2- ابن اسحاق نے سیرت ابن اسحاق، جلد چہارم، صفحات 255 اور 256 میں اسی قدر ذکر کیا ہے۔

3- ابن اثیر نے جامع الأصول، جلد اول، حدیث نمبر 384، قسم التراجم میں لکھا ہے: حضرت رافع بن مُکَیث رضی اللہ عنہ صلح حدیبیہ میں شریک ہوئے تھے۔ مُکَیث کے میم پر زبر، کاف پر زیر، یاء ساکن ہے جس کے نیچے دو نقطے ہیں، اور آخر میں ثاء مثلثہ ہے۔

10- حضرت عیینہ [1] بن حصن رضی اللہ عنہ کو بنو تمیم کی طرف روانہ فرمایا۔

11- حضرت بریدہ بن حصیب [2] رضی اللہ عنہ کو اسلم اور غفار قبائل کی طرف روانہ فرمایا۔

12- حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کو سلیم اور مزینہ قبائل کی طرف روانہ فرمایا۔

13- ابن اللتبیہ [3] ازدی کو بنو ذبیان کی طرف روانہ فرمایا۔

14- حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو بنو مصطلق کی طرف روانہ فرمایا [4]

۔

اہم تنبیہ:

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو محرم سنہ 9 ہجری میں ایک ہی وقت میں روانہ نہیں فرمایا تھا،

1- ابن اثیر نے جامع الأصول، جلد دوم، صفحہ 733، قسم التراجم میں لکھا ہے: عُیَیْنَہ، عَین کی تصغیر ہے۔

2- ابن اثیر نے جامع الأصول، جلد اول، صفحہ 209، قسم التراجم میں لکھا ہے: بُرَیدہ میں باء موحدہ پر پیش، راء پر زبر، یاء ساکن ہے جس کے نیچے دو نقطے ہیں، اور آخر میں دال مہملہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 342 میں لکھا ہے: حُصَیب میں حاء مہملہ پر پیش ہے۔ آپ غزوۂ خیبر اور فتح مکہ میں شریک ہوئے تھے، اور ان کے پاس علَم تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم کے صدقات وصول کرنے کا عامل مقرر فرمایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب امیر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سرزمین بلقاء کی طرف لشکر کشی کی تو ان کے پاس علَم تھا۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 137 میں لکھا ہے: اِبْنُ اللُّتْبِیَّۃ میں لام پر پیش اور تاء ساکن ہے۔ وہ قبیلہ اَزْد کی شاخ بنی لُتْب سے تعلق رکھتے تھے، اور ان کا نام عبد اللہ تھا۔

4- دیکھیے: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 329۔

بلکہ ان میں سے بعض کی روانگی اس وقت تک مؤخر رہی جب تک وہ قبائل اسلام قبول نہیں کر لیتے تھے جن کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔اس بات کی تائید ابن اسحاق کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن عاملوں کو ان کی قوموں کے صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، حالانکہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا اس کے بعد ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بت فلس[1] کو منہدم کرنے کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ یہ واقعہ سنہ 9 ہجری، ماہِ ربیع الآخر میں پیش آیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صدقے کے مال میں خیانت کرنے سے تنبیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو صدقے کے مال میں خیانت کرنے سے خبردار فرمایا۔ چنانچہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صدقات وصول کرنے والے عامل کی حیثیت سے بھیجا، پھر فرمایا: ''اے ابو مسعود! جاؤ، لیکن خبردار! قیامت کے دن میں تمہیں اس حال میں نہ پاؤں کہ تم اپنی پیٹھ پر صدقے کے اونٹوں میں سے کوئی اونٹ اٹھائے ہوئے آؤ، جو آواز نکال رہا ہو، اور تم نے اسے خیانت کر کے اپنے پاس رکھ لیا ہو۔'' حضرت ابو

1- فلس: فاء پر پیش اور لام ساکن کے ساتھ، قبیلہ طیّ کا ایک بُت تھا۔ دیکھیے: النہایہ، جلد سوم، صفحہ 423۔

مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''تب تو میں نہیں جاؤں گا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو پھر میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔''[1]

غزوۂ تبوک[2] یا غزوۂ عُسرہ[3]

غزوۂ تبوک سنہ 9 ہجری، ماہِ رجب میں پیش آیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا جس میں آپ بنفسِ نفیس شریک ہوئے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں لکھا ہے: غزوۂ تبوک سنہ 9 ہجری، ماہِ رجب میں حجۃ الوداع سے پہلے پیش آیا، اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے[4]۔

امام احمد نے اپنی مسند اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''میں

1- (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: 2487)۔

2- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں باب قائم کیا ہے: ''غزوۂ تبوک، اور یہ غزوۂ عُسرہ ہے۔'' امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ 73 میں لکھا ہے: تبوک میں تاء پر زبر اور باء پر پیش ہے۔ یہ سرزمینِ شام کے کنارے پر واقع ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے قبلے کی سمت سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ کے درمیان تقریباً چودہ منزلوں کا فاصلہ ہے، جبکہ اس کے اور دمشق کے درمیان گیارہ منزلوں کا فاصلہ ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 449 میں لکھا ہے: عُسْرہ میں دونوں حروف (عین اور سین) مہملہ ہیں۔ عین پر پیش اور اس کے بعد سین ساکن ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ماخوذ ہے: ﴿الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ ترجمہ: ''جنہوں نے تنگی کے وقت میں ان کا ساتھ دیا۔'' (سورۃ التوبہ: 117)

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد دوم، صفحہ 336 میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے: یعنی تنگی کے وقت میں۔ اس سے کوئی خاص گھڑی مراد نہیں ہے۔ یہ غزوہ غزوۂ عُسرہ کے نام سے مشہور تھا، اور لشکر کو جیش العُسرہ کہا جاتا تھا۔ عُسرہ کا معنی سختی اور تنگی ہے۔ اس غزوے میں سواریوں، زادِ راہ اور پانی کی شدید قلت کی وجہ سے مسلمانوں کو دشواری کا سامنا تھا۔

4- (دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 449)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی بھی غزوے میں شرکت سے پیچھے نہیں رہا تھا، یہاں تک کہ غزوۂ تبوک کا موقع آیا، اور یہ آخری غزوہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی۔"(1)

امام حاکم نے المستدرک میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس غزوات میں شرکت فرمائی، اور میں نے آپ کے ساتھ ان میں سے انیس غزوات میں شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ غزوۂ تبوک تھا۔"(2)

غزوۂ تبوک کا سبب

غزوۂ تبوک کے سبب کے بارے میں درج ذیل تفصیلات بیان کی گئی ہیں:

اولاً: ابن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ رومیوں نے شام میں بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، اور ہرقل نے اپنے ساتھیوں کے لیے ایک سال کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ لخم، جذام، عاملہ اور غسان کے قبائل بھی جمع ہو گئے تھے، اور انہوں نے اپنے لشکر کے اگلے دستے بلقاء تک بھیج دیے تھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جنگ کے لیے نکلنے کی ترغیب دی۔(3)

1- (مسند احمد، حدیث نمبر: 27175؛ جامع ترمذی، حدیث نمبر: 3359)۔

2- (المستدرک للحاکم، حدیث نمبر: 6546)۔

3- (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 332)۔

میں کہتا ہوں کہ: اس سبب کی تائید امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کے علاقے آپ کے تابع اور مطیع ہو چکے تھے، صرف شام میں غسان کا بادشاہ باقی رہ گیا تھا، جس کے بارے میں ہمیں اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ہم پر حملہ نہ کر دے۔''(1)

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں: ''ہم آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ غسان کا بادشاہ ہم پر حملہ کرنے کے لیے گھوڑوں پر زینیں کس رہا ہے۔''(2)

میں کہتا ہوں کہ شاید رومیوں اور غسانیوں کی مسلمانوں کے خلاف سرکشی اور غرور کا سبب غزوۂ مؤتہ کا وہ نتیجہ تھا، جس میں رومیوں اور غسانیوں کو مسلمانوں کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ گویا وہ اس طرح مسلمانوں سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس اقدام سے پہلے ہی پیش قدمی فرمائی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر میں اسی موقف کو اختیار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ غزوہ اس لیے کیا تاکہ اپنے ان صحابہ کے قتل کا بدلہ لیں جنہیں غزوۂ مؤتہ میں شہید کیا گیا تھا۔'' اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔(3)

1- (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 5843)۔

2- (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 5191؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1479، 4330)۔

3- (تفسیر ابن کثیر، جلد پنجم، صفحہ 101)۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے حکم پر عمل کرنا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کرنے کا عزم فرمایا، کیونکہ وہ آپ کے قریب ترین لوگوں میں سے تھے، اور حق کی دعوت دینے کے اعتبار سے بھی سب سے زیادہ اس بات کے مستحق تھے کہ انہیں دعوت دی جائے، کیونکہ وہ اسلام اور اہلِ اسلام کے قریب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ﴾ ترجمہ: ''اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے قریب ہیں، اور انہیں تم میں سختی محسوس ہونی چاہیے، اور جان لو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ التوبہ: 123)[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے بھی استدلال کیا ہے: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ ترجمہ: ''ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے انہیں حرام نہیں سمجھتے، اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے، ان اہلِ کتاب میں سے، یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں اور تابع فرمان بن کر رہیں۔'' (سورۃ التوبہ: 29)[2]

موقف کی سنگینی:

1- دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ، جلد پنجم، صفحہ 5۔

2- (تفسیر ابن کثیر، جلد پنجم، صفحہ 101)۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''ہم غسان کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ سے خوف زدہ تھے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ وہ ہمارے خلاف لشکر لے کر آنے کا ارادہ رکھتا ہے، چنانچہ ہمارے دل اس کے خوف سے بھرے ہوئے تھے۔'' (1)

یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ رومیوں اور غسانیوں کی طرف سے مسلمانوں کو جس سنگین صورتِ حال کا سامنا تھا، وہ کس قدر خطرناک تھی۔ مزید یہ کہ غزوۂ تبوک ایسے وقت میں پیش آیا جب لوگوں کو سخت تنگی اور آزمائش کا سامنا تھا، قحط اور شدید گرمی کا موسم تھا۔

ابن اسحاق نے اپنے شیوخ سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رومیوں کے خلاف غزوے کی تیاری کا حکم دیا۔ یہ ایسا وقت تھا جب لوگوں کو سخت تنگی، شدید گرمی اور علاقے میں قحط کا سامنا تھا۔ اسی دوران پھل پک چکے تھے، اور لوگ اپنے پھلوں اور سایوں میں ٹھہرنا پسند کرتے تھے، جبکہ اس زمانے کے سخت حالات میں سفر کے لیے نکلنا انہیں ناگوار گزرتا تھا۔ (2)

1- (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 4013؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1470، 31)۔

2- (سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 169)۔ دیکھیے: الرحیق المختوم، صفحات 431، 432۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور قائد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام حالات کا جائزہ اس سے کہیں زیادہ گہری بصیرت اور حکمت کے ساتھ لے رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے کہ اگر آپ نے ان فیصلہ کن حالات میں رومیوں اور غسانیوں کے خلاف غزوے کے معاملے میں سستی اور کوتاہی کی، اور انہیں ان علاقوں میں گھسنے دیا جو اسلام کے زیرِ اثر اور مسلمانوں کے کنٹرول میں تھے، یہاں تک کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کرتے، تو اس کا اسلامی دعوت اور مسلمانوں کی عسکری ساکھ پر نہایت برا اثر پڑتا۔ وہ جاہلیت، جو غزوۂ حنین میں کاری ضرب لگنے کے بعد آخری سانسیں لے رہی تھی، دوبارہ زندہ ہو جاتی۔ اسی دوران منافقین مسلمانوں کے خلاف پیچھے سے خنجر لیے موقع کی تاک میں رہتے، جبکہ رومی اور غسانی سامنے سے مسلمانوں پر بھرپور حملہ آور ہوتے۔ اس طرح اسلام کی اشاعت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جو عظیم کوششیں کی تھیں، ان کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا، اور خونریز جنگوں اور مسلسل فوجی مہمات کے نتیجے میں جو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں، وہ سب بے سود ہو جاتیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام باتوں کو بخوبی جانتے تھے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگی اور سختی کے باوجود ایک فیصلہ کن غزوے کا عزم فرمایا، جس میں مسلمان رومیوں اور غسانیوں کے خلاف ان کے اپنے علاقوں کی سرحدوں پر جنگ

کرتے، اور انہیں اس بات کی مہلت نہ دیتے کہ وہ پیش قدمی کر کے اسلامی سرزمین میں داخل ہو جائیں۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کو رومیوں کے خلاف غزوے کے لیے تیار کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اپنے ارد گرد رہنے والے عرب قبائل کو رومیوں کے خلاف غزوے کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو عموماً اس کے بجائے کسی دوسرے غزوے کا تاثر دیتے، سوائے دو غزووں کے: غزوۂ خیبر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی فتح کا وعدہ فرمایا تھا[2]، اور غزوۂ تبوک، تاکہ مسلمان دشمن کی سختی، اس کی کثرت، طویل مسافت اور شدید گرمی کے پیشِ نظر پوری تیاری کر سکیں۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح کتابوں میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کسی غزوے کا ارادہ فرماتے تو عموماً اس کے بجائے کسی دوسرے غزوے کا تاثر دیتے رہے، یہاں تک کہ وہ غزوہ[3] پیش آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید گرمی کے موسم میں سفر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طویل سفر، دشوار گزار صحرا اور ایک بڑی تعداد میں موجود دشمن کا سامنا تھا۔ اس موقع پر آپ

1- دیکھیے: الرحیق المختوم، صفحات 431، 432۔

2- اس کا ذکر غزوۂ خیبر کے واقعات کے بیان میں پہلے گزر چکا ہے۔

3- یعنی غزوۂ تبوک۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے سامنے اپنے ارادے کو واضح کر دیا، تاکہ وہ اپنے غزوے کے لیے پوری تیاری کر لیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس مقام کے بارے میں بتا دیا جہاں آپ کا جانے کا ارادہ تھا۔ (1)

غزوۂ تبوک کے بارے میں قرآنِ کریم میں سب سے پہلے جو آیات نازل ہوئیں، وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ترجمہ: اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین سے چمٹ کر رہ جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا سامان بہت ہی تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے آئے گا، اور تم اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکو گے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (سورۃ التوبہ: 38-39)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ ان لوگوں کو عتاب کرنے کا آغاز ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ گئے تھے، اس

1- اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4184 اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2769 اور 53 کے تحت روایت کیا ہے۔

وقت جب شدید گرمی اور سخت تپش کے موسم میں پھل پک چکے تھے اور سایے خوش گوار ہو گئے تھے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لشکرِ عسرت کے لیے مالی تعاون کی ترغیب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو لشکرِ عسرت کے لیے مالی تعاون کرنے اور سواریوں کا انتظام کرنے کی ترغیب دی، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے یکے بعد دیگرے لشکرِ عسرت کی تیاری کے لیے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر کی تیاری میں تیزی فرمائی، لوگوں کو سامانِ سفر تیار کرنے اور جلد روانگی کا حکم دیا، اور مال دار لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور سواریوں کا انتظام کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ مال دار لوگوں میں سے کئی افراد نے سواریوں کا انتظام کیا اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھتے ہوئے یہ کام کیا۔[2]

مال دار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مالی تعاون میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے لشکرِ عسرت کی تیاری کے لیے مالی تعاون کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ آخرت کے معاملات میں حرص اور شوق کے ساتھ آگے بڑھنا ان کا معمول تھا۔ ذیل میں بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بڑے مالی تعاون کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

1- دیکھیے: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی تفسیر، جلد چہارم، صفحہ 292۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 171۔

ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ

امام ترمذی، ابوداؤد اور حاکم رحمہم اللہ نے حسن سند کے ساتھ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اتفاق سے اس وقت میرے پاس مال موجود تھا، تو میں نے سوچا کہ اگر کبھی ابو بکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کا موقع ملا ہے تو آج ہی ہے۔ چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''اتنا ہی مال ان کے لیے چھوڑا ہے۔'' پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال لے کر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟''

انہوں نے عرض کیا: ''میں نے ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔'' یہ سن کر میں نے کہا: ''میں اب کبھی کسی معاملے میں آپ سے آگے بڑھنے کی کوشش نہیں کروں گا۔''(1)

امام ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی جاہل اعتراض کرتے ہوئے کہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تو اپنا سارا مال لے آئے تھے!

1- اسے امام ترمذی نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4006، امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1006، اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر 1504 کے تحت روایت کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تجارت اور کاروبار کرتے تھے، لہٰذا جب انہوں نے اپنا تمام مال خرچ کر دیا تو ان کے لیے ممکن تھا کہ وہ قرض لے کر اپنی ضروریاتِ زندگی پوری کر لیتے۔ پس جو شخص اس حالت میں ہو، میں اس کے اپنا تمام مال خرچ کرنے پر ملامت نہیں کرتا۔[1]

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مالی تعاون

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بہت عظیم مالی تعاون کیا، ایسا تعاون کسی اور نے نہیں کیا تھا۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حسن سند کے ساتھ عبد الرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ عسرت کی تیاری فرما رہے تھے تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ایک ہزار دینار اپنے کپڑے میں رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے ان دیناروں کو الٹ پلٹ کرنے لگے اور بار بار فرماتے رہے: ''آج کے بعد ابنِ عفان جو بھی عمل کریں، انہیں کوئی نقصان نہیں ہو گا۔''[3]

1- دیکھیے: صید الخاطر، صفحہ 118۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 171۔

3- اسے امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 20630 اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں حدیث نمبر 4034 کے تحت روایت کیا ہے۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مالی تعاون

لشکرِ عسرت کی تیاری کے لیے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے مالی تعاون کی مقدار کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس سلسلے میں متعدد روایات ذکر کی ہیں، پھر فرمایا: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جو مال لے کر آئے تھے، اس کی مقدار کے بارے میں روایات میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اور اس بارے میں سب سے زیادہ معتبر طریق سے ثابت ہونے والی مقدار آٹھ ہزار درہم ہے۔[1]

ایک صاع خرچ کرنے والے اشخاص کا تذکرہ

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں ابو مسعود عقبہ بن عمرو بدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ہم محنت مزدوری[2] کر کے صدقہ کرنے کے لیے مال جمع کرتے تھے۔ چنانچہ ابو عقیل[3] رضی اللہ عنہ آدھا صاع لے کر آئے، اور ایک دوسرے شخص[4] نے ان سے زیادہ[5] مال

1- دیکھیے: فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 230۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں، جلد ہفتم، صفحہ 93 پر فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اجرت پر اپنی پیٹھوں پر بوجھ اٹھاتے تھے، پھر اس اجرت میں سے صدقہ کرتے تھے، یا پوری اجرت ہی صدقہ کر دیتے تھے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 42 پر فرمایا ہے کہ ''اَبُو عقیل'' میں عین پر زبر ہے۔

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 32 پر فرمایا ہے کہ اس سے مراد عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔

5- اور صحیح بخاری کی دوسری روایت، حدیث نمبر 1415 میں ہے کہ ''ایک شخص آیا اور اس نے بہت زیادہ صدقہ کیا۔''

پیش کیا۔ اس پر منافقین نے کہا: اللہ کو اس شخص [1] کے صدقے کی کوئی ضرورت نہیں، اور دوسرے شخص [2] نے یہ کام محض دکھاوے کے لیے کیا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ترجمہ: جو لوگ صدقات کے معاملے میں خوش دلی سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے مومنوں پر طعن کرتے ہیں، اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جنہیں اپنی محنت و مشقت کے سوا کچھ میسر نہیں، اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (سورۃ التوبہ: 79) [3]

صحیح مسلم میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے واقعے میں ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی دوران [4]، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کے کپڑے سفید تھے اور سراب کی وجہ سے وہ دور سے حرکت کرتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو خیثمہ [5] ہی ہوں گے!'' چنانچہ وہ ابو خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ

1- اس سے مراد ابو عقیل رضی اللہ عنہ ہیں۔

2- یعنی عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ۔

3- اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر 1415 اور 4668، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1018 کے تحت روایت کیا ہے۔

4- یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے روانہ تھے۔

5- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد نہم، صفحہ 230 پر فرمایا ہے: اس ابو خیثمہ کا نام عبد اللہ بن خیثمہ تھا۔ وہ انصار کے قبیلۂ بنی سالم سے تعلق رکھتے تھے۔

ہی تھے۔ یہی وہ صحابی تھے جنہوں نے ایک صاع کھجور صدقہ کیا تھا، تو منافقین نے ان پر طعن کیا تھا۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: یہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صاع لے کر آنے والے افراد ایک سے زیادہ تھے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر روایات میں مذکور ہے کہ ایک شخص ایک صاع لے کر آیا تھا۔ اسی طرح کتاب الزکاۃ میں بھی ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے ایک صاع صدقہ کیا (2)، جبکہ زیرِ بحث حدیث میں ہے کہ ابو عقیل رضی اللہ عنہ آدھا صاع لے کر آئے تھے۔ (3)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعراب اور منافقین کی سرزنش

منافقین میں سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کسی عذر کے بغیر غزوے میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ ان کی تعداد تقریباً بیاسی افراد تھی۔ اور کچھ دیہاتی اعراب بھی عذر پیش کرتے ہوئے آئے تاکہ انہیں بھی پیچھے رہ جانے کی اجازت دے دی جائے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عذر پیش کیے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معذور تسلیم نہیں فرمایا۔ ان کی تعداد بیاسی افراد تھی (4)۔ چنانچہ اللہ

1- اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2769 اور 53 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1415 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: فتح الباری، جلد نہم، صفحات 229، 230۔

4- دیکھیے: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد دوم، صفحہ 332۔

تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی: لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ترجمہ: اگر مالِ غنیمت قریب ہوتا اور سفر بھی درمیانہ ہوتا تو وہ ضرور آپ کے ساتھ چل پڑتے، لیکن ان کے لیے مسافت بہت دور ہو گئی۔ اور اب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ (سورۃ التوبہ: 42)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی سرزنش فرما رہا ہے جو غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے کے بعد بیٹھ رہے۔ وہ ظاہر کر رہے تھے کہ ان کے پاس عذر ہیں، حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اگر مالِ غنیمت قریب ہوتا اور سفر بھی درمیانہ ہوتا'' یعنی سفر قریب ہوتا، ''تو وہ ضرور آپ کے ساتھ چل پڑتے'' یعنی اس صورت میں وہ آپ کے ساتھ روانہ ہو جاتے۔ ''لیکن ان کے لیے مسافت بہت دور ہو گئی'' یعنی شام تک کا سفر ان کے لیے طویل ہو گیا۔ ''اور اب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے'' یعنی جب آپ لوگ ان کے پاس واپس آئیں گے تو وہ قسمیں کھا کر کہیں گے: ''اگر ہم طاقت رکھتے تو ضرور آپ کے ساتھ نکلتے'' یعنی اگر ہمارے پاس عذر نہ ہوتے تو ہم ضرور آپ کے ساتھ روانہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں[1]، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔“(سورۃ التوبہ: 42)[2]

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت لطیف انداز میں عتاب فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا: عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ترجمہ: اللہ آپ کو معاف فرمائے، آپ نے انہیں اجازت کیوں دے دی، یہاں تک کہ آپ پر وہ لوگ واضح ہو جاتے جو سچے ہیں اور آپ جھوٹوں کو بھی جان لیتے؟(سورۃ التوبہ: 43)

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہے، جس کے ذریعے اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر متنبہ فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے خلاف جنگ کے لیے تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے منافقین میں سے جن لوگوں کو پیچھے رہ جانے کی اجازت دی تھی، انہیں اجازت کیوں دی۔[3]

بعض سچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا پیچھے رہ جانا

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سفر کی تیاری مکمل فرمائی اور روانگی کا پختہ ارادہ کر لیا۔ مسلمانوں میں سے کچھ ایسے افراد بھی تھے جن کی تیاری میں تاخیر ہو گئی،

1- امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد دہم، صفحہ 227 پر فرمایا: یعنی جھوٹ اور نفاق کے ذریعے۔
2- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم، صفحہ 297۔
3- دیکھیے: تفسیر طبری، جلد ششم، صفحہ 380۔

یہاں تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانے سے پیچھے رہ گئے۔ ان کا پیچھے رہ جانا کسی شک یا تردد کی وجہ سے نہیں تھا۔ ان میں کعب بن مالک، مرارہ[1] بن ربیع، ہلال بن امیہ، اور ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ یہ سب سچے اور مخلص لوگ تھے، اور ان کے اسلام کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کیا جاتا تھا۔[2]

مسلمانوں کے لشکر کی تعداد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیس ہزار مجاہدین جمع ہو گئے تھے۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح کتابوں میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان بہت بڑی تعداد میں تھے، اور کوئی ایسا رجسٹر یا کتاب نہ تھی جو ان سب کو شمار کر کے محفوظ رکھتی۔''[3]

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو ساتھ لے کر غزوے

1- ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد دوم، صفحہ 847، قسم التراجم میں فرمایا ہے: ''مَرَارَة'' میں میم پر پیش ہے اور پہلے راء کو تشدید کے بغیر ہلکا پڑھا جائے گا۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ 172۔

3- اسے امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4418 اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2769 اور 53 کے تحت روایت کیا ہے۔

کے لیے روانہ ہوئے، جن کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی، اور کوئی ایسا رجسٹر نہ تھا جو ان سب کو شمار کر کے محفوظ رکھتا۔"[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: امام حاکم نے کتاب الإکلیل میں معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لیے روانہ ہوئے، اور ہماری تعداد تیس ہزار سے بھی زیادہ تھی[2]۔" اسی تعداد کو ابن اسحاق[3] رحمہ اللہ نے قطعی طور پر بیان کیا ہے، جبکہ واقدی رحمہ اللہ نے بھی اسے ایک دوسری متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[4]

محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین مقرر کرنا

ابن سعد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الطبقات میں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ ہمارے نزدیک یہی قول زیادہ مضبوط ہے، بہ نسبت ان لوگوں کے قول کے جو کسی دوسرے شخص کو جانشین مقرر کیے جانے کا ذکر کرتے ہیں۔[5]

1- اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2779 اور 55 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس کا ذکر میزان الاعتدال، جلد پنجم، صفحہ 159 میں کیا ہے۔

3- اسی طرح امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد پنجم، صفحہ 219 میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔

4- دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 457۔

5- دیکھیے: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد سوم، صفحہ 332۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہلِ خانہ کے لئے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے اہلِ خانہ کے پاس اپنا جانشین مقرر فرمایا، اس لیے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہو سکے۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی دونوں صحیح کتابوں میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اس پر انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے درمیان چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا؟''(1)

امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں، جو سعد رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثنیۃ الوداع

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4416 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2404 میں روایت کیا ہے۔

پہنچ گئے۔ اس وقت علی رضی اللہ عنہ رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے: ''کیا آپ مجھے پیچھے رہ جانے والوں[1] کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں؟''

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون علیہ السلام کو موسیٰ علیہ السلام سے تھی، سوائے نبوت کے؟''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، لیکن اس میں اس بات کی کوئی صراحت نہیں کہ وہ دوسرے لوگوں سے افضل ہیں یا ان کے برابر ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ مقرر ہونے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات علی رضی اللہ عنہ سے اس وقت فرمائی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر انہیں مدینہ منورہ میں اپنے اہلِ خانہ کے بارے میں اپنا جانشین مقرر فرمایا تھا۔ اس بات کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ جن ہارون علیہ السلام کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ کو تشبیہ دی گئی ہے، وہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ نہیں بنے تھے، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی ہی میں، ان کی وفات

1- امام سندھی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی شرح میں، جلد دوم، صفحہ 105 پر فرمایا: یعنی ان عورتوں کے ساتھ جن کا معمول گھروں میں بیٹھنا اور وہیں رہنا ہے۔

2- امام سندھی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی شرح، جلد دوم، صفحہ 105 پر فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''سوائے نبوت کے'' میں استثناء ہارون علیہ السلام کے مرتبے سے ہے یعنی سوائے نبوت کے۔ اور اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 1463 کے تحت روایت کیا ہے۔

سے تقریباً چالیس سال پہلے وفات پا گئے تھے، جیسا کہ تاریخ و قصص کی کتابوں میں مشہور ہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روانہ ہونا اور قومِ ثمود کے علاقوں سے گزرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ نبویہ سے اپنے عظیم لشکر کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر قومِ ثمود کے علاقوں سے ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری کو تیز چلنے کا حکم دیا اور قومِ ثمود کے علاقوں کے قریب اترے۔ چنانچہ شیخین نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ حجر[2] سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، کہیں تمہیں بھی وہ عذاب نہ پہنچ جائے جو انہیں پہنچا تھا[3]، الا یہ کہ تم روتے ہوئے داخل ہو۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کو ڈھانپ لیا اور تیزی سے چلنے لگے، یہاں تک کہ اس وادی سے آگے نکل گئے۔[4]

1- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووي، جلد پندرہ، صفحہ 142۔

2- امام سندھی رحمہ اللہ نے مسند احمد کی شرح، جلد دہم، صفحہ 458 پر فرمایا: ''الحجر'' میں حرفِ حاء کے نیچے زیر ہے اور جیم ساکن ہے، اور ثمود، صالح علیہ السلام کی قوم کا نام ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہفتم، صفحہ 27 پر فرمایا: یہ حکم قومِ ثمود کے گھروں اور ان لوگوں کے گھروں کو بھی شامل ہے جو ان جیسے حالات و اوصاف رکھتے ہوں، اگرچہ اس حکم کا سبب ان ہی کے بارے میں وارد ہوا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 4419 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2989، حدیث نمبر 39 کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ وہاں کے کنوؤں سے پانی نہ پئیں اور نہ ہی ان سے پانی بھریں۔ چنانچہ شیخین نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے موقع پر مقامِ حجر میں اترے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ وہاں کے کنویں سے پانی نہ پئیں اور نہ ہی اس سے پانی بھریں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم تو اس پانی سے آٹا گوندھ چکے ہیں اور پانی بھی بھر چکے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس گوندھے ہوئے آٹے کو پھینک دیں اور اس پانی کو بہادیں۔ (1)

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ جو پانی انہوں نے وہاں سے بھرا تھا، اسے بہادیں اور اونٹوں کو وہ گوندھا ہوا آٹا کھلادیں۔ (2)

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ان فوائد (3) میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ قومِ ثمود کے کنوؤں کا پانی پینا، اس سے کھانا پکانا، آٹا گوندھنا اور طہارت حاصل کرنا جائز نہیں ہے، البتہ جانوروں کو یہ پانی پلانا جائز ہے، سوائے اس کنویں کے جس سے ناقۂ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3377 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2981 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3379 اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2981 کے تحت روایت کیا ہے۔

3- یعنی غزوۂ تبوک سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔

صالح علیہ السلام پانی پیتی تھی[1]۔ یہ کنواں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک معروف اور باقی تھا، پھر لوگوں میں اس کی شناخت نسل در نسل منتقل ہوتی رہی، یہاں تک کہ ہمارے زمانے تک پہنچ گئی۔ لہٰذا کسی دوسرے کنویں پر سوار ہو کر جانے کا اشکال وارد نہیں ہوتا، کیونکہ یہ کنواں پتھروں سے پختہ بنایا گیا ہے، اس کی عمارت مضبوط ہے، اس کے اطراف کشادہ ہیں اور اس پر قدیم تعمیر کے آثار نمایاں ہیں۔ یہ دوسرے کنوؤں سے ممتاز ہے اور کسی دوسرے کنویں کے ساتھ اس کا اشتباہ نہیں ہوتا۔[2]

معجزات کا ظاہر ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔ اس دوران لوگوں کو پانی کی شدید ضرورت پیش آئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، چنانچہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان پر بارش نازل فرمائی۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ہمیں لشکرِ عسرت کا واقعہ بیان کیجیے۔ تو انہوں نے فرمایا: ہم سخت گرمی اور شدید مشقت کے زمانے میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ہم ایک منزل پر اترے، جہاں ہمیں اتنی شدید پیاس لگی کہ ہمیں

1- جیسا کہ صحیح بخاری، حدیث نمبر 3309، اور صحیح مسلم، حدیث نمبر 2981 میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اس کنویں سے پانی لیں جس پر ناقۂ صالح علیہ السلام پانی پینے کے لیے آتی تھی۔

2- دیکھیے: زاد المعاد، جلد سوم، صفحہ 704۔

گمان ہونے لگا کہ ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی۔ یہاں تک کہ کوئی شخص پانی تلاش کرنے کے لیے جاتا تو واپس نہ آتا، اور ہم سمجھتے کہ اس کی گردن پیاس کی شدت سے ٹوٹ جائے گی۔ حتیٰ کہ بعض لوگ اپنے اونٹ کو ذبح کرتے، اس کے پیٹ میں موجود گوبر کو نچوڑ کر اس کا پانی پیتے اور جو کچھ بچ جاتا، اسے اپنے جگر پر مل لیتے تھے! اس موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعا کے ذریعے خیر عطا کرنے کا معمول بنایا ہے، لہٰذا آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم ایسا چاہتے ہو؟'' انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور انہیں واپس نہیں کیا، یہاں تک کہ بادل نے ہم پر سایہ کر لیا اور موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ لوگوں نے اپنے پاس موجود برتنوں کو پانی سے بھر لیا۔ پھر ہم نے جا کر دیکھا تو بادل لشکر سے آگے نہیں بڑھا تھا۔[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب غزوۂ تبوک کا موقع آیا تو لوگوں کو بھوک نے آگھیرا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ ہمیں اجازت دے دیں تو ہم اپنے پانی لانے والے اونٹ ذبح کر لیں، پھر ان کا گوشت کھا لیں اور ان کی چربی استعمال کر لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک، حدیث نمبر 575، اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1383 میں روایت کیا ہے۔

وسلم نے فرمایا: ایسا کر لو۔ اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اگر آپ نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی تو سواریاں کم ہو جائیں گی۔ اس کے بجائے آپ لوگوں کو حکم دیجیے کہ وہ اپنے پاس موجود زادِ راہ میں سے بچا ہوا کھانا لے آئیں، پھر آپ ان کے لیے اس میں برکت کی دعا فرمائیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرما دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا ایک دستر خوان منگوایا اور اسے بچھا دیا۔ اس کے بعد لوگوں کے پاس بچا ہوا کھانا منگوایا۔ کوئی شخص مٹھی بھر جو لے کر آیا، دوسرا مٹھی بھر کھجوریں لے آیا اور کوئی شخص روٹی کا ایک ٹکڑا لے آیا۔ یہاں تک کہ دستر خوان پر تھوڑی سی چیز جمع ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا: ''اپنے برتنوں میں کھانا بھر لو۔'' چنانچہ لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے، یہاں تک کہ لشکر میں کوئی برتن باقی نہ رہا جسے انہوں نے بھر نہ لیا ہو۔ پھر سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، اور اس کے باوجود کچھ کھانا بچ گیا۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو بندہ ان دونوں گواہیوں کے ساتھ، ان میں شک کیے بغیر اللہ سے ملے گا، وہ جنت میں داخل ہونے سے محروم نہیں کیا جائے گا۔''(1)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2548 کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہیں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت دوسرے انبیاء علیہم السلام کے تمام صحابہ پر واضح ہوتی ہے، کیونکہ وہ صبر، ثابت قدمی اور بے جا سوالات سے اجتناب کرنے میں ممتاز تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے سفروں اور غزوات میں شریک رہتے تھے۔ ان میں غزوۂ تبوک بھی شامل ہے، جو سخت گرمی، شدید تپش اور مشقت کے زمانے میں پیش آیا۔ اس کے باوجود انہوں نے کسی خلافِ عادت معجزے کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی غیر معمولی چیز کے پیدا کیے جانے کا سوال کیا، حالانکہ یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان تھا۔ البتہ جب بھوک نے انہیں نڈھال کر دیا تو انہوں نے کھانے میں اضافہ کرنے کی درخواست کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے پاس موجود کھانا جمع کیا، جو مقدار میں ایک بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اپنے پانی کے تمام مشکیزے بھر لیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تمام مشکیزے بھر لیے۔ اسی طرح جب انہیں پانی کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس کے نتیجے میں ایک بادل آیا اور اس نے ان پر بارش برسائی۔ انہوں نے پانی پیا، اپنے اونٹوں کو پلایا اور اپنے مشکیزے بھر لیے۔ پھر انہوں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بادل لشکر سے آگے نہیں بڑھا تھا۔ پس یہی اتباع کا کامل ترین طریقہ ہے

کہ انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق چلتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا رہے۔[1]

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی امامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عظیم لشکر کے ساتھ تبوک کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک منزل پر اترے۔ فجر سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور مسلمانوں سے تاخیر ہوگئی، یہاں تک کہ فجر کی نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوگیا۔ چنانچہ مسلمانوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آگے کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آکر ایک رکعت پائی، جبکہ ایک رکعت آپ سے رہ گئی تھی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں یہ روایت نقل کی ہے، اور الفاظ امام ابوداؤد کے ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: غزوۂ تبوک میں فجر سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تشریف لے گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ تھا۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری بٹھائی، پھر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ واپس آئے تو میں نے مشکیزے سے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلیاں دھوئیں، پھر چہرہ دھویا۔ اس کے بعد آپ نے اپنے بازوؤں سے کپڑا ہٹانا چاہا، لیکن جبہ تنگ تھا، چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ جبے کے نیچے سے نکالے اور انہیں کہنیوں تک دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا اور اپنے موزوں پر

1- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ 410۔

مسح کرتے ہوئے وضو مکمل فرمایا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور ہم چل پڑے، یہاں تک کہ ہم نے لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے پایا۔انہوں نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے کر دیا تھا،اور نماز کا وقت ہو چکا تھا۔جب ہم پہنچے تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فجر کی ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کی صف میں شامل ہو کر عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے دوسری رکعت ادا کی۔پھر عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے سلام پھیرا۔اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز مکمل کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو مسلمان گھبرا گئے اور انہوں نے کثرت سے تسبیح کہی، کیونکہ وہ نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکے تھے۔جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو ان سے فرمایا: ''تم نے درست کیا'' یا فرمایا: ''تم نے اچھا کیا۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبوک پہنچنا

تبوک پہنچنے سے کچھ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دی کہ تبوک میں موجود چشمے کا پانی بہت کم ہے، لہٰذا کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہاں نہ پہنچے اور نہ ہی اس سے پانی لے۔لیکن آپ کے لشکر میں موجود بعض منافقین نے اس نبوی حکم کی پابندی نہیں کی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے

1- امام مسلم کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اس بات پر رشک کرتے ہیں کہ انہوں نے نماز کو اس کے وقت پر ادا کر لیا۔
اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 421 اور 105، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 18034، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 149 کے تحت روایت کیا ہے۔

وہاں پہنچ کر پانی لے لیا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے دن [1] روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ جس چشمے پر لوگ پانی لینے آتے ہیں، اس کا پانی بہت کم ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کرے: ''خبردار! مجھ سے پہلے کوئی شخص پانی کے پاس نہ پہنچے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے مقام پر تشریف لائے تو کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر لعنت فرمائی۔ [2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم غزوۂ تبوک کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کو جمع کر کے ادا فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں، اور مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی جمع کر کے ادا فرمائیں۔ پھر ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں تاخیر فرمائی۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا فرمائیں، پھر اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد دوبارہ باہر تشریف لائے اور مغرب و عشاء کی نمازیں

1- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد اول، صفحہ 199 پر فرمایا: ''ہم نے اسے اسی طرح ضبط کیا ہے: 'غزوۂ تبوک کے دن'۔ یہاں لفظ 'دن' سے مراد وقت اور زمانہ ہے، نہ کہ وہ دن جو طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک ہوتا ہے۔''

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 23395 کے تحت روایت کیا ہے۔

جمع کر کے ادا فرمائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم کل، ان شاء اللہ، تبوک کے چشمے پر پہنچو گے، اور تم وہاں دن چڑھنے سے پہلے نہیں پہنچو گے۔ تم میں سے جو شخص وہاں پہنچے، وہ میرے آنے تک اس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔'' چنانچہ ہم اس چشمے پر پہنچے تو دو آدمی ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکے تھے۔ چشمے سے پانی ایک تسمے کی طرح باریک دھار میں ٹپک رہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا: ''کیا تم نے اس کے پانی کو ہاتھ لگایا ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: جی ہاں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں برا بھلا کہا اور ان سے وہ بات فرمائی جو اللہ تعالیٰ نے چاہی۔ پھر لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے چشمے سے تھوڑا تھوڑا پانی نکالا، یہاں تک کہ کچھ پانی جمع ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے اپنے دونوں ہاتھ اور چہرہ دھویا، پھر اسے دوبارہ چشمے میں ڈال دیا۔ اس کے بعد چشمے سے زور دار اور کثرت کے ساتھ پانی بہنے لگا، یہاں تک کہ لوگوں نے خوب پانی حاصل کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے معاذ! اگر تمہاری زندگی طویل ہوئی تو عنقریب تم دیکھو گے کہ یہاں کی جگہ باغات سے بھر جائے گی۔''(1)

تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اور وہاں آپ کے اہم کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن قیام پذیر رہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ جابر بن

1- اس حدیث کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2281 کے بعد روایت کیا ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن قیام پذیر رہے اور اس دوران نماز قصر ادا فرماتے رہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی دشمن سے سامنا نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کے اطراف میں آباد قبائل کی طرف مختلف دستے اور سریے روانہ فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلہ[2] کے حاکم یحنہ[3] بن رؤبہ[4] سے صلح کا معاہدہ کیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اکیدر[5] کی طرف ایک سریہ دے کر روانہ فرمایا اور اس سے بھی صلح کا معاہدہ کیا۔ چنانچہ شیخین نے اپنی صحیحین میں ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر 14139 اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 1235 کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 110 پر فرمایا: ''أیلہ'' میں ہمزہ پر زبر ہے، یاء ساکن ہے اور اس کے بعد لام پر زبر ہے۔ یہ سمندر کے ساحل پر واقع ایک قدیم شہر ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 110 پر فرمایا: ''یحنہ'' میں حرفِ یاء کے نیچے زیر ہے، حاء پر زبر ہے اور نون مشدد ہے۔

4- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 110 پر فرمایا: ''رُؤبہ'' میں حرفِ راء پر پیش ہے، واو ساکن ہے اور اس کے بعد حرفِ باء ہے۔

5- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ 322 پر فرمایا: ''أُکیدر'' میں ہمزہ پر پیش اور کاف پر زبر ہے۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے أسد الغابۃ، جلد اول، صفحہ 133 پر فرمایا: ''أُکیدر بن عبدالملک'' نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا اور آپ ﷺ سے صلح کی، لیکن وہ اسلام نہیں لایا۔ اہلِ سیرت کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے، اور جس نے کہا کہ وہ مسلمان ہو گیا تھا، اس نے واضح غلطی کی ہے۔ پھر حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دومۃ الجندل کا محاصرہ کرتے وقت اسے گرفتار کیا اور اسے نصرانی مشرک ہونے کی حالت میں قتل کر دیا۔

کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شرکت کی۔ ایلہ کے بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خچر [1] تحفے میں دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر (بردہ) [2] پہنائی، نیز اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے سمندر کے علاقے کے متعلق تحریری معاہدہ لکھا [3]۔

امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان بن ابی سلیمان سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حاکم اُکیدر کی طرف بھیجا۔ چنانچہ انہوں نے اسے گرفتار کر لیا اور اسے آپ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس کی جان بخشی اور اس سے جزیہ ادا کرنے پر صلح کر لی۔ [4]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ششم، صفحہ 168 پر فرمایا: یہاں ایک بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ غزوۂ حنین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس خچر پر سوار تھے، وہ اس سفید خچر کے علاوہ تھا جو آپ ﷺ کو ایلہ کے بادشاہ نے ہدیہ کیا تھا؛ کیونکہ وہ واقعہ غزوۂ تبوک کے موقع پر پیش آیا تھا، جبکہ غزوۂ حنین اس سے پہلے ہوا تھا۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر 1775 اور 1776 میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بات آئی ہے کہ غزوۂ حنین میں آپ ﷺ کے نیچے جو خچر تھا، وہ فروہ بن نفاثہ نے آپ ﷺ کو ہدیہ کیا تھا۔ ''نفاثہ'' میں نون پر پیش ہے، اس کے بعد ہلکی فاء اور پھر ثاء ہے۔ یہی بات صحیح ہے۔

2- بُردہ ایک معروف قسم کا لباس ہے۔ دیکھیے: النہایۃ، جلد اول، صفحہ 116۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ 111 پر فرمایا:..... یعنی آپ ﷺ نے انہیں اس حال پر برقرار رکھا جس کے مطابق انہوں نے جزیہ ادا کرنے کی پابندی قبول کی تھی۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 3161 کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 2281 کے بعد روایت کیا ہے۔

4- اس روایت کو امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر 3037 کے تحت ذکر کیا ہے۔ اس کی سند کے تمام راوی ثقہ ہیں، سوائے محمد بن اسحاق کے، جو سیرت کے مشہور عالم ہیں۔ وہ حسن الحدیث ہیں، جب روایت کرتے وقت سماع کی صراحت

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام ترمذی اور امام ابن حبان رحمہم اللہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر اُکیدِر دومۃ کی طرف روانہ فرمایا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سونے کے دھاگوں سے بُنا ہوا[1] ریشمی جبہ بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہن لیا، پھر منبر پر کھڑے ہوئے یا بیٹھے، لیکن کوئی گفتگو نہیں فرمائی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نیچے تشریف لائے تو لوگ اس جبے کو چھونے اور اسے دیکھنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تمہیں اس پر تعجب ہو رہا ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم نے اس سے زیادہ خوب صورت لباس کبھی نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنت میں سعد بن معاذ کے رومال کی خوب صورتی اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔''[2]

کریں؛ لیکن امام ابو داود کی روایت میں انہوں نے سماع کی صراحت نہیں کی، جبکہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب دلائل النبوۃ، جلد پنجم، حدیث نمبر 250 کی روایت میں سماع کی صراحت موجود ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، حدیث نمبر 3346 میں اس روایت کے مختلف طرق ذکر کیے ہیں اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

1- امام احمد رحمہ اللہ نے مسند، حدیث نمبر 13455 کی ایک دوسری روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ریشم پہننے سے منع نہیں فرمایا تھا۔

2- اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 12123؛ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، حدیث نمبر 1820؛ اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4007 میں روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2615 اور 2616، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2469 میں اسے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن قیام پذیر رہے اور آپ ﷺ کا کسی دشمن سے سامنا نہیں ہوا۔ پھر آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے کتاب السنۃ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے دن ہمارے درمیان کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سفر پر جانے کی اجازت دی تھی اور اب تمہیں واپس لوٹنے کی بھی اجازت دے دی ہے۔''(1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش

منافقین کی ایک جماعت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی اور ارادہ کیا کہ گھاٹی کے راستے میں آپ ﷺ کے ساتھ مزاحمت کر کے آپ کو قتل کر دیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محفوظ رکھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوالطفیل رحمہ اللہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو آپ ﷺ نے ایک اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان

1- اس روایت کو امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے کتاب السنۃ، حدیث نمبر 414 میں روایت کیا ہے۔

کرے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی (عقبہ)[1] کے راستے سے گزرنے والے ہیں، لہٰذا کوئی بھی اس راستے سے نہ گزرے۔'' اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ آگے سے رہنمائی کرتے ہوئے لے جا رہے تھے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ پیچھے سے آپ ﷺ کی سواری کو ہانک رہے تھے۔ اچانک نقاب پوش سواروں کی ایک جماعت وہاں پہنچی۔ انہوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا، جبکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو ہانک رہے تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان سواروں کے جانوروں کے چہروں پر ضربیں لگانے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''بس، بس!'' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی سے نیچے اتر آئے۔ جب آپ ﷺ نیچے تشریف لے آئے تو حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی اتر کر واپس آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عمار! کیا تم نے ان لوگوں کو پہچان لیا؟'' انہوں نے عرض کیا: ''میں نے ان کے اکثر جانوروں کو پہچان لیا ہے، لیکن وہ لوگ نقاب پوش تھے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم جانتے ہو کہ ان کا ارادہ کیا تھا؟'' انہوں نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ

1- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد 17، صفحہ 105 پر فرمایا: ''یہ گھاٹی وہ مشہور گھاٹی نہیں ہے جو منیٰ میں واقع ہے اور جہاں انصار رضی اللہ عنہم کی بیعت ہوئی تھی، بلکہ یہ تبوک کے راستے میں واقع ایک گھاٹی ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین اس گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیانت کرنے اور آپ ﷺ کو نقصان پہنچانے کے لیے جمع ہوئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان سے محفوظ رکھا۔''

وسلم نے فرمایا: ''ان کا ارادہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کو بدکا دیں، تاکہ آپ ﷺ کو نیچے گرا دیں۔'' راوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک شخص سے پوچھا: ''میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، تمہارے علم کے مطابق گھاٹی والے کتنے افراد تھے؟'' اس نے جواب دیا: ''چودہ۔'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اگر میں بھی ان میں شامل تھا تو پھر وہ پندرہ تھے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے تین افراد کو عذر پیش کرنے کی گنجائش دی۔ انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کرنے والے کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ ہمیں معلوم تھا کہ ان لوگوں کا کیا ارادہ تھا۔'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ باقی بارہ افراد دنیا کی زندگی میں بھی اور اس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن ہیں۔''(1)

اسی واقعے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا: وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ترجمہ: ''اور انہوں نے اس کام کا ارادہ کیا جسے وہ پورا نہ کر سکے۔'' (سورۃ التوبہ، آیت 74)

1- اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 23799 میں روایت کیا ہے، جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 2709 اور 2711 میں اسے مختصر طور پر نقل کیا ہے۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد وہ منافقین ہیں جنہوں نے غزوۂ تبوک کے دوران گھاٹی کی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ (1)

1- دیکھیے: تفسیر القرطبیؒ، جلد دہم، صفحہ 304۔

-ایک نہایت اہم فائدہ:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد اول، صفحہ 277 پر فرمایا: جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض منافقین کی شخصیات کو جانتے تھے، ان کی دلیل صرف حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان دس منافقین کے ناموں کا ذکر ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ رات کی تاریکی میں وہاں کی ایک گھاٹی کے پاس آپ ﷺ کے خلاف سازش کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ آپ ﷺ کی اونٹنی کو بدکا دیں، تاکہ آپ ﷺ اس سے گر پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے منصوبے سے آگاہ کر دیا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس معاملے سے مطلع فرما دیا۔ ممکن ہے کہ ان منافقین کو قتل نہ کرنے کی کوئی ایسی حکمت ہو جو ان مذکورہ وجوہات میں سے کسی وجہ سے متعلق ہو، یا اس کے علاوہ کوئی اور حکمت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

رہے ان کے علاوہ دوسرے منافقین، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ترجمہ: ''اور تمہارے ارد گرد رہنے والے دیہاتیوں میں بھی منافق ہیں اور مدینہ والوں میں بھی، جو نفاق پر اڑ گئے ہیں۔ تم انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔'' (سورۃ التوبہ، آیت 101) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ۝ مَلْعُونِينَ أَيْنَمَا ثُقِفُوا أُخِذُوا وَقُتِّلُوا تَقْتِيلًا ترجمہ: ''اگر منافقین، اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور مدینہ میں افواہیں پھیلانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان کے خلاف اقدام کرنے پر آمادہ کر دیں گے، پھر وہ اس میں آپ کے پڑوس میں بہت کم ہی رہ سکیں گے۔ وہ لعنت زدہ ہوں گے، جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے، پکڑے جائیں گے اور بری طرح قتل کیے جائیں گے۔'' (سورۃ الأحزاب، آیات 60-61) ان آیات میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان منافقین کے خلاف اقدام نہیں کیا اور نہ ہی ان کی شخصیات کی نشان دہی فرمائی۔ بلکہ آپ ﷺ کو ان کے اوصاف بتائے جاتے تھے، پھر آپ ﷺ ان اوصاف کی بنا پر بعض افراد کو پہچان لیتے تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ترجمہ: ''اور اگر ہم چاہیں تو انہیں آپ کو دکھا دیں، پھر آپ انہیں ان کی علامتوں سے پہچان لیں، اور آپ یقیناً انہیں ان کے اندازِ گفتگو سے بھی پہچان لیں گے۔'' (سورۃ محمد، آیت 30)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ کی طرف جلد روانہ ہونا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ پہنچے تو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''میں مدینہ منورہ کی طرف جلد روانہ ہونا چاہتا ہوں، لہٰذا تم میں سے جو شخص میرے ساتھ جلد روانہ ہونا چاہے، وہ جلد روانہ ہو جائے۔''(1)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ طابہ ہے۔'' اور جب آپ ﷺ نے اُحد پہاڑ کو دیکھا تو فرمایا: ''یہ اُحد ہے، ایک ایسا پہاڑ جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''(2)

امام نووی رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان ''وہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں'' کی شرح میں فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ اس حدیث کو اس کے ظاہری معنی پر محمول کیا جائے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اُحد پہاڑ خود ہم سے محبت کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس میں تمیز و ادراک کی صلاحیت پیدا فرمائی ہے۔(3)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو عذر رکھنے والوں کے اجر و ثواب کے بارے میں بتایا۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ)

1- اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1481، 1482 اور 4422 میں، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1392 میں روایت کیا ہے۔

2- اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1418، 1482 اور 4422 میں، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1392 میں روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد نہم، صفحہ 138۔

نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو فرمایا: ''مدینہ منورہ میں کچھ ایسے لوگ ہیں کہ تم نے جو بھی سفر طے کیا اور جو بھی وادی عبور کی، وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ تھے۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! حالانکہ وہ مدینہ ہی میں ہیں؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، جبکہ وہ مدینہ ہی میں ہیں، عذر نے انہیں روک رکھا تھا۔''(1)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں نیکی کے کاموں کی نیت کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص غزوے یا دیگر نیک اعمال کا ارادہ کرے، پھر کوئی عذر پیش آجائے جو اسے اس کام سے روک دے، تو اسے اپنی نیت کا ثواب ملے گا۔ اور جتنا زیادہ اسے اس عمل کے فوت ہو جانے پر افسوس ہوگا اور وہ غازیوں وغیرہ کے ساتھ شامل ہونے کی تمنا کرے گا، اتنا ہی اس کا ثواب زیادہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔(2)

1- اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4403، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 1911 میں روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد 13، صفحہ 49۔

اہلِ مدینہ کا استقبال

جب اہلِ مدینہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر پہنچی تو وہ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع کی طرف نکل پڑے۔ وہ نہایت گرم جوشی، خوشی اور مسرت کے ساتھ آپ ﷺ کا استقبال کر رہے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ابن شہاب بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''مجھے یاد ہے کہ میں بچوں کے ساتھ غزوۂ تبوک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی پر آپ ﷺ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع تک گیا تھا۔''(1)

امام ترمذی رحمہ اللہ کی ایک روایت میں، جو صحیح سند کے ساتھ منقول ہے، حضرت سائب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو لوگ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع کی طرف نکلے۔ حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا، اس وقت میں ایک لڑکا تھا۔''(2)

1- اس روایت کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4427 میں روایت کیا ہے۔

2- اس روایت کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، حدیث نمبر 1815 میں روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجدِ ضرار کو جلانے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے حضرت مالک بن الدخشم [1] اور حضرت معن [2] بن عدی رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ وہ مسجدِ ضرار کو جلا دیں اور اسے منہدم کر دیں۔ اس مسجد کو منافقین نے اسلام اور

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ 169 پر فرمایا: ''الدُّخُشُم'' میں دال پر پیش ہے، اس کے بعد خاء ساکن ہے، پھر شین پر پیش ہے اور آخر میں میم ہے۔ اسے تصغیر کے صیغے کے ساتھ ''الدُّخَیْشِم'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اسے نون کے ساتھ ''الدُّخُشَن''، اور تصغیر کے صیغے میں ''الدُّخَیشِن'' بھی کہا جاتا ہے۔

- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد اول، صفحہ 214 پر فرمایا: جان لیجیے کہ یہ حضرت مالک بن الدخشم رضی اللہ عنہ انصار میں سے تھے۔ امام ابو عمر ابن عبد البر رحمہ اللہ نے الاستیعاب، جلد سوم، صفحہ 406 میں ان کے بیعتِ عقبہ میں شریک ہونے کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس بات میں ہمارا کوئی اختلاف نہیں کہ وہ غزوۂ بدر اور اس کے بعد ہونے والے دیگر غزوات میں شریک ہوئے تھے۔

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حقیقی ایمان اور نفاق سے بری ہونے کی صراحت فرمائی ہے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، حدیث نمبر 4425 میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم اسے نہیں دیکھتے کہ اس نے لا إله إلا الله کہا ہے اور اس سے اس کی مراد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے؟'' پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گواہی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے یہ کلمہ اس کی تصدیق کرتے ہوئے، اس کے سچا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کہا تھا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے اہلِ بدر کے بارے میں اپنی گواہی میں بھی ان کے حق میں وہ فضیلت بیان فرمائی جو معروف ہے۔ لہٰذا حضرت مالک بن الدخشم رضی اللہ عنہ کے سچے ایمان کے بارے میں شک نہیں کرنا چاہیے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ 58 پر فرمایا: ''مَعْن'' میں حرفِ میم پر زبر ہے اور عین ساکن ہے۔ ابن الاثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد دوم، صفحہ 858، اسماء الرجال کے باب میں فرمایا: حضرت مَعْن بن عَدی رضی اللہ عنہ، حضرت عاصم بن عَدی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ وہ غزوۂ بدر اور اس کے بعد ہونے والے دیگر غزوات میں شریک ہوئے، بیعتِ عقبہ میں بھی حاضر تھے، اور خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں جنگِ یمامہ کے دن شہادت سے سرفراز ہوئے۔

مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے تعمیر کیا تھا۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے مسجدِ ضرار سے دھواں اٹھتے ہوئے دیکھا، جب اسے منہدم کیا گیا[1]۔'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی کتابِ کریم میں منافقین کو بے نقاب فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ترجمہ: ''اور وہ لوگ جنہوں نے نقصان پہنچانے، کفر کرنے، مسلمانوں کے درمیان تفریق ڈالنے اور اس شخص کے لیے گھات لگانے کی غرض سے مسجد بنائی جس نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی تھی، وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی کا تھا، حالانکہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ آپ اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہوں۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' (سورۃ التوبہ، آیات 107-108)

1- اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک، حدیث نمبر 8978 میں روایت کیا ہے۔

پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

غزوۂ تبوک اپنے مخصوص حالات کی بنا پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ایک سخت آزمائش تھی، جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان اور دوسروں کے درمیان فرق واضح فرمادیا۔ اس غزوے کے لیے ہر وہ شخص روانہ ہوا جو سچا مومن تھا، یہاں تک کہ پیچھے رہ جانا کسی شخص کے نفاق کی علامت بن گیا، بشرطیکہ اس کے پاس کوئی ایسا عذر نہ ہو جسے اللہ تعالیٰ قابلِ قبول قرار دے۔ شیخین نے اپنی صحیحین میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، جو ان تین صحابہ میں سے ایک تھے جو اس غزوے میں پیچھے رہ گئے تھے۔ انہوں نے فرمایا: جب یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد قریب ہو گئی ہے تو باطل کے تمام خیالات مجھ سے دور ہو گئے، اور میں سمجھ گیا کہ میں کسی جھوٹ کے ذریعے ہر گز اس صورتِ حال سے نہیں نکل سکوں گا۔ چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں تشریف لے جا کر دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر لوگوں کے لیے بیٹھتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تو پیچھے رہ جانے والے لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ ان کی تعداد اسّی

سے کچھ زیادہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر قبول فرما لیے، ان سے بیعت لی، ان کے لیے استغفار کیا اور ان کے دلوں کے بھید اللہ کے سپرد کر دیے۔[1]

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان سچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی توبہ قبول فرمالی جو اس غزوے میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی سچائی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا، اور ان میں سر فہرست کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ[2] بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ (سورۃ التوبہ، آیت نمبر 119)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پس ان کی سچائی کا انجام ان کے حق میں بہتر ثابت ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔[3]

غزوۂ تبوک کے بارے میں قرآنِ کریم کی نازل ہونے والی آیات

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس غزوے[4] کے بارے میں سورۂ توبہ کا بیشتر حصہ نازل فرمایا۔[5]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، حدیث نمبر 4818، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، حدیث نمبر 2796 میں روایت کیا ہے۔

2- امام ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد 2، صفحہ 847، قسم التراجم میں فرمایا ہے کہ «مرارۃ» میں میم پر پیش ہے اور پہلے راء پر تشدید نہیں، بلکہ تخفیف ہے۔

3- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد 4، صفحہ 496۔

4- یعنی غزوہ تبوک۔

5- دیکھیے: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ 249۔

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سورت کو «الفاضحۃ» اور «البحوث» بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ منافقین کے رازوں کو آشکار کرتی ہے۔[1]

شیخین نے اپنی صحیحین میں سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ توبہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ''سورۂ توبہ کو الفاضحہ (رسوا کرنے والی) کہا جاتا ہے۔ یہ مسلسل نازل ہوتی رہی اور اس میں 'ان میں سے بعض' اور 'ان میں سے بعض' کا ذکر ہوتا رہا، یہاں تک کہ لوگوں نے گمان کیا کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں بچا جس کا ذکر اس سورت میں نہ کر دیا گیا ہو۔''[2]

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف میں حسن سند کے ساتھ حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: تم اسے سورۂ توبہ کہتے ہو، حالانکہ یہ عذاب کی سورت ہے۔[3]

امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں صحیح سند کے ساتھ جبیر بن نفیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ایک شخص نے مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ سے کہا: کاش! آپ اس سال غزوے میں شرکت سے رک جاتے۔ انہوں نے فرمایا: «البحوث» نے ہمیں ایسا کرنے سے انکار کر دیا ہے، یعنی سورۂ توبہ نے۔ اللہ عزوجل

1- دیکھیے: تفسیر قرطبی، جلد 10، صفحہ 93۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، حدیث نمبر 4882، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، حدیث نمبر 3031 میں روایت کیا ہے۔

3- اسے امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے اپنی مصنف، حدیث نمبر 30898 میں روایت کیا ہے۔

نے فرمایا: انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا تم ہلکے ہو یا بوجھل، ہر حال میں (جہاد کے لیے) نکلو۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر 41) اور میں اپنے آپ کو ہلکی حالت ہی میں پاتا ہوں۔ (1)

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سورۂ براءت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد بھی «المبعثرۃ» کہا جاتا تھا، کیونکہ اس نے لوگوں کے باطنی رازوں کو ظاہر کر دیا تھا۔ غزوۂ تبوک آخری غزوہ تھا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ (2)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر مقرر کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے نویں سال (3) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر مقرر فرمایا، تاکہ وہ مسلمانوں کو ان کے مناسکِ حج ادا کروائیں۔ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور دعوتِ اسلام کے کام اور ان وفود کی آمد و رفت کی نگرانی فرماتے رہے جو آپ کے پاس

1- اسے امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک، حدیث نمبر 321 میں روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 208۔

3- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ باب قائم کیا ہے: نویں ہجری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو حج کروانا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 8، صفحہ 413 میں فرمایا: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کو قطعی طور پر بیان کیا ہے۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابن اسحاق نے السیرۃ، جلد 4، صفحہ 197 میں صراحت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد رمضان، شوال اور ذوالقعدہ کے مہینوں میں مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج کے لیے روانہ کرنا ذوالقعدہ کا مہینہ ختم ہونے کے بعد ہوا تھا، لہٰذا اس قول کے مطابق ان کا حج ذوالحجہ میں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اسلام قبول کرنے کے لیے آتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تین سو افراد کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بیس قربانی کے اونٹ بھی روانہ فرمائے، جن کے گلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے قلادے ڈالے[1] اور ان پر اشعار کیا[2]، نیز ان اونٹوں کی نگرانی کے لیے حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ پانچ اونٹ بھی لے کر چلے۔[3]

شیخین نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: میں نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کے اونٹوں کے قلادے بٹے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں سے ان اونٹوں کے گلے میں قلادے ڈالے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میرے والد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ فرما دیا۔ اس کے بعد بھی کوئی ایسی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حلال قرار دیا تھا، آپ پر حرام نہیں ہوئی، یہاں تک کہ قربانی کے جانور ذبح کر دیے گئے۔[4]

1- قربانی کے جانور کو قلادہ پہنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی گردن میں ایسی نشانی ڈال دی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ دیکھیے: لسان العرب، جلد 11، صفحہ 276۔

2- قربانی کے اونٹ کو اشعار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کوہان کے ایک جانب چیرا لگایا جائے، یہاں تک کہ اس سے خون بہنے لگے، اور اس عمل کو اس کی نشانی بنا دیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد 2، صفحہ 429۔

3- دیکھیے: الطبقات الکبری لابن سعد، جلد 2، صفحہ 334۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، حدیث نمبر 1700، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، حدیث نمبر 1321 اور 369 میں روایت کیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت دے کر بھیجنا

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں [1]۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کے سامنے اس سورت میں بیان کردہ احکام کا اعلان کریں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجنے میں حکمت یہ تھی کہ عربوں کا معمول تھا کہ عہد کو صرف وہی شخص توڑ سکتا ہے جس نے خود عہد کیا ہو، یا اس کے اہلِ خانہ میں سے کوئی ایسا شخص ہو جس کا اس سے قریبی تعلق ہو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملے میں انہیں ان کے رواج کے مطابق چلنے دیا۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سورتِ مبارکہ کی ابتدائی آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے اور حج کا ارادہ فرمایا۔ پھر انہوں نے ذکر کیا کہ مشرکین اپنی سابقہ عادت کے مطابق اس سال بھی حج کے موسم میں حاضر ہوں گے اور بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر کریں گے۔ لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اختلاط کو

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد 9، صفحہ 210 میں فرمایا: سورۂ براءت کی ابتدائی آیات فتحِ مکہ کے بعد، نویں ہجری میں، اسی سال نازل ہوئیں جس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج کی امارت فرمائی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سورت کا بیشتر حصہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوا، اور غزوۂ تبوک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری غزوہ تھا۔

2- دیکھیے: فتح الباری، جلد 9، صفحہ 216۔

ناپسند فرمایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سال حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر بنا کر روانہ فرمایا، تاکہ وہ لوگوں کو مناسکِ حج ادا کروائیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ ان کلمات کا اعلان کریں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کے پیچھے روانہ ہوئے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ راستے کے ایک حصے میں تھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی آواز سنی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ گھبرا کر باہر نکلے اور خیال کیا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں، لیکن وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط حضرت اُبو بکر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حج کے موسم کا امیر مقرر فرمایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ان کلمات کا اعلان کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایامِ تشریق میں کھڑے ہو کر اعلان کیا:

اول: اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہیں۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر 3) پس تم زمین میں چار مہینے تک چل پھر لو۔ (سورۂ توبہ، آیت نمبر 2)

دوم: اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔

سوم: کوئی شخص بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہیں کرے گا۔

چہارم: جنت میں صرف مومن ہی داخل ہو گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان احکامات کا اعلان کرتے رہے۔ پھر جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تھک جاتے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اعلان کرنے لگتے۔ (1)

شیخین نے اپنی صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جس حج کا امیر مقرر فرمایا تھا، اس حج میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے بھیجا۔ یہ حج حجۃ الوداع سے پہلے ہوا تھا۔ میں چند لوگوں کے ساتھ تھا، جنہیں قربانی کے دن لوگوں میں یہ اعلان کرنے کی ذمہ داری دی گئی تھی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی شخص بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہیں کرے گا۔ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کام کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے انجام دیا تھا، اور وہ ان احکامات کا اعلان کرتے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں بتاتے تھے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان احکامات کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ (3)

1-اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، حدیث نمبر 3345، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک، حدیث نمبر 4423 میں روایت کیا ہے۔

2-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، حدیث نمبر 1622، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، حدیث نمبر 1347 میں روایت کیا ہے۔

3-دیکھیے: فتح الباری، جلد 9، صفحہ 213۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ زید بن یثیع سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کو حج کے موقع پر کن احکامات کے ساتھ بھیجا گیا تھا؟ انہوں نے فرمایا: مجھے چار باتوں کے اعلان کے لیے بھیجا گیا تھا: 1۔ کوئی شخص بیت اللہ کا طواف برہنہ ہو کر نہ کرے۔ 2۔ جس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو، تو اس کا معاہدہ اپنی مقررہ مدت تک برقرار رہے گا، اور جس کا کوئی معاہدہ نہ ہو، اسے چار مہینے کی مہلت دی جائے گی۔ 3۔ جنت میں صرف مومن جان ہی داخل ہو گی۔ 4۔ اس سال کے بعد مشرکین اور مسلمان حج کے موقع پر جمع نہیں ہوں گے۔ (1)

عام الوفود (وفود کا سال)

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح فرما لیا، غزوۂ تبوک سے فارغ ہو گئے، اور قبیلۂ ثقیف نے اسلام قبول کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی، تو عربوں کے وفود ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے لگے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب اسلام کے بارے میں قریش کے اس قبیلے کے انجام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے کا انتظار کر رہے تھے۔

---

1 - اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند، حدیث نمبر 594، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، حدیث نمبر 886 اور 3346 میں روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے دونوں مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قریش لوگوں کے پیشوا اور ان کے رہنما تھے، بیت اللہ کے خادم اور حضرت ابراہیم بن اسماعیل علیہما السلام کی اولاد میں سے خالص نسب والے تھے۔ عرب ان کے اس مقام و مرتبے کو تسلیم کرتے تھے اور اس کا انکار نہیں کرتے تھے۔ قریش ہی وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے اور آپ کی مخالفت کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ پھر جب مکہ فتح ہو گیا، قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، اسلام نے انہیں مغلوب کر لیا، اور عربوں کو معلوم ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے اور آپ کی دشمنی مول لینے کی طاقت نہیں رکھتے، تو وہ اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: وہ گروہ در گروہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے لگے اور ہر طرف سے آپ کی جانب متوجہ ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے، اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (سورۃ النصر، آیات 1 تا 3) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو جو غلبہ عطا فرمایا، اس پر اس کی حمد بیان کیجیے اور اس سے مغفرت طلب کیجیے، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (1)

1- دیکھیے: سیرۃ ابن ہشام، جلد 4، صفحہ 214۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس سال[1] اور اس کے بعد بھی مسلسل وفود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، وہ اسلام کا اقرار کرتے اور گروہ در گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوتے رہے[2]۔

-ایک اہم تنبیہ:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ ترجمہ: مسلمانوں میں سے وہ لوگ جو (جہاد سے) بیٹھے رہتے ہیں، سوائے ان معذور لوگوں کے، جو اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، ان کے برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت عطا فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ (سورۃ النساء، آیت: ۹۵) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا: «لَا هِجْرَةَ[3] وَلَكِنْ جِهَادٌ وَنِيَّةٌ»[4] ترجمہ: اب (فتح مکہ کے بعد) ہجرت نہیں، البتہ جہاد اور نیت باقی ہیں۔ لہٰذا ان وفود میں سے ان لوگوں کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے جو

1-یعنی: ہجرت کے نویں سال۔

2-دیکھیے: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ نمبر ۲۵۱۔

3-امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی ایک دوسری روایت میں «بعد الفتح» (فتح مکہ کے بعد) کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔

4-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری، حدیث نمبر ۲۸۰۵، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۳۵۳ میں روایت کیا ہے۔

فتحِ مکہ کے زمانے سے پہلے اسلام لائے اور جن کے آنے کو ہجرت شمار کیا جاتا ہے، اور ان لوگوں کے درمیان جو فتحِ مکہ کے بعد آئے۔ ان کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے بھلائی اور بہترین اجر کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن وہ زمانے میں سبقت لے جانے اور فضیلت کے اعتبار سے پہلے لوگوں کے برابر نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔[1]

وفدِ ثقیف

قبیلہ ثقیف کا وفد ہجرت کے نویں سال[2] رمضان المبارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا، البتہ انہوں نے بعض شرائط رکھی تھیں۔ چنانچہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ وہب سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب قبیلہ ثقیف نے بیعت کی تو انہوں نے کیا شرط رکھی تھی؟ انہوں نے فرمایا: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ ان پر صدقہ (زکوٰۃ) فرض نہ ہو اور نہ ہی ان پر جہاد لازم ہو۔ پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بعد یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب وہ اسلام قبول کر لیں گے تو صدقہ بھی دیں گے اور جہاد بھی کریں گے۔[3]

1- دیکھیے: البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ نمبر ۴۴۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۹۱۔

3- (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۳۰۲۵)۔

جب قبیلہ ثقیف کا وفد اپنے علاقے کی طرف واپس جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا، حالانکہ وہ عمر کے لحاظ سے ان سب میں کم سن تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اسلام کی سمجھ حاصل کرنے اور قرآنِ کریم سیکھنے کے سب سے زیادہ حریص تھے۔[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''اپنی قوم کی امامت کرو۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں اپنے دل میں کچھ محسوس کرتا ہوں[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے قریب آؤ۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا، پھر اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر، دونوں پستانوں کے درمیان رکھا۔ اس کے بعد فرمایا: ''مڑ جاؤ۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میری پیٹھ پر، دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا: ''اپنی قوم کی امامت کرو۔ جو شخص کسی قوم کی امامت کرے، اسے چاہیے کہ نماز ہلکی پڑھائے، کیونکہ ان میں بوڑھے بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی، کمزور بھی

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۹۴۔

2- امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح میں، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۵۵ پر فرماتے ہیں: اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی مراد یہ خوف تھا کہ لوگوں کی امامت میں آگے بڑھنے کی وجہ سے ان کے دل میں تکبر اور خود پسندی پیدا نہ ہو جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی برکت اور آپ کی دعا کے ذریعے ان کے اس خوف کو دور فرما دیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ان کی مراد نماز میں وسوسہ پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، کیونکہ وہ وسوسے میں مبتلا تھے، اور وسوسے میں مبتلا شخص امامت کے لیے موزوں نہیں ہوتا۔

اور ضرورت مند بھی۔اور جب تم میں سے کوئی شخص اکیلے نماز پڑھے تو جیسے چاہے نماز پڑھے۔"[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں قوی سند کے ساتھ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے طائف کا والی مقرر فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے آخری بات یہ فرمائی: "لوگوں کو نماز ہلکی پڑھایا کرو۔" یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے یہ بھی متعین فرمایا کہ میں «اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ» (سورۃ العلق، آیت: ۱) اور قرآنِ کریم کی اس جیسی سورتیں پڑھا کروں۔[2]

اسی طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قبیلہ ثقیف کے اسلام قبول کرنے کے ذریعے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں قوی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اللَّهُمَّ اهْدِ ثَقِيفًا» ترجمہ: اے اللہ! قبیلہ ثقیف کو ہدایت عطا فرما۔[3]

1-(صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۴۶۸)۔

2-(مسند امام احمد، حدیث نمبر: ۱۷۰۱۶)۔

3-(مسند امام احمد، حدیث نمبر: ۱۴۷۰۲)۔

وفدِ بنی تمیم

قبیلہ بنی تمیم کا وفد ہجرت کے نویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں عطارد بن حاجب، اقرع بن حابس، زبرقان بن بدر، عمرو بن اہتم، حجاب بن یزید، عیینہ بن حصن اور دیگر افراد شامل تھے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب قبیلہ بنی تمیم کا وفد مسجد میں داخل ہوا تو انہوں نے حجرات کے باہر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آوازیں دیں کہ اے محمد! ہمارے پاس باہر تشریف لائیے۔ ان کی بلند آوازوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ انہوں نے کہا: اے محمد! ہم آپ سے مقابلہ کرنے اور اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے آئے ہیں، لہٰذا ہمارے شاعر اور خطیب کو اجازت دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ان کا خطیب، جس کا نام عطارد بن حاجب تھا، خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا جواب دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے اس کا جواب دیا۔ پھر انہوں نے کہا: اے محمد! ہمارے شاعر کو اجازت دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی۔ ان کے شاعر کا نام زبرقان بن بدر تھا۔ اس نے اپنا کلام سنایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس کا جواب دیجیے۔ چنانچہ انہوں نے اس کی شاعری کے جواب میں اسی انداز کا کلام پیش کیا۔ اس پر بنی تمیم کے لوگوں نے کہا: اللہ کی قسم! ان کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے، ان کا

شاعر ہمارے شاعر سے بڑھ کر شاعر ہے، اور وہ ہم سے زیادہ بردبار ہیں۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔ (سورۃ الحجرات، آیت: ۴)[1]

قبیلہ بنی تمیم کے وفد کے لیے امیر مقرر کرنے کے معاملے میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنی تمیم کا ایک قافلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: قعقاع بن معبد بن زرارہ کو امیر مقرر کیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بلکہ اقرع بن حابس کو امیر مقرر کیجیے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ کا مقصد صرف میری مخالفت کرنا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کہا کہ آپ کا مقصد صرف میری مخالفت کرنا ہے۔ پھر دونوں حضرات کے درمیان بحث جاری رہی، یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ (سورۃ الحجرات، آیت: ۱)[2]

1- یہ واقعہ سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحات ۲۱۵، ۲۱۶ اور ۲۲۲ میں مذکور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں اختلاف ہے، اور میں نے اللؤلؤ المکنون میں اس کی تفصیل ذکر کر دی ہے، لہٰذا یہاں اسے دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

2- (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۳۶۷)۔

وفدِ بنی حنیفہ

قبیلہ بنی حنیفہ کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں مسیلمہ بن حبیب حنفی کذّاب بھی شامل تھا۔ چنانچہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مسیلمہ کذّاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آیا اور کہنے لگا: اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد حکومت میرے حوالے کر دیں تو میں ان کی پیروی کروں گا۔ وہ اپنی قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ آیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے، اور آپ کے ساتھ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں کھجور کی ایک شاخ کا ٹکڑا تھا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''اگر تم مجھ سے کھجور کی اس شاخ کا یہ ٹکڑا بھی مانگو تو میں تمہیں نہیں دوں گا۔ تم اللہ کے اس فیصلے سے ہرگز آگے نہیں بڑھ سکتے جو اس نے تمہارے بارے میں مقرر کر رکھا ہے۔ اور اگر تم نے منہ موڑا تو اللہ تمہیں ضرور ہلاک کر دے گا۔ اور میں تمہیں وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے خواب میں دکھایا گیا تھا۔ اور یہ ثابت ہیں، جو میری طرف سے تمہیں جواب دیں گے۔''(1)

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ نمبر ۴۲۳ پر فرماتے ہیں: یعنی اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ انصار کے خطیب تھے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات عطا کیے گئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ سے اپنی بات میں اختصار فرمایا اور اسے بتا دیا کہ اگر وہ گفتگو کو طول دینا چاہتا ہے تو اس کے جواب کے لیے یہ

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بارے میں پوچھا: ''میں تمہیں وہی شخص سمجھتا ہوں جس کے بارے میں مجھے دکھایا گیا تھا۔'' تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک مرتبہ میں سویا ہوا تھا کہ میں نے خواب میں اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے۔ ان دونوں کنگنوں کے معاملے نے مجھے فکر میں ڈال دیا۔ پھر خواب ہی میں میری طرف وحی کی گئی کہ ان دونوں پر پھونک مارو۔ چنانچہ میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے ان کی تعبیر یہ لی کہ میرے بعد دو جھوٹے مدعیانِ نبوت ظاہر ہوں گے [1]؛ ان میں سے ایک عنسی ہوگا اور دوسرا مسیلمہ۔''[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کا دشمن مسیلمہ کذّاب، بنی حنیفہ اور دیگر قبائل کے بہت سے لوگوں، خصوصاً عرب کے نادان اور اوباش لوگوں کو جمع کر کے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد اس نے صحابۂ

خطیب موجود ہیں۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ امام اور حاکم کے لیے جائز ہے کہ وہ عناد اور ہٹ دھرمی اختیار کرنے والوں کو جواب دینے اور اس جیسے دیگر مواقع پر اہلِ فصاحت وبلاغت سے مدد لے۔

1- امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد پندرہ، صفحہ نمبر ۲۸ پر فرماتے ہیں: علماء کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان «میرے بعد ظاہر ہوں گے» سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت کا اظہار کریں گے، یا جنگ و محاذ آرائی شروع کریں گے اور نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں موجود تھے۔

2- (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۳۰۳، ۴۳۰۴؛ صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۱۷۰)۔

کرام رضی اللہ عنہم سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کے مقابلے کے لیے لشکر روانہ کیے، جن کے امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ واقعہ ہجرت کے گیارہویں سال پیش آیا۔ مسلمانوں نے اس سے جنگ کی اور اس پر غالب آ گئے، پھر اسے کفر کی حالت میں قتل کر دیا گیا۔[1]

-ایک اہم تنبیہ:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس واقعے[2] کے بیان کا سیاق ابن اسحاق[3] کے بیان کردہ واقعے کے خلاف ہے۔ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ مسیلمہ اپنی قوم کے وفد کے ساتھ آیا تھا، لیکن اس کے ساتھی اسے اپنے سامان کی حفاظت کے لیے اپنے پڑاؤ پر چھوڑ گئے تھے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لیے انعام بھی حاصل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ وہ تم میں سے بدترین شخص نہیں ہے۔ جب مسیلمہ نے نبوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کا دعویٰ کیا تو اس نے اسی بات کو اپنی دلیل بنایا۔ یہ روایت نہ صرف شاذ ہے، بلکہ انقطاع کی وجہ سے اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ مزید یہ کہ مسیلمہ کا اپنی قوم میں مقام اس سے کہیں بڑھ کر تھا؛ اس کے مرتبے اور اثر و رسوخ کی وجہ سے اسے ''رحمانِ یمامہ'' کہا جاتا

1- دیکھیے: تہذیب الأسماء واللغات، جلد دوم، صفحہ نمبر ۲۰۰۔

2- یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور روایت۔

3- السیرۃ النبویۃ، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۲۳۲۔

تھا۔ پھر اس ضعیف روایت کو اس صحیح حدیث کے ساتھ کیسے جمع کیا جا سکتا ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود مسیلمہ سے ملے، اس سے گفتگو کی اور اس کی قوم کے سامنے واضح طور پر فرمایا کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کھجور کی شاخ کا ایک ٹکڑا بھی مانگے تو آپ اسے نہیں دیں گے؟[1]

وفدِ نجران

نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد میں ساٹھ سوار تھے، جن میں ان کے چودہ معزز سردار بھی شامل تھے۔ ان میں عاقب اور سید بھی تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و مباحثہ کیا۔ اس موقع پر سورۂ آل عمران کی چند آیات نازل ہوئیں، جن میں اس معاملے کو بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ﴾ ترجمہ: یہ آیات اور حکمت سے بھرپور نصیحت ہیں جنہیں ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام جیسی ہے، جنہیں اس نے مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے فرمایا: ''ہو جا''، تو وہ ہو گئے۔ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے، لہٰذا آپ شک

1- دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ نمبر ۴۲۲۔

کرنے والوں میں سے نہ ہوں۔ پھر علم آجانے کے بعد بھی جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے بحث کرے تو آپ کہہ دیجیے: آؤ، ہم اپنے بیٹوں اور تمہارے بیٹوں، اپنی عورتوں اور تمہاری عورتوں، اور اپنی جانوں اور تمہاری جانوں کو بلا لیتے ہیں، پھر اللہ کے حضور گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (سورۃ آل عمران، آیات: ۵۸تا۶۱)[1] چنانچہ نجران کے عیسائی مباہلے[2] سے ڈر گئے اور انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا۔[3]

امام قرطبیؒ رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں: اس آیت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی واضح نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو مباہلے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ ادا کرنے پر رضامند ہو گئے۔ یہ اس وقت ہوا جب ان کے بڑے سردار عاقب نے انہیں آگاہ کیا کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کریں گے تو ان پر پوری وادی آگ سے بھڑک اٹھے گی۔ اس نے کہا: بے شک محمد اللہ کے بھیجے ہوئے

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر، جلد دوم، صفحہ نمبر ۳۵۳ پر فرماتے ہیں: مباہلے کے اس واقعے اور اس سے پہلے سورۂ آل عمران کے آغاز سے لے کر یہاں تک کی آیات کے نزول کا سبب نجران کے عیسائیوں کا وفد تھا۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بحث و مباحثہ کرنے لگے اور ان کے بارے میں نبوت اور الوہیت کے وہ دعوے کرنے لگے جو وہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیات ان کے دعووں کی تردید کے لیے نازل فرمائیں۔

2- مباہلہ کا معنی ایک دوسرے پر لعنت کرنا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ جب کسی معاملے میں دو گروہوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو وہ جمع ہو کر کہیں: ہم میں سے جو ظالم ہو، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ دیکھیے: النہایہ، جلد اول، صفحہ نمبر ۱۶۴۔

3- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد دوم، صفحہ نمبر ۱۸۵۔

نبی ہیں،اور تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملے میں حق و باطل کا فیصلہ واضح کرنے کے لیے آئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ ترک کر دیا اور اپنے وطن واپس چلے گئے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نجران کے دو سردار، عاقب اور سید، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنا چاہتے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا: ایسا مت کرو! اللہ کی قسم، اگر یہ واقعی نبی ہیں اور ہم نے ان سے مباہلہ کر لیا تو نہ ہم کامیاب ہوں گے اور نہ ہمارے بعد ہماری نسل کامیاب ہو گی۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''اگر وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مباہلہ کرنے والے تھے، مباہلے کے لیے نکل پڑتے تو واپس لوٹتے وقت انہیں نہ اپنا مال ملتا اور نہ اپنے اہل و عیال۔''[3]

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ بات قبول فرمالی، پھر ان کے ساتھ جزیہ ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت

1- دیکھیے: تفسیر قرطبی، جلد پنجم، صفحہ نمبر ۱۵۹۔

2- (صحیح بخاری، حدیث نمبر: ۴۳۸۰)۔

3- (مسند امام احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۵)۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کی سند ضعیف ہے، تاہم اس کے شواہد موجود ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ نجران کے ساتھ دو ہزار جوڑوں کے برابر کپڑوں پر صلح فرمائی؛ ان میں سے نصف صفر کے مہینے میں اور نصف رجب کے مہینے میں مسلمانوں کو ادا کیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ تیس زرہیں، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور ہر قسم کے ہتھیاروں میں سے تیس تیس ہتھیار عاریتاً دیے جائیں گے، جنہیں وہ جنگ میں استعمال کریں گے۔ اگر یمن میں کوئی سازش یا غداری کا خطرہ پیش آیا تو مسلمان ان چیزوں کے ضامن ہوں گے، یہاں تک کہ انہیں واپس اہلِ نجران کے حوالے کر دیں۔ یہ شرط بھی تھی کہ ان کی کسی عبادت گاہ کو منہدم نہیں کیا جائے گا، ان کے کسی پادری[1] کو نہیں نکالا جائے گا اور انہیں ان کے دین سے نہیں پھیرا جائے گا، جب تک کہ وہ کوئی نیا خلاف ورزی کا کام نہ کریں یا سود نہ کھائیں۔[2]

ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا بھیجا جانا

جب اہلِ نجران اپنے وطن واپس جانے لگے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ہم آپ کو وہ چیزیں دے دیں گے جن کا آپ نے ہم سے مطالبہ

1- عیسائیوں کے دینی اور علمی پیشواؤں میں سے ایک پیشوا کو "قس" یا "پادری" کہتے ہیں۔ دیکھیے: لسان العرب، جلد یازدہم، صفحہ ۱۵۷۔

2- (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۳۰۴۱) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر، جلد ششم، حدیث نمبر ۲۹۶۸ کے تحت اس روایت کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اسدی کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع محلِ نظر ہے، تاہم اس روایت کے شواہد موجود ہیں۔ شیخ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ نے بھی سنن ابی داؤد کی تحقیق میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

کیا ہے[1]، لیکن ہمارے ساتھ کسی امانت دار شخص کو بھیجیے، اور ہمارے ساتھ صرف امانت دار ہی کو بھیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہارے ساتھ ایسا شخص ضرور بھیجوں گا جو حقیقی معنوں میں امانت دار ہوگا۔'' یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم اس شرف کے حصول کی امید میں متوجہ ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابو عبیدہ بن جراح! کھڑے ہو جاؤ۔''[2] جب حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ اس امت کے امانت دار ہیں۔''[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں فرماتے ہیں: اس حدیث میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی ایک نمایاں فضیلت بیان ہوئی ہے۔[4]

1- سندی نے مسند کی شرح، جلد سوم، حدیث نمبر ۳۵۷ میں فرمایا ہے: یعنی جزیہ میں سے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ صحیح مسلم کی شرح، جلد پندرہ، صفحہ ۱۵۵ میں فرماتے ہیں: علماء نے فرمایا ہے کہ امانت داری کی صفت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں مشترک تھی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو ان صفات کے ساتھ خاص طور پر ذکر فرمایا جن میں وہ زیادہ نمایاں تھے اور جن کے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ مستحق تھے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۳۸۴ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۴۲۰ پر روایت کیا ہے۔

4- دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ ۴۲۹۔

حضرت ضمام[1] بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی آمد

بنو سعد بن بکر نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ چنانچہ شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں یہ حدیث روایت کی ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ ہم مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ اس نے مسجد میں اپنے اونٹ کو بٹھایا[2]، پھر اسے باندھ دیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا: تم میں سے محمد کون ہیں؟ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ ہم نے کہا: یہ سفید رنگ کے شخص ہیں جو ٹیک لگائے ہوئے ہیں۔ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: کیا آپ عبدالمطلب کے بیٹے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے تمہیں جواب دے

1- ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد اول، صفحہ ۵۳۳، قسم التراجم میں فرمایا ہے: ضمام، ضاد کے کسرہ اور پہلی میم کے تخفیف کے ساتھ ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۲۰۶ میں فرمایا ہے: درست بات یہ ہے کہ حضرت ضمام رضی اللہ عنہ کی آمد ۹ ہجری میں ہوئی تھی۔ ابن اسحاق، ابو عبیدہ اور دیگر اہلِ علم نے بھی اسی بات کو قطعی طور پر بیان کیا ہے۔

2- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۳۸۰ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۴۸۷ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر انہوں نے اپنے اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بٹھا دیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۲۰۴ میں فرمایا ہے: اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اونٹ کو مسجد کے اندر لے کر داخل نہیں ہوئے تھے۔ اس بنا پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں حذف کا مجاز ہے، یعنی عبارت کی تقدیر یہ ہو گی کہ انہوں نے اونٹ کو مسجد کے صحن میں یا اس جیسی کسی جگہ بٹھایا۔

دیا ہے۔'' پھر اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: میں آپ سے کچھ سوالات کرنے والا ہوں اور سوال کرنے میں سختی کروں گا، لہٰذا آپ میرے بارے میں اپنے دل میں کوئی ناراضی نہ رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو چاہو پوچھ لو۔'' اس نے کہا: میں آپ سے آپ کے رب اور آپ سے پہلے لوگوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم دن اور رات میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ سال کے اس مہینے کے روزے رکھیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس نے کہا: میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے مال داروں سے یہ صدقہ وصول کریں اور اسے ہمارے محتاجوں میں تقسیم کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' اس شخص نے کہا: میں ان تمام تعلیمات پر ایمان لے آیا ہوں جو آپ لے کر آئے ہیں، اور میں اپنی قوم کے ان لوگوں کا نمائندہ ہوں جو میرے پیچھے ہیں۔ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں، بنو سعد بن بکر کا بھائی۔ (1)

---

1 - اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۳ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲ پر روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں ایک دوسری روایت ہے، جس کی سند حسن ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: بنو سعد بن بکر نے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اپنے اونٹ کو مسجد کے دروازے پر بٹھایا، پھر اسے باندھ دیا اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان تشریف فرما تھے۔ حضرت ضمام رضی اللہ عنہ مضبوط جسم والے، گھنے بالوں والے اور دو لٹوں والے شخص تھے۔ وہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے پوچھا: تم میں سے عبدالمطلب کے بیٹے کون ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' انہوں نے کہا: اے محمد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جی ہاں۔'' انہوں نے کہا: اے عبدالمطلب کے بیٹے! میں آپ سے کچھ سوالات کروں گا اور سوال کرنے میں سختی کروں گا، لہٰذا آپ میرے بارے میں اپنے دل میں کوئی ناراضی نہ رکھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے دل میں تمہارے بارے میں کوئی ناراضی نہیں ہو گی، لہٰذا جو چاہو پوچھ لو۔'' انہوں نے کہا: میں آپ کو آپ کے معبود، آپ سے پہلے لوگوں کے معبود اور آپ کے بعد آنے والوں کے معبود کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو ہماری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' انہوں نے کہا: میں آپ کو آپ کے معبود، آپ سے پہلے لوگوں کے معبود اور آپ کے بعد

آنے والوں کے معبود کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ہمیں صرف اسی کی عبادت کرنے کا حکم دیں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء واجداد اللہ کے ساتھ عبادت کیا کرتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' انہوں نے کہا: میں آپ کو آپ کے معبود، آپ سے پہلے لوگوں کے معبود اور آپ کے بعد آنے والوں کے معبود کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم ان پانچ نمازوں کو ادا کریں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔''

پھر حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے اسلام کے تمام فرائض کا ذکر کرنا شروع کیا۔ انہوں نے ایک ایک کرکے زکوٰۃ، روزے، حج اور اسلام کے دیگر تمام احکام کے بارے میں پوچھا۔ ہر فرض کے متعلق وہ اسی طرح اللہ کی قسم دے کر سوال کرتے، جیسے اس سے پہلے والے فرض کے بارے میں کیا تھا۔ جب وہ تمام سوالات مکمل کر چکے تو انہوں نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ میں ان فرائض کو ادا کروں گا جن کا آپ نے مجھے حکم دیا ہے، اور جن چیزوں سے آپ نے مجھے منع کیا ہے، ان سے اجتناب کروں گا۔ میں نہ ان میں کوئی اضافہ کروں گا اور نہ کوئی کمی۔ اس کے بعد وہ واپس جانے کے لیے اپنی سواری کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر دو لٹوں والا شخص سچ کہتا ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ضمام رضی اللہ عنہ

اپنی سواری کے پاس پہنچے، اس کی رسی کھولی اور وہاں سے روانہ ہو کر اپنی قوم کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی قوم کے لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔ انہوں نے سب سے پہلے جو بات کہی، وہ یہ تھی: لات اور عُزّیٰ بہت برے معبود ہیں! لوگوں نے کہا: اے ضمام! خبردار! ان بتوں کے بارے میں ایسی بات نہ کہنا، ورنہ تمہیں برص، جذام اور جنون لاحق ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا: تم پر افسوس! یہ دونوں اللہ کی قسم، نہ کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی فائدہ دے سکتے ہیں۔ بے شک اللہ عزوجل نے ایک رسول مبعوث فرمایا ہے اور ان پر ایک کتاب نازل کی ہے، جس کے ذریعے اس نے تمہیں اس حالت سے نجات دی ہے جس میں تم مبتلا تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تمہارے پاس ان کے پاس سے وہ احکام لے کر آیا ہوں جن کا انہوں نے تمہیں حکم دیا ہے، اور ان چیزوں سے آگاہ کرنے آیا ہوں جن سے انہوں نے تمہیں منع کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! اس دن شام ہونے سے پہلے ان کی بستی میں کوئی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم نے کسی قوم کے ایسے نمائندے کے بارے میں نہیں سنا جو حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ فضیلت والا ہو۔[1]

وفد قبیلہ بَجِیلہ[2]

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اپنے قبیلے کے ایک سو پچاس افراد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا تھا۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب میں مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو اپنی سواری کو بٹھایا، پھر اپنا سامان کھولا اور اپنا عمدہ لباس پہنا۔ اس کے بعد میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ میں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ذکر فرمایا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی کچھ دیر پہلے آپ کا بہت اچھے انداز میں ذکر فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دورانِ خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس

1- اس روایت کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۳۸۰ پر روایت کیا ہے، جبکہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اسے مختصر طور پر حدیث نمبر ۴۸۷ پر نقل کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ ۴۰۱ میں فرمایا ہے: بَجِیلہ (باء پر زبر اور جیم کے نیچے زیر کے ساتھ) حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے قبیلے کا نام ہے۔ بَجِیلہ ایک عورت کا نام تھا، جس کی طرف یہ مشہور قبیلہ منسوب ہے۔

دروازے سے، یا اس راستے سے تمہارے پاس یمن کے بہترین لوگوں میں سے ایک شخص داخل ہوگا۔ خبردار! اس کے چہرے پر فرشتے کی سی شان و وقار کی جھلک ہے۔''

حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس نعمت پر کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ شرف عطا فرمایا، میں نے اللہ عزوجل کی حمد بیان کی۔[1]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر بیعت کی کہ میں گواہی دوں گا کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کروں گا، زکوٰۃ ادا کروں گا، بات سنوں گا اور اطاعت کروں گا، اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا۔[2]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب سے میں مسلمان ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی اپنے پاس آنے سے نہیں روکا، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو مسکرا دیے۔''[3]

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۹۱۸۷ پر روایت کیا ہے۔

2- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۱۵۷ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں احادیث نمبر ۵۶، ۹۷ اور ۹۸ پر روایت کیا ہے۔

3- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۸۲۲، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۴۷۵، ۱۷۵ اور ۱۳۴ پر روایت کیا ہے۔

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہیں:
''جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا، میرے سامنے مسکرائے۔''(1)

اہم تنبیہ: امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوا تھا۔''(2)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف چالیس دن یا چالیس رات پہلے ہوا تھا، اور ہمارے نزدیک یہ حدیث منکر ہے۔(3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: حضرت جریر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے وفود کے سال، یعنی ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا تھا۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے تھے، اس سے غلطی ہوئی ہے؛ کیونکہ صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۰۳۵، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۴۷۵ اور ۱۳۵ پر روایت کیا ہے۔

2- اسے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار، جلد ششم، صفحہ ۲۹۹ میں روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: شرح مشکل الآثار، جلد ششم، صفحہ ۳۰۰۔

تھا: ''لوگوں کو خاموش کرواؤ۔''[1] اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے اسی دن سے زیادہ پہلے پیش آیا تھا۔[2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کتاب الإصابۃ میں فرمایا ہے: واقدی نے قطعی طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ رمضان ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے تھے۔ لیکن میرے نزدیک اس قول میں نظر ہے؛ کیونکہ شریک نے شیبانی سے، انہوں نے شعبی سے، اور انہوں نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا: ''تمہارا بھائی نجاشی وفات پا گیا ہے، لہٰذا اس کے لیے مغفرت کی دعا کرو۔'' اس روایت کو امام طبرانی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے[3]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا اسلام لانا ۱۰ ہجری سے پہلے ہوا تھا، کیونکہ نجاشی رضی اللہ عنہ کی وفات اس سے پہلے ہو چکی تھی۔[4]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۱ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۵ پر روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: فتح الباری، جلد ہفتم، صفحہ ۵۲۲۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۹۱۸۶ پر روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب أحکام الجنائز، صفحہ ۱۱۷ میں اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ نے مسند احمد کی تحقیق، جلد ۳۱، صفحہ ۵۲۲ میں فرمایا ہے: یہ حدیث شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

4- دیکھیے: الإصابۃ، جلد اول، صفحہ ۵۸۲۔

حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن [1] بھیجنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ [2]

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور حضرت معاذ رضی

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ باب قائم کیا ہے: ''حجۃ الوداع سے پہلے حضرت ابو موسیٰ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجنا۔''

-حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۱۲۶ میں فرمایا ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنا ۱۰ ہجری میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کرنے سے پہلے ہوا تھا، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب المغازی کے آخری حصے میں ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ ۹ ہجری کے آخری حصے میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے وقت پیش آیا تھا۔ اسے واقدی نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تک اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اور ابن سعد نے بھی الطبقات، جلد سوم، صفحہ ۲۹۶ میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۹۵۴۴ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر ۲۱۱۱ پر روایت کیا ہے۔

اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا: ''آسانی پیدا کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا، نفرت نہ دلانا، اور ایک دوسرے کے ساتھ موافقت رکھنا، اختلاف نہ کرنا۔''(1)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے فضل، اس کے عظیم اجر، اس کی بے شمار عطاؤں اور اس کی وسیع رحمت کی خوشخبری دینے کا حکم ہے۔ نیز صرف خوف دلانے اور عذاب کی مختلف وعیدیں بیان کرنے کے ذریعے لوگوں کو متنفر کرنے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ اس کے ساتھ خوشخبری دینے کا پہلو شامل نہ ہو۔ اس حدیث میں یہ بھی رہنمائی ہے کہ جو لوگ ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، ان کے دلوں کو مانوس کیا جائے اور ان پر سختی نہ کی جائے۔ اسی طرح وہ بچے جو بلوغت کے قریب ہوں، بالغ افراد اور گناہوں سے توبہ کرنے والے لوگ، سب کے ساتھ نرمی اور لطف و شفقت کا معاملہ کیا جائے، اور انہیں آہستہ آہستہ اطاعت کی مختلف صورتوں کی طرف بڑھایا جائے۔(2)

شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''تم اہلِ کتاب کی ایک قوم کے پاس جا رہے ہو۔ جب تم ان کے پاس پہنچو تو سب سے پہلے انہیں اس بات کی

1- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۰۳۸ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۳۳ پر روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد دوازدہم، صفحہ ۳۷۔

دعوت دینا کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ اس بات میں تمہاری اطاعت کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ہر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ اس بات میں بھی تمہاری اطاعت کر لیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے، جو ان کے مال داروں سے لیا جائے گا اور ان کے محتاجوں میں لوٹا دیا جائے گا۔ اگر وہ اس بات میں بھی تمہاری اطاعت کر لیں تو ان کے عمدہ اور قیمتی مال لینے سے بچنا[1]، اور مظلوم کی بددعا سے ڈرنا؛ کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔"[2]

دنیا میں آخری الوداع

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اس واقعے سے اشارہ ملتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ دنیا میں دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیحت کرنے کے لیے میرے

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۱۲۹ میں فرمایا ہے: اس حدیث میں عمدہ اور قیمتی مال لینے سے اجتناب کرنے کی ہدایت ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ زکوٰۃ کا مقصد غریبوں کی مدد اور ان کے ساتھ ہمدردی کرنا ہے، لہٰذا مال داروں کے مال کو نقصان پہنچانا اس مقصد کے مناسب نہیں، الا یہ کہ وہ خود اس پر راضی ہوں۔

2- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۴۰۶ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۹ اور ۲۹ پر روایت کیا ہے۔

ساتھ تشریف لے گئے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سوار تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سواری کے نیچے، پیدل چل رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''اے معاذ! ممکن ہے کہ اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کر سکو، اور شاید تم میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو۔'' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدائی کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا: ''میرے سب سے زیادہ قریب لوگ متقی ہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی رہتے ہوں۔''(1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ، وضاحت اور تنبیہ موجود ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوبارہ ملاقات نہیں ہو گی، اور ایسا ہی ہوا۔ وہ یمن ہی میں مقیم رہے، یہاں تک کہ حجۃ الوداع کا موقع آ گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات یومِ حجِ اکبر کے اکیاسی دن بعد ہوئی۔(2)

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۲۰۵۲ پر روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۱۰۶۔

ہجرت کے دسویں سال

حجۃ الوداع[1]

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کے بعد صرف ایک حج ادا فرمایا، اور

1- اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر لوگوں کو الوداع کہا تھا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اسے صیغۂ جزم کے ساتھ معلقاً روایت کیا ہے، جبکہ ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۳۰۵۸ کے تحت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ اسے موصولاً روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حج کے موقع پر، جس میں آپ نے حج ادا فرمایا تھا، قربانی کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: ''یہ حجِ اکبر کا دن ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے: ''اے اللہ! گواہ رہنا۔'' اور آپ لوگوں کو الوداع کہہ رہے تھے۔ اسی وجہ سے لوگوں نے اس حج کو حجۃ الوداع کہا۔

-امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں (۴۹/۲) فرمایا: اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لوگوں کو الوداع کہا، اپنے خطبے میں انہیں دین کے احکام سکھائے، اور انہیں وصیت فرمائی کہ شریعت کے احکام ان لوگوں تک پہنچائیں جو اس حج میں موجود نہیں تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم میں سے جو لوگ موجود ہیں، وہ ان لوگوں تک (میرا پیغام) پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں۔''

-اسے حجۃ الاسلام بھی کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (جلد پنجم، صفحہ ۱۱۵) میں فرمایا: اس حج کو حجۃ الاسلام اس لیے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اس کے علاوہ کوئی اور حج ادا نہیں فرمایا۔

-اسے حجۃ البلاغ بھی کہا جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (جلد پنجم، صفحہ ۱۱۵) میں فرمایا: اس حج کو حجۃ البلاغ اس لیے کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت لوگوں تک قولاً اور عملاً پہنچا دی تھی۔ اسلام کے بنیادی ارکان اور اصولوں میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا ہو۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے حج کی شریعت بیان فرمائی، اسے واضح کیا اور اس کی تفصیل سمجھا دی، تو اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت یہ آیت نازل فرمائی جب آپ میدانِ عرفات میں وقوف فرما تھے: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ

وہ حجۃ الوداع تھا۔ اسی طرح اس بات میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ یہ ہجرت کے دسویں سال ہوا تھا۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس غزوات میں شرکت فرمائی، اور ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک حج ادا فرمایا، اس کے بعد کوئی حج ادا نہیں فرمایا، اور یہی حجۃ الوداع تھا۔ (2)

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد صرف ایک حج ادا فرمایا، اور وہ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع تھا۔ (3)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج ادا فرمائے؟ انہوں نے جواب دیا: ایک حج۔ (4)

﴿الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔ (سورۃ المائدہ، آیت: ۳)

1- دیکھیے: زاد المعاد، جلد دوم، صفحہ ۱۲۲۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۴۴۰۴ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد ہشتم، صفحہ ۱۹۲۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۷۸ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام سندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ کے قول «کم حج؟» (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے حج کیے؟) سے مراد ہجرت کے بعد کتنے حج کیے؟ ہے۔

میں کہتا ہوں: وہی حجۃ الوداع تھا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی اطلاع لوگوں کو دینا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا ارادہ فرمایا تو لوگوں کو اطلاع دے دی کہ آپ حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ چنانچہ لوگ آپ کے ساتھ روانہ ہونے کی تیاری کرنے لگے۔ مدینہ منورہ کے آس پاس رہنے والوں کو بھی اس کی خبر پہنچی، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج ادا کرنے کی غرض سے مدینہ آئے۔ راستے میں بے شمار لوگ آپ سے آملے۔ وہ حدِ نگاہ تک آپ کے آگے، پیچھے، دائیں اور بائیں موجود تھے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو سال تک حج ادا نہیں فرمایا[2]۔ پھر دسویں سال لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں[3]۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ

1- دیکھیے: شرح السندی علی المسند، جلد ہفتم، صفحہ ۲۱۵۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم (جلد ہشتم، صفحہ ۱۳۹) میں فرمایا: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں نو سال قیام فرمایا۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم (جلد ہشتم، صفحہ ۱۳۹) میں فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے حج کے ارادے سے آگاہ فرمایا اور ان کے درمیان اس بات کی تشہیر کی، تاکہ وہ آپ کے ساتھ حج ادا کرنے کے لیے تیاری کر لیں۔

آئے، جن میں سے ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرے اور آپ ہی کی طرح عمل کرے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ میری نگاہ جہاں تک پہنچتی تھی، وہاں تک آپ کے آگے [1] سوار اور پیدل چلنے والے لوگ تھے۔ آپ کے دائیں طرف بھی اسی طرح، بائیں طرف بھی اسی طرح اور پیچھے بھی اسی طرح لوگ موجود تھے۔ [2]

امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو سوار ہو کر یا پیدل چل کر آنے کی استطاعت رکھتا ہو، مگر وہ (حج کے لیے) آپہنچا۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ سے روانہ ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہنے پر، بروز ہفتہ [4]، مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ، جسے اللہ تعالیٰ شرف و عظمت عطا فرمائے، کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز چار رکعت ادا فرمائی تھی۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

1- یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے السنن الکبریٰ میں حدیث نمبر ۳۷۲۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- مدینہ منورہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے دن کی یہ تعیین ابن سعد نے الطبقات (جلد دوم، صفحہ ۲۳۶) میں بیان کی ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی زاد المعاد (جلد دوم، صفحات ۱۲۴ اور ۱۲۷) میں اسی بات کو قطعی طور پر ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (جلد پنجم، صفحہ ۱۱۸) اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (جلد ششم، صفحہ ۲۱۶، اور جلد ہشتم، صفحہ ۴۴۱) میں بھی یہی بات بیان کی ہے۔

روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہنے پر روانہ ہوئے۔ ہمارا مقصد صرف حج ادا کرنا تھا۔ (1)

ابن اسحاق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے کی تاریخ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ہی کو اختیار کیا اور اس سے تجاوز نہیں کیا۔ (2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اس حال میں روانگی فرمائی کہ آپ نے بالوں میں کنگھی کر لی تھی، تیل لگا لیا تھا اور تہبند و چادر پہن لی تھی۔ آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند اور چادروں میں سے کسی لباس سے منع نہیں فرمایا، سوائے زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے کے، جس کا رنگ جلد پر نمایاں ہو جاتا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ (3) میں صبح کی۔ اس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ بیداء کے مقام پر پہنچ گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تلبیہ کے ذریعے احرام کی نیت کا اعلان کیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۰۹، ۱۷۲۰ اور ۲۹۰۵۲، جبکہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۱ اور ۱۲۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۲۵۷۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات (جلد سوم، صفحہ ۲۰۳) میں فرمایا: ذوالحلیفہ مدینہ منورہ کے لوگوں کا میقات ہے، اللہ تعالیٰ اس کی شرف وعظمت میں اضافہ فرمائے۔ اس لفظ میں ح پر پیش، ل پر زبر اور ی ساکن ہے۔

اونٹوں کے گلے میں نشانی کے پٹے ڈال دیے۔ یہ سب کچھ ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہنے پر ہوا۔ (1)

1-اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۴۵ کے تحت روایت کیا ہے۔
حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ (جلد پنجم، صفحہ ۱۱۷) میں فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول «وذلک لخمس بقین من ذي القعدة» (یہ ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہنے پر ہوا) سے اگر مراد ذوالحلیفہ میں اگلی صبح کا وقت ہو، تو ابن حزم کا یہ دعویٰ درست قرار پاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جمعہ کی رات ذوالحلیفہ میں گزاری اور جمعہ کی صبح وہیں کی۔ اس صورت میں یہ ذوالقعدہ کی پچیسویں تاریخ بنتی ہے۔ لیکن اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ سے روانہ ہونے کا دن ہو، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں میں کنگھی کی، تیل لگایا اور تہبند و چادر پہنی، جیسا کہ حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے بھی بیان کیا ہے کہ وہ ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہنے پر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے، تو ابن حزم کا قول درست نہیں رہتا، اور اسے اختیار کرنا ممکن نہیں رہتا۔ اس صورت میں کسی دوسرے دن کو متعین کرنا ضروری ہوگا۔ یہ دن جمعہ ہی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ ذوالقعدہ کا مہینہ پورا تیس دن کا ہو۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہونا ممکن نہیں، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث نمبر ۱۵۴۶ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۹۰ اور ۱۰ کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ہمیں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھائی، جبکہ آپ کے ساتھ ہم بھی تھے، اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھائی۔ امام احمد رحمہ اللہ کی مسند (حدیث نمبر ۱۳۴۸۸) میں ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنی مسجد میں ہمیں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھائی، پھر حجۃ الوداع کے موقع پر ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھائی، اس حال میں کہ ہم امن میں تھے اور کسی خوف میں مبتلا نہ تھے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اس سند و طریق سے اس روایت کو منفرد طور پر بیان کیا ہے، اور یہ صحیح کی شرط پر ہے۔ یہ روایت قطعی طور پر اس بات کی نفی کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے ہوں۔ اس بنا پر یہ بھی ممکن نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعرات کے دن روانہ ہوئے ہوں، جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے، کیونکہ وہ ذوالقعدہ کی چوبیسویں تاریخ بنتی ہے۔ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ جمعرات تھی، کیونکہ یہ بات تواتر اور اجماع سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن میدانِ عرفات میں وقوف فرما تھے، اور وہ ذوالحجہ کی نویں تاریخ تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ لہٰذا اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ کی چوبیسویں تاریخ، یعنی جمعرات کو روانہ ہوئے ہوتے، تو مہینے میں چھ راتیں باقی رہ جاتیں: جمعہ، ہفتہ، اتوار، پیر، منگل اور بدھ کی راتیں۔ یہ چھ راتیں بنتی ہیں، جبکہ حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ اور حضرت جابر رضی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواجِ مطہرات کا روانہ ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے سال اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا: ''یہ حج ہے[1]، پھر چٹائیوں کے گھروں میں رہنا ہے[2]۔'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد تمام ازواجِ مطہرات حج کیا کرتی تھیں، سوائے حضرت زینب بنت جحش اور حضرت سودہ بنت زمعہ

اللہ عنہم نے بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالقعدہ کی پانچ راتیں باقی رہنے پر روانہ ہوئے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے جمعہ کے دن روانگی کا قول بھی ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ اس تحقیق کے مطابق یہی متعین ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتے کے دن مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے۔ راوی کا گمان تھا کہ مہینہ پورا تیس دن کا ہوگا، لیکن اس سال ذوالقعدہ کا مہینہ انتیس دن کا ہوا۔ چنانچہ بدھ کے دن ذوالقعدہ ختم ہوگیا اور جمعرات کی رات ذوالحجہ کا آغاز ہوگیا۔ اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں پانچ یا چار راتیں باقی رہنے کا ذکر ہے۔ اس تفصیل اور اس تقدیر کے مطابق اس کے سوا کوئی دوسری صورت نہیں بنتی۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

1- امام سندی رحمہ اللہ نے شرح المسند (جلد سیز دہم، صفحہ ۴۵) میں فرمایا: یعنی یہ تمہارا حج ہے۔

2- ابن اثیر رحمہ اللہ نے النہایہ (جلد اول، صفحہ ۳۸۰) میں فرمایا: یعنی تم اب اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلو گی، بلکہ گھروں میں رہو گی۔ الحُصُر، لفظ حصیر کی جمع ہے، اور حصیر اس چٹائی کو کہتے ہیں جو گھروں میں بچھائی جاتی ہے۔

-امام سندی رحمہ اللہ نے شرح المسند (جلد سیز دہم، صفحات ۴۵، ۴۶) میں فرمایا: اس سے مراد یہ تھا کہ اگر آئندہ حج کرنا ممکن نہ ہو تو انہیں حج چھوڑ دینے پر دلی اطمینان دلایا جائے، یا انہیں حج چھوڑنے کی اجازت دی جائے؛ اس سے حج کرنے کی ممانعت مراد نہیں تھی، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے حج ادا کیا تھا۔ میں کہتا ہوں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں، اپنے آخری حج کے موقع پر، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو حج کی اجازت دی تھی، جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث نمبر ۱۸۶۰ کے تحت مذکور ہے۔

رضی اللہ عنہما کے۔ وہ دونوں کہا کرتی تھیں: اللہ کی قسم! جب ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن لی، تو اس کے بعد ہم کسی سواری کو حرکت نہیں دیں گی۔ (1)

میقات ذوالحلیفہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اور احرام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میقاتِ ذوالحلیفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت والے راستے کو اختیار کیا، یہاں تک کہ عصر کی نماز ادا کرنے سے پہلے وہاں پہنچ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز دو رکعت ادا فرمائی اور وہیں رات گزاری، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں مغرب، عشاء، فجر اور ظہر کی نمازیں بھی ادا فرمائیں۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں پانچ نمازیں ادا فرمائیں۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۶۷۵۱ کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری (جلد چہارم، صفحہ ۵۵۴) میں اسے ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

درخت والے راستے سے روانہ ہوتے[1] اور معرّس والے راستے سے واپس داخل ہوتے تھے۔[2]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز چار رکعت ادا فرمائی، جبکہ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے، اور ذوالحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت ادا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں رات گزاری، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔[3]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔[4]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (جلد چہارم، صفحہ ۱۶۹) میں فرمایا: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ تشریف لے جاتے اور وہاں رات گزارتے تھے، اور جب واپس آتے تو تب بھی وہاں رات گزارتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم معرّس کے راستے سے مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تھے۔ معرّس میں راء مشدد پر زبر ہے، اور دونوں حروفِ عین و سین غیر منقوط ہیں۔ یہ بھی ایک معروف مقام ہے۔ درخت والا مقام اور معرّس، دونوں مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ہیں، البتہ معرّس مدینہ منورہ کے زیادہ قریب ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۰۳ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۵۱ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۹۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس باری باری تشریف لے گئے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبو لگائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس تشریف لے گئے، پھر صبح اس حال میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھے ہوئے تھے۔[1]

اس رات اس مقام پر، جو وادیِ عقیق تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے رب سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ایک آنے والا[2] آیا اور آپ کو حکم دیا کہ آپ اپنے اس حج میں کہیں: ''حج میں عمرہ ہے[3]۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وادیِ عقیق میں یہ فرماتے ہوئے سنا: ''آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے کہا: اس مبارک وادی میں نماز ادا کیجیے اور کہیے: حج میں عمرہ ہے۔''[4]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۷۰ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۹۲ اور ۴۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری (جلد چہارم، صفحہ ۱۷۱) میں فرمایا: اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔

3- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الفصول في سیرۃ الرسول (صفحہ ۲۵۵) میں فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ حج اور عمرہ کو ایک ساتھ ادا کریں۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۳۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وادیِ عقیق میں نماز ادا کرنے کا حکم دینے سے مراد یہ تھا کہ آپ وہاں اس وقت تک قیام فرمائیں، یہاں تک کہ ظہر کی نماز ادا کر لیں؛ کیونکہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے وقت ملا تھا، اور آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کی اطلاع صبح کی نماز کے بعد دی تھی۔ لہٰذا ظہر کی نماز ہی باقی رہ گئی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ وہاں ظہر کی نماز ادا فرمائیں اور اس کے بعد احرام باندھیں۔ (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام کے لیے غسل فرمانا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ نے احرام کے لیے دوبارہ غسل فرمایا۔ یہ غسل اس پہلے غسل کے علاوہ تھا جو آپ نے جماع کے بعد فرمایا تھا۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک اور سر پر خوشبو لگائی۔ یہ خوشبو ذِریرہ (2) اور مشک ملی ہوئی خوشبو تھی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی مانگ میں خوشبو کی چمک دکھائی دینے لگی۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ

1- دیکھیے: البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحات ۱۲۰، ۱۲۱۔

2- ذَرِیرہ کئی قسم کی خوشبوؤں کو ملا کر تیار کی جانے والی ایک قسم کی خوشبو ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد دوم، صفحہ ۱۴۶۔

علیہ وسلم کو احرام باندھنے کے لیے اپنے کپڑے اتارتے اور غسل فرماتے ہوئے دیکھا۔[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں فرمایا: بعض اہلِ علم نے احرام باندھتے وقت غسل کرنے کو مستحب قرار دیا ہے، اور یہی امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔[2]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''میں نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذَرِیرہ لگائی، احرام سے پہلے بھی اور احرام کے لیے بھی۔''[3]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''گویا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالتِ احرام میں تھے۔''[4]

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۸۴۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: جامع الإمام الترمذي، جلد دوم، صفحہ ۳۵۶۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۵۹۳۰ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۸۹ اور ۳۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۳۸ اور ۱۷۲۱، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۹۰ اور ۳۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سر کے بالوں کو جما لیا(تلبید [1] کر لیا)تاکہ وہ پراگندہ نہ ہوں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند اور چادر پہن کر احرام کے لباس میں تیاری فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہدی کے جانور منگوائے، جو تریسٹھ اونٹنیاں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اشعار کیا اور قلادہ پہنایا،اور ان کی نگرانی کے لیے حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی،اور یہ سب احرام باندھنے سے پہلے ہوا۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے،انہوں نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں تلبیہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال جمائے ہوئے تھے۔''[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے،انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحلیفہ میں دو رکعتیں [3] ادا

1- بالوں کی "تلبید" کرنے کا مطلب یہ ہے کہ احرام باندھتے وقت بالوں میں گوند جیسا کوئی مادہ لگایا جائے،تاکہ بال بکھرنے اور ان میں جوئیں پڑنے سے محفوظ رہیں۔ یہ بالوں کی حفاظت کے لیے کیا جاتا ہے۔ بالوں کی تلبید عموماً وہی شخص کرتا ہے جسے حالتِ احرام میں طویل عرصے تک رہنا ہو۔ دیکھیے: النہایہ، جلد چہارم، صفحہ ۱۹۴۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۴۰ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۸۴ اور ۲۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں، جلد ہشتم، صفحہ ۷۵ پر فرمایا: احرام باندھنے کا ارادہ کرتے وقت دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے۔ یہ دونوں رکعتیں احرام باندھنے سے پہلے پڑھی جائیں اور نفل ہوں۔ یہی ہمارا (شافعی) مذہب اور تمام علماء کا

فرماتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مسجد ذوالحلیفہ کے پاس کھڑی ہو کر سیدھی ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ احرام کا اعلان فرماتے، یعنی تلبیہ کہتے۔"

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم کے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی، پھر اپنی اونٹنی منگوائی اور اس کے کوہان کے دائیں جانب اشعار کیا، خون صاف کیا اور اس کے گلے میں دو جوتیاں بطور قلادہ ڈال دیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے[1]۔ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بیداء کے مقام پر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کا تلبیہ کہا۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹنی پر اپنے دستِ مبارک سے اشعار اور تقلید کیا، جبکہ

مذہب ہے، سوائے اس قول کے جسے قاضی اور دیگر اہلِ علم نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ان دونوں رکعتوں کو فرض نماز کے بعد پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ روایت کیا گیا ہے کہ یہ دونوں رکعتیں فجر کی نماز تھیں۔ لیکن درست بات وہی ہے جو جمہور علماء نے کہی ہے، اور حدیث کا ظاہر بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

1- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں، جلد ہشتم، صفحہ ۱۸۶ پر فرمایا: "یہ وہ سواری تھی جس کے علاوہ دوسری اونٹنی تھی جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار کیا تھا۔"

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۴۵ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

باقی ہدی کے جانوروں پر اشعار اور تقلید کا کام کسی دوسرے شخص کے سپرد فرمایا؛ کیونکہ ہدی کے جانور بہت زیادہ تھے، یا تو سو اونٹنیاں تھیں یا اس سے کچھ کم۔"(1)

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پڑھنے کی جگہ پر حج اور عمرہ دونوں کا تلبیہ کہا اور دونوں کو ایک ساتھ ادا کرنے (قران) کی نیت فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے، تو دوبارہ تلبیہ کہا۔ پھر جب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر بیداء کی طرف روانہ ہوئی اور سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہا۔(2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وادیِ عقیق میں یہ فرماتے ہوئے سنا: آج رات میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا میرے پاس آیا اور اس نے کہا: اس مبارک وادی میں نماز پڑھیں اور کہیں: حج میں عمرہ۔"(3)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں کا ایک ساتھ

1- دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ، جلد پنجم، صفحہ ۱۲۳۔

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۱۲۶ پر فرمایا: "بیداء سے مراد زمین ہے، اور یہ اس معروف مقامِ بیداء تک پہنچنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔"

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۳۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

تلبیہ کہتے ہوئے سنا: میں حاضر ہوں، اے اللہ! عمرے اور حج کے لیے حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، اے اللہ! عمرے اور حج کے لیے حاضر ہوں۔"[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ روایت، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظاً اور معناً[2] نقل کیا گیا ہے، سولہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کی ہے، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسے سولہ تابعین نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت بالکل واضح ہے، اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں، سوائے اس کے کہ کوئی بعید تاویل کی جائے۔ جہاں تک ان دیگر احادیث کا تعلق ہے جن سے تمتع کا وہم ہوتا ہے یا جو افراد پر دلالت کرتی ہیں، تو ان کے لیے الگ مقام ہے، جہاں ان کا ذکر کیا جائے گا۔"[3]

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ قران ادا فرمایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا: "ہم نے یہ بات اس لیے کہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ قران کی نیت سے احرام باندھا تھا، کیونکہ اس بارے میں بائیس صریح اور صحیح احادیث موجود ہیں۔"[4]

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اس بیان کے ضمن میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجِ قران ادا فرمایا تھا۔

3- دیکھیے: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ ۲۵۵۔

4- دیکھیے: زاد المعاد، جلد دوم، صفحہ ۱۳۰۔

میں کہتا ہوں: جن علماء نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں حجِ قران ادا فرمایا تھا، ان میں امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں، جلد سوم، صفحہ ۲۹۸؛ امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں، جلد ہشتم، صفحہ ۱۷۳؛ حافظ ابن

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''میں درخت کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گھٹنوں کے قریب موجود تھا۔ جب اونٹنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'میں عمرے اور حج دونوں کے لیے ایک ساتھ حاضر ہوں۔''' یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تلبیہ کہا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی۔''(2)

امام ابو داؤد اور امام حاکم رحمہما اللہ نے ان شاء اللہ حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز پڑھنے کی جگہ ہی پر حج و عمرہ لازم کر لیا تھا، پھر جب آپ صلی

حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں، جلد چہارم، صفحہ ۲۱۵؛ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ، جنہوں نے البدایہ والنہایہ، صفحہ ۲۵۶ میں اس موقف کی تائید کی ہے، شامل ہیں۔

1- اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۹۱۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۵۲ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۸۷ اور ۲۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آپ کو لے کر سیدھی کھڑی ہو گئی تو تلبیہ کہا، اور جب بیداء کی بلند جگہ پر چڑھے تو بھی تلبیہ کہا۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھنے اور سواری کے معاملے میں تکلف سے کام نہیں لیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں بھی نہایت متواضع تھے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ثمامہ بن عبداللہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک عام کجاوے پر حج کیا، حالانکہ وہ بخیل نہیں تھے[2]۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک عام کجاوے پر حج کیا تھا، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامانِ سفر کو اٹھانے[3] والی سواری تھی۔"[4]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی تلبیہ

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلبیہ کہا۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا

1- اسے امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۷۷۰ اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر ۱۶۷۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۱۵۶ پر فرمایا: "اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام تواضع اور اتباعِ سنت کے طور پر کیا تھا، نہ کہ سامان کی کمی یا بخل کی وجہ سے۔"

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۱۵۶ پر فرمایا: "اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی الگ سواری نہیں تھی جو آپ کا کھانا اور سامان اٹھاتی، بلکہ یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سواری پر ہی لدا ہوا تھا؛ چنانچہ وہی آپ کی سواری بھی تھی اور سامان اٹھانے والی سواری بھی۔"

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۱۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

ہے، انہوں نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں تلبیہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال جمائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ۔ ترجمہ: میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں۔ بے شک تمام تعریفیں، نعمتیں اور بادشاہی تیرے ہی لیے ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات سے زیادہ کچھ نہیں کہتے تھے۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تلبیہ میں یہ کلمات کہتے تھے: لَبَّيْكَ إِلٰهَ الْحَقِّ لَبَّيْكَ۔ ترجمہ: اے معبودِ برحق! میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں۔ (2)

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلبیہ میں کچھ کلمات بڑھاتے اور کچھ کم کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس پر برقرار رکھتے تھے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، یہاں

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۵۹۱۵ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۸۴ اور ۲۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۸۴۹۷ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۹۲۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آپ کو لے کر بیداء کے مقام پر سیدھی کھڑی ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کے کلمات کے ساتھ تلبیہ کہا: لَبَّیْکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیْکَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَا شَرِیکَ لَکَ۔ لوگوں نے بھی تلبیہ کہا اور اس میں اضافہ کرتے ہوئے ''ذِي الْمَعَارِجِ'' (بلند درجات والے) اور اس جیسے دوسرے کلمات کہنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب سن رہے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ نہیں فرمایا۔''(1)

جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تلبیہ کہتے وقت اپنی آوازیں بلند کرنے کا حکم دیں۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ خلاد بن سائب سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور مجھے حکم دیا کہ میں اپنے صحابہ کو احرام کا اعلان اور تلبیہ بلند آواز سے کہنے کا حکم دوں۔''(2)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں شواہد کی بنا پر حسن سند کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل (3) سب

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۴۴۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۶۵۵۷ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۸۴۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت میں ہے: ''دوران حج سب سے افضل عمل کون ہے؟''

سے افضل ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلند آواز سے تلبیہ کہنا اور قربانی کے جانوروں کا خون بہانا۔"[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج کو عمرے میں تبدیل کرنے کا حکم دینا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَرِف[2] کے مقام پر پہنچے تو وہاں قیام فرمایا اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو احرام باندھتے وقت تینوں مناسکِ حج میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اختیار دیا۔ پھر جب وہ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو، جن کے ساتھ ہدی[3] کا جانور نہیں تھا، حج کو عمرے میں تبدیل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے مہینوں[4]، حج کی راتوں اور حج کے احرام کے

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۸۴۱ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۹۲۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- سَرِف (سین کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ) مکہ مکرمہ سے دس میل کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد دوم، صفحہ ۳۲۶۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں، جلد ہشتم، صفحہ ۱۱۲ پر فرمایا ہے: "ہَدْي (دال کو ساکن اور یاء کو ہلکا پڑھنے کے ساتھ) اور ہدِيّ (دال کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ)، دونوں معروف لغتیں ہیں۔ پہلی لغت زیادہ فصیح اور زیادہ مشہور ہے۔ یہ اس جانور کا نام ہے جسے حرم کی طرف ہدیے کے طور پر بھیجا جائے۔ اور جو شخص حج یا عمرے کا احرام باندھنے کا ارادہ کرے، اس کے لیے ہدی کے جانور ساتھ لے جانا سنت ہے۔"

4- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں، جلد ہشتم، صفحہ ۱۲۱ پر فرمایا ہے: علماء کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور "حج کے مہینوں" کے بارے میں اختلاف ہے: ﴿اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ﴾ "حج کے مہینے معلوم ہیں۔" (سورۃ البقرۃ، آیت

زمانے [1] میں روانہ ہوئے اور سَرِف کے مقام پر اترے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ’تم میں سے جس کے ساتھ ہدی کا جانور نہیں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اپنے حج کو عمرہ بنالے، تو وہ ایسا کر لے، اور جس کے ساتھ ہدی کا جانور ہے، وہ ایسا نہ کرے۔‘ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بعض نے اس حکم پر عمل کیا اور بعض نے اسے ترک کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ طاقت ور تھے اور ان کے ساتھ ہدی کے جانور بھی تھے، اس لیے وہ عمرہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔‘‘ [2]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، یہاں تک کہ ذی طُویٰ [3] کے مقام پر اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اتوار کی رات قیام فرمایا، جب ذوالحجہ کی چار راتیں گزر چکی تھیں۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی، پھر اسی دن غسل فرمایا اور مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت مکہ مکرمہ میں اس کے بالائی حصے کی جانب سے داخل ہوئے، اس بلند گھاٹی کے

---

۱۹۷) امام شافعی رحمہ اللہ اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے جمہور علماء کے نزدیک حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کی دس راتیں ہیں، جن کی مدت قربانی کی رات (دسویں ذوالحجہ کی رات) کی فجر تک جاری رہتی ہے۔

1- یعنی حج کے اوقات، مقامات اور احوال، یا حج کی ممنوعات۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۶۰ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۱ اور ۱۲۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ ۵۶ پر فرمایا ہے: ’’طُویٰ مکہ مکرمہ کے قریب ایک معروف مقام ہے۔ اسے طاء کے فتحہ، ضمہ اور کسرہ، تینوں طرح پڑھا جاتا ہے، تاہم فتحہ کے ساتھ پڑھنا زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔‘‘

راستے سے جو حَجون[1] پر بلند ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے، یہاں تک کہ چاشت کے وقت مسجدِ حرام میں داخل ہوئے۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی طُویٰ کے مقام پر رات گزاری، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔''[2]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی طُویٰ کے مقام پر صبح کی نماز ادا فرمائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ذوالحجہ کی چار راتیں گزر جانے کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے۔''[3]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) اور امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حضرت

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۱۸۹ پر فرمایا ہے: ''حَجون (حاء کے فتحہ اور اس کے بعد جیم کے ضمہ کے ساتھ) وہ پہاڑ ہے جو مکہ مکرمہ کے بالائی حصے میں مسجدِ حرام پر بلند ہے۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۷۴ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۹ اور ۲۲۶ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۷۴ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۰ اور ۲۰۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے لیے روانہ ہوتے اور حرم کی حدود کے قریب پہنچتے تو تلبیہ کہنا بند کر دیتے۔ پھر جب ذی طُویٰ کے مقام پر پہنچتے تو وہاں رات گزارتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ اس کے بعد فجر کی نماز ادا کرتے، غسل فرماتے اور بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ چاشت کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے۔[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجدِ حرام میں داخل ہونا، طواف کرنا اور سعی کرنا

حضرت جابر[2] رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکنِ[3] حجرِ اسود کو

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۷۳، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۹ اور ۲۲۸، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۴۶۲۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد ہشتم، صفحہ ۱۱۰ پر فرمایا ہے: ''حضرت جابر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کی حدیث روایت کرنے کے اعتبار سے صحابۂ کرام میں سب سے بہتر انداز میں اس واقعے کو بیان کرنے والے ہیں؛ کیونکہ انہوں نے اس واقعے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ سے روانہ ہونے کے وقت سے لے کر آخر تک بیان کیا ہے۔ لہٰذا وہ اس حدیث کو دوسرے صحابہ کے مقابلے میں زیادہ بہتر طور پر محفوظ رکھنے والے ہیں۔''

3- یہاں رکن سے مراد حجرِ اسود ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''یہاں تک کہ ہم کعبہ کے پاس پہنچے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو استلام کیا، پھر تین چکروں میں رَمل کیا اور چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے۔''

- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد دوم، صفحہ ۲۷۵ پر فرمایا ہے: ''یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے چھوا، پھر اپنے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے محجن کے ذریعے استلام کیا۔''

- محجن اس عصا کو کہتے ہیں جس کا سر امڑا ہوا ہو۔ دیکھیے: النہایہ، جلد اول، صفحہ ۳۳۵۔

چھوا[1]، پھر تین چکروں میں رَمل[2] کیا اور چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے[3]۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقامِ ابراہیم علیہ السلام کی طرف تشریف لے گئے[4] اور یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ ''اور مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔'' (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۵) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ ابراہیم کو اپنے اور بیت اللہ کے درمیان رکھا۔ جعفر[5] کہتے ہیں کہ میرے والد فرمایا کرتے تھے، اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کے بغیر بیان کی ہو، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں یہ سورتیں

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، شمارہ ۲۶۷ میں جوہری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے: ''حجرِ اسود کو استلام کرنے کا مطلب اسے چھونا ہے، خواہ بوسہ دے کر یا ہاتھ سے چھو کر۔''

2- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد سوم، صفحہ ۲۲۶ پر فرمایا ہے: ''طواف میں رَمل (راء اور میم دونوں کے فتحہ کے ساتھ) کا مطلب تیز چلنا ہے، اس طرح کہ قدم قریب قریب رکھے جائیں، لیکن اچھلنا یا دوڑنا نہ ہو۔''

-امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، جلد دوم، صفحہ ۳۷۶ پر فرمایا ہے: ''اہلِ علم کے نزدیک عمل اسی کے مطابق ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر کسی نے جان بوجھ کر رَمل ترک کیا تو اس نے برا کیا، لیکن اس پر کچھ لازم نہیں۔ اور اگر اس نے پہلے تین چکروں میں رَمل نہیں کیا تو باقی چکروں میں بھی رَمل نہ کرے۔''

3- امام ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد، جلد دوم، صفحہ ۲۷۴ پر فرمایا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دروازے کے پاس کوئی دعا پڑھی، نہ میزاب کے نیچے، نہ کعبہ کی پچھلی جانب اور اس کے کونوں کے پاس، اور نہ ہی طواف کے دوران کوئی مخصوص ذکر مقرر فرمایا، نہ اپنے عمل سے اور نہ تعلیم دے کر۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا پڑھنا ثابت ہے: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما، آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۱)''

4- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں مزید یہ الفاظ نقل کیے ہیں: ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا فرمائیں۔''

5- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد ہشتم، صفحہ ۱۴۳ پر فرمایا ہے: ''یہ جعفر بن محمد ہیں، جنہوں نے یہ حدیث اپنے والد کے واسطے سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔''

پڑھتے تھے: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ (سورۃ الإخلاص، آیت ۱) اور ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ (سورۃ الکافرون، آیت ۱)۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس رکنِ حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے چھوا[1]۔ اس کے بعد صفا کی طرف جانے والے دروازے سے باہر نکلے۔ جب صفا کے قریب پہنچے تو یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ ''بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۵۸) پھر فرمایا: ''میں اسی سے آغاز کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے آغاز کیا ہے۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا سے آغاز کیا[2]۔ اس پر چڑھے، یہاں تک کہ بیت اللہ دکھائی دینے لگا۔ پھر قبلے کی طرف رخ کیا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان کی، اس کی بڑائی بیان کی اور فرمایا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ۔ ''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بادشاہی اسی کی ہے اور تمام تعریف اسی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دی۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذکر کے

1- امام ترمذی رحمہ اللہ کی جامع کی روایت میں ہے: ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعتیں ادا کرنے کے بعد حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے اور اسے استلام کیا۔''

2- امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع، جلد ہشتم، صفحہ ۳۷۹ پر فرمایا ہے: ''اہلِ علم کے نزدیک عمل اسی کے مطابق ہے کہ سعی کا آغاز صفا سے کیا جائے، مروہ سے نہیں۔ اگر کوئی شخص صفا سے پہلے مروہ سے آغاز کرے تو اس کی سعی درست نہیں ہوگی، بلکہ اسے صفا سے دوبارہ آغاز کرنا ہوگا۔''

درمیان دعا فرمائی۔ راوی کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات تین مرتبہ کہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفا سے اتر کر مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم وادی کے نشیبی حصے میں پہنچے تو سعی فرمائی، اور جب وادی سے اوپر چڑھ گئے تو معمول کے مطابق چلنے لگے، یہاں تک کہ مروہ پہنچ گئے۔ مروہ پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی عمل کیا جو صفا پر کیا تھا۔"[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا۔ سب سے پہلے حجرِ اسود کو چھوا، پھر سات چکروں میں سے پہلے تین چکروں میں تیز چلے اور باقی چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے[2]۔ جب بیت اللہ کا طواف مکمل کر لیا تو مقامِ

1- اس روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۴۴۰، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۸۷۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۱۶۷ پر فرمایا ہے: "حجۃ الوداع میں تین طواف تھے: پہلا طوافِ قدوم، دوسرا طوافِ افاضہ، جو فرض طواف ہے اور قربانی کے دن ادا کیا گیا، اور تیسرا طوافِ وداع۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سواری پر طواف کرنا ان آخری دو طوافوں میں سے کسی ایک میں ہوا ہو یا دونوں میں ہوا ہو۔ جہاں تک پہلے طواف، یعنی طوافِ قدوم کا تعلق ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طواف پیدل کیا تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان تمام باتوں کی صراحت کی ہے۔"

ابراہیم کے پاس دو رکعتیں ادا کیں، پھر نماز سے فارغ ہو کر صفا کی طرف تشریف لے گئے اور صفا و مروہ کے درمیان سات چکر لگائے۔"(1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا: "میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ کے صرف دو یمانی کونوں کو چھوتے ہوئے دیکھا ہے۔"(2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں، حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رکنِ یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھلائی عطا فرما، اور

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۹۱ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۲۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد نہم، صفحہ ۱۳ پر فرمایا ہے: "دو یمانی کونوں سے مراد حجرِ اسود والا رکن اور رکنِ یمانی ہے۔ ان دونوں کو غلبے کے طور پر "یمانیین" کہا گیا ہے، جیسے باپ اور ماں کو "ابوان"، سورج اور چاند کو "قمران"، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو "عمران"، اور پانی اور کھجور کو "اسودان" کہا جاتا ہے۔ اس طرح کی دیگر مثالیں بھی مشہور ہیں۔" اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۰۹ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۶۷ اور ۲۴۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔" (سورۃ البقرۃ، آیت ۲۰۱)[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو احرام کھولنے کا حکم دینا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ کے مقام پر اپنی سعی مکمل فرمالی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اس شخص کو، جس کے ساتھ ہدی کا جانور نہیں تھا، لازماً احرام کھولنے کا حکم دیا، خواہ وہ حج اور عمرے دونوں کا احرام باندھنے والا (قارن) ہو یا صرف حج کا احرام باندھنے والا (مفرد)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ مکمل طور پر احرام کھول دیں، یعنی عورتوں سے ہم بستری، خوشبو کے استعمال اور سلے ہوئے کپڑے پہننے سمیت احرام کی تمام پابندیوں سے آزاد ہو جائیں، اور یوم الترویہ (آٹھ ذوالحجہ) تک اسی حالت میں رہیں۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ہدی کا جانور ہونے کی وجہ سے احرام نہیں کھولا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری چکر مروہ پر مکمل ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اگر مجھے اپنے اس معاملے کا پہلے سے علم ہوتا جو بعد میں معلوم ہوا، تو میں اپنے ساتھ ہدی کے جانور نہ لاتا اور اسے عمرہ بنالیتا۔ لہٰذا تم میں

1- اس حدیث کو امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۵۳۹۹ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۸۹۲ کے تحت روایت کیا ہے۔"

سے جس کے ساتھ ہدی کا جانور نہیں ہے، وہ احرام کھول دے اور اسے عمرہ بنا لے۔"[1]

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ اسے عمرہ بنالیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! احرام کھولنے کی اجازت کس حد تک ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مکمل طور پر احرام کھول دو۔"[2]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: "ہم نے عورتوں سے ہم بستری کی، خوشبو لگائی اور کپڑے پہنے، جبکہ ہمارے اور عرفات کے درمیان صرف چار راتوں کا فاصلہ باقی تھا[3]۔ اس وقت حضرت سراقہ بن مالک بن جعشم[4] رضی اللہ عنہ، جو مروہ کے نچلے حصے میں تھے، کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ حکم ہمارے اسی سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۴۴۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۶۴، ۳۸۰۲ اور ۳۲، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۰ اور ۱۹۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۳ اور ۱۳۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد اول، صفحہ ۵۰۳ پر فرمایا ہے: "جُعْشُم (جیم اور شین معجمہ دونوں کے ضمہ کے ساتھ) پڑھنا جمہور اہلِ علم کا قول ہے۔ جوہری نے بھی اسے ضمہ اور شین کے ساتھ نقل کیا ہے، جبکہ شین کے فتحہ کے ساتھ پڑھنا بھی بیان کیا ہے۔ اور سراقہ مشہور صحابۂ کرام میں سے ہیں۔ وہ غزوۂ حنین اور طائف سے واپسی کے وقت مقامِ جعرانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔"

انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر فرمایا: 'عمرہ حج میں دو مرتبہ داخل ہو گیا؟' پھر فرمایا: 'نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔''(1)

صحیح مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک عمرہ قیامت کے دن تک حج میں داخل ہو گیا ہے۔''(2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے بھی احرام کھول دیا، سوائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے؛ کیونکہ حیض کی وجہ سے ان کے لیے احرام کھولنے اور طواف کرنے کی صورت میسر نہ تھی۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جن لوگوں نے ہدی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے، انہوں نے احرام کھول دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن بھی ہدی کے جانور ساتھ نہیں لائی تھیں، اس لیے انہوں نے بھی احرام کھول دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر مجھے حیض آ گیا، لہٰذا میں بیت اللہ کا طواف نہ کر سکی۔''(3)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۵۰۵ اور ۲۵۰۶، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۴۴۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۰۱ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۱ اور ۱۲۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے احرام کھولنے میں تردد کا سبب

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''لوگوں[1] کا خیال تھا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کرنا زمین پر سب سے بڑا گناہ ہے۔''[2]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں فرمایا ہے: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ حج کے مہینوں میں عمرہ نہیں کرتے تھے۔ جب اسلام آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا: ''عمرہ قیامت کے دن تک حج میں داخل ہو گیا ہے۔'' یعنی حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حج کے مہینے شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے دس دن ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ حج کا احرام صرف حج کے مہینوں ہی میں باندھے۔[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں قیام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا اور مروہ کے درمیان طواف و سعی مکمل کرنے اور ان لوگوں کو، جنہوں نے ہدی کے جانور ساتھ نہیں لائے تھے، حج کو عمرے میں تبدیل کرنے کا حکم دینے کے بعد روانگی اختیار فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگ بھی روانہ ہوئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے مشرقی

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۲۱۳ پر فرمایا ہے: ''اس سے مراد زمانۂ جاہلیت کے لوگ ہیں۔''

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۰۶ اور ۶۴، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۰ اور ۱۹۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- دیکھیے: جامع امام ترمذی، جلد دوم، صفحہ ۴۳۳۔

جانب ابطح کے مقام پر اترے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں اتوار کا بقیہ دن، پیر، منگل اور بدھ کے دن قیام فرمایا، یہاں تک کہ جمعرات کی صبح کی نماز ادا کی۔ ان تمام دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے رہے، اور ان دنوں میں دوبارہ کعبہ شریف تشریف نہیں لے گئے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے، پھر طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے واپس آنے تک بیت اللہ کے قریب نہیں گئے۔''(1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفلی طواف اس اندیشے سے ترک فرمایا کہ کہیں کوئی اسے واجب نہ سمجھ بیٹھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے لیے آسانی پسند فرماتے تھے۔ اس کے بدلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیت اللہ کے طواف کی فضیلت سے آگاہ فرمایا۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ دور دراز علاقوں سے آنے والوں کے لیے بیت اللہ کا طواف نفل نماز سے افضل ہے، اور یہی قول معتمد ہے۔(2)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۲۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: فتح الباری، جلد چہارم، صفر، نمبر ۲۲۹۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منیٰ کی طرف روانہ ہونا

جب ہجرت کے دسویں سال، آٹھ ذوالحجہ، جمعرات کے دن چاشت کا وقت ہوا، اور یہ یوم الترویہ [1] تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ موجود مسلمانوں کو لے کر منیٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ جن لوگوں نے احرام کھول دیا تھا، انہوں نے دوبارہ حج کا احرام باندھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ پہنچے تو وہاں قیام فرمایا اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں قصر کر کے ادا فرمائیں۔ اس رات، جو جمعہ کی رات تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ ہی میں قیام فرمایا [2]۔ پھر جمعہ کے دن صبح کی نماز بھی وہیں ادا کی اور کچھ دیر ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ”جب یوم الترویہ ہوا تو لوگ منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور حج کا احرام باندھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں

1- امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الاسماء واللغات، جلد سوم، صفر نمبر ۲۳۰ میں فرمایا: یوم الترویہ (تاء کے فتحہ اور راء کے سکون کے ساتھ) ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ اسے یوم الترویہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگ اس دن پانی سے سیراب ہوتے تھے اور مکہ مکرمہ سے عرفات جاتے وقت اپنے ساتھ پانی لے کر جاتے تھے۔ عربی میں کہا جاتا ہے: رَوَيْتُ القومَ أَرْوِيهِمْ، یعنی میں نے لوگوں کے لیے پانی مہیا کیا اور انہیں پانی پلایا۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد ہشتم، صفحہ ۱۴۷ میں فرمایا: منیٰ میں رات گزارنا سنت ہے، رکن یا واجب نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اسے ترک کر دے تو بالاتفاق اس پر کوئی دم (قربانی) لازم نہیں ہوگا۔

ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد کچھ دیر ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ سورج طلوع ہو گیا۔"[1]

امام ترمذی اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم الترویہ کو ظہر کی نماز اور یوم عرفہ کو فجر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔"[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عرفات کی طرف روانہ ہونا

جب جمعہ کے دن، نو ذوالحجہ کو سورج طلوع ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ عرفات کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں کچھ لوگ تلبیہ پڑھ رہے تھے اور کچھ تکبیر کہہ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آوازیں سن رہے تھے، لیکن نہ ان لوگوں پر نکیر فرماتے جو تلبیہ پڑھ رہے تھے اور نہ ان پر جو تکبیر کہہ رہے تھے۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں محمد بن ابی بکر ثقفی رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا، جبکہ ہم منیٰ سے عرفات کی طرف روانہ ہو رہے تھے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تلبیہ پڑھنے کا کیا طریقہ تھا؟ انہوں نے فرمایا: "تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۹۱۱ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنے جامع میں حدیث نمبر ۸۹۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

پڑھتا تھا تو اس پر نکیر نہیں کی جاتی تھی، اور تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا تھا تو اس پر بھی نکیر نہیں کی جاتی تھی۔"(1)

امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت بھی ہے، وہ فرماتے ہیں: "عرفہ کی صبح ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ہم میں سے کچھ لوگ تکبیر کہہ رہے تھے اور کچھ تلبیہ پڑھ رہے تھے۔ تکبیر کہنے والے کی تکبیر پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا اور نہ تلبیہ پڑھنے والے کے تلبیہ پر کوئی اعتراض کیا جاتا تھا۔"(2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ آپ کے لیے نَمِرہ(3) کے مقام پر بالوں کا ایک خیمہ نصب کیا جائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچے تو خیمہ نصب کیا جا چکا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں قیام فرما ہوئے۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی قصواء کے متعلق حکم دیا کہ اسے تیار کیا جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، یہاں تک کہ وادیِ عُرَنہ(4) کے نشیبی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۹۷۰ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۸۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۲۴۹۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد ہشتم، صفحہ ۱۴۷ میں فرمایا: نَمِرَہ (نون کے فتحہ اور میم کے کسرہ کے ساتھ) اس کا اصل تلفظ ہے۔ اس جیسے لفظ میں جو تلفظ جائز ہیں، وہ یہاں بھی جائز ہیں؛ یعنی نون کے فتحہ یا کسرہ کے ساتھ میم کو ساکن بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ عرفات کے پہلو میں واقع ایک مقام ہے، لیکن عرفات میں شامل نہیں ہے۔

4- عُرَنَۃ (عین کے پیش کے ساتھ اور راء کے فتحہ کے ساتھ) عرفات میں موقف کے قریب ایک مقام ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد سوم، صفحہ ۲۰۲۔

حصے میں پہنچے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری پر بیٹھ [1] کر لوگوں سے ایک عظیم اور جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے بنیادی اصول واضح فرمائے اور جاہلیت کے شرک پر مبنی اصولوں کو ختم کر دیا۔ نیز ان ممنوعات کی حرمت بیان فرمائی جن کی حرمت پر تمام آسمانی شریعتیں متفق ہیں، یعنی خون، مال اور آبرو کی حرمت۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کے لیے نَمِرہ میں بالوں کا ایک خیمہ نصب کیا جائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے۔ قریش کو یقین تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مشعرِ حرام [2] کے پاس ہی وقوف فرمائیں گے، جیسا کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، یہاں تک کہ عرفات پہنچ گئے۔ وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ نَمِرہ میں آپ کے لیے خیمہ نصب کر دیا گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں قیام فرما ہوئے۔ جب سورج ڈھل گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصواء کے متعلق حکم دیا کہ اسے تیار کیا جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی کے نشیبی حصے میں تشریف لائے اور لوگوں سے خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تم پر اسی طرح

1- امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۰۳۳۵، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۹۰۷ کے تحت صحیح سند کے ساتھ حضرت خالد بن عداء بن ہَوْذَہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یومِ عرفہ لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے دیکھا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک اونٹ پر سوار تھے۔''

2- مشعرِ حرام سے مراد مزدلفہ ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد دوم، صفحہ ۲۸۰۔

حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت، تمہارے اس مہینے کی حرمت اور تمہارے اس شہر کی حرمت ہے۔ خبردار! جاہلیت کے زمانے کی ہر چیز میرے ان دونوں قدموں کے نیچے ختم کردی گئی ہے۔ جاہلیت کے زمانے کے خون بھی ختم کردیے گئے ہیں۔ اور ہمارے خونوں میں سے سب سے پہلے جس خون کو میں ختم کرتا ہوں، وہ ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے۔ وہ بنو سعد میں دودھ پیتا بچہ تھا کہ ہذیل قبیلے نے اسے قتل کردیا۔ اور جاہلیت کا سود بھی ختم کردیا گیا ہے، اور ہمارے سود میں سے سب سے پہلے جس سود کو میں ختم کرتا ہوں، وہ عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے؛ اسے مکمل طور پر ختم کردیا گیا ہے[1]۔ پس عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ کی امان کے ساتھ اپنے نکاح میں لیا ہے، اور اللہ کے کلمے[2] کے ذریعے ان کی شرم گاہوں کو اپنے لیے حلال کیا ہے۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے کسی شخص کو نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں ایسی مار مارو جو سخت اور تکلیف دہ نہ ہو۔ اور تم پر ان کا حق یہ ہے کہ دستور کے مطابق ان کے کھانے اور لباس کا انتظام کرو۔ میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر

1- امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر، جلد چہارم، صفحہ ۳۹۳ میں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے ابتدا فرمائی، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی لوگوں میں سے تھے۔ یہ امام کے لیے عدل کے طریقوں میں سے ہے کہ وہ عدل کا آغاز اپنی ذات اور اپنے قریبی لوگوں سے کرے، پھر یہی عدل لوگوں میں بھی عام ہو جائے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد ہشتم، صفحہ ۱۵۰ میں فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال قرار دینے اور اللہ کے کلمے سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ ”پس عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں، ان سے نکاح کرلو۔“ (سورۃ النساء، آیت نمبر ۳) یہی صحیح قول ہے۔

تم اسے مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو ہر گز گمراہ نہیں ہو گے؛ وہ اللہ کی کتاب ہے۔ اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا، تو تم کیا جواب دو گے؟' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: 'ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، اپنا فرض ادا کر دیا اور خیر خواہی فرما دی۔' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور لوگوں کی طرف جھکاتے ہوئے[1] فرمایا: 'اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔''[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنے جامع میں اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ میں یہ روایت بیان کی ہے۔ الفاظ ابن اسحاق کے ہیں، اور سند حسن ہے۔ حضرت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک ضرورت کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں وقوف فرما رہے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پیغام پہنچایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اس کی رال میرے سر پر گر رہی تھی۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔

1- ابن اثیر رحمہ اللہ نے النہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۹۸ میں فرمایا: اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے حق میں گواہ بنائیں۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں، بچہ اسی کا ہے جس کے بستر[1] پر وہ پیدا ہوا، اور بدکار کے لیے محرومی[2] ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو اپنے حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے، یا اپنے آقا کے علاوہ کسی اور کو اپنا آقا بنائے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے نہ کوئی فرض عبادت قبول فرمائے گا اور نہ نفل۔"[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا کرنا اور عرفات میں وقوف فرمانا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دلوائی، اس کے بعد اقامت کہی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ پھر اقامت کہی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز ادا فرمائی، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے، یہاں تک کہ موقف پر پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی

1- "بچہ بستر والے ہی کا ہے" یعنی اس شخص کا جسے اس بستر کا مالک سمجھا جاتا ہے، اور اس سے مراد شوہر یا آقا ہے۔ عورت کو بھی بستر کہا جاتا ہے، کیونکہ مرد اس کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد سوم، صفر نمبر ۳۸۵۔

2- یعنی بچہ بستر والے کا ہوگا، خواہ وہ شوہر ہو یا آقا، جبکہ زانی کے حصے میں ناکامی اور محرومی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں "پتھر" سے مراد رجم (سنگسار کرنا) ہے، لیکن یہ درست نہیں؛ کیونکہ ہر زانی کو سنگسار نہیں کیا جاتا۔ دیکھیے: النہایہ، جلد اول، صفر نمبر ۳۳۱۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۸۰۸۲، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنے جامع میں حدیث نمبر ۲۲۵۴، اور ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد چہارم، سفر نمبر ۲۶۱ میں روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

قصواء کا پیٹ چٹانوں کی طرف کیا، پیدل چلنے والوں کے راستے کو اپنے سامنے رکھا اور قبلے کی طرف رخ فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل وقوف فرماتے رہے، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور زردی کچھ کم ہو گئی، حتیٰ کہ سورج کا قرص مکمل طور پر غائب ہو گیا۔"(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ وادیِ عُرَنہ کے نشیبی حصے سے آگے بلند زمین کی طرف چلے جائیں۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ عرفات کا وقوف صرف اسی مقام کے ساتھ خاص نہیں جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقوف فرمایا تھا۔ چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عرفات کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے، اور وادیِ عُرَنہ کے نشیبی حصے سے آگے بلند زمین کی طرف چلے جاؤ۔"(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں نے یہاں وقوف کیا ہے، اور عرفات کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے۔"(3)

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح مشکل الآثار میں حدیث نمبر ۱۱۹۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے صحیح سند کے ساتھ یزید بن شیبان سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ہم عرفات میں موقف کے مقام پر وقوف کیے ہوئے تھے، - اور عمرو نے اس جگہ کو ہم سے دور قرار دیا تھا- کہ اسی دوران ابن مربع [1] انصاری رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے اور فرمایا: ''میں تمہاری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا پیغام لے کر آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اپنے مناسک کے مقامات پر ٹھہرے رہو، کیونکہ تم ابراہیم علیہ السلام کی میراث میں سے ایک میراث پر قائم ہو۔''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں دعا کرنے میں مشغول رہے، اور دعا کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے

1- ابن اثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد اول، صفحہ ۴۱۲، قسم التراجم میں فرمایا: وہ زید بن مربع انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، جو بنو حارثہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سے یزید بن شیبان نے روایت کیا ہے۔ ان کا شمار اہلِ حجاز میں ہوتا ہے۔ ان کی روایت عرفات میں وقوف کے بارے میں ہے۔ مربع میں میم کے کسرہ، راء کے سکون، باء کے فتحہ اور عین کے ساتھ ہے۔

2- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنے جامع میں حدیث نمبر ۸۹۸ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۳۰۱۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

ہوئے تھے۔ اسی دوران آپ کی اونٹنی ایک طرف مائل ہوئی تو اس کی لگام گر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ سے لگام پکڑ لی، جبکہ دوسرا ہاتھ اٹھائے رکھا۔"[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ کا نزول

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں وقوف فرما رہے تھے، یہ آیت نازل فرمائی: ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔" (سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۳) چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں طارق بن شہاب سے، اور انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی شخص[2] نے ان سے کہا: "اے امیر المؤمنین! آپ کی کتاب میں ایک ایسی آیت ہے جسے آپ پڑھتے ہیں۔ اگر وہ آیت ہم یہودیوں کی جماعت پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے۔" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "وہ کون سی آیت ہے؟" اس نے کہا: "آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۱۸۲۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۱۴۵ میں فرمایا: یہ شخص کعب الاحبار تھا۔ اور صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر ۴۴۰۷ میں ہے کہ یہودیوں میں سے کچھ لوگوں نے یہ بات کہی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد اول، صفحہ ۱۴۵ میں مزید فرمایا: اس روایت کو اس طرح سمجھا جائے گا کہ جب کعب الاحبار نے یہ سوال کیا تو اس وقت یہودیوں کی ایک جماعت موجود تھی، اور کعب الاحبار نے ان کی طرف سے بات کی تھی۔

کے طور پر پسند کر لیا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہم اس دن اور اس مقام کو جانتے ہیں جہاں یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں کھڑے تھے اور وہ جمعہ کا دن تھا۔''(1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت پر سب سے بڑی نعمت ہے کہ اس نے ان کے لیے ان کا دین مکمل کر دیا، لہٰذا اب انہیں کسی دوسرے دین کی ضرورت نہیں اور نہ ہی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی دوسرے نبی کی ضرورت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنایا اور آپ کو جنوں اور انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ پس حلال وہی ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال قرار دیا، حرام وہی ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا، اور دین وہی ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروع قرار دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز کی بھی خبر دی، وہ حق اور سچ ہے؛ اس میں نہ جھوٹ ہے اور نہ خلافِ واقعہ بات۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ ''اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہے۔'' (سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۱۵) یعنی خبریں سچائی کے اعتبار سے کامل ہیں، جبکہ احکام اور ممانعتیں عدل کے اعتبار سے کامل ہیں۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے دین مکمل کر دیا تو ان پر اپنی نعمت بھی پوری کر دی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۵ اور ۴۴۰۷، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۰۱۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔“ یعنی تم بھی اسلام کو اپنے لیے پسند کر لو، کیونکہ یہی وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور جس سے وہ راضی ہے۔ اسی دین کے ساتھ اس نے اپنے سب سے افضل اور معزز رسولوں میں سے بہترین رسول کو مبعوث فرمایا اور اپنی سب سے معزز کتاب نازل فرمائی۔ (1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا

جب سورج غروب ہو گیا اور اس کا غروب اچھی طرح مکمل ہو گیا، یہاں تک کہ زردی بھی ختم ہو گئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں تلبیہ پڑھ رہے تھے، اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے سوار کر رکھا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکون و وقار کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی کو گردن کی چال سے چلاتے تھے، اور جب راستے میں کشادگی پاتے تو اس کی رفتار بڑھا دیتے، جبکہ وہ اسی درمیانی رفتار سے چل رہی ہوتی۔ جب بھی کسی پہاڑی راستے پر پہنچتے تو اپنی اونٹنی کی لگام کچھ ڈھیلی کر دیتے، تاکہ وہ چڑھائی پر چڑھ سکے۔ راستے میں ایک گھاٹی کے قریب پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے، پیشاب کیا اور ہلکا سا وضو فرمایا (2)۔ حضرت

1- دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد سوم، صفحہ ۳۱۴۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۳۳۴ میں فرمایا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو مختصر فرمایا، اس طرح کہ ہر عضو کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! نماز کا وقت ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز آگے ہے۔''

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ عرفات سے مزدلفہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے، پھر مزدلفہ سے منیٰ تک حضرت فضل رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار ہوئے۔ ان دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل تلبیہ پڑھتے رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں۔''(1)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب ہم مزدلفہ میں تھے تو میں نے اس ہستی کو،

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۴۳ اور ۱۵۴۴، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۸۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

جن پر سورۂ بقرہ[1] نازل کی گئی تھی، اسی مقام پر یہ کہتے ہوئے سنا: 'اے اللہ! میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔'''[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل وقوف فرمائے رہے[3]، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا اور زردی کچھ کم ہو گئی، حتیٰ کہ سورج کا قرص غائب ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا اور روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قصواء کی لگام اتنی کھینچ رکھی تھی کہ اس کا سر کجاوے کے اس حصے کو چھونے لگا جہاں سوار اپنا پاؤں ٹکاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرماتے تھے: 'اے لوگو! سکون و وقار اختیار کرو، سکون و وقار اختیار کرو۔' جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑی راستے پر پہنچتے تو اونٹنی کی لگام کچھ ڈھیلی کر دیتے، تاکہ وہ چڑھائی پر چڑھ سکے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ پہنچ گئے۔''[4]

1- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد نہم، صفحہ ۲۶ میں فرمایا: سورۂ بقرہ کا خصوصی طور پر ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ مناسکِ حج کے بیشتر احکام اسی سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس ہستی کے ٹھہرنے کا مقام ہے جن پر مناسک نازل کیے گئے، جن سے شریعت حاصل کی گئی اور جنہوں نے احکام واضح فرمائے؛ لہٰذا تم انہی کی پیروی کرو اور ان پر اعتماد رکھو۔ اس سے امام نووی رحمہ اللہ کی مراد ان لوگوں کی تردید کرنا ہے جو کہتے ہیں کہ عرفات میں وقوف کے بعد تلبیہ پڑھنا بند کر دیا جائے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۸۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- میدان عرفات میں۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات سے سکون و وقار کے ساتھ روانہ ہوئے اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اے لوگو! سکون و وقار اختیار کرو، کیونکہ نیکی گھوڑوں اور اونٹوں کو تیز دوڑانے میں نہیں ہے۔''' (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے پوچھا گیا: حجۃ الوداع کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس رفتار سے چل رہے تھے؟ انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی رفتار سے چل رہے تھے، اور جب کھلی جگہ پاتے تو تیز چلنے لگتے تھے۔ (2)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں عرفات سے روانگی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ سے پہلے بائیں جانب واقع گھاٹی پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سواری

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۴۲۷ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۳۹۲۰ کے تحت روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسی مفہوم کی روایت اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۷۱ کے تحت بیان کی ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۶۶ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۸۶ اور ۲۸۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

بٹھائی اور پیشاب فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی ڈالا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر وضو فرمایا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز آگے ہے۔"(1)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مزدلفہ پہنچے، جو مشعرِ حرام ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اچھی طرح وضو کیا۔ پھر وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ادا فرمائیں، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نفل نماز نہیں پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو گئی۔"(2)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۰۹ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۸۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

وسلم مزدلفہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے اور وضو فرمایا، پھر اچھی طرح وضو کیا۔ اس کے بعد نماز کے لیے اقامت کہی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ پھر ہر شخص نے اپنی سواری کو اس کی جگہ پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد عشاء کی نماز کے لیے اقامت کہی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز ادا فرمائی، اور ان دونوں نمازوں کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا فرمائیں۔ دونوں میں سے ہر نماز کے لیے الگ اقامت کہی گئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں نمازوں کے درمیان نہ کوئی نفل نماز پڑھی اور نہ ہی ان میں سے کسی نماز کے بعد کوئی نفل نماز ادا فرمائی۔"[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشعرِ حرام[3] میں وقوف فرمانا، پھر منیٰ کی طرف روانہ ہونا

جب فجر طلوع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور لوگوں کو صبح کی نماز اس کے ابتدائی وقت میں اذان اور اقامت کے ساتھ ادا کرائی۔ یہ قربانی کا دن

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۰۲ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۸۰ اور ۲۷۶ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۷۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري جلد چہارم، صفحہ ۳۴۲ میں فرمایا ہے: "مَشْعَر" میم اور عین دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اسے مشعر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ عبادت کی ایک علامت اور نشانی ہے، اور اسے حرام اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حدودِ حرم میں واقع ہے، یا اس کی حرمت و عظمت کی وجہ سے اسے حرام کہا گیا ہے۔

تھا، جو عید کا دن اور حجِ اکبر کا دن ہے۔ اسی دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہر مشرک سے براءت کا اعلان بھی کیا گیا تھا۔ یہ دن ہفتہ کا تھا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز اس وقت ادا فرمائی جب صبح روشن ہو گئی، اذان اور اقامت کے ساتھ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے، یہاں تک کہ مشعرِ حرام پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اس کی بڑائی بیان کی، اس کی وحدانیت کا اعلان کیا اور اس کی توحید بیان فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل وہاں کھڑے رہے، یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا، پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے روانہ ہو گئے۔''(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج طلوع ہونے سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔'' (2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ مزدلفہ کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر بن

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۰۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۰۵۱ اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۹۱۰ کے تحت روایت کیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے یہاں وقوف کیا ہے، اور مزدلفہ کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے۔''(1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رمیِ جمرات کی کنکریاں جمع کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کی صبح حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رمیِ جمرات کی کنکریاں چن لائیں۔ چنانچہ انہوں نے خذف کی کنکریوں جیسی سات کنکریاں چن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیں۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''عقبہ کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے، مجھ سے فرمایا(2): میرے لیے کنکریاں چن لاؤ۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سات کنکریاں چنیں، جو خذف کی کنکریوں جیسی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۴۴۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- میں کہتا ہوں: اس واقعے کا راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہو نا مزید غور و فکر کا محتاج ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلِ خانہ کے کمزور افراد کے ساتھ انہیں بھی پہلے روانہ کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ کی مسند، حدیث نمبر ۳۱۰۸ کی روایت میں آیا ہے کہ یحییٰ القطان نے فرمایا: عوف کو معلوم نہیں کہ یہ حضرت عبداللہ ہیں یا حضرت فضل۔

-امام طبرانی رحمہ اللہ نے بھی، جیسا کہ تلخیص الحبیر میں مذکور ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: مجھے حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا... پھر انہوں نے پوری حدیث بیان کی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تلخیص الحبیر جلد چہارم، صفحہ نمبر ۱۶۳۰ میں اسی روایت کو درست قرار دیتے ہوئے فرمایا: ''درست روایت یہی ہے، کیونکہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما ہی موجود تھے۔''

ہاتھ میں ہلاتے ہوئے فرمانے لگے: 'ان جیسی کنکریاں مارو۔' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'اے لوگو! دین میں غلو کرنے سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے لوگوں کو دین میں غلو ہی نے ہلاک کیا تھا۔''(1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنا حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی راستے پر چلے، جو بڑے جمرے تک پہنچتا ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جمرے کے پاس پہنچے جو درخت کے قریب تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔''(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن چاشت کے وقت جمرے کو کنکریاں ماریں۔''(3)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی کے دن اپنی سواری پر سوار ہو کر رمی کرتے دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے: 'اپنے حج

1- اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۳۰۲۹ کے تحت روایت کیا ہے۔
2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔
3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۹ اور ۳۱۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

کے مناسک مجھ سے سیکھ لو، کیونکہ میں نہیں جانتا، شاید اس حج کے بعد میں دوبارہ حج نہ کر سکوں۔‘‘[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ’’میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع ادا کیا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماریں اور وہاں سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت بلال اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ ان دونوں میں سے ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام تھامے ہوئے تھا، جبکہ دوسرا دھوپ سے بچانے کے لیے اپنے کپڑے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ حضرت ام الحصین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ’اگر تم پر کوئی کٹا پھٹا، سیاہ فام غلام حاکم مقرر کر دیا جائے، جو تمہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق چلائے، تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔‘‘[2]

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۹۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۹۸ اور ۳۱۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منیٰ میں قربانی کی جگہ کی طرف روانہ ہونا

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں قربانی کی جگہ کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے دستِ مبارک سے اپنے ہدی کے جانور ذبح فرمائے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کی جگہ کی طرف روانہ ہوئے اور اپنے دستِ مبارک سے تریسٹھ (1) جانور ذبح فرمائے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی (2) جانور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دیے، تو انہوں نے انہیں ذبح کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ہدی کے جانوروں میں شریک فرمایا۔ پھر ہر جانور سے گوشت کا ایک ٹکڑا لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ ان سب ٹکڑوں کو ایک ہانڈی میں ڈال کر پکایا گیا، پھر دونوں حضرات نے اس گوشت میں سے کھایا اور اس کا شوربہ پیا۔''(3)

1- امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح، جلد نہم، صفحہ ۲۵۲ میں فرمایا ہے: ''مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے اور اس سے زیادہ ذبح نہیں فرمائے، اس کی حکمت یہ تھی کہ اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال تھی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر کے ہر سال کے بدلے ایک اونٹ اپنے دستِ مبارک سے ذبح فرمایا۔''

2- ان میں سے سینتیس اونٹ باقی رہ گئے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے جو ہدی کے جانور لائے تھے، ان کی مجموعی تعداد ایک سو اونٹ تھی۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے جو ہدی کے جانور لائے تھے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ لائے تھے، ان سب کی مجموعی تعداد ایک سو تھی۔''

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قربانی کے اونٹ ایک ایک کر کے پیش کیے جاتے تھے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانچ یا چھ اونٹ پیش کیے گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے کس کو ذبح فرماتے ہیں۔''(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ ہدی کے طور پر پیش کیے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کے گوشت تقسیم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میں نے اسے تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان کے جھول تقسیم کرنے کا حکم دیا، تو میں نے انہیں بھی تقسیم کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کھالیں تقسیم کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میں نے انہیں بھی تقسیم کر دیا۔'' (2)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۹۰۷۵ اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۷۶۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۱۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کی نگرانی کروں، ان کا گوشت، ان کی کھالیں اور ان کے جھول صدقہ کردوں، اور قصاب کو ان میں سے کچھ بھی نہ دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم قصاب کو اپنی طرف سے اجرت دیں گے۔''(1)

قربانی کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مبارک دن ایک عظیم خطبہ ارشاد فرمایا، جسے متعدد احادیث میں نقل کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے دن خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا: ''اے لوگو! یہ کون سا دن ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یہ حرمت والا دن ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون سا شہر ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: یہ حرمت والا شہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' انہوں نے عرض کیا: یہ حرمت والا مہینہ ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پس تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت، تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینے میں ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بار بار دہرائی۔ پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: ''اے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۱۷ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۳۱۷ اور ۳۴۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچادیا؟ اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام پہنچادیا؟'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لیے وصیت تھی۔ لہٰذا جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ یہ پیغام ان لوگوں تک پہنچادیں جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ تم میں سے بعض بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کے موقع پر خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا: ''خبردار! زمانہ گھوم کر اسی حالت پر آگیا ہے جس حالت پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینوں کا ہوتا ہے، جن میں سے چار حرمت والے ہیں۔ تین مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم؛ اور چوتھا مضر کا رجب (2) ہے، جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'خبردار! یہ کون سا دن ہے؟' ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کا کوئی دوسرا نام بیان فرمائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کیا یہ قربانی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۳۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري جلد نہم، صفحہ ۲۲۱ میں فرمایا ہے: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ان کی طرف منسوب کیا، کیونکہ وہ اس کی تعظیم کو برقرار رکھنے کے پابند تھے، برخلاف دوسرے لوگوں کے۔''

کا دن نہیں ہے؟' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'یہ کون سا مہینہ ہے؟' ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے کا کوئی دوسرا نام بیان فرمائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'یہ کون سا شہر ہے؟' ہم نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس شہر کا کوئی دوسرا نام بیان فرمائیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کیا یہ بلدہ (مکہ مکرمہ) نہیں ہے؟' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'پس تمہارے خون اور تمہارے مال ـــــ راوی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ـــــ اور تمہاری عزتیں تم پر اسی طرح حرام ہیں، جس طرح تمہارے اس دن کی حرمت، تمہارے اس مہینے میں اور تمہارے اس شہر میں ہے۔ عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے، پھر وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال کرے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ تم میں سے بعض، بعض کی گردنیں مارنے لگیں۔ خبردار! کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟ تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ غیر موجود لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دیں؛ کیونکہ ممکن

ہے کہ جس شخص تک یہ پیغام پہنچایا جائے، وہ بعض سننے والوں کی نسبت اسے زیادہ اچھی طرح محفوظ رکھے اور سمجھے۔"(1)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے بال منڈوانا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن اپنے ہدی کے جانور ذبح کرنے اور خطبہ ارشاد فرمانے سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجام کو بلایا اور اپنا سرِ مبارک منڈوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے بال حضرت معمر بن عبداللہ عدی رضی اللہ عنہ نے حلق کئے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس شخص کے نام کے بارے میں اختلاف ہے جس نے حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے بال منڈوائے تھے۔ صحیح اور مشہور قول یہی ہے کہ وہ حضرت معمر بن عبداللہ عدی رضی اللہ عنہ تھے۔"(2)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ تشریف لائے، پھر جمرے کے پاس گئے اور اسے کنکریاں ماریں۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے اور قربانی کی۔ پھر حجام سے فرمایا: 'بال کاٹو۔' اور آپ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۴۱ اور ۴۴۰۶، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۷۹ اور ۲۹، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۰۳۸۶ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد نہم، صفحہ ۴۶۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں جانب کی طرف اشارہ فرمایا، پھر بائیں جانب کی طرف۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بال لوگوں کو دینے لگے۔"(1)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سرِ مبارک منڈوایا(2) تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال لینے والے تھے۔"(3)

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے بال منڈ ورہا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے گرد جمع تھے۔ وہ اس بات کے خواہش مند تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بال بھی زمین پر نہ گرے، بلکہ وہ کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں آجائے۔"(4)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ محمد بن عبداللہ بن زید سے، اور انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک انصاری شخص کے ساتھ قربانی کی جگہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۳۰۵ اور ۳۲۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري جلد اوّل، صفحہ ۳۶۷ میں فرمایا ہے: "یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر پیش آیا تھا۔"

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۳۲۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

وسلم نے قربانی کے جانور تقسیم فرمائے، لیکن ان دونوں کو کوئی حصہ نہ ملا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سرِ مبارک کے بال منڈوائے اور انہیں اپنے کپڑے میں جمع کر کے اس شخص کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالوں میں سے کچھ دوسرے لوگوں میں بھی تقسیم فرمائے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ناخن تراشے اور وہ ان کے ساتھی کو دے دیے۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی[2]، پھر سرِ مبارک کے بال منڈوائے اور لوگوں کے لیے بیٹھ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کے بارے میں بھی پوچھا جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: 'کوئی حرج نہیں، کوئی حرج نہیں۔' یہاں تک کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا: میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر منڈوا لیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کوئی حرج نہیں۔' پھر ایک اور شخص آیا[3] اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں نے رمی

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۶۴۷۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- امام سندی رحمہ اللہ نے شرح المسند جلد ہشتم، صفحہ ۸۲ میں فرمایا ہے: ''قربانی کی، یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں قربانی کی۔''

3- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباري جلد چہارم، صفحہ ۳۹۷ میں فرمایا ہے: ''بہت زیادہ تلاش کے باوجود مجھے اس شخص کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اور نہ ہی اس واقعے میں سوال کرنے والے کسی شخص کا نام معلوم ہو سکا۔ میں وضاحت کروں گا کہ سوال کرنے والے کئی افراد تھے، لیکن امام طحاوی رحمہ اللہ وغیرہ کی روایت میں حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ دیہاتی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کرتے تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ان کے نام محفوظ نہ رہ سکے۔''

کرنے سے پہلے سر منڈوالیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'کوئی حرج نہیں۔'[1] 'پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: 'عرفات کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے، مزدلفہ کا پورا میدان وقوف کی جگہ ہے، منیٰ کا پورا میدان قربانی کی جگہ ہے، اور مکہ کے تمام راستے گزرگاہ اور قربانی کی جگہ ہیں۔'''[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس پہننا اور خوشبو لگانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے اور اپنے ہدی کے جانور قربان کرنے کے بعد، اور طوافِ افاضہ کرنے سے پہلے، اپنے کپڑے پہننے اور خوشبو لگائی۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، جبکہ الفاظ امام ترمذی رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احرام باندھنے سے پہلے بھی خوشبو لگائی، اور قربانی کے دن بھی بیت اللہ کا طواف کرنے سے پہلے ایسی خوشبو لگائی جس میں مشک شامل تھا۔''[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں فرمایا ہے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ اکثر اہلِ علم کا عمل اسی کے مطابق ہے۔ ان کی رائے ہے کہ جب احرام باندھنے والا شخص قربانی کے دن جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مار

1- امام سندی رحمہ اللہ نے شرح المسند جلد ہشتم، صفحہ ۸۲ میں فرمایا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ 'کوئی حرج نہیں' اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مناسکِ حج کی ادائیگی میں ترتیب واجب نہیں ہے۔''

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۴۹۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۳۹، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۱۸۹، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۹۳۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

لے، قربانی کرلے اور سر منڈوالے یا بال کتروالے، تو عورتوں کے علاوہ ہر وہ چیز اس کے لیے حلال ہو جاتی ہے جو احرام کی وجہ سے اس پر حرام تھی۔ یہی امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوافِ افاضہ کرنا اور منیٰ میں قیام فرمانا

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طوافِ افاضہ فرمایا۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار ہوئے اور بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے[2]، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔"[3]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اونٹ پر سوار ہو کر طواف فرمایا اور اپنی خم دار سرے والی چھڑی (محجن) سے حجرِ اسود کو استلام کرتے تھے۔"[4]

1- دیکھیے: جامع الإمام الترمذي، جلد دوم، صفحہ ۴۲۲۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم جلد ہشتم، صفحہ ۱۵۷ میں فرمایا ہے: "یہ طواف، طوافِ افاضہ ہے، اور تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق یہ حج کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔"

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۸ اور ۱۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- محجن ایسی چھڑی کو کہتے ہیں جس کا سرا خم دار ہو۔ دیکھیے: النہایہ، جلد اوّل، صفحہ ۳۳۵۔
اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۰۷ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۷۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنی سواری پر سوار ہو کر بیت اللہ کا طواف فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خم دار سرے والی چھڑی سے حجرِ اسود کو استلام کرتے تھے[1]، تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند ہو کر نمایاں رہیں، تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل پوچھ سکیں؛ کیونکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر ہجوم کر رہے تھے۔''[2]

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور اسی دن منیٰ واپس تشریف لے آئے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا فرمائی۔ چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن طوافِ افاضہ کرنے کے لیے تشریف لے گئے، پھر واپس آئے اور منیٰ میں ظہر کی نماز ادا فرمائی۔''[3]

1- امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت میں، حدیث نمبر ۱۲۷۵ کے تحت یہ اضافہ نقل کیا ہے: ''اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خم دار سرے والی چھڑی (محجن) کو بوسہ دیتے تھے۔''

2- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم جلد نہم، صفحہ ۱۷ میں فرمایا ہے: ''یعنی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر ازدحام کر رہے تھے۔'' اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۷۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۷۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ان دونوں روایتوں میں تطبیق اس طرح دی جائے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوالِ آفتاب سے پہلے طوافِ افاضہ فرمایا، پھر مکہ مکرمہ میں ظہر کی نماز اس کے ابتدائی وقت میں ادا فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ واپس تشریف لے گئے اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں بھی ان کے ساتھ ظہر کی نماز ادا فرمائی۔ اس طرح منیٰ میں ادا کی گئی دوسری ظہر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفل ہو گی۔''(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ تشریق کے تینوں دن زوالِ آفتاب کے بعد پیدل جمرات کے پاس تشریف لاتے اور ہر جمرے کو سات کنکریاں مارتے تھے۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ واپس تشریف لائے(2) اور ایامِ تشریق کی راتیں وہیں قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوالِ آفتاب کے بعد جمرے کو کنکریاں مارتے، ہر جمرے کو سات کنکریاں مارتے، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے، پھر پہلے اور دوسرے جمرے کے

1- دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد ہشتم، صفحہ ۱۵۸۔

2- یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم النحر (قربانی کے دن) طوافِ افاضہ سے فارغ ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

پاس کھڑے ہوتے، طویل قیام فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی و زاری کرتے، جبکہ تیسرے جمرے کو کنکریاں مارتے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے تھے۔"[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر (قربانی کے دن) چاشت کے وقت پہلے جمرے کو کنکریاں ماریں، اور اس کے بعد زوالِ آفتاب کے وقت اسے کنکریاں ماریں۔"[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زوالِ آفتاب کے وقت[3] جمرات کو کنکریاں ماریں۔"[4]

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۴۵۹۲ کے تحت اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۹۷۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۹۹ اور ۳۱۴ کے تحت، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۴۳۵۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- علامہ سندھی رحمہ اللہ اپنی شرحِ مسند میں، جلد سوم، صفحہ ۱۳۳ پر فرماتے ہیں: یعنی یوم النحر (قربانی کے دن) کے علاوہ دوسرے دنوں میں۔

4- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۶۳۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ پہلے جمرے[1] کو سات کنکریاں مارتے اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے۔ پھر آگے بڑھ کر ایک کشادہ جگہ پر آتے، قبلے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے، طویل قیام فرماتے، دعا کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ پھر درمیانی جمرے کو کنکریاں مارتے، اس کے بعد بائیں جانب چل کر ایک کشادہ جگہ پر آتے اور قبلے کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوتے، طویل قیام فرماتے، دعا کرتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ پھر طویل قیام کرتے۔ اس کے بعد وادی کے اندر سے جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارتے اور اس کے پاس نہیں ٹھہرتے، بلکہ واپس چلے جاتے۔ پھر فرماتے: ''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''[2]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۴۱۳ پر فرمایا ہے: یعنی وہ جمرہ جو مسجدِ خیف کی سمت کے قریب ہے۔ یہی وہ پہلا جمرہ ہے جسے یوم النحر (قربانی کے دن) کے بعد دوسرے دن سے کنکریاں ماری جاتی ہیں۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۵۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مُحَصَّب[1] میں قیام اور طوافِ وداع

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ تشریق کے آخری دن منیٰ سے روانہ ہوئے اور مُحَصَّب کی طرف تشریف لے گئے۔ مُحَصَّب ہی کو ابطح اور خیفِ[2] بنی کنانہ بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے الفاظ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحَصَّب میں صرف اس لیے قیام فرمایا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی آسان ہو جائے۔ یہ کوئی سنت نہیں ہے؛ لہٰذا جو چاہے وہاں قیام کرے اور جو چاہے وہاں قیام نہ کرے۔''[3]

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی پر مامور تھے۔ انہوں نے ایک خیمہ نصب کیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لائے اور اس میں قیام فرمایا۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ

1- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح میں، جلد نہم، صفحہ ۵۰۰ پر فرمایا ہے کہ ''مُحَصَّب'' میں حاء اور صاد دونوں پر زبر ہے۔ اور ابن اثیر رحمہ اللہ نے النہایہ، جلد اول، صفحہ ۳۷۹ پر فرمایا ہے: ''مُحَصَّب وہ گھاٹی ہے جس کا راستہ ابطح کی طرف نکلتا ہے، اور یہ مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔''

2- ''خَیف'' میں خاء پر زبر اور یاء ساکن ہے۔ اس سے مراد ایسی جگہ ہے جو سیلاب کے بہاؤ کی گزرگاہ سے بلند ہو اور پہاڑ کی بلند زمین سے نیچے ہو۔ منیٰ کی مسجد کو مسجدِ خیف اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد دوم، صفحہ ۸۸۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۶۵ کے تحت، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۳۱۱ اور ۳۳۹ کے تحت، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۰۰۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

وسلم منیٰ سے روانہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ابطح میں قیام کرنے کا حکم نہیں دیا تھا، لیکن میں خود وہاں آیا اور ایک خیمہ نصب کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس میں قیام فرمایا۔"(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحَصَّب میں اس دن کا باقی حصہ اور رات قیام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر وہاں کچھ دیر آرام فرمایا۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر مُحَصَّب میں کچھ دیر آرام فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف سوار ہو کر تشریف لے گئے اور اس کا طواف فرمایا۔"(2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۳۱۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۵۶ کے تحت روایت کیا ہے۔

مُحَصَّب [1] میں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں، پھر کچھ دیر آرام فرمایا، اس کے بعد بیت اللہ میں داخل ہوئے اور اس کا طواف کیا۔"[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "ہم منیٰ سے روانہ ہوئے اور مُحَصَّب میں قیام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن [3] رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: اپنی بہن کو لے کر باہر جاؤ تاکہ وہ عمرے کا احرام باندھ لے، پھر تم دونوں اپنے طواف سے فارغ ہو کر میرے پاس اسی جگہ آ جانا۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ہم رات کے آخری حصے میں واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں فارغ ہو گئے؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم میں روانگی کا اعلان فرمایا، چنانچہ لوگ روانہ ہو گئے۔ اور جس نے صبح کی نماز سے پہلے بیت اللہ کا طواف کیا، وہ بھی روانہ ہو گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔" [4]

1- امام ابوداؤد رحمہ اللہ کی روایت اور مسندِ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت میں "مُحَصَّب" کے بجائے "بَطحاء" کے الفاظ ہیں۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۰۸ کے تحت، امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۵۷۰۶ اور ۵۶۰۸ کے تحت، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۰۱۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- یہ عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ہیں، جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

4- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۷۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

صحیحین کی ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب ہم حج سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے ساتھ تنعیم (1) بھیجا، چنانچہ میں نے عمرہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے عمرے کے بدلے ہے۔''(2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جن لوگوں نے عمرے کا احرام باندھا تھا، انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی، پھر احرام کھول دیا۔ اس کے بعد منیٰ سے واپس آنے پر انہوں نے ایک اور طواف کیا۔ لیکن جن لوگوں نے حج اور عمرے دونوں کو جمع کیا تھا، انہوں نے صرف ایک ہی طواف کیا۔''(3)

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد چہارم، صفحہ ۴۴۴ پر فرمایا ہے: ''تنعیم'' میں تاء پر زبر، نون ساکن اور عین پر زیر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے باہر ایک معروف مقام ہے اور مکہ مکرمہ سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

2- امام نووی رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرح، جلد ہشتم، صفحہ ۱۱۴ پر فرمایا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاہتی تھیں کہ ان کا عمرہ حج سے الگ ہو، جیسا کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوا تھا، جنہوں نے حج کے احرام کو عمرے میں تبدیل کر دیا، عمرہ مکمل کیا اور یومِ ترویہ سے پہلے احرام کھول دیا، پھر یومِ ترویہ کو مکہ مکرمہ ہی سے حج کا احرام باندھا۔ اس طرح انہیں الگ عمرہ اور الگ حج دونوں حاصل ہوئے۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو عمرہ حاصل ہوا، وہ قران کی صورت میں حج کے ساتھ شامل تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یومِ نفر کے دن ان سے فرمایا: ''تمہارے حج اور عمرے کے لیے تمہارا یہی طواف کافی ہے۔'' یعنی تمہارا حج اور عمرہ دونوں مکمل ہو چکے ہیں اور دونوں تمہارے لیے شمار ہو گئے ہیں۔ لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر اکتفا نہ کیا اور چاہا کہ ان کا عمرہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح الگ ہو۔ جب انہوں نے الگ عمرہ کر لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''یہ تمہارے اس عمرے کے بدلے ہے جسے تم الگ طور پر ادا کرنا چاہتی تھیں، نہ کہ حج کے ساتھ شامل کر کے؛ لیکن حیض نے تمہیں ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔''

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۳۹۵ کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۱۱ اور ۱۱۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

حائض عورت کے لیے طوافِ وداع چھوڑنے کی رخصت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حائض عورت کو طوافِ وداع چھوڑنے کی اجازت عطا فرمائی۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ عنہا کو طوافِ افاضہ ادا کرنے کے بعد حیض آ گیا۔ انہوں نے اپنے حیض کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ ہمیں روک کر رکھے گی؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ طوافِ افاضہ ادا کر چکی تھیں اور بیت اللہ کا طواف بھی کر لیا تھا، پھر طوافِ افاضہ کے بعد انہیں حیض آ گیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر وہ روانہ ہو جائے۔''(1)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں فرمایا ہے: "اہلِ علم کا عمل اسی حدیث کے مطابق ہے کہ جب کوئی عورت طوافِ زیارت(2) کر لے، پھر اسے حیض آ جائے، تو وہ روانہ ہو سکتی ہے اور اس پر کچھ بھی لازم نہیں یہی قول امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا ہے"۔(3)

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۷۰۷، ۴۴۵۷ اور ۴۴۰۱ کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۳۰۸ اور ۳۸۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے طوافِ افاضہ اور طوافِ صدر بھی کہا جاتا ہے۔

3- دیکھیے: جامع امام ترمذی، جلد دوم، صفحہ ۴۴۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ واپسی اور آبِ زمزم ساتھ لے جانا

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے نچلے حصے سے روانہ ہوئے۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے تو اس کے بالائی حصے سے داخل ہوئے اور نچلے حصے سے باہر تشریف لے گئے۔''(1)

ابن سید الناس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے لے کر وہاں سے منیٰ، پھر عرفات، مزدلفہ، دوبارہ منیٰ اور پھر مُحَصَّب جانے تک، اور وہاں سے واپسی کے لیے روانہ ہونے تک، مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی مدت دس دن تھی۔''(2)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوے، حج یا عمرے سے واپس تشریف لاتے تو زمین کی ہر بلند جگہ پر تین مرتبہ تکبیر کہتے، پھر فرماتے: "لا إله إلا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وعلى كل شيء قدير آيبون تائبون عابدون ساجدون لربنا حامدون صدق الله وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده "ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۵۷۷ کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۵۸ اور ۲۲۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- دیکھیے: عیون الأثر، جلد دوم، صفحہ نمبر ۳۶۸۔

نہیں۔ اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تمام تعریفیں ہیں، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ہم واپس آنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، سجدہ کرنے والے اور اپنے رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست دی۔"[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ وہ آبِ زمزم ساتھ لے جایا کرتی تھیں اور بیان کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آبِ زمزم ساتھ لے جایا کرتے تھے۔[2]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اُبنیٰ[3] کی طرف روانہ کرنا

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ باب قائم کیا ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات کے مرض میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو لشکر کے ساتھ روانہ کرنا۔"[4]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۷۹۷ کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۴۴ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۹۸۴ کے تحت، اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں حدیث نمبر ۸۰۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- امام سہیلی رحمہ اللہ نے الروض الأنف، جلد چہارم، صفحہ ۳۸۵ پر فرمایا ہے: "اُبنیٰ وہ بستی ہے جو مؤتہ کے قریب واقع ہے، جہاں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت زید رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کم عمری کے باوجود انہیں لشکر کا امیر مقرر فرمایا، تاکہ وہ اپنے والد کے خون کا بدلہ لے سکیں۔"

4- دیکھیے: صحیح بخاری، جلد ہشتم، صفحہ نمبر ۵۰۱۔

اور ابن ہشام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ آخری لشکر تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا۔''(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شام کی طرف جہاد کے لیے روانہ ہونے کی ترغیب دی۔ یہ واقعہ پیر کے دن، ماہِ صفر کی چار راتیں باقی رہنے پر، سنہ ۱۱ ہجری میں پیش آیا(2) ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو مقرر فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ چنانچہ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا اور اس پر زید بن اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر کیا۔'' (3)

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے(4) اور مدینہ منورہ میں ذوالحجہ، محرم اور صفر کے بقیہ ایام قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو شام کی طرف روانہ ہونے والے لشکر کے لیے تیار کیا اور اس پر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر فرمایا۔ آپ صلی

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۲۹۸۔

2- دیکھیے: الطبقات الکبری، از ابن سعد رحمہ اللہ، جلد دوم، صفحہ ۳۴۵۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۷۳۰ کے تحت، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۴۲۶ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- یعنی حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے۔

اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ گھوڑوں کو سرحدِ بلقاء اور فلسطین کی سرزمین میں واقع داروم تک لے جائیں۔ چنانچہ لوگ تیاری کرنے لگے اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے ساتھ پہلے مہاجرین بھی بڑی تعداد میں اس لشکر میں شامل ہوئے۔"[1]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی کم عمری کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان کی امارت پر گفتگو کی۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کے لیے نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا، اور انہیں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس لشکر سے مستثنیٰ کر دیا تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے شام کی طرف روانہ کرنے کی تیاری فرمائی تھی۔[2]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور جُرف[3] کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شروع ہو جانے کی وجہ سے وہ شام کی طرف روانہ نہ ہو سکے۔

1- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۲۶۲ اور جلد چہارم، صفحہ ۲۹۸۔

2- دیکھیے: الفصول في سیرۃ الرسول، صفحہ ۲۵۹۔

3- "جُرف" میں جیم پر پیش ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام ہے۔ دیکھیے: النہایہ، جلد اول، صفحہ ۲۵۴۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''لوگ اسی حالت [1] میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیماری شروع ہوگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بارگاہ میں بلالیا، تاکہ آپ کو وہ عزت و تکریم اور رحمت عطا فرمائے جو اس نے آپ کے لیے ارادہ فرمائی تھی۔''[2]

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شام کی طرف جہاد کے لیے روانہ ہونے والے لشکر کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر بڑے صحابہ بھی شامل تھے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اسے روانہ فرمایا[3]، چنانچہ انہوں نے بلقاء کے علاقے کی جانب سے اُبنیٰ پر حملہ کیا۔''[4]

سنہ ۱۱ ہجری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنہ ۱۱ ہجری کا آغاز اس حال میں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ، اس پاکیزہ شہر میں تشریف فرما تھے۔ اس سال بہت سے عظیم واقعات پیش آئے، جن میں سب سے بڑا

1- یعنی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں روانگی کے لیے تیاری اور سامانِ سفر تیار کرنے میں مصروف تھے۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۲۹۹۔

3- حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں۔

4- دیکھیے: سیر أعلام النبلاء، جلد دوم، صفحہ ۴۹۷۔

اور سنگین واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا تھا۔ لیکن اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فانی دنیا سے منتقل کر کے ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف پہنچا دیا، ایک بلند و بالا مقام اور جنت کے ایسے درجے میں جس سے زیادہ بلند اور عمدہ کوئی درجہ نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ترجمہ: ”اور یقیناً آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے، اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔“ (سورۃ الضحیٰ، آیات ۴، ۵) (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے آغاز کی تاریخ

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیماری شروع ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بارگاہ میں بلا لیا، تاکہ آپ کو اپنی طرف سے عزت و تکریم اور رحمت عطا فرمائے۔ یہ بیماری ماہِ صفر کی چند باقی راتوں میں یا ماہِ ربیع الاول میں شروع ہوئی۔“ (2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی مدت کے بارے میں اختلاف ہے، تاہم اکثر اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری تیرہ دن رہی۔ (3)

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کلام دیکھیے: البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۲۲۶۔

2- دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۲۹۹۔

3- دیکھیے: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ ۴۷۳۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک میں درد تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ میں یہ روایت بیان کی ہے، اور الفاظ امام بیہقی رحمہ اللہ کے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن سند کے ساتھ روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں درد تھا اور میں بھی اپنے سر میں درد کی شکایت کر رہی تھی۔ میں نے کہا: ہائے میرا سر! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بلکہ اے عائشہ! اللہ کی قسم، میرا سر درد کر رہا ہے۔'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہیں کیا نقصان ہوگا اگر میں تم سے پہلے وفات پا جاؤں؟ میں تمہارے معاملات کی ذمہ داری سنبھالوں گا، تمہاری نمازِ جنازہ پڑھاؤں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔''[1] عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ اگر ایسا ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے آخری حصے میں میری ہی رہائش گاہ میں اپنی کسی دوسری زوجہ کے ساتھ خلوت فرماتے اور اس سے شبِ زفاف مناتے۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھتی گئی، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں قیام پذیر ہو گئے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے ہاں باری کے

---

1 - اور امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر تم مجھ سے پہلے وفات پا جاؤ تو تمہیں کیا نقصان ہوگا؟ میں تمہیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا، پھر تمہاری نمازِ جنازہ پڑھاؤں گا اور تمہیں دفن کروں گا۔''

مطابق تشریف لے جارہے تھے۔اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تیمارداری

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بڑھتی گئی، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کے ہاں باری کے مطابق تشریف لے جاتے رہے، یہاں تک کہ بیماری سخت ہو گئی اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نڈھال کر دیا۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کو بلایا اور ان سے اجازت طلب کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی۔ (2)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں یہ روایت بیان کی ہے، اور الفاظ امام مسلم رحمہ اللہ کے ہیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات سے اجازت طلب کی کہ آپ صلی اللہ علیہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۵۹۰۸ کے تحت اور امام بیہقی رحمہ اللہ نے دلائل النبوۃ، جلد ہفتم، حدیث نمبر ۱۶۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اس روایت کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے ابن اسحاق رحمہ اللہ نے السیرۃ، جلد چہارم، صفحہ ۳۰۰ میں بیان کیا ہے، اور اس کی سند حسن ہے۔

وسلم کی تیمارداری ان[1] کے گھر میں کی جائے، تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ فضل بن عباس[2] رضی اللہ عنہما کے کندھے پر تھا اور دوسرا ہاتھ ایک دوسرے شخص[3] کے کندھے پر تھا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدم مبارک زمین پر گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے۔[4]

1- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد چہارم، صفحہ ۱۱۷ میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہے۔

2- امام بخاری رحمہ اللہ کی صحیح میں ایک روایت اور صحیح مسلم میں ایک دوسری روایت (حدیث نمبر ۴۱۸ اور ۹۲) میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد چہارم، صفحہ ۱۱۷ میں فرمایا ہے: صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتبِ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے درمیان تھے، جن میں سے ایک اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما تھے۔ ان تمام روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہ حضرات باری باری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کو تھامتے تھے۔ کبھی ایک ایسا کرتا اور کبھی دوسرا، اور وہ سب اس سعادت کے حصول میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے خاص افراد اور معمر حضرات تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ ان سب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک تھامنے کے لیے زیادہ پابندی سے ساتھ رہتے تھے، یا وہ مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھامے ہوئے تھے، جبکہ باقی حضرات دوسرے ہاتھ کو تھامنے کے لیے باری باری آتے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ ان کے لیے مخصوص رہا اور وہ مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ تھامے رہے۔ اس کی وجہ ان کی عمر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چچا کا رشتہ اور دیگر وجوہات تھیں۔ اسی لیے عائشہ رضی اللہ عنہا نے عباس رضی اللہ عنہ کا نام لے کر ذکر کیا، جبکہ دوسرے شخص کا نام واضح نہیں کیا؛ کیونکہ باقی تین حضرات میں سے کوئی بھی پورے راستے یا اس کے بیشتر حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلسل نہیں رہا، برخلاف عباس رضی اللہ عنہ کے۔ واللہ اعلم۔

3- وہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔

4- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد چہارم، صفحہ ۱۱۸ میں فرمایا ہے: عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول "آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدم مبارک زمین پر گھسیٹ رہے تھے" کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں کو اٹھانے، سمیٹنے اور ان پر سہارا لے کر چلنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔

مسند امام احمد رحمہ اللہ کی ایک دوسری روایت میں، جس کی سند حسن ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے دروازے کے پاس سے گزرتے تو کوئی ایسی بات فرماتے جس سے اللہ تعالیٰ مجھے فائدہ پہنچاتا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دروازے کے پاس سے گزرے، مگر کچھ نہ فرمایا۔ پھر دوبارہ گزرے تو بھی کچھ نہ فرمایا۔ اس طرح دو یا تین مرتبہ ہوا۔ میں نے اپنی خادمہ سے کہا: میرے لیے دروازے پر ایک تکیہ رکھ دو۔ پھر میں نے اپنے سر پر پٹی باندھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''اے عائشہ! تمہیں کیا ہوا ہے؟'' میں نے عرض کیا: میرے سر میں درد ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے سر میں بھی درد ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک چادر میں اٹھا کر لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور اپنی ازواجِ مطہرات کو پیغام بھجوایا، پھر فرمایا: ''مجھے بیماری لاحق ہو گئی ہے اور میں تم سب کے گھروں میں باری باری جانے کی طاقت نہیں رکھتا، لہٰذا مجھے اجازت دے دو کہ میں عائشہ کے گھر رہوں۔''(1)

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن کی روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے: ''تو ازواجِ مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی۔''

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۹۸ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۱۸ اور ۹۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۵۸۴۱ کے تحت روایت کیا ہے، جبکہ امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اسے بہت اختصار کے ساتھ حدیث نمبر ۲۱۳۷ کے تحت بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بخار کی شدت بڑھ گئی تھی، یہاں تک کہ اس کی گرمی کپڑوں کے اوپر سے بھی محسوس ہوتی تھی۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا[1]، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخار میں مبتلا تھے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوا، پھر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کو تو بہت شدید بخار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، مجھے تم میں سے دو آدمیوں کے برابر بخار ہوتا ہے۔'' میں نے عرض کیا: کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کو دوگنا اجر ملتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مسلمان کو جب بھی بیماری یا اس کے علاوہ کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کی برائیوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے، جیسے درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔''[2]

ابن ماجہ اور حاکم رحمہما اللہ نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخار میں مبتلا تھے۔ میں نے اپنا ہاتھ آپ صلی

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ایک دوسری روایت، حدیث نمبر ۵۶۴۷ میں یہ اضافہ نقل کیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے وقت۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۵۶۶۰ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۵۷۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

اللہ علیہ وسلم پر رکھا تو لحاف کے اوپر سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کی گرمی محسوس ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ پر یہ بیماری کتنی شدید ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم پر آزمائش بھی دوگنی کر دی جاتی ہے اور ہمارا اجر بھی دوگنا کر دیا جاتا ہے۔'' میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے زیادہ سخت آزمائش کن پر آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''انبیاء علیہم السلام پر۔'' میں نے عرض کیا: پھر کن پر؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پھر نیک لوگوں پر۔ ان میں سے کسی کو فقر و فاقے کی ایسی آزمائش میں مبتلا کیا جاتا کہ اسے ایک چادر کے سوا کچھ نہ ملتا جسے وہ اپنے جسم پر لپیٹ لیتا۔ اور ان میں سے کوئی شخص آزمائش پر اس طرح خوش ہوتا، جیسے تم میں سے کوئی خوش حالی ملنے پر خوش ہوتا ہے۔'' (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''میں نے کسی کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شدید تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھا۔'' (2)

1- اسے ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۴۰۲۴ اور حاکم رحمہ اللہ نے المستدرک میں حدیث نمبر ۸۵۴۰ کے تحت روایت کیا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ میں حدیث نمبر ۱۴۴ کے تحت ذکر کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۵۶۷۶ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۵۷۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''مجھ پر سات مشکوں سے پانی بہاؤ''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانی بہائیں، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نصیحت فرما سکیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھ پر سات مشکوں سے پانی بہاؤ، جن کے منہ ابھی تک کھولے نہ گئے ہوں، تاکہ میں لوگوں کو نصیحت کر سکوں۔'' چنانچہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بڑے ٹب میں بٹھایا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ پھر ہم ان مشکوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانی بہانے لگے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ہماری طرف اشارہ فرمایا کہ تم اپنا کام پورا کر چکی ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر لوگوں کے پاس تشریف لے گئے، انہیں نماز پڑھائی اور ان سے خطاب فرمایا۔[1]

حضرت ابو بکر صدیق، حضرت اسامہ بن زید اور انصار رضی اللہ عنہم کے فضائل کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطاب میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت اسامہ بن زید اور ان کے والد رضی اللہ عنہما، نیز انصار رضی اللہ عنہم کے فضائل بیان فرمائے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۹۸ اور ۴۴۴۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے[1] اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا کہ وہ اسے دنیا کی رونقوں میں سے جو کچھ چاہے عطا فرمائے یا اسے وہ چیز اختیار کرنے دے جو اللہ کے پاس ہے، تو اس بندے نے وہ چیز اختیار کر لی جو اللہ کے پاس ہے۔'' یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور عرض کیا: ''ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں!'' ہمیں ان کے اس طرزِ عمل پر تعجب ہوا، اور لوگوں نے کہا: اس بوڑھے شخص کو دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے بندے کے بارے میں بتا رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی رونقوں اور اپنے پاس موجود نعمتوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حق دیا ہے، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! درحقیقت وہ اختیار دیے جانے والے بندے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھنے والے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں میں اپنی رفاقت اور اپنے مال کے ذریعے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر

---

1 - امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں ایک دوسری روایت ہے، حدیث نمبر ۱۱۸۶۳، جس کی سند صحیح ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری کے دوران، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، ہمارے پاس تشریف لائے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتا رہا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے۔

امام سندھی رحمہ اللہ نے شرح مسند احمد، جلد ہفتم، صفحہ ۶۲ میں فرمایا ہے: راوی کے قول ''فَاتَّبَعْتُهُ'' کا مطلب ہے: ''میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتا رہا۔'' یہ متکلم کا صیغہ ہے، جو "اتبع" سے تشدید کے ساتھ آیا ہے۔ گویا راوی نے یہ بات اس لیے ذکر کی تاکہ اس بات کی طرف توجہ دلائی جائے کہ اس نے حدیث کو بہترین طریقے سے براہِ راست سنا تھا۔

ہیں۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو گہرا دوست بناتا[1] تو ابو بکر کو بناتا[2]، لیکن اسلام کی اخوت ہی کافی ہے۔ مسجد میں کھلنے والا کوئی دروازہ باقی نہ رہے، سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔"[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری کے دوران، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، سرِ مبارک پر کپڑے کی پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: "لوگوں میں اپنی جان اور مال کے ذریعے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابو بکر بن ابی قحافہ ہیں۔ اگر میں لوگوں میں سے کسی کو گہرا دوست بناتا تو ابو بکر کو اپنا گہرا دوست بناتا، لیکن اسلام کی اخوت اس سے بہتر ہے[4]۔ اس مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کر دو، سوائے ابو بکر کے دروازے کے۔"[5]

1- امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک دوسری روایت میں، حدیث نمبر ۳۰۶۴ کے تحت، یہ اضافہ نقل کیا ہے: "میرے رب کے علاوہ۔"

2- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد پندرہ، صفحہ ۱۲۳ میں فرمایا ہے: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے ان کے دل میں اپنے سوا کسی اور کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں چھوڑی۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۹۰۴ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۳۸۲ اور ۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- امام سندھی رحمہ اللہ نے شرح مسند احمد، جلد دوم، صفحہ ۴۸۸ میں فرمایا ہے: یعنی اسی پر اکتفا کرنا اس بات سے بہتر ہے کہ ایسی گہری دوستی کی طرف بڑھا جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان نہیں، کیونکہ ایسی دوستی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے ساتھ لائق ہے۔

5- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۶۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس بیماری کے دوران، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، ایک چادر اوڑھے ہوئے باہر تشریف لائے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک پر سیاہی مائل پٹی بندھی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور اس کے بعد فرمایا: ''امابعد! لوگوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اور انصار کی تعداد کم ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ لوگوں میں انصار کی حیثیت کھانے میں نمک جیسی رہ جائے گی۔ پس تم میں سے جس شخص کو کوئی ذمہ داری سونپی جائے، جس کے تحت اسے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچانا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانا پڑے، تو اسے چاہیے کہ انصار کے نیکوکاروں کی نیکی قبول کرے اور ان کے خطاکاروں کی خطاؤں سے درگزر کرے۔'' یہ وہ آخری مجلس تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے تھے۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور غزوۂ اُحد میں شہید ہونے والوں کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ پھر فرمایا: ''اے جماعتِ مہاجرین! تمہاری تعداد بڑھتی جائے گی، جبکہ انصار کی تعداد نہیں بڑھے گی۔ انصار میرے رازدار

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۶۲۸ اور ۳۸۰۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

اور میرے وہ لوگ ہیں جن کی طرف میں نے پناہ لی ہے۔ان کے معزز لوگوں کی عزت کرو اور ان کے خطاکاروں سے در گزر کرو[1]، کیونکہ انہوں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے اور اب ان کے حقوق باقی ہیں۔"[2]

ابراہیم بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن جعفر بن زبیر نے عروہ بن زبیر اور دیگر علماء کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیماری کے دوران حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لشکر کی روانگی میں لوگوں کی تاخیر محسوس فرما رہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرِ مبارک پر پٹی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے، یہاں تک کہ منبر پر بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے بارے میں کہا تھا: "اس نے ایک کم عمر نوجوان کو مہاجرین وانصار کے بڑے بڑے لوگوں پر امیر مقرر کر دیا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، جیسا کہ وہ اس کا اہل ہے، پھر فرمایا: "اے لوگو! اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو۔ میری عمر کی قسم! اگر تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے ہو تو اس سے پہلے تم اس کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ حالانکہ وہ امارت کا اہل ہے، اور اس کا والد بھی امارت کا اہل تھا۔"[3]

1- امام نووی رحمہ اللہ نے شرح صحیح مسلم، جلد شانزدہم، صفحہ ۵۷ میں فرمایا ہے: اس سے مراد حدود کے علاوہ دیگر معاملات ہیں۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۶۷۵ اور ۲۱۹۵۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

3-دیکھیے: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۳۰۷۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''خبردار! تم اسامہ پر اعتراض کرتے ہو اور اس کی امارت پر طعن کرتے ہو، حالانکہ اس سے پہلے تم اس کے والد پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ یقیناً وہ امارت کے اہل تھے، اور وہ تمام لوگوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب تھے۔ اور ان کا یہ بیٹا بھی ان کے بعد مجھے سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، کیونکہ وہ تمہارے بہترین لوگوں میں سے ہے۔''(1)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے امامت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید بیماری کے باوجود لوگوں کو نماز پڑھانے کا اہتمام فرماتے رہے، یہاں تک کہ بیماری کا غلبہ بڑھ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باہر تشریف لانا دشوار ہو گیا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں کچھ بتائیں گی؟ عائشہ رضی اللہ

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۷۳۰ اور ۴۴۶۹، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۴۲۶، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۵۸۴۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

عنہا نے فرمایا: کیوں نہیں! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں، وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے بڑے ٹب میں پانی رکھ دو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ہم نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور اٹھنے کا ارادہ کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔ پھر جب افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے بڑے ٹب میں پانی رکھ دو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر غسل فرمانے لگے، پھر اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوبارہ غشی طاری ہو گئی۔ پھر افاقہ ہوا تو فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے لیے بڑے ٹب میں پانی رکھ دو۔'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر غسل فرمانے لگے، پھر اٹھنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' ہم نے عرض کیا: نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس وقت لوگ مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

قاصد [1] حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم مزاج انسان تھے۔ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان دنوں لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اندر کچھ ہلکا پن محسوس کیا تو ظہر کی نماز کے لیے دو آدمیوں کے سہارے باہر تشریف لائے، جن میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے [2]، جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد دوم، صفحہ ۳۷۴ میں فرمایا: یعنی حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کیونکہ نماز کے وقت کی اطلاع دینے کی ذمہ داری انہی کے سپرد تھی۔

2-اور دوسرے شخص سے مراد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔

-امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۲۳۴ کو سالم بن عبید رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: پھر حضرت بریرہ اور ایک دوسرے شخص آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا سہارا لیا۔

- صحیح ابن حبان میں حدیث نمبر ۲۱۱۸ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے، وہ فرماتی ہیں: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ اور نوبہ کے درمیان تشریف لائے۔

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد دوم، صفحہ ۳۷۵ میں فرمایا: جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے، ان روایات میں تطبیق اس طرح دی جا سکتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے مسجد تک ان دونوں کے درمیان تشریف لائے، پھر نماز کی جگہ تک حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان تشریف لے گئے؛ یا یہ کہا جائے کہ یہ مختلف مواقع کے واقعات ہیں۔

- فائدہ: حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد دوم، صفحہ ۳۷۵ میں فرمایا کہ "نوبہ" میں نون پر پیش ہے۔ اور الإصابہ، جلد ششم، صفحہ ۳۷۷ میں فرمایا کہ نوبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، جن کا نام اسود تھا۔

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں آدمیوں سے فرمایا: ''مجھے ان کے پہلو میں بٹھادو۔'' چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھادیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا میں نماز پڑھاتے رہے، جبکہ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز پڑھ رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے۔ (1)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کتنی نمازیں پڑھائیں؟

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ عنہا کی حدیث، پھر حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی روایت، اور پھر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عبد العزیز بن صہیب کی روایت سے جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی رات عشاء کی نماز لوگوں کو پڑھائی۔ پھر جمعہ کے دن پانچ نمازیں، ہفتے کے دن پانچ نمازیں اور اتوار کے دن پانچ نمازیں پڑھائیں۔ اس کے بعد پیر کے دن فجر کی نماز پڑھائی، اور اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ اس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنے اندر کچھ ہلکا پن محسوس فرمایا تو ظہر کی نماز کے لیے

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۸۷ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۱۸ اور ۹۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

باہر تشریف لائے۔ یہ واقعہ یا تو ہفتے کے دن پیش آیا یا اتوار کے دن، جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھانا شروع کر چکے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز شروع فرمائی، اور لوگوں نے اپنی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے ساتھ وابستہ کر لی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز ادا فرما رہے تھے، جبکہ لوگ کھڑے تھے۔ حضرت نعیم بن ہنداور ان کے متبعین کی روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا فرمائی۔اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے شروع کی گئی نماز سمیت مجموعی طور پر سترہ نمازیں پڑھائیں۔[1]

آخری وصیتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے اپنی امت کو آخری وصیتیں فرمائیں، آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں۔ ان وصیتوں میں سے بعض یہ ہیں:

-رکوع اور سجدے:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ہٹایا تو لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

1- حوالہ: دلائل النبوۃ، امام بیہقی رحمہ اللہ، جلد ہفتم، صفحہ ۱۹۷۔

فرمایا: ”اے لوگو! نبوت کی بشارتوں میں سے اب صرف نیک خواب باقی رہ گئے ہیں، جنہیں مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے لیے دکھائے جاتے ہیں۔ خبردار! مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں رکوع یا سجدے کی حالت میں قرآن پڑھوں۔ رکوع میں اپنے رب عزوجل کی عظمت بیان کرو، اور سجدے میں خوب دعا کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ اس حالت میں تمہاری دعا قبول ہونے کی زیادہ امید ہے۔“[1]

-اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا:

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا: ”تم میں سے ہر شخص کو اس حال میں موت آنی چاہیے کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ حسنِ ظن رکھتا ہو۔“[2]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مایوسی سے خبردار کیا گیا ہے اور زندگی کے آخری لمحات میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ گمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا اور اسے معاف کر دے گا۔[3]

- نماز کی وصیت:

1- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۷۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۸۷۷ اور ۸۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- حوالہ: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد ہفدہم، صفحہ ۱۷۲۔

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر وصیت نماز اور ان لوگوں کے بارے میں تھی جو تمہارے زیرِ اختیار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے رہے: ''نماز کا خیال رکھو، اور ان لوگوں کا خیال رکھو جو تمہارے زیرِ اختیار ہوں۔'' یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینۂ مبارک سے یہ الفاظ گھٹی گھٹی آواز میں نکلنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بمشکل ادا ہو رہے تھے۔ (1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات یہ تھے: ''نماز، نماز کا خیال رکھو، اور اپنے زیرِ اختیار لوگوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔''(2)

آخری نظر

پیر کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید بیماری کی حالت میں تھے۔ جب فجر طلوع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۲۱۶۹ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۶۹۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۵۸۵ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۲۶۹۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

حجرے کا پردہ ہٹایا اور لوگوں کی طرف دیکھا، جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر مسکرائے اور خوش ہوئے۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اور الفاظ امام احمد رحمہ اللہ کے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب پیر کا دن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا تو وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مصحف کا ایک ورق ہو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر خوشی کے باعث قریب تھا کہ ہم اپنی نماز میں مبتلا ہو جاتے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ قائم رہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرا دیا، اور اسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ (1)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجازت طلب کرنا

جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقے کی حالت میں دیکھا تو وہ خوش ہو گئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ

---

1 - اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۸۶، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۱۹، اور امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۳۰۲۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے واپس آئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں مبتلا تھے جس میں آپ کی وفات ہوئی۔ لوگوں نے پوچھا: اے ابوالحسن! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کس حال میں کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ صبح کی، اس حال میں کہ آپ صحت یاب تھے۔ (1)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اہلِ خانہ کے پاس سُنح (2) جانے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت دے دی۔ یہ پیر کے دن فجر کی نماز کے بعد کا واقعہ ہے، اسی دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایسی حالت میں صبح کی ہے جیسی ہم آپ کے لیے چاہتے ہیں، اور آج بنتِ خارجہ (3) کی باری کا دن ہے، تو کیا میں ان کے پاس چلا جاؤں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۴۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- سُنح میں سین پر پیش اور نون ساکن ہے۔ یہ مدینہ منورہ کے بالائی علاقے میں ایک مقام ہے، جہاں بنو حارث بن خزرج کے مکانات تھے۔ حوالہ: النہایہ، جلد دوم، صفحہ ۳۶۶۔

3- یہ حضرت حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

ہاں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اہلِ خانہ کے پاس سُنح چلے گئے۔ (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجرے میں واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری انتہائی شدت اختیار کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں لیٹ گئے اور آپ پر شدید تکلیف کی کیفیت طاری ہونے لگی، یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس سے متاثر ہوئیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف کی کیفیت طاری ہونے لگی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے! میرے والد کی تکلیف! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''آج کے بعد تمہارے والد کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔'' (2)

امام احمد اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے حسن سند کے ساتھ مزید روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے والد پر وہ وقت آ پہنچا ہے جس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں، اور وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہے۔'' (3)

1- حوالہ: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۳۱۱۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۶۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۲۸۴۴ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۶۲۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکراتِ موت کی تکلیف سے گزر رہے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے سہارا دیے ہوئے تھیں، اسی دوران حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی جس سے وہ مسواک کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھ کر گویا مسواک کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے سہارا دیے ہوئے تھی۔ حضرت عبدالرحمن کے ہاتھ میں تازہ مسواک تھی جس سے وہ مسواک کر رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسواک کی طرف نگاہ اٹھائی۔ میں نے مسواک لے کر اسے چبایا، نرم کیا اور صاف کیا، پھر اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مسواک فرمائی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اتنی عمدہ مسواک کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ (1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک برتن رکھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھ پانی میں

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۳۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

داخل کرتے، پھر ان سے اپنے چہرۂ مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور فرماتے: ''اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، بے شک موت کی سختیاں ہوتی ہیں۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمانے لگے: ''رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ۔'' یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ڈھلک گیا۔[1]

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں فرمایا کرتے تھے: ''کسی نبی کی روح اس وقت تک قبض نہیں کی جاتی، جب تک وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے، پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے۔'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری ران پر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی، پھر جب افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگاہ گھر کی چھت کی طرف اٹھائی اور فرمایا: ''اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ۔'' میں نے کہا: اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اختیار نہیں فرمائیں گے۔ اس طرح مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ وہی بات ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحت کی حالت میں ہمیں بیان

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۴۹ اور ۶۵۱۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات یہ تھے: ''اے اللہ! رفیقِ اعلیٰ کے ساتھ۔''(1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے سہارا دیے ہوئے تھی، یا آپ نے فرمایا: میری گود میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگوایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں ڈھلک گئے، اور مجھے احساس تک نہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی ہے۔(2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میرے کندھے پر تھا کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میری طرف ڈھلک گیا۔ میں نے خیال کیا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے سر سے کوئی ضرورت ہے۔ اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہنِ مبارک سے ٹھنڈے لعاب کا ایک قطرہ نکلا اور میری گردن کے گڑھے پر آ گرا۔ اس سے میرے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۳۷ اور ۴۴۶۳، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۴۴۴ اور ۸۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۷۴۱ کے تحت روایت کیا ہے، اور اسی طرح صحیح میں حدیث نمبر ۱۶۳۶ کے تحت بھی روایت ہے۔

نے خیال کیا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہو گئی ہے، چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا۔[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر میرے سینے اور گردن کے درمیان تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک نکلی تو میں نے اس سے زیادہ پاکیزہ خوشبو کبھی محسوس نہیں کی تھی۔[2]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: اللہ تعالیٰ کی مجھ پر یہ خاص نعمت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میرے گھر میں، میری باری کے دن، اور میرے سینے اور گردن کے درمیان ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت میرا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لعابِ دہن یکجا فرما دیا۔[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت اور عمرِ مبارک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن، ماہِ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ، سن ۱۱ ہجری میں ہوئی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: رسول اللہ

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۵۸۴۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۴۰۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۴۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ماہِ ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی، اس میں کوئی اختلاف نہیں، بلکہ یہ بات تقریباً اجماعی ہے۔ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ اور جمہور علماء کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول کی بارہویں[1] تاریخ کو ہوئی۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میری آخری نظر اس وقت پڑی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیر کے دن پردہ ہٹایا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے مصحف کا ایک ورق ہو۔ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز[3] میں کھڑے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حرکت کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ ثابت قدم رہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ گرادیا اور اسی دن کے آخری حصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔[4]

1- حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے الفصول في سيرة الرسول، صفحہ ۲۶۰ میں فرمایا: مشہور قول یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو ہوئی۔

2- حوالہ: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ ۴۷۳۔

3- یہ فجر کی نماز تھی، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ اس روایت کا حدیث نمبر ۶۸۴ ہے۔

4- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۲۰۷۲ اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۶۲۴ کے تحت روایت کیا ہے۔ اسی مفہوم کی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۸۴، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۱۹ اور ۹۸ کے تحت بھی روایت کی ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس دن، یعنی پیر کے دن، چاشت کا وقت خوب چڑھ جانے پر ہوئی۔ (1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں فرمایا: دونوں روایات کے درمیان اس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے کہ ''دن کے آخری حصے'' سے مراد دن کے دوسرے نصف کے آغاز میں داخل ہونا ہے، اور یہ وقت زوالِ آفتاب کے وقت ہوتا ہے۔ جبکہ چاشت کا وقت خوب چڑھ جانا زوال سے پہلے ہوتا ہے اور سورج کے زوال تک جاری رہتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے قطعی طور پر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس وقت ہوئی جب سورج ڈھل گیا تھا۔ اسی طرح ابوالاسود نے عروہ سے بھی یہی بات بیان کی ہے۔ یہ روایت اس تطبیق کی تائید کرتی ہے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے۔ (2)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک تریسٹھ سال تھی۔ شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔'' (3)

1- حوالہ: سیرت ابن ہشام، جلد چہارم، صفحہ ۳۱۲۔

2- حوالہ: فتح الباری، جلد ہشتم، صفحہ ۴۹۱۔

3- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۵۳۶ اور ۴۴۶۶، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۳۴۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہا اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں مبعوث فرمایا گیا۔ پھر آپ مکہ مکرمہ میں تیرہ سال تک قیام پذیر رہے، اس دوران آپ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اس کے بعد آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپ نے ہجرت فرمائی[1] اور دس سال تک (مدینہ منورہ میں) قیام فرمایا، پھر آپ کی وفات ہوئی، اس وقت آپ کی عمر تریسٹھ سال تھی۔''[2]

امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تریسٹھ سال عمر والی روایت جماعت کی روایت سے زیادہ صحیح ہے، کیونکہ وہ زیادہ قابل اعتماد اور تعداد میں زیادہ ہیں۔ ان کی روایت حضرت عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح روایت، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول دو روایتوں میں سے ایک، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح روایت کے موافق ہے۔ یہی قول سعید بن مسیب، عامر شعبی اور ابو جعفر محمد بن علی رحمہم اللہ کا بھی ہے۔[3]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ساتویں، صفحہ ۶۳۶ میں فرمایا: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد دس سال قیام فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فأماته الله مئة عام ''پھر اللہ نے اسے سو سال تک موت کی حالت میں رکھا۔'' (سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۵۹)

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۹۰۲، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۲۳۵۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- (دیکھیے: دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد ۷، صفحہ ۲۴۱)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تریسٹھ سال والی روایت سب سے زیادہ صحیح اور مشہور ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہاں حضرت عائشہ، حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ روایت نقل کی ہے، اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سب سے زیادہ صحیح روایت تریسٹھ سال والی ہے۔ (1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمانا، تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ البتہ نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں آپ کے قیام کی مدت مشہور قول کے مطابق تیرہ سال ہے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں وحی نازل ہوئی، اور صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ (2)

سانحے کی ہولناکی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مصیبت نہایت شدید ہو گئی، معاملہ سنگین ہو گیا، حادثہ بہت عظیم تھا، اور مسلمانوں کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے گہرا صدمہ پہنچا۔ (3)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: حضرت عمر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ

1-(دیکھیے: صحیح مسلم بشرح النووی، جلد ۵، صفحہ ۸۱)۔

2-(دیکھیے: تفسیر ابن کثیر، جلد ۱، صفحہ ۲۰)۔

3-(دیکھیے: الحصول في سیرۃ الرسول، صفحہ ۲۶۱)۔

عنہما آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے انہیں اجازت دے دی، پھر میں نے اپنے سامنے سے پردہ ہٹا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو کہنے لگے: ''ہائے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی کی کیفیت کتنی شدید ہے!'' پھر وہ کھڑے ہوئے اور جب دروازے کے قریب پہنچے تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے عمر! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں؟'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تم نے جھوٹ کہا، بلکہ تم ایسے شخص ہو جسے فتنے نے گھیر رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک اللہ عزوجل منافقین کا خاتمہ نہ کر دے۔''(1)

صحیح بخاری کے ایک دوسرے لفظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات نہیں پائے، اور اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو دوبارہ اٹھائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کئی لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں ضرور کاٹیں گے۔''(2)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آمد

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے، جنہیں ابتدا و انتہا، ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت حاصل تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۵۸۴۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۶۶۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

بگڑے ہوئے معاملے کو درست کیا اور حق بات کا اعلان کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سُنح میں اپنی رہائش گاہ سے تشریف لائے، یہاں تک کہ سواری سے اترے۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے، لیکن لوگوں سے کوئی بات نہ کی، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حِبَرہ[1] چادر میں ڈھانپے ہوئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا، پھر جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور رونے لگے۔ پھر عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اے اللہ کے نبی! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں[2] جمع نہیں کرے گا۔ رہی وہ پہلی موت جو آپ کے لیے مقدر کی گئی تھی، تو وہ آپ کو آچکی ہے۔''[3]

1- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۴۵۱ میں فرمایا: ''حِبَرہ'' میں حاء کے نیچے زیر اور باء پر زبر ہے، اور اس کا وزن ''عِنَبَۃ'' کے وزن پر ہے۔ یہ یمن کی دھاری دار چادروں کی ایک قسم ہے۔

2- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ۳، صفحہ ۴۵۰ میں فرمایا: یہ بات اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ اس سے ان لوگوں کی تردید مقصود ہے جن کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ زندہ ہوں گے اور بعض لوگوں کے ہاتھ کاٹیں گے؛ کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو لازم آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور موت بھی آتی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ معزز ہیں کہ آپ پر دو موتیں جمع کی جائیں، جیسا کہ دوسرے لوگوں پر جمع کی گئی تھیں، مثلاً وہ لوگ جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکلے تھے، اور وہ شخص جو ایک بستی کے پاس سے گزرا تھا۔ یہ جواب سب سے زیادہ واضح اور زیادہ محفوظ ہے۔

3- اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۴۴۰۵ اور ۴۴۵۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

لوگوں کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر دی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے، جبکہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر! بیٹھ جاؤ۔'' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ لوگ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''حمد و ثنا کے بعد! تم میں سے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتا تھا، تو یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں، اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو بے شک اللہ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔ ترجمہ: ''اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا، وہ اللہ کو ہر گز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور اللہ شکر کرنے والوں کو ضرور جزا دے گا۔'' (سورۃ آل عمران، آیت ۱۴۴)[1]

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۴۰۰۴، ۵۲، ۴۴۰۳ اور ۵۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''یہ سن کر لوگ سسکیاں لے لے کر رونے لگے۔''(1)

راوی فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی۔ پھر تمام لوگوں نے یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حاصل کی، اور اس کے بعد میں نے جس شخص کو بھی سنا، وہ اسی آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! جب میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو میرے پاؤں جواب دے گئے، یہاں تک کہ میں اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا اور آیت سنتے ہی زمین پر گر پڑا۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے ہیں۔''(2)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تعلیقاً روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''ان دونوں حضرات کے خطبوں میں سے کوئی خطبہ ایسا نہیں تھا جس سے اللہ تعالیٰ نے فائدہ نہ پہنچایا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ ان کے درمیان منافق بھی موجود ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے لوگوں کو دوبارہ سنبھال دیا۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ہدایت کی راہ دکھائی اور انہیں اس حق سے آگاہ کیا جو ان پر لازم تھا۔ اس کے بعد لوگ وہاں سے نکلے تو

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۶۶۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۴۴۵۲ اور ۴۴۵۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

یہ آیت پڑھ رہے تھے: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔

ترجمہ: ''اور محمد تو صرف ایک رسول ہیں، ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید کر دیے جائیں تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا، وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اور اللہ شکر کرنے والوں کو ضرور جزا دے گا۔'' (سورۃ آل عمران، آیت نمبر ۱۴۴)[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین (غسل اور کفن)

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر بیعت کر لی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل کے انتظام میں مصروف ہو گئے، اور اس سلسلے میں ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو اس بارے میں ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں معلوم نہیں کہ ہم کیا کریں۔ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے اتار دیں، جیسے ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتارتے ہیں، یا

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۳۶۹۹ اور ۳۶۷۰ کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری، جلد ۷، صفحہ ۳۸۵ میں فرمایا: ''امام بخاری رحمہ اللہ نے ان روایات کو صرف تعلیقاً ذکر کیا ہے اور انہیں مکمل طور پر نقل نہیں کیا، جبکہ امام طبرانی رحمہ اللہ نے انہیں اپنی کتاب مسند الشامیین میں متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑے پہنے ہوئے ہی غسل دیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جب ان کے درمیان اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی۔ اللہ کی قسم! ان میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہ تھا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگی ہوئی نہ ہو اور وہ سو نہ گیا ہو۔ پھر گھر کے ایک جانب سے کسی نے ان سے بات کی، لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کون ہے۔ اس نے کہا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دو، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے آپ کے جسم پر ہوں۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: یہ سن کر وہ سب اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی قمیص پہنے ہوئے غسل دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانی اور بیری کے پتے ڈالے جاتے تھے، اور لوگ قمیص کے اوپر سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو ملتے تھے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن لغیرہ کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کے لیے لوگ جمع ہوئے تو گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا۔ ان میں آپ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطا ب، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت فضل بن عباس، حضرت قثم[2] بن عباس، حضرت

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۶۰۳۶، اور امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۳۱۴۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- ابن الاثیر رحمہ اللہ نے جامع الأصول، جلد ۲، صفحہ ۷۸۷، قسم التراجم میں فرمایا: ''قَثَم'' میں قاف پر پیش اور ثاء پر زبر ہے۔

اسامہ بن زید بن حارثہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام صالح[1] رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ جب انہوں نے غسل دینے کا ارادہ کر لیا تو دروازے کے باہر سے حضرت اوس بن خولی انصاری رضی اللہ عنہ نے آواز دی۔ وہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنو عوف سے تعلق رکھتے تھے اور غزوۂ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اے علی! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمارا بھی حصہ ہے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اندر آ جاؤ۔'' چنانچہ وہ اندر آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے وقت موجود رہے، لیکن غسل دینے کے عمل میں انہوں نے کوئی حصہ نہیں لیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے سہارا دے رکھا تھا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص مبارک آپ کے جسم پر تھی۔ حضرت عباس، حضرت فضل اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو کروٹ دلاتے تھے، جبکہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام صالح پانی ڈالتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل

---

1 - یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام۔ امام نووی رحمہ اللہ نے تہذیب الأسماء واللغات، جلد ۱، صفحہ ۵۷۷ میں فرمایا: ''شَقْران'' میں شین پر پیش ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے اور اسی لقب سے مشہور تھے، جبکہ ان کا اصل نام صالح تھا۔ وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حبشی غلام تھے، جنہوں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خرید کر غزوۂ بدر کے بعد آزاد کر دیا تھا۔ وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے وقت موجود تھے، اور ان کی وفات مدینہ منورہ میں ہوئی۔

دے رہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا کوئی حصہ انہیں نظر نہیں آتا تھا، جیسا کہ عام طور پر میت کے غسل کے وقت نظر آجاتا ہے۔ اس دوران وہ کہتے جاتے تھے: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ زندگی میں بھی کتنے پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی کتنے پاکیزہ ہیں!'' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل سے فارغ ہوئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا گیا، تو آپ کے جسم مبارک کو خشک کیا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین کپڑوں میں لپیٹ دیا گیا۔ (1)

شیخین (امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ) نے اپنی صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفید سحولیہ کپڑے کے تین ٹکڑوں میں کفن دیا گیا، جو روئی سے بنے ہوئے تھے۔ ان میں نہ قمیص تھی اور نہ عمامہ۔'' (2)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں فرمایا: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ان تمام روایات میں سب سے زیادہ صحیح ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

1- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۳۰۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

2- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۲۶۴، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۱۹۴۱ اور ۴۵ کے تحت روایت کیا ہے۔

کفن کے متعلق بیان کی گئی ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے علاوہ دیگر اہلِ علم کی اکثریت کا عمل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہی کے مطابق ہے۔"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفن دے دیا گیا تو لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ لوگ الگ الگ نماز پڑھتے تھے اور کوئی ایک شخص ان کی امامت نہیں کراتا تھا۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو عسیب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: "ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ کیسے پڑھیں؟" فرمایا: "گروہ در گروہ داخل ہو۔" چنانچہ لوگ اس دروازے سے اندر داخل ہوتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ پڑھتے، پھر دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے تھے۔[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لوگوں کا الگ الگ نمازِ جنازہ پڑھنا، اور کسی ایک شخص کا ان کی امامت نہ کرانا، ایسا عمل ہے جس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔"[3]

1-(دیکھیے: جامع الإمام الترمذي، جلد ۲، صفحہ ۴۸۵)۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۰۷۶۶ کے تحت روایت کیا ہے۔

3-(دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ، جلد ۵، صفحہ ۲۷۸)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تھی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں مختلف اسانید اور شواہد کے ساتھ صحیح سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: ''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کے مقام کے بارے میں لوگوں کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی تھی، جسے میں نہیں بھولا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ جس نبی کی روح قبض فرماتا ہے، اسے اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں دفن ہونا اسے پسند ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کرو جہاں آپ کا بستر تھا۔''[1]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے الشمائل المحمدیہ میں حضرت سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: ''اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا؟'' انہوں نے فرمایا: ''ہاں۔'' لوگوں نے پوچھا: ''کہاں؟'' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اسی جگہ جہاں اللہ تعالیٰ

---

1 - اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۷، اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۱۰۳۹ کے تحت روایت کیا ہے۔

نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض فرمائی؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح صرف پاکیزہ جگہ ہی میں قبض فرمائی ہے۔"(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو مدینہ منورہ میں ایک شخص لحد والی قبر بناتا تھا اور دوسرا بغیر لحد کے سیدھی قبر کھودتا تھا۔ لوگوں نے کہا: ہم اپنے رب سے خیر طلب کرتے ہیں اور ان دونوں کو بلوا بھیجتے ہیں؛ ان میں سے جو پہلے پہنچ جائے گا، ہم اسی کو چھوڑ دیں گے۔ چنانچہ ان دونوں کو بلوا بھیجا گیا، تو لحد بنانے والا پہلے پہنچ گیا۔ لہٰذا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد والی قبر بنائی۔"(2)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ جید کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حضرت عباس، حضرت علی اور حضرت فضل رضی اللہ عنہم داخل ہوئے، اور آپ

1- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے الشمائل المحمدیہ میں حدیث نمبر ۳۹۶ کے تحت روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے فتح الباری، جلد ۲، صفحہ ۹۶ میں ذکر کیا ہے اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۲۴۱۵، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۵۵۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم کی لحد ایک انصاری شخص[1] نے درست کی۔ یہی وہ شخص تھا جس نے غزوۂ بدر کے دن شہداء کی قبروں کی لحدیں بھی درست کی تھیں۔"[2]

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں ایک سرخ رنگ کی مخملی چادر بچھائی گئی تھی۔"[3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت شَقْرَان رضی اللہ عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! میں نے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں اتارتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے وہ مخملی چادر بچھائی تھی۔"[4]

امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سندِ حسن لغیرہ کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شَقْرَان رضی اللہ عنہ نے وہ مخملی چادر لے لی تھی جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے، پھر اسے قبر میں دفن کر دیا اور کہا: اللہ کی قسم! آپ کے بعد

1- یہ حضرت ابو طلحہ زید بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی مسند میں حدیث نمبر ۲۳۵۷ کی روایت میں آیا ہے۔

2- اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۶۶۳۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۹۶۷ کے تحت روایت کیا ہے۔

4- اسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حدیث نمبر ۱۰۶۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

اسے کوئی بھی ہر گز نہیں پہنے گا۔ چنانچہ وہ چادر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کر دی گئی۔"(1)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین بدھ کی رات ہوئی تھی۔ چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدھ کی رات دفن کیا گیا۔"(2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتی ہیں: "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا علم اس وقت تک نہیں ہوا، جب تک بدھ کی رات آخری پہر میں ہمیں کدالوں کی آواز سنائی نہ دی۔"(3)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے باقی دن اور پورا منگل کا دن رہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدھ کی رات دفن کیا گیا۔"(4)

1-اسے امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۶۲۸ کے تحت روایت کیا ہے۔

2-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۴۷۹۰ کے تحت روایت کیا ہے۔

3-اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۲۴۳۳۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

4-دیکھیے: البدایہ والنہایہ، جلد پنجم، صفحہ ۲۸۴۔

امام سندھی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اہم امور میں مشغول تھے، مثلاً بیعت کا معاملہ، جس میں انہیں اندیشہ تھا کہ اگر اس میں تاخیر ہوئی تو فتنے پیدا ہو سکتے ہیں۔''(1)

کفن اور قبر کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن کیا جانا، تو یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں آپ کے نیچے مخملی چادر بچھایا جانا بھی آپ کے خصائص میں سے تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لوگوں کا الگ الگ نمازِ جنازہ پڑھنا، بغیر کسی امام کے، بھی آپ کے خصائص میں سے تھا؛ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا اور آخرت میں، زندگی اور وفات دونوں حالتوں میں، ان کے امام تھے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں دو دن کی تاخیر بھی آپ کے خصائص میں سے تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے تدفین میں تاخیر مکروہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تبدیلی کا اندیشہ نہیں تھا، برخلاف ہماری حالت کے۔ پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین میں اس لیے بھی تاخیر کی کہ وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے اندر آپ کی نمازِ جنازہ پڑھ سکیں، جس کی وجہ سے یہ معاملہ طویل ہو گیا۔ مزید یہ کہ پہلے دن کے نصف حصے تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بارے میں تردد میں رہے، یہاں

1- دیکھیے: شرح السندی للمسند، جلد ۱۴، صفحہ ۲۷۳۔

تک کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سُنح سے تشریف لے آئے۔ پس تدفین میں تاخیر کا سبب یہی تھا۔"(1)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "میں نے کبھی کوئی دن ایسا نہیں دیکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے دن سے زیادہ روشن اور خوب صورت ہو۔ اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بھی موجود تھا؛ پس میں نے کبھی کوئی دن ایسا نہیں دیکھا جو اس دن سے زیادہ تاریک اور بد صورت ہو، جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔"(2)

امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے، اس دن مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی، اور جب وہ دن آیا جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہو گئی۔ اور ابھی ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں کو بدلا ہوا محسوس کیا۔"(3)

1- دیکھیے: سیر أعلام النبلاء، جلد ہشتم، صفحہ ۳۰۔

2- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۲۲۴۰۳ کے تحت روایت کیا ہے۔

3- اسے امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں حدیث نمبر ۱۳۸۳۰، اور امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں حدیث نمبر ۱۶۰۱ کے تحت روایت کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت فرمایا: ''ہائے میرے ابا جان! آپ نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمالی۔ ہائے میرے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہے۔ ہائے میرے ابا جان! ہم جبریل علیہ السلام کو آپ کی وفات کی خبر دیتے ہیں۔''(1)

میں کہتا ہوں: بے شک ہم اللہ ہی کے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو گواہ بناتے ہیں کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت کا حق ادا کر دیا، امانت پہنچادی، امت کی خیر خواہی فرمائی، اور ہمیں ایک روشن راستے پر چھوڑا جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر رحمتیں، سلامتی اور برکتیں نازل فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مختصر سیرتِ نبوی کا یہ کام
پیر کی رات، گیارہ بج کر چالیس منٹ پر،
۴ جمادی الثانی ۱۴۴۲ھ،
مطابق ۱۷ جنوری ۲۰۲۱ء کو مکمل ہوا۔
اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں۔

1- اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر ۴۴۶۲ کے تحت روایت کیا ہے۔

فہرست

مقدمہ 5
نسب نبوی شریف 8
ولادت نبوی ﷺ 9
بنو سعد کے دیہات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت 11
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے مبارک کے چاک کیے جانے کا واقعہ 12
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ امنہ بنت وہب کی وفات 14
آپ کے دادا عبد المطلب کی کفالت 15
عبد المطلب کی وفات 16
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی کفالت 16
رسول اللہ ﷺ کی حلف ؑ الفضول میں شرکت 18
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بکریاں چرانا 20
نبی ﷺ کا حضرت خدیجہ ؓ کی تجارت کے ساتھ شام جانا اور پھر اُن سے نکاح کرنا 22
خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر 24
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے مبارک ہاتھ سے حجر اسود کا رکھنا 25
بعثت سے پہلے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت 27
بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم 28
وحی کا رکنا ؑ اور پھر دوبارہ وہ کا نازل ہونا 30

دعوت کی اقسام 33
خفیہ دعوت 34
اسلام میں بہایا جانے والا پہلا خون 35
جہری دعوت 37
ابو طالب کی اپنے بھتیجے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت 40
ابو لہب اور اس کی بیوی کا اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے متعلق موقف 41
ابو لہب کی اس کنیت کا فائدہ 42
ام جمیل اندھی عورت کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دشمنی 43
قریش کا ابو طالب کی جانب وفد بھیجنا 46
ولید ابن مغیرہ کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت 47
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو گر کہا جانا 48
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لیے قریش کے مختلف طریقہ کار 52
قریش کا اسلام قبول کرنے والوں کو ستانا 56
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رسول اللہ ﷺ سے شکایت 61
پہلی ہجرت حبشہ کی طرف 63
ہجرتِ حبشہ کرنے والے مسلمانوں کی تعداد 66
قریش کے کفار کا سجدہ 66
مہاجرینِ حبشہ کی مکہ واپسی 69
قریش کی ابو طالب سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں گفت وشنید 70

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا 73
رسول اللہ ﷺ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے ہدایت کی دعا اور ان کا اسلام قبول کرنا 78
حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر دعاء نبوی کا اثر 79
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ 81
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کی قوت 83
عتبہ بن ربیعہ کا رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرنا 84
قریش کا معجزات کا مطالبہ 88
قرآنِ عظیم سب سے بڑا معجزہ 94
حبشہ کی طرف دوسری ہجرت 96
مہاجرینِ حبشہ کے بعض ناموں میں اختلاف 97
حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ذکر میں سہو 99
قریش کا مہاجرینِ حبشہ کا تعاقب 104
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حبشہ میں قیام 114
ظالمانہ بائیکاٹ 115
صحیفہ کو ختم کرنا اور بائیکاٹ کا خاتمہ 118
ابو طالب کی وفات 119
ابو طالب کے لیے نبی کریم ﷺ کی شفاعت 125
حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کی وفات 127
ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت 128

ابو طالب کی وفات کے بعد قریش کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو مزید اذیت 130
رسول اللہ ﷺ کا طائف کی طرف روانہ ہونا 139
مطعم بن عدی کی پناہ میں رسول اللہ ﷺ کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا 144
اسراء و معراج 145
اسراء و معراج کے وقت کے تعین میں اختلاف 147
اسراء و معراج جسم و روح کے ساتھ ہوا 148
اسراء و معراج کا واقعہ 151
انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت 153
بیت المقدس میں برتن پیش کیے جانے کا واقعہ 154
رسول اللہ ﷺ کا معراج O کے لیے آسمانوں کی طرف تشریف لے جانا 155
رسول اللہ ﷺ کا دوسرے آسمان کی طرف صعود 157
رسول اللہ ﷺ کا چوتھے آسمان کی طرف صعود 159
رسول اللہ ﷺ کا پانچویں آسمان کی طرف صعود 159
رسول اللہ ﷺ کا چھٹے آسمان کی طرف صعود 160
رسول اللہ ﷺ کا ساتویں آسمان کی طرف صعود 160
بیت المعمور کے پاس برتن پیش کیے جانے کا واقعہ 162
سدرۃ المنتہیٰ 163
رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حقیقی صورت میں دیکھنا 165
رسول اللہ ﷺ کا جنت میں داخل ہونا 167

رسول اللہ ﷺ کا نہرِ کوثر کا مشاہدہ 168
رسول اللہ ﷺ کی اپنے رب سے ملاقات ○ اور نمازوں کی فرضیت ○ 170
راجح قول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شبِ معراج اپنے رب تعالیٰ کو نہیں دیکھا 172
رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ واپسی اور لوگوں کو واقعۂ اسراء کے بارے میں بتانا 176
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے واقعۂ اسراء کی تصدیق کرنا 180
اوقاتِ نماز کی تعلیم کے لیے وحی کا نزول 184
چاند کا شق ہونا 187
نبی کریم ﷺ کا عرب کے قبائل کے سامنے اپنی دعوت پیش کرنا 189
حضرت ایاس بن معاذ اشہلی رضی اللہ عنہ کا اسلام 191
انصار رضی اللہ عنہم کے اسلام کا آغاز 193
خزرج کے معزز افراد کے نام 195
بیعتِ عقبہ اولیٰ 197
بیعتِ عقبہ اولیٰ کی شرائط 200
حضرت مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما کو مدینہ روانہ کرنا 202
بیعتِ عقبہ ثانیہ 204
مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ○ کی اجازت 212
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مسلسل ہجرت 215
قریش کا دار الندوہ میں اجتماع 217
اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول ﷺ کو قریش کے مکر سے آگاہ کرنا 219

ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام 221
نبی کریم ﷺ کی ہجرت 222
عبداللہ بن اریقط ؓ کو راستہ بتانے کے لیے اجرت پر مقرر کرنا 224
مشرکین کا رسول اللہ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کرنا 225
رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا غارِ ثور کی طرف روانہ ہونا 226
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی نبی کریم ﷺ کی خدمت 228
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا بکریاں چرانا 229
مشرکین کا نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھی کی تلاش میں نکلنا 231
جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تھے 233
مدینہ منورہ کی طرف راستہ 236
راستے میں پیش آنے والے واقعات 237
چرواہے اور دودھ پلانے کا واقعہ 239
سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنا 241
اعرابی کا واقعہ اور اس کا اسلام قبول کرنا 245
رسول اللہ ﷺ کا حضرت ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے گزرنا 247
ہجرت کا پہلا سال 250
رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی کا قباء پہنچنا 250
مسجد قباء کی تعمیر اور اس کی فضیلت 252
رسول اللہ ﷺ کا قباء سے روانہ ہونا اور مدینہ منورہ میں داخل ہونا 254

مدینہ منورہ الگ الگ بستیوں پر مشتمل تھا 258
مدینۂ نبوی کے فضائل 259
مسجدِ نبوی کی تعمیر 259
ازواجِ مطہرات کے حجرات کی تعمیر 262
مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات 264
اذان ؓ کی مشروعیت 267
حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کا خواب 269
بستیوں میں مساجد بنانے کا حکم 273
رسول اللہ ﷺ کا صحیفہ لکھنا اور یہودیوں سے معاہدہ کرنا 275
غزواتِ ؓ نبویہ 278
سریۂ سیف البحر 281
حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ کا سریہ رابغ کی طرف 282
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا سریہ خرّار ؓ کی طرف 282
ہجرت کا دوسرا سال 284
غزوۂ ابواء یا غزوۂ ودّان ؓ 284
غزوۂ بواط ؓ 285
غزوۂ عشیرہ ؓ 286
غزوۂ سفوان ؓ یا بدرِ اولیٰ 287
حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا سریہ نخلہ ؓ کی طرف 288

تحویلِ قبلہ 291
رمضان کے روزوں کی فرضیت 294
غزوۂ بدرِ کبریٰ 296
غزوۂ بدر کا سبب 297
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو روانگی کی ترغیب 297
رسول اللہ ﷺ کی روانگی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد 299
جھنڈوں اور پرچموں کی تقسیم 302
امیہ بن خلف کا قتل کے خوف میں مبتلا ہونا 303
رسول اللہ ﷺ کو قریش کے نکلنے کی اطلاع ملنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا 306
مسلمانوں کا بدر کے قریب وادی کے ایک کنارے اور کفار کا دوسرے کنارے پر اترنا 310
رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدر کی طرف روانہ کرنا 312
دونوں لشکروں پر بارش کا نزول 315
عریش کی تعمیر اور مسلمانوں کے لشکر کی صف بندی 317
اونگھ کا طاری ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا نماز پڑھنا 318
مشرکین کے لشکر کا وادیِ بدر میں پہنچنا 319
مبارزت (جنگ کی ابتداء) 320
جنگ کا آغاز، نبی کریم ﷺ کا اپنے رب سے دعا اور فریاد کرنا 324
فرشتوں کا نزول 325
کافروں کی شکست 329

نبی کریم ﷺ کا کافروں کی لاشوں کے پاس کھڑا ہونا 330
اہلِ مدینہ کو فتح کی خوشخبری دینا 332
نبی کریم ﷺ کا قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آنا 333
سورۃ الانفال ○ کا نزول 334
اہلِ بدر کی فضیلت 334
غزوۂ بنو سلیم 338
غزوۂ بنو قینقاع 339
بنو قینقاع کا محاصرہ اور پھر ان کی جلاوطنی 341
غزوۂ سویق ○ یا قرقرۃ الکدر ○ 342
غزوے کا سبب 343
نبی کریم ﷺ کا ابو سفیان کے تعاقب میں نکلنا 343
ہجری کا تیسرا سال 344
غزوۂ ذی اَمر ○ یا غزوۂ غطفان ○ 344
غزوۂ اُحد ○ 345
غزوے کا سبب 346
قبائل کو ابھارنا اور کفار کے لشکر کی تعداد 348
جبیر بن مطعم اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا قتل 349
رسول اللہ ﷺ کی طرف حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا خط ○ 350
رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا 351

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے جو غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے 353
رسول اللہ ﷺ کا اُحد کی طرف روانہ ہونا 356
کم سنی کی وجہ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو واپس کرنا 357
عبداللہ بن اُبی ○ اور اس کے ساتھیوں کی بغاوت 359
بنو سلمہ ○ اور بنو حارثہ کا منافقین سے متاثر ہونا 361
رسول اللہ ﷺ کا اُحد کی طرف اپنا سفر جاری رکھنا 362
رسول اللہ ﷺ کا اپنے لشکر کو ترتیب دینا اور تیر اندازوں کو وصیت کرنا 363
رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتال پر ابھارنا 365
مشرکین کے لشکر کی ترتیب 366
قتال کا آغاز اور مشرکین کے علم برداروں کا قتل 367
حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی شدتِ قتال 368
حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی شہادت 369
مسلمانوں کی زبردست فتح 370
تیر اندازوں کا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنا 371
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا مسلمانوں کے گرد گھوم کر حملہ کرنا اور مسلمانوں کا اضطراب 374
حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما کے والد حضرت یمان رضی اللہ عنہ کا غلطی سے قتل ہونا 376
حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی شہادت 377
حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور فرشتوں کا انہیں غسل دینا 378
رسول اللہ ﷺ کا ثابت قدم رہنا 379

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رسول اللہ ﷺ کا دفاع کرنا 381
فرشتوں کا نزول 383
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نبی کریم ﷺ کے گرد جمع ہونا 384
رسول اللہ ﷺ کا اُبی بن خلف کو قتل کرنا، اللہ اسے بدترین سزا دے 385
رسول اللہ ﷺ کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے ساتھ پہاڑ کی طرف لے جانا 387
رسول اللہ ﷺ کا پہاڑ میں موجود چٹان پر چڑھنا 388
مشرکین کا آخری حملہ 389
معرکے کے اختتام پر ابوسفیان کا خوشی کا اظہار 391
مشرکین کا آئندہ سال بدر میں ملاقات کا وعدہ کرنا 393
مسلمانوں کا اپنے شہداء کا معائنہ اور تدفین 395
شہدائے اُحد کی فضیلت 397
غزوۂ اُحد کے شہداء کی تعداد 399
مشرکین کے مقتولین کی تعداد 400
رسول اللہ ﷺ کا اپنے رب عزوجل کی حمد وثنا بیان کرنا 400
رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی 402
غزوۂ حمراء الأسد 403
اس غزوے کا سبب 404
رسول اللہ ﷺ کا حمراء الاسد پہنچنا 405
حمراء الاسد کے بارے میں آیات کا نزول 407

ہجری کا چوتھا سال 408
غزوۂ اُحد اور غزوۂ خندق کے درمیان اہم سرایا اور مہمات 408
حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کا بنو اسد کی طرف سریہ 408
حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات 409
حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا سریہ 410
سریۂ رجیع 412
بئرِ معونہ کا المناک واقعہ یا سریۂ قراء 418
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بئرِ معونہ پہنچنا 420
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت 422
حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی مدینہ منورہ واپسی 425
بنو عامر کے دو آدمیوں کا قتل 426
غزوۂ بنو نضیر 427
بنو نضیر کا محاصرہ اور ان کا ہتھیار ڈال دینا 432
اسلام میں سب سے پہلا مالِ فَے 435
سورۃ الحشر کا نزول 438
غزوۂ بدر الآخرہ 439
ہجری کا پانچواں سال 440
غزوۂ خندق یا غزوۂ اَحزاب 440
غزوۂ خندق کا سبب 440

احزاب کے لشکر کی تعداد اور ان کی روانگی 441
رسول اللہ ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ اور خندق کھودنا 441
خندق کھودنے کے دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شدید بھوک اور سردی کا سامنا 444
خندق کی کھدائی کی تکمیل 446
احزاب کا مدینہ منورہ پہنچنا اور خندق دیکھ کر حیران ہونا 447
بنو قریظہ کا عہد توڑ دینا 448
نبی کریم ﷺ کا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بنو قریظہ کے پاس بھیجنا 450
سعدین رضی اللہ عنہما کو بنو قریظہ کے پاس بھیجنا 452
خوف کی شدت اور نفاق کا ظاہر ہونا 453
نبی ﷺ کا غطفان سے مصالحت کی کوشش کرنا 455
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا زخمی ہونا 456
جھڑپوں کا جاری رہنا اور نماز کا وقت نکل جانا 459
حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو احزاب کے لشکر کی خبر معلوم کرنے کے لیے بھیجنا 466
رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اپنے گھروں کو واپسی 468
غزوۂ بنو قریظہ ○ 470
بنو قریظہ کی طرف رسول اللہ ﷺ کی روانگی 472
بنو قریظہ کا محاصرہ 474
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی آمد اور بنو قریظہ کے بارے میں ان کا فیصلہ 477
بنو قریظہ کے بارے میں فیصلے کا نفاذ 480

بنو قریظہ کی عورتوں میں سے صرف ایک عورت قتل کی گئی 482
عظیم سردار حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات 483
سورۃ الأحزاب کا نزول 487
رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح 488
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام 490
رسول اللہ ﷺ کا حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے موقع پر ولیمہ ○ 495
نزولِ حجاب 496
ہجرت کا چھٹا سال 499
دعوتِ اسلامی کا ایک نیا مرحلہ 499
حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کا سریہ، سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے لیے 500
حضرت سلام بن ابی الحقیق کے قتل کا واقعہ 501
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا سریہ عیص ○ کی طرف 505
حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی مکہ واپسی اور اسلام قبول کرنا 507
کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں نئے عقد کے ساتھ واپس کیا؟ 508
سریۂ خبط ○ 512
سریۂ خبط سے حاصل ہونے والے فوائد 516
اس سریے کی تاریخ کے بارے میں اہلِ مغازی کا وہم 517
غزوۂ مرَیسیع ○ یا غزوۂ بنو مصطلق ○ 522
اس غزوے کا سبب 525

نبی کریم ﷺ کا ان کی طرف روانہ ہونا 525
کیا اس غزوے میں جنگ ہوئی تھی؟ 526
رسول اللہ ﷺ کا حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے نکاح 530
منافقین کی جانب سے فتنہ برپا کرنے کی کوشش 532
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا اس سے متعلق خبر دینا 535
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں وحی کا نزول 538
واقعۂ اِفک 540
وفد عرینہ کی آمد 542
غزوۂ حدیبیہ 547
غزوۂ حدیبیہ کا سبب 549
رسول اللہ ﷺ کے ساتھ روانہ ہونے والوں کی تعداد 551
رسول اللہ ﷺ کا میقات سے احرام باندھنا 552
قریش کے لشکر کا مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے جمع ہونا 554
نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنا 556
رسول اللہ ﷺ کا حدیبیہ میں قیام 558
بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ کی وساطت 561
حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش کے پاس بھیجنا 563
بیعتِ رضوان 565
بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت 567

مشرکین کی ایک جماعت کا گرفتار کیا جانا ○ 568
ان کی گرفتاری کب عمل میں آئی؟ 571
صلح حدیبیہ 573
نبی کریم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو احرام کھولنے کا حکم دینا 578
فدیہ کی آیت کا نزول 581
عمرۂ حدیبیہ میں احصار 583
اس صلح پر مسلمانوں کا غم 585
رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی اور سورۂ فتح کا نزول ○ 588
صلح حدیبیہ: عظیم ترین فتح 590
ہجرت کا ساتواں سال 592
بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام رسول اللہ ﷺ کے دعوتی خطوط 592
رسول اللہ ﷺ کا اپنے خطوط کے لیے مہر بنوانا 594
رسول اللہ ﷺ کا نجاشی اصحمہ ○ رضی اللہ عنہ کے نام خط 596
نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے نام خط اور ان کا ہدیہ 602
نجاشی اصحمہ رضی اللہ عنہ کی وفات 604
رسول اللہ ﷺ کا دوسرے نجاشی کے نام خط 606
رسول اللہ ﷺ کا کسریٰ ○ کے نام خط 608
رسول اللہ ﷺ کا قیصر ○ کے نام خط 611
رسول اللہ ﷺ کا مقوقس ○ کے نام خط 617

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے فارس، روم اور مصر کی فتح کی بشارت 619
غزوۂ ذی قَرَد ○ یا غزوۂ غابہ ○ 623
غزوۂ ذی قَرَد کا سبب 624
سلمہ رضی اللہ عنہ کا غطفان کا تعاقب کرنا 626
رسول اللہ ﷺ کا دشمن کے تعاقب میں روانہ ہونا 628
غزوۂ خیبر ○ 633
غزوۂ خیبر کا سبب 634
خیبر کی فتح کی ربانی بشارت 634
رسول اللہ ﷺ کا خیبر کی طرف روانہ ہونا 636
رسول اللہ ﷺ کا خیبر کی طرف سفر 638
مسلمانوں کا خیبر پہنچنا اور دشمن پر حملہ کرنا 641
خیبر کے قلعے 644
جنگ کا آغاز اور قلعۂ ناعم کی فتح 644
حضرت ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں خیبر کی فتح 648
قلعۂ صعب بن معاذ کی فتح 651
قلعۂ زبیر کی فتح 655
کیا کسی شخص کو "شہید" کہا جاسکتا ہے؟ 656
قلعۂ اُبَی کی فتح 658
قلعۂ نِزار کی فتح 658

کیاقلعۂ کُتَیبَہ کے قلعے صلح کے ذریعے فتح ہوئے تھے؟ 659
خیبر کی عظیم غنیمتیں 666
مہاجرین کاانصار کی عطا کردہ منیحات واپس کرنا 668
حبشہ سے مہاجرین کی واپسی اور اشعریین کی آمد 669
دوسیوں کی آمد 672
رسول اللہ ﷺ کا حضرت صفیہ بنت حُیَی رضی اللہ عنہا کو آزاد کرنا 674
کیالونڈی کو آزاد کرنا ہی اس کا مہر قرار دینا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خاص تھا؟ 676
رسول اللہ ﷺ کا حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے رخصتی فرمانا 678
زہر آلود بکری کا واقعہ 681
رسول اللہ ﷺ کی شہ رگ کا متاثر ہونا 684
کیا رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت حارث کو قتل کیا تھا؟ 686
زہر آلود بکری کے واقعے سے حاصل ہونے والے فوائد 688
یہودِ فدک کے ساتھ صلح 689
وادی القریٰ کا محاصرہ اور مِدْعَم ؓ کا واقعہ 691
رسول اللہ ﷺ کی فتح و نصرت کے ساتھ مدینہ منورہ واپسی 694
لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی فضیلت کا بیان 694
جبلِ اُحد اور مدینہ نبویہ کی فضیلت 695
غزوۂ ذات الرقاع ؓ یا غزوۂ نجد ؓ 699
اس غزوے کا سبب 703

رسول اللہ ﷺ کا ان کے مقابلے کے لیے روانہ ہونا 703
رسول اللہ ﷺ کی مدینہ منورہ واپسی اور راستے میں پیش آنے والے واقعات 704
غورث بن حارث کا واقعہ اور نمازِ خوف کا واقعہ 704
حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ اور سورۂ کہف 707
عمرۃ القضاء یا عمرۃ القضیۃ 717
اس عمرے کا سبب 720
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرے کی ادائیگی کے لیے روانہ ہونا 721
قریش کی طرف سے پھیلائی گئی افواہ 722
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا 723
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قربانی کرنا اور احرام کھولنا 727
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ سے روانہ ہونا 729
حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ 731
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح 733
ہجرت کا آٹھواں سال 737
غزوۂ مؤتہ 737
غزوۂ مؤتہ کا سبب 738
جیشُ الْاُمراء کی تیاری 739
مؤتہ کی طرف جیشُ الْاُمراء کی روانگی 740
مسلمانوں کا رومیوں اور غسانیوں سے مقابلے کے بارے میں باہمی مشورہ 741

جیشُ الْاُمراء کی دشمن کی طرف پیش قدمی 742
جنگ کا آغاز اور امرا کی یکے بعد دیگرے قیادت سنبھالنا 743
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم 743
حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم 744
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں اسلامی پرچم 747
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تینوں امیروں کی شہادت کی خبر دینا 748
پرچم حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے سپرد 750
حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بہادری اور شدتِ قتال 752
اس عظیم معرکے میں فتح کس کو حاصل ہوئی؟ 753
حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے اہلِ خانہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی 756
سریۂ ذات السلاسل ○ 759
اس سریے کا سبب 761
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرنا 761
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لیے مزید کمک روانہ کرنا 762
حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی فقاہت 764
احتلام ہونے کے بعد تیمم کر کے لوگوں کو نماز پڑھانا 764
آگ جلانے اور دشمن کا تعاقب کرنے سے روکنا 765
نبی کریم ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب لوگ 766
فتحِ عظیم: فتحِ مکہ (شرفھا اللہ) 768

فتحِ عظیم کی تاریخ 769
فتحِ عظیم کا سبب 771
رسول اللہ ﷺ تک خبر پہنچنا 772
رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تیاری اور اس معاملے کو پوشیدہ رکھنا 775
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا اہلِ مکہ کے نام خط 776
نبی کریم ﷺ کی مدینہ منورہ سے روانگی اور روزہ افطار کرنا 779
قریش کا حالات وواقعات کی خبر معلوم کرنے کے لیے نکلنا اور ابوسفیان کا اسلام قبول کرنا 786
ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا مکہ واپس آنا اور اہلِ مکہ کو ہتھیار ڈالنے کی نصیحت کرنا 793
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلے کے لیے لشکر کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنا 794
مسلمانوں کے دستوں کا مکہ مکرمہ میں داخل ہونا 799
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ، شَرَّفَهَا اللہ، میں داخل ہونا 800
بیت اللہ کو بتوں سے پاک کرنا 803
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کعبہ میں داخل ہونا اور اسے تصاویر سے پاک کرنا 804
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ اور اہلِ مکہ کو معاف فرمانا 810
فتحِ مکہ کے اگلے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ 816
فتحِ مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت 819
فتحِ مکہ اور عرب قبائل پر اس کے اثرات 820
غزوۂ حنین ○ 823
غزوۂ حنین کا سبب 824

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ رضی اللہ عنہ کو بھیجنا 825
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ حنین کی طرف روانہ ہونا 826
ذاتُ أَنْواط نامی درخت 829
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبروں کا آپ کو خبریں پہنچانا 830
مسلمانوں کا وادیِ حنین میں اترنا اور ان کا شکست کھا کر پیچھے ہٹنا 833
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثابت قدم رہنا 835
فرشتوں کا نزول 839
غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت جمع کرنا 842
ہوازن کا وادیِ اوطاس کی طرف پسپا ہونا 843
غزوۂ طائف 846
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طائف کی طرف روانہ ہونا 847
اہلِ طائف کے لیے ہدایت کی دعا 849
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی اور غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم 850
انصار رضی اللہ عنہم کی ناراضگی 855
ہوازن کے وفد کا مسلمان ہو کر حاضر ہونا 860
جِعرانہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمرہ ادا کرنا 864
مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اسید ؓ رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کرنا 866
ہجرت کا نواں سال 867
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقات وصول کرنے کے لیے اپنے عاملین مقرر فرمانا 867

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صدقے کے مال میں خیانت کرنے سے تنبیہ 871
غزوۂ تبوک یا غزوۂ عُسرہ 872
غزوۂ تبوک کا سبب 873
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطور قائد 877
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کو رومیوں کے خلاف غزوے کے لیے تیار کرنا 878
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے لشکرِ عسرت کے لیے مالی تعاون کی ترغیب 880
مال دار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مالی تعاون میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا 880
ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ 881
عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا مالی تعاون 882
عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مالی تعاون 883
ایک صاع خرچ کرنے والے اشخاص کا تذکرہ 883
اللہ تعالیٰ کی جانب سے اعراب اور منافقین کی سرزنش 885
بعض سچے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا پیچھے رہ جانا 887
مسلمانوں کے لشکر کی تعداد 888
محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین مقرر کرنا 889
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہلِ خانہ کے لئے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین مقرر فرمانا 890
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روانہ ہونا اور قومِ ثمود کے علاقوں سے گزرنا 892
معجزات کا ظاہر ہونا 894
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبوک پہنچنا 899

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ واپسی 905
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش 905
اہلِ مدینہ کا استقبال 911
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجدِ ضرار کو جلانے کا حکم 912
پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل 914
غزوۂ تبوک کے بارے میں قرآنِ کریم کی نازل ہونے والی آیات 915
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حج کا امیر مقرر کرنا 917
حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت دے کر بھیجنا 919
عام الوفود (وفود کا سال) 922
وفدِ بنی تمیم 928
وفدِ بنی حنیفہ 930
وفدِ نجران 933
ان کے ساتھ حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا بھیجا جانا 936
حضرت ضمام ؓ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی آمد 938
وفد قبیلہ بَجِیلہ ؓ 943
حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن ؓ بھیجنا 947
دنیا میں آخری الوداع 949
ہجرت کے دسویں سال 951
حجۃ الوداع ؓ 951

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی اطلاع لوگوں کو دینا 953
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی ازواجِ مطہرات کا روانہ ہونا 957
میقات ذوالحلیفہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اور احرام 958
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام کے لیے غسل فرمانا 961
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی تلبیہ 968
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حج کو عمرے میں تبدیل کرنے کا حکم دینا 971
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجدِ حرام میں داخل ہونا، طواف کرنا اور سعی کرنا 974
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کو احرام کھولنے کا حکم دینا 979
صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے احرام کھولنے میں تردد کا سبب 982
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں قیام 982
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا منیٰ کی طرف روانہ ہونا 984
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عرفات کی طرف روانہ ہونا 985
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے ادا کرنا اور عرفات میں وقوف فرمانا 990
اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ کا نزول 993
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرفات سے مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا 995
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشعرِ حرام ○ میں وقوف فرمانا، پھر منیٰ کی طرف روانہ ہونا 1000
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رمیِ جمرات کی کنکریاں جمع کرنا 1002
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منیٰ میں قربانی کی جگہ کی طرف روانہ ہونا 1005
قربانی کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ 1007

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرِ مبارک کے بال منڈوانا 1010
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوافِ افاضہ کرنا اور منیٰ میں قیام فرمانا 1014
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مُحَصَّب ○ میں قیام اور طوافِ وداع 1019
حائض عورت کے لیے طوافِ وداع چھوڑنے کی رخصت 1023
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ واپسی اور آبِ زمزم ساتھ لے جانا 1024
حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو اُبنیٰ ○ کی طرف روانہ کرنا 1025
سنہ ۱۱ ہجری 1028
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز 1028
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے آغاز کی تاریخ 1029
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تیمارداری 1031
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت 1034
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''مجھ پر سات مشکوں سے پانی بہاؤ'' 1036
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے امامت 1041
حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کتنی نمازیں پڑھائیں؟ 1044
آخری وصیتیں 1045
آخری نظر 1047
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اجازت طلب کرنا 1048
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی شدت 1050
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 1051

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت اور عمرِ مبارک 1054
سانحے کی ہولناکی 1058
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آمد 1059
لوگوں کے سامنے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ 1061
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین (غسل اور کفن) 1063
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ جنازہ 1067
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین 1068
کفن اور قبر کے سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص 1072

